سفر نامہ ابن بطوطہ

مترجم: مولوی محمد حسینؒ



عجائب الاسفار

المعروف بنام

سفر نامہ ابن بطوطہ

عجائب الاسفار

المعروف

سفر نامہ ابن بطوطہ

ترجمہ مع حواشی و تعلیقات

از

خان بہادر مولوی محمد حسین صاحب ایم۔اے
سی۔آئی۔ای (ریٹائرڈ سیشن جج)

عاکف بکڈپو
(پبلیشرز، بکسیلرز، و لائبریری سپلائرز)
۲۳۳۷، ضیا محل، دہلی۔۶ (فون: ۳۲۶۵۳۸۰)

هو الذي يسيركم في البر والبحر

عجائب الاسفار

یعنی

شیخ ابن بطوطہ کا سفرنامہ

جس میں ہندوستان و مالدیپ و بنگالہ و چین و عرب

و ایران و شام و مصر و ہسپانیہ و مراکو و سوڈان کے سفر کا بیان ہے

مترجمہ

خان بہادر مولوی محمد حسین صاحب ایم اے۔ سی آئی ای

ریٹائرڈ سشن جج

جس میں مصنف کے بیانات کی تائید و تصحیح از تاریخ ہسپانیہ و عربی و انگریزی و

فارسی [illegible] کے [illegible] کی گئی ہے

حسب فرمائش شیخ [illegible] تاجران کتب دہلی

۱۹۱۳ء

نام کتاب	عجائب الاسفار۔ المعروف "بنام سفر نامہ ابن بطوطہ"
مصنف	شیخ ابن بطوطہ
مترجم	خان بہادر مولوی محمد حسین
اشاعت اول	(فارسی) ۱۷۹۸ء
اشاعت دوم	(اردو۔ دہلی) ۱۹۰۶ء
اشاعت سوم	(اردو۔ دہلی) ۱۹۱۳ء
اشاعت چہارم	(اردو۔ لاہور) ۱۹۹۶ء
اشاعت پنجم	(اردو۔ دہلی) ۱۹۹۸ء
اشاعت ششم	(اردو۔ دہلی) ۲۰۰۰ء
قیمت	-/۲۰۰ روپے
طابع	جے۔ آر آفسیٹ پرنٹرز نئی دہلی۔ ۲
ناشر	عاکف بک ڈپو، ۳۴۷۳ ضیا محل دہلی۔ ۶

اچھی کتاب ایک تہذیبی اثاثہ ہوتی ہے۔ "سفرنامہ ابن بطوطہ" دنیا کی مشہور کتابوں میں سے ایک ہے۔ ہماری تاریخ کے بہت سے حوالے اسی سفرنامہ کے مرہون منت ہیں۔

ناشر

فہرست

باب ۶ مشہور واقعات ۱۷۷

باب ۷ اپنے حالات ۲۱۸

باب ۸ دہلی سے مالابار کا سفر ۲۵۵

باب ۱۸ سوڈان ۴۹۰

تمہید

اس کتاب میں، جو میں نے اپنے اہل ملک کے لیے عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرنے کی جرات کی ہے، "اس زمانہ کے ایک مسلمان مسافر کے سفر کا بیان ہے، جس کو اسلامی تہذیب کی آخری صدی کہنا چاہیے۔ یہ ہجری کی آٹھویں صدی اور تاریخ مسیحی کی چودھویں صدی تھی۔ یہ صدی دنیا کی تاریخ میں ایک نہایت اہم عنصر ہے کیونکہ جیسا کہ اس صدی کو اسلامی تہذیب کے تنزل کا شروع کہہ سکتے ہیں، اسی طرح یہ صدی یورپ کی تہذیب کی ترقی کا آغاز بھی جاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم تھیں کیونکہ میں ابھی ثابت کروں گا کہ ان دونوں کا باعث ایک ہی انقلاب تھا، جس نے دنیا کے چہرہ کو بالکل بدل دیا۔ میں نے ارادتاً" یہ نہیں کہا کہ یہ صدی اسلامی طاقت کے تنزل کا شروع تھا کیونکہ اس کے بعد جو تین صدیاں گزری ہیں، ان میں اسلامی طاقت اپنے عروج پر تھی۔ اسلام کی تاریخ میں پہلے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا تھا جو شہنشاہ اکبر گورگانی، سلطان سلیمان خاں عثمانی، شاہ طہماسپ صفوی اور ان کے ایک سے ایک بڑھ کر لائق جانشینوں کا مرقع دکھا سکتا ہو۔ یورپ میں ملکہ الزبتھ اور شہنشاہ چارلس پنجم اور فرانسس شاہ فرانس ان کے ہم عصر اور اپنے زمانہ کے بڑے طاقتور بادشاہ سمجھے جاتے تھے، لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ دولت اور طاقت میں ہرگز ان اسلامی بادشاہوں کے ہم پلہ نہ تھے اور مسیحی قومیں اس وقت تک نہ تو طاقت میں، نہ تہذیب میں، نہ علوم میں،

تہذیب اور علوم کی تحصیل کا شوق گھٹتا گیا۔ چونکہ میں نے اسلام کی تعلیم اور تہذیب کے تنزل کے تعلق کے قیاس کو ایک جھوٹا قیاس ثابت کر دیا ہے، اس لیے میں اب بتاؤں گا کہ اسلامی ممالک کی تہذیب کی ترقی اور تنزل کا اصلی باعث کیا تھا اور اس تہذیب کی کنجی کیا تھی۔ اس کا جواب ایک بہت چھوٹا لفظ ہے یعنی تجارت، لیکن یہ جواب شرح طلب ہے۔ وہ ملک جس میں اسلام پیدا ہوا اور جس میں اس نے نشو و نما پائی، ایک ایسا ملک تھا جہاں ایشیا اور افریقہ اور یورپ یعنی پرانی دنیا کے تینوں براعظم ملتے تھے۔ یہ ملک اسلامی دنیا کے جسم میں دل کا کام دیتا تھا اور تمام اسلامی دنیا کے جسم کی شریانیں اس سے پیوستہ تھیں۔ یہ .. ملک تھا کہ جس میں اول ہی اول دنیا کی تہذیب کی پیدائش ہوئی، جس کا سبب اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ تینوں براعظم کی تجارت کا مرکز تھا۔ اس دعویٰ کے لیے کہ تجارت سے بڑھ کر تہذیب کے پھیلانے کا ذریعہ کوئی اور پیشہ دنیا میں نہیں ہو سکتا، کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ اس کو ہر ایک شخص تسلیم کرے گا۔ تجارت کی ترقی، غیر ملکیوں سے ارتباط، خیالات کا مبادلہ اور خیالات کی توسیع، علوم کی ترقی، ترقی کا شوق، شوق میں ایک کا دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کرنا اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے نئے نئے ایجاد اور دریافت میں سعی کرنا، ایسے مسلسل واقعات ہیں کہ ایک سے دوسرا بطور علت و معلول کے خود بخود پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور اسی لیے میں نے تجارت کو تہذیب کی کنجی کہا ہے۔ جب تک تجارت کا ذریعہ فقط خشکی کے رستے تھے، چین اور ہندوستان اور جزائر ہند چینی کی اشیا یورپ اور افریقہ میں فقط ایک رستہ سے جا سکتی تھیں۔ شام یا مصر یا اناطول کے کسی بندرگاہ یا شہر سے لے کر خلیج فارس یا عرب کے بندر تک یا خراسان کے کسی شہر میں سے اشیا تجارت اور قافلوں کا گزرنا لابد تھا اور اسی لیے خشکی کی تجارت کے لندن اور ہیمبرگ اور مارسیلز اور لورپول قدیم زمانہ میں بابل اور نینوا اور اسکندریہ اور صور اور اسلامی زمانہ میں کوفہ، بصرہ، بغداد اور قاہرہ اور دمشق تھے اور جیسے کہ پہلے زمانہ کی تہذیب کے لیے صور اور بابل اور نینوا اور اسکندریہ تہذیب اور علوم کے مرکز سمجھے جاتے تھے، ایسے ہی اسلامی زمانہ میں دمشق اور بغداد اور بصرہ اور مرو اور ہرات اور قرطبہ اور بخارا نہ فقط تجارت کے مرکز، بلکہ تہذیب اور علوم اسلامیہ کے مخزن تھے۔ اسلام کے ظاہر ہونے کے بعد مذہب اور زبان کی یگانگی نے جو خیالات کے مبادلہ کا ذریعہ تھا، اس قدرتی موقع کی خوبی کو اور بھی زیادہ مفید بنا دیا تھا۔ اس زمانہ میں اسلامی قافلے اور جہاز قرطبہ سے لے کر چین کے مشرقی ساحل تک تمام سمندر اور خشکی کو اپنا جولان گاہ سمجھتے تھے اور کوئی اور قوم ان کا مقابلہ کرنے والی نہ تھی، چنانچہ عرب اور ایران کی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ

غرض کسی بات میں اسلامی دنیا کا مقابلہ نہ کر سکتی تھیں۔ مگر اس زمانہ میں تہذیب کی کنجی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلی جاتی تھی اور تماشا یہ تھا کہ ان کو نہ یہ پتہ لگا کہ کنجی ہاتھ سے نکلی جاتی ہے اور نہ یہ پتا لگا کہ وہ کنجی کیا چیز ہے۔ اس موقع پر ایک نہایت مشکل سوال پیدا ہوتا ہے، جس نے اچھے اچھے اہل الرائے کی عقل کو چکر میں ڈالا ہوا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں تہذیب کے تنزل کا کیا باعث ہوا۔ اکثر ناواقف اور سرگرم عیسائی مصنف یورپ کی تہذیب کو عیسائی مذہب کی تعلیم کے اچھا ہونے اور اسلامی ممالک کے تنزل کو اسلام کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی شخص، جو اسلامی اور مسیحی ممالک کی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہوگا، وہ فوراً بول اٹھے گا جیسے کہ بعضے مسیحی مصنف بھی کہے بغیر نہیں رہ سکے کہ یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے۔ تاریخ اس کو صاف جھٹلاتی ہے، بلکہ بالکل اس کے برعکس ظاہر کرتی ہے اور تاریخ سے زیادہ تر معتبر اور کوئی گواہ ملنا مشکل ہے۔ قیاس اور دلیل اس کے سامنے ہیچ اور فضول ہیں۔ یہ منطق کا مسلم مسئلہ ہے کہ علت اور معلول کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیے۔ سبب کے فوراً بعد ہی اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے یا قرین عقل وقفہ کے بعد، اور اگر ان کے درمیان کوئی غیر معقول وقفہ ہے اس معلول کی علت کوئی اور ہونی چاہیے۔ دین مسیحی کے دخول نے یونان اور روما کی موجودہ تہذیب اور علوم کو بہت جلد بالکل نیست و نابود کر دیا اور آخر کار جنوبی یورپ کی وہ نوبت پہنچا دی کہ اب بھی اس کے مصنف اس کو تاریک زمانہ کہتے ہیں۔ یورپ میں دین مسیحی کے عروج اور دخول میں اور تہذیب کے آغاز میں چودہ سو سال کا وقفہ ہے۔ کوئی احمق سے احمق منطقی ان دونوں واقعات کو علت اور معلول قرار نہیں دے سکتا۔ اس کے برخلاف اسلامی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے دن کے اندر اس نے عرب کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر ان کے گھروں اور درباروں اور مجلسوں میں اس تہذیب اور تعلیم کو جگہ دی جس کو مسیحی دین کے تعصب اور تنگ خیالی نے یونان اور اطالیہ سے چوٹی پکڑ کر نکال دیا تھا۔ باوجودیکہ پہلی صدی میں چالیس سال تک بدقسمت خانہ جنگی نے ان کو فرصت نہ لینے دی اور پانچویں اور چھٹی اور ساتویں صدی میں یورپ کے جاہل جہادیوں نے ایک طرف اور وحشی تاتار کے اجڈ مغلوں اور ترکوں کے جان سوز حملوں نے دوسری طرف سے ان کو اچھی طرح سے سانس نہ لینے دیا اور تہذیب کی ترقی کو روکے رکھا، لیکن ان دونوں مصیبتوں کو وہ جھیل گئے، اگرچہ ان میں سے طاقت کچھ عرصہ کے لیے جاتی رہی مگر چونکہ تہذیب پھر بھی باقی تھی اور اس لیے طاقت کے پھر واپس آ جانے کی قوی امید تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آٹھویں، نویں اور دسویں صدی میں طاقت تو پہلے سے بھی زیادہ عود کر آئی لیکن

جس قدر مسلمان مصنف جغرافیہ پر لکھنے والے اور بڑے بڑے سیاح گزرے ہیں' وہ سب آٹھویں صدی تک ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن واضح کتاب البلدان کے مصنف نے ۲۷۷ھ میں' ابن خرداذبہ کتاب المسالک والممالک کے مصنف نے ۳۰۰ھ میں' ابو زید عبداللہ حسن سیرافی کتاب الہند والصین کے مصنف نے ۳۰۳ھ میں' ہمدانی کتاب جغرافیہ جزیرۃ العرب کے مصنف نے ۳۳۴ھ میں اور اصطخری کتاب الاقالیم کے مصنف نے ۳۴۰ھ میں اور مسعودی مروج الذہب کے مصنف نے ۳۴۶ھ میں' ابن حوقل موصلی کتاب الممالک والمسالک والمفاوز والمہالک کے مصنف نے ۳۵۸ھ میں اور علامہ بشاری کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم کے مصنف نے ۳۷۵ھ میں اور بیرونی کتاب الہند کے مصنف نے پانچویں صدی کے شروع میں اور ابو عبداللہ بکری کتاب معجم کے مصنف نے ۴۸۷ھ میں اور ادریسی کتاب نزہۃ المشتاق کے مصنف نے ۵۴۹ھ میں اور یاقوت حموی معجم البلدان کے مصنف نے ۶۲۶ھ میں اور سرخسی کتاب رحلۃ السرخسی کے مصنف نے ۶۵۳ھ میں اور ابن سعید اندلسی کتاب التحفۃ الملکیہ کے مصنف نے ۶۷۳ھ میں اور عبدری کتاب رحلۃ العبدری کے مصنف نے ۶۸۸ھ میں اور ابوالفدا تاریخ ابوالفدا و کتاب تقویم البلدان کے مصنف نے ۷۳۲ھ میں اور ابن الوردی کتاب خریدۃ العجائب کے مصنف نے ۷۴۹ھ میں اور خالد بن عیسیٰ ابوالبقا کتاب تاج المفرق فی تحلیۃ المشرق کے مصنف نے اور رشید الدین جامع التواریخ کے مصنف نے اور وصاف تاریخ وصاف کے مصنف نے اور ابن جبیر اندلسی اور ابن بطوطہ اس سفرنامہ کے مصنف نے آٹھویں صدی میں اپنی اپنی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے بعد چھ صدیوں میں کوئی ایسا مصنف یا سیاح نہیں گزرا جس نے غیر ملکوں میں سفر کیا ہو اور اپنے مشاہدہ سے جغرافیہ کے علم کو کوئی معتد بہ فائدہ پہنچایا ہو' بلکہ کسی اور علم کا بھی کوئی ایسا مصنف نہیں گزرا جس نے علم کی کسی شاخ میں کوئی نئی بات پیدا کی ہو۔ پچھلے مصنفوں کی نادانی اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ وہ متقدمین کے اقوال کو صحیح طور سے نقل بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان اقوال میں سے صحیح اور غیر صحیح کو پرکھنے کا مادہ تو کہاں باقی رہا تھا۔ یہ نام میں نے فقط مشہور مشہور مصنفوں اور سیاحوں کے لیے ہیں' جن کی کتابیں اب اہل یورپ کے طفیل سے ہمیں مل سکتی ہیں ورنہ ہمارے اسلامی ملکوں میں ان کے نام سے بھی کوئی اچھی طرح سے واقف نہیں۔ اور جیسا کہ زمانہ تاریک میں یونان اور روما کے فلسفہ اور علوم کی کتابیں مسلمانوں کے طفیل سے بچ گئی تھیں' اسی طرح ہمارے اسلامی ممالک کے تاریک زمانے میں یہ تمام کتابیں اور اسلامی حکمت اور طبیعیات' ریاضی اور ہیئت اور جغرافیہ اور تاریخ کی نایاب کتابیں اگر مل سکتی ہیں تو یورپ میں مل سکتی ہیں۔ ابن بطوطہ کے

زمانے تک اسلامی ممالک میں سفر اور تجارت کا اس قدر شوق تھا کہ ابن بطوطہ نے غرناطہ میں بخاریوں سے اور ہندوستان اور چین میں غرناطہ والوں سے ملاقات کی اور سبتہ واقع ملک مراکو کے باشندوں میں سے ایک بھائی اس کو چین کے شہر قن جن فو میں اور دوسرا سوڈان کے شہر سجلماسہ میں ملا تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان بہ خط مستقیم نو ہزار میل کا فاصلہ ہوگا۔ سیرافی نے' جو تیسری صدی میں تھا' لکھا ہے کہ فوچو کے شہر میں' جو چین میں واقع ہے' ایک بغاوت کے زمانے میں ڈیڑھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے' جو کل کے کل غیر ملکوں کے باشندے تھے۔ الغرض اس زمانے تک مشرق اور مغرب کی تجارت مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔ چودھویں صدی میں یورپ کی ان عالی ہمت قوموں نے' جن کے مسکن سمندر کے ساحل پر تھے' ایک ایسے رستے کی تلاش شروع کی' جس سے ان کو شام اور مصر اور ایران اور عرب کے تاجروں کا محتاج نہ ہونا پڑے اور آخرکار ۸۹۸ھ میں ایک پرتگیز واس کو ڈی گاما نے افریقہ کے گرد پھر کر کیپ کا راستہ دریافت کیا اور دوسرا شخص کولمبس ملک ہسپانیہ کی طرف سے ایک ایسے ہی دوسرے رستے کے لیے نکلا اور امریکہ کا براعظم اس کو اتفاق سے رستے میں مل گیا۔ اس کیپ کے رستہ نے فقط اسلامی ممالک کو اس مشرق اور مغرب کی فائدہ مند تجارت سے ہی محروم نہیں کیا' بلکہ تہذیب کی کنجی کو ان کے ہاتھ سے رفتہ رفتہ نکال دیا اور یہ ہی باعث ان کے افلاس اور ان کے علوم کے زوال اور پست ہمتی کا ہوا اور اسی تجارت کے مفقود ہو جانے سے اسلامی ملکوں میں جو باہمی آمد و رفت اور ارتباط تھا' وہ جاتا رہا۔ آٹھویں صدی تک اہل علم اور حضرات صوفیہ کی تعلیم کا یہ ایک جزو تھا کہ وہ غیر ملکوں میں سفر کریں۔ چین سے مغرب تک اور سیلان سے بلغار تک ہزاروں عالم' صوفی اور طالب علم' علم اور طریقت کی تلاش میں پھرتے تھے اور اپنے اپنے خیالات کا مبادلہ کرتے تھے۔ اسی مبادلہ کو علم کی توسیع کہتے ہیں' لیکن یہ سفر اور یہ مبادلہ ان دنوں میں کس لیے آسان اور ممکن تھا اور کچھ دنوں کے بعد کیوں مشکل بلکہ معدوم ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہی ہو سکتا ہے کہ آٹھویں صدی تک چین اور ہندوستان اور جزائر کی تجارت یورپ اور افریقہ کے ساتھ اسلامی ممالک کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ اہل علم اور اہل طلب قافلوں اور تاجروں کے جہازوں کے ساتھ پرانی دنیا کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارے تک بہ آسانی پہنچ جاتے تھے۔ چار سو سال ہوئے کہ کیپ کے گرد جہازوں کا رستہ دریافت ہو جانے سے وہ قدیم رستہ' جس کے سبب سے مغربی اور وسطی ایشیا تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا' متروک ہو گیا اور جو واقعہ اسلامی ممالک کے تنزل کا باعث ہوا' وہی یورپ کی تہذیب اور ترقی کا باعث رہا۔ اسی راستہ کے زعم پر پرتگیزوں نے' جو اس بحری تجارت کے اول بدرقہ تھے' مسلمانوں کے

تاجروں اور جہازوں کو ہر جگہ لوٹنا ثواب کا کام سمجھا اور بدقسمتی سے اسلامی ممالک میں بھی ان دنوں میں صفویوں کے تعصب نے ایران کو زبردستی شیعہ بنانے اور سنی علما اور صلحا اور خاندانوں کو قتل اور جلاوطن کرنے سے اس ملک کو، جو مشرق اور مغرب کے درمیان واسطہ تھا، تمام اسلامی دنیا کا دشمن بنا دیا اور مشرق اور مغرب کے مسلمانوں کو جدا جدا کر دیا۔ اس طرف ہندوستان اور ترکستان کے مسلمان اور ان کے بادشاہ اور دوسری طرف روم اور عرب اور مصر کے مسلمان ان کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور فی الحقیقت اس زمانے میں کسی اہل سنت کا ایران میں سے گزرنا مشکل تھا اور اسی لیے شہنشاہ اکبر کے وقت میں ہندوستان کے علما نے حج نہ کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا کیونکہ دونوں رستے بے امن ہو گئے تھے۔ خشکی کے رستہ میں ایران حائل ہو گیا تھا اور جہاز کے رستہ سے ممکن نہیں تھا کہ کوئی جہاز پرتگیزوں کی لوٹ مار سے امن میں رہ سکے۔ تجارت کے قدیم رستہ کے یکایک بدل جانے اور اس ایک خانگی اور دوسرے اجنبی دشمن نے اسلام کی تہذیب کی کمر توڑ دی۔

میں اس دیباچہ کے شروع میں یہ کہہ آیا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے تہذیب کی کنجی نکل گئی اور ان کو پتا بھی نہ لگا کہ وہ کنجی ان کے ہاتھ سے پھسلی چلی جاتی تھی اور یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کنجی کیا تھی ورنہ قدرتاً اس کو قابو میں رکھنے کے لیے کوشش کرتے۔ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ بات ایک قدرتی امر تھا۔ مسلمان اس کا کیا علاج کر سکتے تھے؟ میری رائے اس سے متفق نہیں۔ اگر ان کو مرض معلوم ہوتا تو ایک بہت عمدہ علاج ان کے پاس تھا اور وہ ضرور کرتے۔ اگر اسی اثنا میں سوئز کی نہر، جو چار سو برس کے بعد سعید پاشا کے وقت میں تیار کی گئی، تیار کر دی جاتی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں رہتی تو وہ فوراً اس تجارت کے سمندر کا بہاؤ، جو دوسری طرف جا رہا تھا، روک سکتے تھے اور اہل یورپ اور پرتگیز اسی طرح ان کے محتاج ہو سکتے تھے جیسے کہ پہلے تھے، کیونکہ اس وقت تک ان میں دنیاوی طاقت کی کچھ کمی نہ تھی اور ان کے حریف ان کی بہ نسبت طاقت میں بہت کم تھے۔ اگر پرتگیز کیپ کے رستہ سے آنا پسند کرتے تو بھی جنوبی یورپ میں کوئی اور قوم کھڑی ہو جاتی اور اس رستے کے چھوٹے ہونے کا فوراً فائدہ اٹھاتی کیونکہ جس سبب نے مغربی ایشیا کے مسلمان ملکوں کو تباہ کر دیا، اسی نے اطالیہ اور یونان کی تہذیب اور آسودگی کو بھی معدوم کر دیا تھا۔ اس قدر مدت کے بعد نہر سوئز کے کھلنے سے اگرچہ وہ بڑا فائدہ، جو اس وقت ممکن تھا، حاصل نہ ہوا، لیکن تاہم یہ نہر اسلام کے لیے اس قدر مفید ضرور ہو گی کہ ان میں علم کا چرچا پھر ہو جائے گا اور تجارت کا شوق بھی اگر وہ کوشش کریں گے، ان میں پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ نقصان بے شک ہو گا کہ یورپ کی قومیں ان کے ان ملکوں میں، جو موقع پر واقع ہیں اور اب تک ان کے ہاتھ سے بچے ہوئے ہیں، اپنا تسلط کرنا چاہیں گے، لیکن میری رائے میں اب ان کے لیے سوا اس کے اور کچھ چارہ باقی نہیں رہا کہ یورپ کی قوموں سے اور علی الخصوص ان سے، جن کے پیٹ بھرے ہوئے ہیں اور زیادہ ملک گیری کی خواہش نہیں رکھتے، ارتباط کے وسائل پیدا کریں اور تہذیب اور علوم کی ترویج اور تجارت کی تشویق کا مادہ حاصل کریں اور کوئی ذریعہ ان کی ترقی کا نظر نہیں آتا۔ ترقی اور تہذیب حاصل کرنے کے بعد وہ یورپ کے جوئے کو اپنے کندھوں سے علیحدہ کر سکتے ہیں۔

جو کچھ میں لکھ آیا ہوں، اس سے معلوم ہو گا کہ تجارت تہذیب کی کنجی ہے اور تہذیب کی کنجی وہ اس لیے ہے کہ اس سے ایک قوم کے مختلف حصوں میں اور ہم مذہب قوموں کے مختلف ملکوں میں اور نوع انسان کی مختلف قوموں میں ارتباط اور آمد و رفت کے بڑھنے سے تہذیب کو ترقی ہوتی ہے اور اتفاق کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں اس ارتباط باہمی کے پیدا کرنے اور کسی آئندہ زمانہ میں کھوئی ہوئی طاقت حاصل کرنے کے لیے اب بھی چند تجویزیں ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ بہت کچھ اثر پیدا کر سکتی ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے ملکوں کو ریل کے ذریعہ سے پیوستہ کریں اور ہمسایہ سلطنتوں سے عہد و پیماں کر کے کل اسلامی سلطنتوں اور ان ملکوں کو، جن میں مسلمان رہتے ہیں، ریل کے ذریعہ سے ملا دیا جائے۔ آپس میں تجارت کے رستوں کو کھول کر جہاں تک ہو سکے، اس کے بڑھانے میں کوشش کرنی چاہیے اور سب سے بڑھ کر یہ ضرور ہے کہ مختلف مذہبی تفرقوں کو دور کیا جائے۔ سب سے سخت روک اس معاملہ میں امامیہ مذہب ہے اور اس میں اصلاح کرنی خود ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ اس بے فائدہ اور قاتل ضد کو چھوڑ دیں، جس کے وجود کا فائدہ اگر ہو سکتا تھا تو تیرہ سو سال پہلے ہو سکتا تھا اور اب سوا نقصان اور بربادی کے اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اہل سنت کو ان کو بطور ایک علیحدہ اجتہادی فرقہ کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ ایران میں اس رائے کی طرف ایک عرصہ سے میلان معلوم ہوتا ہے اور یقین ہے کہ اگر کوئی عالم شخص اس امر کی جانب توجہ کرے اور وہاں کی گورنمنٹ اس کو مدد دے تو یہ تبدیلی وہاں کے مسلمانوں کے خیالات میں زمانہ کا رنگ اور دشمنوں کا خوف، جو اسلام کو گھیرے ہوئے ہیں، خود بخود پیدا کر دیں گے۔ ایران کی موجودہ حالت سیاسی اس خیال کو پورا کرتی معلوم ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت اور زمانہ کے انقلاب کی علامت ہے کہ ایک ایسا ملک، جس کا مذہب اجتماع عوام کو کوئی وقعت نہ دیتا ہو اور امامت کے مسئلہ کا قائل ہو، پارلیمنٹ کے قیام پر مصر ہو ــــ اس کے بعد اسلامی دنیا کے دل میں یعنی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی

جائے' جس میں ہر ملک کی رعایا اور بادشاہ مدد دیں اور اس میں ہر ملک کے باشندوں کے لیے اور ہر مذہب کے لیے دینی جماعتیں اور بورڈنگ ہاؤس علیحدہ علیحدہ ہوں اور دنیاوی اور عام علوم کی تعلیم ایک جگہ ہو اور دینی تعلیم کے ساتھ مروجہ علوم اور تاریخ و جغرافیہ و حرفت گیری کی تعلیم بھی دی جائے اور یہ سب تعلیم عربی کے ذریعہ سے ہو تو میں یقین کرتا ہوں کہ جو اثر ایسی یونیورسٹی اسلامی اخوت اور اتفاق پیدا کرنے اور اسلامی بادشاہوں کی طاقت کو زیادہ کرنے میں ظاہر کرے گی' وہ ایسی کسی اور آسان تجویز سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ تجویز ایسی ناقابل وقوع نہیں کہ اس کو مجذوب کی بڑ تصور کیا جائے' بلکہ اس کے واسطے ایک مہذب اور اسلامی ہمدردی رکھنے والے سلطان کی توجہ کی دیر ہے۔ یہ یونیورسٹی سلطان کو ذاتی فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے۔ وہ اس کے رسوخ اور اثر کو تمام اسلامی دنیا میں پھیلا سکتی ہے۔ ایسی ایک یونیورسٹی سینکڑوں علیحدہ علیحدہ یونیورسٹیوں سے زیادہ کار آمد ہو سکتی ہے اور مختلف مسلمان اقوام کے درمیان اس ارتباط اور آمد و رفت کو' جو چار سو سال سے جاتا رہا ہے' پھر زندہ کر سکتی ہے۔ (سلطان عبدالحمید نے مکہ مکرمہ کو ریل کے ذریعہ سے تمام دنیا سے ملا دینے کے خیال کو تقریباً عملی طور سے ثابت کر دیا ہے۔ دمشق سے مدینہ منورہ تک ریل کا جاری ہو جانا بیسویں صدی کے آغاز کا ایک کار نمایاں ہے۔ الحمدللہ کہ اب سنا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں یونیورسٹی قائم کرنے کا مسئلہ سلطان حال کے زیر غور ہے)۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ضرور ہے کہ ہر ایک ملک کے مسلمان کوشش کر کے اپنی اپنی گورنمنٹ کے وفادار رہ کر اس امن کے زمانہ کو غنیمت سمجھیں جو ان کو ہر جگہ میسر ہے اور اہل فرنگ کے علوم کے حاصل کرنے میں کوشش کریں اور کہیں کہیں یہ جو قابل میلان ان میں پایا جاتا ہے کہ وہ غیر مسلمانوں کے ملک میں سے ہجرت کرنا پسند کرتے ہیں' اس کو چھوڑ دیں کیونکہ اب ان کا اور ایشیا کی ہر ایک قوم کا بچاؤ اگر ہے تو اسی میں ہے کہ وہ اہل یورپ کی تہذیب کو اختیار کریں ورنہ یقین سمجھیں کہ وہ مسلمان ہوں یا بودھ ہوں یا ہندو ہوں یا کوئی اور مذہب رکھتے ہوں' جہالت اور تعصب کے ساتھ تہذیب اور علوم کا مقابلہ بہت مدت تک نہیں کر سکتے۔ لیکن اہل اسلام اور عیسائی اقوام میں اختلاط اور ارتباط پیدا ہونے کے راستہ میں سب سے بڑی روک عیسائیوں کا تعصب ہے۔ اگرچہ عیسائی مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب فقط اسلام ہی ہے' جو مسیح علیہ السلام کو ادب کی نگاہ سے دیکھتا ہے' لیکن دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس قدر دو انسانوں میں قرب ہوتا ہے' اسی قدر ان کا اختلاف اور عداوت بھی سخت تر ہوتی ہے۔ اس دوری اور مغائرت کا مجرم میں عیسائی مذہب کو قرار دیتا ہوں۔ اگرچہ یہ مجھے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ

اسلام بھی عیسائی مذہب کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا' لیکن جو نفرت اور عداوت عیسائی مذہب کو اسلام سے ہے' جیسا کہ عیسائی قدیم اور جدید مصنفوں کی تصنیفات سے مترشح ہوتا ہے' اس کا عشر عشیر بھی اہل اسلام اور اسلامی مورخوں اور مصنفوں میں نہ پاؤ گے۔ کسی زمانہ میں جب اسلام عروج پر تھا اور قریب تھا کہ عیسائی مذہب بالکل مغلوب ہو جائے' یہ نفرت پادریوں نے ارادتاً "اور مصلحتاً" پیدا کی تھی اور اس نفرت کے پیدا کرنے کے لیے ان کو ہزارہا خلاف بیانیاں کرنی پڑی تھیں تاکہ عیسائی اقوام اسلام کے نام سے ایسے برافروختہ ہو جائیں کہ ان کو اسلام کے اصول پر غور کرنے کی رغبت ہی پیدا نہ ہو۔ اگرچہ تعلیم کی اشاعت نے ان خلاف بیانیوں کی قلعی کھول دی مگر اس تعلیم اور تلقین کا زہرناک اثر اب تک باقی ہے اور دنیا میں تہذیب کی اشاعت کے رستہ میں ایک خوفناک روک ہے اور ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں اس کا نتیجہ ایسا برا پیدا ہو کہ جس کو فریقین نہ چاہتے ہوں کیونکہ عیسائی اقوام کا یہ خیال ہے کہ اسلام کو وہ بھی نیست کر سکیں گے' بالکل ایک غلط خیال ہے۔ اسلام کی روحانی ترقی پیدا کرنے والے اصول مثلاً اس کی توحید' اخوت' طہارت اور نشئی اشیا کے استعمال سے پرہیز وغیرہ وغیرہ ایسے اسباب ہیں کہ اسلام کا مستقبل ایک یقینی امر ہے اور جس وقت اہل اسلام اپنے تنگ خیالات اور توہمات کو چھوڑ کر اصلی اسلام کے پیرو ہو جائیں گے' جس کی بنیاد پڑ گئی ہے تو اسلام ایک دفعہ پھر غالب ہو کر رہے گا اور الحق یعلو کا مسئلہ اگر سچ ہے تو ایسا ہونے میں کچھ شک بھی نہیں۔

خلاصہ اس تمام تقریر کا یہ ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب کا تنزل آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں شروع ہوا ہے اور اس کا اصلی سبب یورپ اور ایشیا اور افریقہ کی تجارت کے پرانے رستے کا بند ہو جانا ہے' جو ان کے ملکوں میں سے گزرتا تھا اور یہی واقعہ یورپ کی تہذیب کی ترقی کا باعث ہوا ہے۔ اس کا علاج فقط یہ ہے کہ مسلمان قومیں اور بادشاہ اپنے ملکوں میں تجارت اور سفر کو آسان کرنے کے ذرائع پیدا کریں۔ ریلوں کو ترقی دیں' جہازوں میں سفر کرنے کی عادت کو پھر پیدا کریں اور آپس کے پرانے اور غیر ضروری نفاقوں کو دور کر کے مکہ مکرمہ میں ایک ایسی قومی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالیں جس میں دنیا کے کل مسلمان طالب علم عربی زبان کے ذریعہ سے اسلامی قدیم علوم اور جدید علوم میں علوم حرفت اور صنعت کی تعلیم پا سکیں اور اس باہمی ارتباط کے علاوہ دنیا کی مہذب قوموں سے' جو آج کل علوم کے مخزن ہیں' اختلاط و ارتباط اس طرح بڑھائیں کہ جس جگہ وہ قومیں ان کی حاکم ہیں' ان کی زبانیں حاصل کر کے اور وفاداری کر کے ان کا اعتبار حاصل کریں اور جہاں وہ ان کے ہمسایہ ہیں' ان کے ساتھ سلوک رکھیں اور ان کی اعلیٰ تہذیب اور حرفتی مہارت سے فائدہ اٹھائیں اور اگر کوئی ایشیا کی قوم اپنے

تھیں اور اپنے باقی ماندہ ملک کو اہل یورپ کی دستبرد سے بچانا چاہتی ہے یا ان کی غلامی سے کسی وقت نکلنا چاہتی ہے تو اس کو جاپان کی طرح کم از کم اہل یورپ کی تہذیب پہلے حاصل کر لینی چاہیے اور اپنا گھر درست کر لینا چاہیے ورنہ خود مختاری کا اس زمانہ میں محفوظ رہنا مشکل ہے۔

غیر ملکوں سے اختلاط و ارتباط اور تجارت بڑھانے سے جو مدد کسی قوم، تہذیب اور اس کی علو ہمتی کو پہنچتی ہے، اس کا حال اسلامی ملکوں کی اس حالت سے، جو ابن بطوطہ نے آٹھویں صدی کے وسط میں بیان کی ہے، خوب واضح ہوتا ہے۔ اس عالی ہمت سیاح نے ستائیس یا اٹھائیس سال تک پرانی دنیا کے تمام آباد حصوں کا سفر کیا ہے اور یہ شخص اس زمانہ میں ایسا سفر کرنے والا تنہا نہیں تھا، بلکہ ہزاروں میں سے ایک تھا اوروں کی بابت اس لیے پتا نہیں لگ سکتا کہ انہوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ بائیس سال کی عمر میں ابن بطوطہ سفر پر روانہ ہوا۔ اس کی پیدائش ۷۰۳ھ ہجری میں ہوئی تھی اور ماہ رجب ۷۲۵ھ ہجری میں وہ طنجہ سے حج کی نیت سے روانہ ہوا۔ افریقہ کے ساحل کے تمام شہروں کی سیر کرتا ہوا مصر میں پہنچا۔ وہاں سے عیذاب کے بندر تک مکہ مکرمہ کے جانے کے ارادہ سے پہنچا۔ یہ بندر عدن کے مقابل واقع ہے، لیکن وہاں کا بادشاہ ان دنوں میں مغلوں کے ساتھ لڑ رہا تھا، اس لیے جہاز نہ مل سکا۔ ابن بطوطہ واپس مصر کو آیا اور شعبان ۷۲۶ھ میں شام کی جانب چلا گیا۔ دمشق میں حدیث کا علم حاصل کیا اور وہاں کے علما سے فیض حاصل کیا، جن میں سے زینب بنت کمال الدین اور عائشہ بنت محمد دو عالمہ عورتیں بھی تھیں۔ شوال ۷۲۶ھ میں وہاں سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مدینہ شریف اور وہاں سے مکہ مکرمہ زاد اللہ شرفہا پہنچا۔ زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حج کے ادا کرنے کے بعد عجمیوں کے قافلہ کے ساتھ عراق کو روانہ ہوا۔ نجف اشرف کی زیارت کر کے بغداد کو گیا۔ وہاں سے واسط اور وہاں سے رواق میں سید احمد رفاعی کی قبر کی زیارت کی اور وہاں سے بصرہ میں پہنچا اور وہاں سے ایران کی حدود میں داخل ہو گیا۔ کچھ دنوں شوستر میں قیام کیا، پھر اصفہان ہوتا ہوا شیراز میں پہنچا اور وہاں قاضی مجد الدین شیرازی سے ملاقات کی اور شیخ ابو عبداللہ خفیف اور شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی قبروں کی زیارت کی۔ وہاں سے گازرون کے بندر میں پہنچا۔ وہاں سے پھر عراق کو گیا اور کوفہ میں پہنچا۔ وہاں سے بغداد میں آیا۔ بغداد اس وقت ویران ہو چکا تھا، لیکن پھر بھی بہت بڑا شہر تھا۔ بغداد سے موصل اور ماردین ہوتا ہوا دوسرے حج کے لیے ۷۲۸ھ میں مکہ معظمہ کو گیا۔ ایک سال وہاں ٹھہرا اور چوتھا حج کر کے جدہ میں پہنچا اور جہاز پر سوار ہو کر بحر قلزم کے دوسرے ساحل پر سواکن اور افریقہ کے ساحل کی سیر کرتا ہوا یمن میں آیا اور عدن سے پھر جہاز میں بیٹھ کر مقدشو میں گیا، جو افریقہ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ وہاں سے زنگبار جزیرہ ممبزا میں پہنچا۔ اس ساحل کی سیر کر کے جہاز میں بیٹھ کر عرب کے جنوبی ساحل پر حضرموت کے شہر ظفار میں آیا۔ وہاں سے عمان ہوتا ہوا ہرموز کے شہر میں پہنچا۔ وہاں کے بادشاہ قطب الدین تہمتن سے، جس کی سخاوت کے خواجہ حافظ بھی مداح ہیں، ملاقات کی۔ وہاں سے اناطولیہ کو چلا گیا۔ اس وقت یہ علاقہ طوائف الملوکی کی حالت میں تھا۔ خاندان عثمانیہ کی بنیاد تو پڑ گئی تھی، مگر اس نے کچھ زور نہ پکڑا تھا۔ بروصہ سے بحیرہ اسود کے کنارہ کنارہ کے شہر دیکھتا ہوا جہاز میں بیٹھ کر دشت کپچاق میں داخل ہوا۔ چھ مہینے کا رستہ طے کر کے کریمیا میں پہنچا۔ وہ اس وقت سلطان ازبک (ایک مسلمان بادشاہ) کی عملداری میں تھا۔ یہ بادشاہ چنگیز خاں کی اولاد میں تھا اور روس کا اکثر حصہ اس کے زیر حکومت تھا۔ سرائے کا شہر، جو دریائے والگا پر واقع تھا، اس کا دارالخلافہ تھا۔ وہاں سے بلغار میں گیا، جو اس وقت روس کے شمالی حصہ کا نام تھا، نہ کہ بلقان کے بلغاریہ کا۔ رمضان کا مہینا تھا اور وہ دنوں کے بڑے ہونے کا موسم تھا۔ روزہ کھول کر آدمی مغرب اور عشا کی نماز مشکل سے پڑھ سکتا تھا کہ صبح ہو جاتی تھی۔ وہاں سے اس کا ارادہ بحر منجمد تک جانے کا تھا، لیکن عید کے دن تک وہ بادشاہ کے کیمپ میں واپس چلا آیا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس شہر حاجی ترخان میں واپس آیا تو اس بادشاہ کی ایک ملکہ نے، جو قسطنطنیہ کے ایک نصرانی بادشاہ کی بیٹی تھی، قسطنطنیہ جانے کی اجازت مانگی۔ ابن بطوطہ بھی اس کے ہمراہ قسطنطنیہ آیا اور وہاں سے واپس ہو کر سرائے کے شہر میں گیا۔ وہاں سے وہ دشت کے راستہ خوارزم میں آیا۔ وہاں سے بخارا میں آیا۔ یہاں سلطان علاء الدین ترمشیریں بادشاہ ترکستان کے دربار میں رہا۔ یہ بادشاہ بھی چنگیز خاں کی اولاد سے تھا۔ وہاں سے سمرقند، پھر بلخ اور بلخ سے ہرات ہوتا ہوا جام اور مشہد شریف اور نیشاپور دیکھ کر قندوز کے رستہ ہندو کش میں سے ہو کر اندراب اور پنج شیر کے رستہ پنجائی اور پروان ہوتا ہوا غزنی اور چرخ میں پہنچا۔ وہاں سے کابل گیا۔ کابل سے کرماش ہوتا ہوا، جس سے مراد اغلباً "درۂ قرم" ہے، دریائے سندھ کے مغربی کنارے موجودہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور ڈیرہ غازی خاں اور کشمور کے علاقہ میں ہوتا ہوا دشت دریائے سندھ کے کنارے پر کسی جگہ بھکر کے قریب ۷۳۴ھ ہجری ماہ محرم میں جا پہنچا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس نے یہ رستہ کیوں اختیار کیا۔ گکھڑوں اور جنجوہوں کی شورش کے سبب سے، جنہوں نے کئی صدیوں سے رستہ کو بند کر رکھا تھا، لاہور ہو کر دہلی جانا تو مشکل تھا مگر اس کو براہ راست ملتان جانے سے کون سی بات مانع تھی۔ اغلباً اس نے سندھ کی سیر پہلے کرنی مناسب سمجھی ہوگی، چنانچہ ملتان

آنے سے پہلے وہ بھکر ہوتا ہوا بندر لاہری میں پہنچا اور وہاں سے واپس ہوتا ہوا ملتان آیا۔ ملتان سے چل کر اجودھن یعنی پاک پٹن کے گھاٹ پر دریائے ستلج کو پار کیا' وہاں سے ابوہر اور سرسہ اور ہانسی ہوتا ہوا سید سالار مسعود پور' جو اب بھی نجف گڑھ کے قریب ایک بے چراغ موضع ہے' پہنچا اور وہاں سے پرانی دہلی پہنچا۔ دہلی میں بادشاہ سلطان محمد تغلق نے اس کی بہت قدر کی اور شہر کا قاضی مقرر کر دیا اور اس کے علاوہ سلطان قطب الدین خلجی کے اوقاف کا انتظام بھی اس کے سپرد کیا۔ نو سال تک ابن بطوطہ دہلی میں رہا۔ ماہ صفر ۷۴۳ھ میں اس کو بادشاہ نے چین کے بادشاہ کے لیے تحفے دے کر روانہ کیا۔ جب وہ دہلی میں تھا تو قنوج اور امروہہ و بجنور کی طرف کی بھی سیر کر آیا تھا۔ دہلی سے تلپت' بیانہ' کول' قنوج' گوالیر' چندیری' دھار ہوتا ہوا اجین میں پہنچا۔ وہاں سے دولت آباد آیا۔ دولت آباد سے پھر واپس ساگر آیا۔ وہاں سے کھمبایت پہنچا۔ کندھار کے بندر سے جو بھڑوچ کے پاس تھا' جہاز میں سوار ہو کر گوگہ' گوا' ہنور ہوتا ہوا مالابار میں پہنچا۔ مالابار کے بندروں میں ہوتا ہوا آخر کار کالی کٹ پہنچا۔ وہاں جہاز ٹوٹ گئے اور اس کے تمام ہمراہی اور بادشاہی تحفے جہاز میں تلف ہو گئے۔ چونکہ وہ اتفاق سے اس وقت تک سوار نہ ہوا تھا' اس لیے بچ گیا۔ بادشاہ کے خوف سے واپس دہلی کو نہ گیا' بلکہ ہنور کو سلطان جمال الدین کے پاس چلا گیا۔ وہاں سے واپس شالیات کو آیا اور وہاں سے ربیع الثانی ۷۴۴ھ میں جزائر مالدیپ کو چلا گیا اور وہاں سے ربیع الثانی ۷۴۵ھ میں واپس ہو کر سیلان میں پہنچا اور بتالہ (پتلام) کے شہر میں وہاں کے راجہ سے ملاقات کی اور بابا آدم کے قدم کی زیارت کر کے معبر یعنی کرناٹک کے ملک میں پہنچا۔ وہاں اس کا خسر سید جلال الدین احسن محمد شاہ تغلق سے باغی ہو کر مدورا کے شہر میں بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ وہ ابن بطوطہ کے آنے سے پہلے فوت ہو چکا تھا اور جب ۷۴۵ھ کے وسط میں ابن بطوطہ وہاں پہنچا تو ایک شخص غیاث الدین دامغانی معبر کا بادشاہ تھا۔ وہ اس کے سامنے ہی دبا سے مر گیا اور اس کا بھتیجا ناصر الدین اس کی جگہ بادشاہ بنا۔ ابن بطوطہ کولم میں چلا آیا اور وہاں تین مہینے ٹھہرا۔ وہاں سے ہنور کے ارادہ سے جہاز میں جاتا تھا کہ ہنور اور فاکنور کے درمیان دریائی لٹیروں نے اس کا جہاز لوٹ لیا اور اس کا [illegible] لے گئے۔ اس میں اس کی یادداشتیں بھی تھیں اور اغلباً" اسی لیے اس سفرنامہ میں کہیں کہیں شہروں کا حال آگے پیچھے بھی ہو گیا ہے۔ ابن بطوطہ کالی کٹ کو واپس چلا آیا اور وہاں سے پھر جزائر مالدیپ میں گیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر ۴۳ دن کے سفر کے بعد بنگالہ جا پہنچا اور شہر چاٹگام میں' جو ہوگلی کے متصل ایک بڑا بندر تھا' جہاز سے اترا اور دریائے برہم پتر کے رستے کامروپ کے ملک میں گیا اور وہاں شیخ جلال الدین تبریزی سے ملاقات کر کے سنار گاؤں کے رستہ' جو ڈھاکہ کے قریب ہے' واپس چلا آیا۔ وہاں سے اراکان اور پیگو کے ساحل کے قریب قریب ہوتا ہوا ساطرا میں پہنچا۔ ساطرا میں ان دنوں ملک ظاہر بادشاہ تھا۔ وہاں سے مل جاوا پہنچا۔ مل جاوا سے اس کی مراد اغلباً" سیام اور کمبوڈیا اور کوچین ہے۔ وہاں سے ٹا کمی یا کوانسی کے علاقہ میں پہنچا۔ وہاں ان دنوں میں کوئی مغل شاہزادہ چین کے بادشاہ سے خود سر ہو بیٹھا تھا اور چین میں سب سے پہلے شہر کانتن میں داخل ہوا۔ وہاں سے زیتون اور خنسا ہوتا ہوا پیکنگ میں پہنچا۔ وہاں آکر معلوم ہوا کہ شہنشاہ چین کو اس کے عمزاد بھائی فیروز نے مار ڈالا ہے' اس لیے جلدی واپس چلا آیا اور آتا ہوا دو مہینے ساطرا میں ٹھہرا اور چالیس روز کے سفر کے بعد کولم میں آ پہنچا۔ رمضان کا مہینہ تھا' عید کی نماز وہیں پڑھی اور محرم ۷۴۸ھ میں ظفار واقع عرب میں پہنچا۔ مسقط اور شیراز' اور یزد اور اصفہان اور شوستر ہوتا ہوا اور بصرہ اور کوفہ کی سیر کرتا ہوا شوال ۷۴۸ھ میں بغداد میں پہنچا۔ وہاں سے پھر شام کا رخ کیا۔ وہاں سے مصر اور تیونس ہوتا ہوا شعبان ۷۵۰ھ میں شہر فارس میں پہنچ گیا' جو ان دنوں میں مراکو کا دارالخلافہ تھا۔ گویا پچیس سال سفر کر کے اپنے وطن کو واپس پھرا مگر پھر بھی اس کو سفر کے شوق نے نچلا بیٹھنے نہ دیا اور سوڈان کا ملک باقی رہ گیا تھا۔ اس کا سفر بھی کوئی آسان سفر نہ تھا' لیکن یہ انتھک اور جری شخص پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ محرم ۷۵۳ھ میں وہاں سے واپس پھرا اور ۷۵۵ھ کے آخر میں اپنے وطن میں واپس آ گیا۔

اس سے آگے ابن بطوطہ کا حال کچھ معلوم نہیں ہو سکا' سوا اس کے کہ وہ ۷۷۹ھ میں فوت ہو گیا۔ ۷۵۶ھ میں اس نے یہ سفرنامہ جمع کیا۔ دوسرے سال ابن جزی نے' جو سلطان ابو عنان مرینی بادشاہ مراکو کا سیکرٹری تھا' اس کا یہ خلاصہ کیا۔ اصل سفرنامہ کہیں دستیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ ترجمہ ابن جزی کے خلاصہ کا کیا گیا ہے۔ یہ خلاصہ بھی کہیں سے فرانسیسیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ انہوں نے اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کر کے مع اصل کے چھاپ دیا۔ ڈاکٹر لی نے ۱۸۲۹ء میں انگریزی میں ترجمہ کیا' لیکن اس وقت یہ ابن جزی کا خلاصہ بھی ڈاکٹر صاحب کو دستیاب نہ ہو سکا تھا اور وہ خلاصہ الخلاصہ ہاتھ لگا تھا جو ابن جزی کے خلاصہ سے محمد بن فتح اللہ بیلونی نے انتخاب کیا تھا۔ جرمنی میں بھی پہلے اسی مختصر کا ترجمہ ہوا تھا اور اب اکثر زبانوں میں انگریزی کے سوا ابن جزی کے خلاصہ کا ترجمہ ہو گیا ہے۔ ہمارے ملک میں اول ہی اول نوازش علی خاں صاحب نے بیلونی کے مختصر کا انگریزی سے ترجمہ کیا لیکن مجھے مدت سے خیال تھا کہ اگر ابن جزی کے خلاصہ کا ترجمہ اصل عربی سے کیا جائے تو زیادہ تر دلچسپ ہو گا' کیونکہ وہ بیلونی کے انتخاب سے چار پانچ گنا زیادہ مفصل ہے۔ ارادہ کرنے کے بعد چند مشکلات درپیش آئیں۔

(۱) کیونکہ ابن بطوطہ مغرب کا رہنے والا تھا' اس لیے اس کے بعض عربی الفاظ متعارف نہیں۔

(۲) چونکہ وہ تقریباً تمام دنیا میں پھرا ہے' اس لیے جگہ جگہ کے الفاظ بلا تکلف استعمال کر دیتا ہے اور پڑھنے والا ان کی تلاش عربی لغات میں کرتا پھرتا ہے۔

(۳) بعض شہروں کے نام بدل گئے ہیں۔ بعض شہر بالکل نیست و نابود ہو گئے ہیں۔

(۴) یادداشتوں کے دریا میں لٹ جانے کے سبب سے چونکہ یہ سفرنامہ فقط یاد سے لکھا گیا ہے' اس لیے کہیں کہیں واقعات کے بیان کرنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ ان کی تصحیح بھی ضروری تھی۔

(۵) اس سفرنامہ میں بعض بیانات ایسے ہیں جن کی بابت اچھے اچھے تاریخ دان بھی کہہ دیتے ہیں کہ ابن بطوطہ نے مبالغہ کیا ہے۔ چنانچہ ابن خلدون مشہور عربی مورخ نے ہندوستان کی دولت اور بادشاہ کی فیاضی کی نسبت ابن بطوطہ کے بیانات پر ایک جگہ شک ظاہر کیا ہے اور مراکو کے بادشاہ کے وزیر اعظم نے اس کے شک کو رفع کیا ہے' اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ ابن بطوطہ کے بیانات کی تائید اس کے ہم عصر سابق اور لاحق مورخوں اور سیاحوں کی کتابوں سے کی جائے۔

ان پانچوں مقصدوں کے پورا کرنے میں کوشش کی گئی ہے کوئی شہر یا جگہ یا ملک' خواہ وہ اب موجود ہو یا نہ ہو یا اس کا نام بدل گیا ہو' حتی الوسع بغیر پتا لگائے باقی نہیں چھوڑا اور اس میں بھی فقط قیاس سے کام نہیں لیا گیا' بلکہ ہر ایک جگہ سند کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس غرض کے پورا کرنے کے لیے زیادہ تر ہنٹر صاحب کے گزیٹر فارسی تاریخوں اور ابوالفضل کی آئین اکبری اور کننگھم صاحب کی رپورٹوں سے' جو انہوں نے آثار قدیمہ کی تحقیقات کے متعلق لکھی ہیں اور ہم عصر مورخوں اور سیاحوں کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ یہ کام سب سے زیادہ مشکل تھا اور بغیر اس کے پورا کرنے کے اس سفرنامہ کے پڑھنے والے کو کچھ لطف حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اب بھی معدود مقامات ایسے رہ گئے ہیں کہ ان کی بابت کچھ پتا نہیں چل سکا۔ ناظرین سے امید ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مدد دے سکتا ہو تو وہ دریغ نہیں کریں گے۔ عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں حتی الوسع کوئی لفظ نہیں چھوڑا گیا اور فقط مطلب پر قناعت نہیں کی گئی ہے' بلکہ زیادہ تر یہ خیال بھی رکھا ہے کہ ترجمہ لفظ بہ لفظ بھی ہو اور اسی لیے اردو عبارت میں کہیں کہیں الفاظ آگے پیچھے نظر آئیں گے۔ اس کا زیادہ تر باعث یہ بھی ہوا ہے کہ میں ترجمہ کرتا گیا اور کاتب لکھتا گیا۔ اس کتاب پر مصنفوں کی طرح مینا کاری کرنے کا موقع نہیں ملا۔

مصنف نے تاریخی واقعات اور بعض وقت مقامات کے فاصلے و جگہ بیان کرنے میں کہیں کہیں غلطی کی ہے۔ ان کو ہر ایک جگہ درست کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح تاریخی و دیگر واقعات میں بھی جو غلطیاں رہ گئی تھیں' ان کو صحیح کر دیا گیا ہے اور اکثر واقعات کی تشریح اور تائید فارسی و عربی تاریخوں سے کی گئی ہے اور حوالہ میں ان ہی تاریخوں کی عبارت بلا ترجمہ درج کر دی گئی۔

ابن بطوطہ کا سفرنامہ ہندوستان کے مورخ کو بہت کچھ مدد دے سکتا ہے۔ آٹھ دس مقام پر غیر اہم غلطیاں بھی اس نے کی ہیں' لیکن اکثر مقامات میں ابن بطوطہ کا سفرنامہ نہ ہوتا تو جو غلطیاں ہمارے مورخوں نے کی ہیں' ان کا دریافت ہونا نہایت مشکل تھا۔ مثلاً بنگال کی تاریخ بیان کرنے میں اور سلطان محمد تغلق کی سلطنت کے سنوات قائم کرنے میں اور معبر کی تاریخ بیان کرنے میں جو جو غلطیاں بدایونی و فرشتہ و نظام الدین احمد و مصنف تاریخ فیروز شاہی و ملا احمد ٹھٹوی مصنف تاریخ الفی اور سندھ کے مورخوں نے کی ہیں' ان کو جابجا جتلایا گیا ہے اور پرانے سکوں اور کتبوں اور دیگر ممالک کی کتابوں کے حوالے دے کر ثابت کیا گیا ہے کہ ابن بطوطہ صحیح ہے اور یہ مورخ غلط ہیں۔

(یکم اکتوبر ۱۸۹۸ء)

اس کتاب کے شائع ہوتے ہی ملک کے قدر دانوں نے سر پر اٹھا لیا اور باوجود قیمت کے کچھ زیادہ ہونے کے' پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا اور پانچ سات سال سے بازار میں اس کتاب کا ملنا مشکل ہو گیا۔ اس کے بعد ہر طرف سے طلب کی درخواستیں چلی آئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب نے اردو لٹریچر کے دربار میں ایک مستقل کرسی حاصل کر لی ہے' اس لیے میں نے کتاب میں ضروری ترمیم و ایزاد کر کے بار ثانی اس کے شائع کرنے کی جرات کی ہے۔

راقم محمد حسین
یکم ستمبر ۱۹۳۳ء' مقام دہلی

باب (۱)

سندھ

(۱) دریائے سندھ

۷۳۴ ہجری کے ماہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ تھی کہ ہم دریائے سندھ (۱) پر پہنچے۔ اس دریا کو پنجاب (۲) بھی کہتے ہیں۔ یہ دریا دنیا کے بہت بڑے دریاؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ گرمی کے موسم میں اس میں طغیانی ہوتی ہے اور جس طرح مصر کے باشندوں کی زراعت کا دار نیل (۳) کی طغیانی پر ہے، اسی طرح اس ملک کے باشندوں کی زندگی بھی اس دریا کی طغیانی پر منحصر ہے۔ یہاں سے سلطان محمد شاہ سلطان بادشاہ ہند و سندھ کی عملداری شروع ہوتی ہے۔ جب ہم اس دریا پر پہنچے تو بادشاہ کے اخبار نویس ہمارے پاس آئے اور ہمارے آنے کی خبر انہوں نے فوراً قطب الملک حاکم ملتان کے پاس بھیجی۔ سندھ کا امیر، بادشاہ کی طرف سے ان دنوں میں 'سرتیز' (۴) تھا۔ یہ شخص بادشاہ کا غلام اور فوج کا بخشی تھا۔ جب ہم سندھ میں پہنچے تو امیر شہر سیوستان (۵) مقیم تھا۔

(۲) ڈاک انتظام

سیوستان سے ملتان تک دس دن کا راستہ ہے اور ملتان سے دارالخلافہ دہلی تک پچاس دن کا۔ جو خبر اخبار نویس بادشاہ کو لکھتے ہیں، وہ اس کے پاس ڈاک کے ذریعہ سے پانچ دن میں پہنچ جاتی ہے۔ ڈاک کو اس ملک میں برید (۶) کہتے ہیں۔ ڈاک دو قسم کی ہوتی ہے: ایک گھوڑے کی، دوسری پیادوں کی۔ گھوڑے کی ڈاک کو اولاق کہتے ہیں۔ ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلتا ہے۔ یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے رہتے ہیں۔ پیدلوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل میں جس کو وہ کروہ (۷) کہتے ہیں، تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتی ہیں۔ اس چوکی کو داوہ (۸) کہتے ہیں۔ ہر ایک تہائی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں آباد ہوتا ہے۔ گاؤں کے باہر ہرکاروں کے لیے برجیاں بنی ہوتی ہیں۔۔۔ ہر ایک برجی میں ہرکارے کمر کسے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہر ایک ہرکارے کے پاس ایک چھڑی دو گز لمبی ہوتی ہے، جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب شہر سے ڈاک چلتی ہے تو وہ ایک ہاتھ پر لفافہ رکھ لیتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی اور تمام طاقت خرچ کر کے دوڑتا ہے۔ دوسرا ہرکارہ اس کے گھنگروؤں کی آواز سن کر تیار ہو بیٹھتا ہے اور لفافہ لے کر فوراً دوڑ پڑتا ہے۔ اسی طرح جہاں کہیں خط پہنچانا ہوتا ہے، پہنچا دیتے ہیں۔ یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی جلدی جاتی ہے اور کبھی کبھی اس میں ڈاک کے ذریعے سے خراسان کے تازہ میوہ جات بھی بادشاہ کے لیے تھالیوں میں پہنچائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی کسی سنگین مجرم کو بھی چارپائی پر اٹھا کر اسی طرح چوکی بہ چوکی ہرکارے لے جاتے ہیں۔ جب دولت آباد میں تھا تو بادشاہ کے لیے دریائے گنگا کا پانی، جو ہندوؤں کے حج یعنی جاترا کی جگہ ہے، ڈاک میں لے جایا کرتے تھے۔ دولت آباد دریائے گنگا سے چالیس دن کے فاصلے پر ہے۔ اخبار نویس ہر مسافر کا تفصیل وار لکھتے ہیں کہ اس کی صورت ایسی ہے، لباس ایسا ہے، خادم اور ہمراہی اور جانور اس کے اس قدر ہیں، اس کے حرکات اور سکنات اس قسم کے ہیں۔ الغرض کوئی بات باقی نہیں چھوڑتے۔

(۳) پردیسیوں کی قدردانی

جب کوئی مسافر شہر ملتان میں پہنچتا ہے (جو ملک سندھ کا دارالخلافہ ہے) تو جب تک کہ بادشاہ کی طرف سے حکم روانگی نہ آ جائے اور اس کی ضیافت کا انتظام نہ ہو جائے اور اس کی مقدار مقرر نہ ہو جائے، اس کو وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ ہر مسافر کی آؤ بھگت اس کے ساز و سامان و حرکات و سکنات کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ اس وقت تک اس کے حسب و نسب کی خبر بخوبی نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ

ہند محمد شاہ تغلق پردیسیوں کی تعظیم و تکریم بدرجہ غایت کرتا ہے اور ان سے محبت رکھتا ہے اور بڑے بڑے عہدے ان کو دیتا ہے۔ اس کے بڑے بڑے خواص اور حاجب اور وزیر اور قاضی اور داماد غیر ملک کے باشندے ہیں۔ اس کا حکم ہے کہ پردیسی کو ہمیشہ عزیز کے نام سے پکارا کریں' چنانچہ باہر کے لوگ بجائے غریب کے سب عزیز کہلاتے ہیں۔ جو شخص بادشاہ کے سلام کو جاتا ہے' اس کے واسطے تحفے لے جاتا ہے اور چونکہ سب کو معلوم ہے کہ بادشاہ ان تحفوں سے دو چند سہ چند انعام دیتا ہے' اس لیے سندھ کے بعض سوداگروں کا یہ پیشہ ہے کہ وہ ایسے اشخاص کو ہزارہا دینار قرض کے طور پر دے دیتے ہیں اور اس کے واسطے تحفے تیار کر دیتے ہیں اور خادموں اور گھوڑوں اور سواری کا انتظام کر دیتے ہیں اور نوکروں کی طرح اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ جب وہ شخص بادشاہ کے سلام سے شرف یاب ہوتا ہے اور اس کو انعام ملتا ہے تو وہ ان کا تمام قرضہ ادا کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ سوداگر بہت کچھ نفع حاصل کرتے ہیں۔ میں بھی جب سندھ میں پہنچا تو میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور سوداگروں سے گھوڑے اور اونٹ اور غلام خریدے اور ایک عراق کے سوداگر سے' جس کا نام محمد دوری تھا اور تکریت (۹) کا رہنے والا تھا۔ شہر غزنی میں تیس گھوڑے اور ایک اونٹ' جس پر تیروں کے پھل لدے ہوئے تھے' خریدے۔ کیونکہ ایسی چیزیں بادشاہ کو نذر دی جایا کرتی ہیں۔ جب یہ سوداگر خراسان سے واپس آیا تو اس نے مجھ سے اپنا قرض طلب کیا اور بہت فائدہ اٹھایا اور میرے سبب سے ایک بڑا تاجر بن گیا۔ یہ شخص مجھے پھر حلب کے شہر میں بھی کئی برس کے بعد ملا اور اگرچہ وہاں کے کافروں نے میرے کپڑے تک چھین لیے تھے' لیکن اس نے میرے ساتھ کچھ سلوک نہ کیا۔

(۴) گینڈے کا حال

جب ہم دریائے سندھ سے عبور کر کے ایک بانس کے جنگل میں داخل ہوئے' جس میں ہو کر راستہ گزرتا تھا تو ہم نے گینڈا دیکھا۔ یہ حیوان رنگ میں سیاہ' بڑے ڈیل ڈول کا ہوتا ہے۔ اس کا سر بہت بڑا ہوتا ہے۔ کسی کا پھوہا' کسی کا بڑا اور اسی لیے یہ مثل مشہور ہے: کرکدن (۱۰) سر بے بدن۔ یہ جانور ہاتھی سے چھوٹا ہوتا ہے' لیکن اس کا سر ہاتھی کے سر سے کہیں بڑا ہوتا ہے اور دونوں آنکھوں سے برابر فاصلے پر پیشانی پر ایک سینگ ہوتا ہے' جس کا طول تین ہاتھ اور موٹائی ایک بالشت ہوتی ہے۔ جب یہ گینڈا جنگل سے نکلا تو ایک سوار اس کے سامنے آ گیا۔ گینڈے نے گھوڑے کے سینگ مارا اور سوار کی ران چیر کر اس کو زمین پر گرا کر جنگل میں گم ہو گیا۔ پھر اس کا پتہ کہیں نہ لگا۔ اسی رستہ میں عصر کے بعد ایک روز پھر میں نے گینڈا دیکھا۔ وہ گھاس چر رہا تھا۔ ہم نے اس کے مارنے کا ارادہ کیا تو وہ بھاگ گیا۔ ایک دفعہ اور میں نے گینڈا دیکھا۔ ہم بادشاہ کی سواری کے ساتھ تھے۔ بانس کے جنگل میں چلے جا رہے تھے اور بادشاہ ہاتھی پر سوار تھے اور میں بھی دوسرے ہاتھی پر تھا۔ سوار اور پیادے گینڈے کو گھیر کر لائے اور اس کو مار ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر کیمپ میں لے آئے۔

(۵) شہر جنانی

ہم دو منزل چلے تھے کہ جنانی (۱۱) کا شہر آیا۔ یہ شہر وسیع اور خوبصورت ہے۔ دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ اس کا بازار بہت خوشنما ہے۔ اس شہر میں سامرہ کی قوم کے آدمی آباد ہیں اور قدیم سے آباد چلے آتے ہیں۔ مورخ کہتے ہیں کہ جب حجاج بن یوسف کے وقت میں سندھ فتح ہوا تو اس قوم کے بزرگ اس شہر میں بستے تھے۔ شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین بن شیخ بہاء الحق زکریا قریشی ملتانی (۱۲) مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ ان کے جد اعلیٰ محمد ابن قاسم قریشی فاتح سندھ کے اس لشکر میں تھے' جو حجاج نے عراق سے بھیجا تھا۔ وہ اسی ملک میں رہ گئے تھے اور پھر ان کی اولاد بڑھ گئی۔ یہ شیخ رکن الدین وہی ہیں جن کی بابت مجھے شیخ برہان الدین اعرج نے شہر اسکندریہ میں کہا تھا کہ تو ان سے ملے گا۔ سامرہ قوم کے لوگ کسی کے ساتھ نہیں کھاتے اور جب وہ کھاتے ہیں تو کوئی ان کی طرف دیکھنے نہیں پاتا اور نہ اپنی قوم کے سوا کسی کے ساتھ رشتہ کرتے ہیں۔ اس زمانے میں ان کا سردار ایک شخص ونار نامی تھا۔ اس کا حال میں آگے چل کر بیان کروں گا۔

(۶) شہر سیوستان (سیوان)

شہر جنانی سے چل کر ہم شہر سیوستان (۱۳) میں پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اور ایسے ریگستان میں واقع ہے جس میں سوا کیکر کے اور درخت کا نام نہیں۔ اس کی نہر کے کنارے سوا خربوزوں کے اور کسی چیز کی کاشت نہیں کرتے۔ اس شہر کے لوگ جوار اور جلبان (جس کو مشنگ کہتے ہیں) یعنی مٹر کالی کی روٹی کھاتے ہیں۔ مچھلی اس شہر میں بہت ہوتی ہے اور بھینسوں کے دودھ کی بھی نہایت افراط ہے۔ اس کے باشندے اسقنقور (۱۴) یعنی ریگ ماہی بھی کھاتے ہیں۔ یہ جانور پاؤں پر چلتا ہے اور گوہ کے مشابہ ہوتا ہے' لیکن اس کے دم نہیں ہوتی۔ وہاں کے لوگ ریت میں سے کھود کر اس کو نکالتے ہیں اور اس کا پیٹ چیر کر اور آلائش صاف کر کے اس میں بجائے

زعفران کے کرکم (ہلدی زرد چوب) بھر دیتے ہیں۔ مجھے اس جانور کو کھاتے دیکھ کر گھن آگئی اور میں نے اسے نہیں کھایا۔ جب ہم اس شہر میں پہنچے تو گرمی نہایت سخت پڑتی تھی۔ میرے ہمراہی ننگے رہتے تھے اور ایک بڑا رومال پانی میں تر کر کے بجائے تہ بند کے باندھ لیتے تھے اور دوسرا کندھوں پر ڈال لیتے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد جب یہ رومال خشک ہو جاتے تھے تو ان کو پھر تر کر لیتے تھے اور اسی طرح کرتے رہتے تھے۔ اس شہر کا خطیب (امام مسجد جامع) شیبانی ہے۔ اس نے مجھے خلیفہ امیر المومنین عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پروانہ دکھایا جو اس کے دادا کو خطیب ہونے کے وقت ملا تھا۔ یہ پروانہ ان کے خاندان میں وراثتاً چلا آتا ہے۔ اس کی پیشانی پر یہ عبارت ہے۔ **ھذا ما امر به عبد الله امیر المومنین عمر بن عبد العزیز بفلان**۔ اس کی تاریخ تحریر ۹۹ھ ہے اور **الحمد لله وحدہ** اس پر لکھا ہوا ہے اور وہ خطیب کہتا تھا کہ یہ الفاظ خود خلیفہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں مجھے ایک عمر رسیدہ شیخ محمد بغدادی نامی ملا اور یہ شیخ عثمان مرندی کی خانقاہ میں رہتا ہے۔ کسی نے مجھ سے کہا کہ اس شیخ کی عمر ایک سو چالیس برس سے زیادہ ہے اور وہ خلیفہ مستعصم باللہ (۱۵) آخر خلفائے عباسیہ کے قتل کے وقت، جبکہ اس کو ہلاکو خان بن چنگیز خان نے ہلاک کر ڈالا تھا، بغداد میں موجود تھا۔ یہ شیخ باوجود اس قدر عمر کے، جسم میں قوی ہے اور اچھی طرح سے چلتا پھرتا ہے۔ اس شہر میں قوم سامرہ کا سردار، جس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں، رہتا تھا اور امیر قیصر رومی بھی اسی جگہ رہا کرتا تھا۔ یہ دونوں بادشاہ کے ملازم تھے اور ان کے پاس اٹھارہ سو سواروں کی جمعیت رہا کرتی تھی۔ ایک ہندو رتن نامی بھی اس شہر میں رہتا تھا۔ یہ شخص علم سیاق اور کتابت میں استاد تھا۔ کسی امیر کے وسیلے سے بادشاہ تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اس کی قدر کی اور اس کو اس ملک کا حاکم بنا دیا اور اس کو مراتب عطا کیا یعنی نوبت اور علم رکھنے کی اجازت دی، جو بڑے بڑے امیروں کو دی جاتی تھی۔ سیوستان اور اس کے مضافات اس کو جاگیر میں بخش دیے۔ جب وہ اپنے شہر میں پہنچا تو وُنار اور قیصر کو ایک ہندو کی اطاعت گراں گزری۔ انھوں نے اس کے قتل کا مشورہ کیا۔ اس کے آنے کے چند روز بعد اس کو کہا کہ آپ باہر نکل کر اپنا علاقہ دیکھ لیں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ چلا گیا۔ رات کو جب سب ڈیروں میں تھے، یکایک شور پڑا کہ کوئی درندہ آگیا اور اس بہانہ سے اس کے آدمیوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور شہر میں بادشاہی خزانہ کو، جس میں بارہ لاکھ دینار تھے، لوٹ لیا۔ (دس ہزار طلائی ہندی دینار کے ایک لاکھ دینار (۱۶) ہوتے ہیں اور ہندی طلائی دینار مغرب کے ڈھائی دینار طلائی کے مساوی ہوتا ہے) اور وُنار (۱۷) کو اپنا حاکم مقرر کیا۔

اس نے اپنا لقب ملک فیروز رکھا اور یہ سب خزانہ لشکر پر تقسیم کر دیا، لیکن پھر وُنار کے دل میں خوف پیدا ہوا کیونکہ اس کا وطن اور قبیلہ وہاں سے دور تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے قبیلہ کی طرف چلا گیا اور باقی لشکر نے قیصر رومی کو اپنا سردار مقرر کیا۔ اس سانحہ کی خبر سرتیز عماد الملک کو ملتان میں پہنچی۔ اس نے لشکر جمع کر کے خشکی اور تری دونوں رستوں سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ قیصر بھی یہ خبر سن کر مقابلہ آرا ہوا۔ جب اس کو شکست ہوئی تو شہر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ سرتیز نے منجنیق لگائی اور محاصرے میں سختی کی۔ چالیس دن بعد قیصر نے امان مانگی، لیکن جب قیصر اور اس کا لشکر امان کے وعدہ پر باہر آگیا تو سرتیز نے ان کے ساتھ دغا کی۔ ان کی جائیداد لوٹ لی اور ان سب کو قتل کروا ڈالا۔ ہر روز کسی کی تو گردن مارتا تھا اور کسی کو تلوار سے دو ٹکڑے کرتا تھا اور کسی کی کھال کھنچواتا تھا اور ان کھالوں میں بھوسہ بھروا کر ان کو شہر کی فصیل پر لٹکاتا جاتا تھا۔ اکثر کا یہی حال کیا۔ ان کی نعشیں لٹکی ہوئی دیکھ کر دل لرزتا تھا اور خوف آتا تھا۔ ان کی کھوپڑیاں جمع کر کے شہر کے وسط میں ڈھیر لگا دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہی میں اس شہر میں پہنچا اور ایک بڑے مدرسے میں اترا۔ مدرسے کی چھت پر میں سویا کرتا تھا۔ وہاں سے یہ نعشیں لٹکی ہوئی نظر آتی تھیں۔ جب صبح کو سو کر اٹھتا تھا تو یہ نعشیں دیکھ کر میری طبیعت بگڑ جاتی تھی۔ آخر میں نے اس مدرسے کو چھوڑ دیا اور دوسرے مکان میں جا رہا۔

(۷) لاہری بندر

قاضی علاء الملک فصیح الدین خراسانی قاضی ہرات جو ایک فاضل فقیہ تھا، کچھ عرصہ پہلے بادشاہ کی ملازمت کے لیے اپنے وطن سے آیا تھا۔ اس کو بادشاہ نے شہر لاہری (۱۸) واقع سندھ مع علاقہ کے جاگیر میں دے دیا تھا۔ وہ بھی سرتیز کی مدد کو اپنا لشکر لے کر آیا۔ اس کا اسباب اور بار برداری پندرہ جہازوں میں تھا جو وہ دریائے سندھ میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ لاہری جانے کا ارادہ کیا۔ قاضی علاء الملک کے پاس ایک جہاز تھا جس کو اہورہ کہتے تھے، جیسے کہ ہمارے ملک میں طریدہ ہوتی ہے، ویسا ہی یہ جہاز تھا لیکن لمبا چوڑا زیادہ تھا۔ اس کی نصف کو سیڑھیاں بنا کر اونچا کیا گیا تھا اور تختے لگا کر نشست کی جگہ بنائی گئی تھی۔ قاضی اس پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کے نوکر دائیں بائیں اور سامنے بیٹھتے تھے۔ چالیس ملاح اس جہاز کو کھیا کرتے تھے۔ اس جہاز کے ہمراہ چار چھوٹی کشتیاں تھیں۔ دو دائیں طرف رہتی تھیں، دو بائیں طرف۔ دو کشتیوں میں طبل اور نقارہ، علم اور سرنائی وغیرہ ہوتے تھے اور دو کشتیوں میں اہل طرب بیٹھتے تھے۔ جب

کشتی چلتی تھی، کبھی تو نوبت بجائی جاتی تھی اور کبھی مطرب راگ گانے لگتے تھے اور صبح سے لے کر چاشت کے کھانے کے وقت تک گاتے بجاتے چلے جاتے تھے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا تھا اور سب جہاز پہنچ جاتے تھے اور دسترخوان بچھایا جاتا تھا تو جب تک امیر علاء الملک کھانا کھاتے تھے، یہ لوگ گایا بجایا کرتے تھے اور سب سے پیچھے خود کھا کر اپنی اپنی کشتیوں میں چلے جاتے تھے۔ جب رات ہوتی تھی تو جہاز دریا کے کنارے کھڑے کر دیے جاتے تھے اور خشکی پر خیمے لگا دیے جاتے تھے، جس میں امیر علاء الملک شب باش ہوتا تھا۔ جب تمام لشکر رات کا کھانا کھا چکتا تھا اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو جاتا تھا تو چوکیدار نوبت بہ نوبت آتے تھے۔ جب ایک چوکیدار اپنی باری ختم کر لیتا تھا تو وہ پکار کر عرض کرتا تھا کہ اے اخوند ملک اتنی رات گزر چکی ہے، جب صبح ہوتی تھی تو پھر نوبت اور نقارہ بجنے شروع ہوتے تھے اور صبح کی نماز پڑھ کر کھانا کھاتے تھے اور جہاز چل پڑتے تھے۔ اگر امیر دریا میں چلنا چاہتا تھا تو جہاز میں بیٹھ لیتا تھا۔ اگر خشکی کے رستے جانا منظور ہوتا تھا تو سب سے آگے نوبت اور نقارخانہ ہوتا تھا۔ ان کے بعد حاجب یعنی پردہ دار اور حاجبوں کے آگے چھ گھوڑے ہوتے تھے۔ تین نقارہ بردار ہوتے تھے اور تین پر سرنا اور نفیری والے۔ جب کسی گاؤں میں پہنچتے تھے یا کسی اونچی زمین میں پہنچتے تھے تو طبل اور نقارہ بجاتے جاتے تھے اور جب دن کے کھانے کا وقت ہوتا تھا تو ٹھہر جاتے تھے۔ میں بھی امیر علاء الملک کے ساتھ پانچ روز رہا۔ پانچویں دن ہم لاہری کے شہر میں پہنچے۔ یہ شہر بہت خوبصورت سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اس کے پاس دریائے سندھ سمندر میں جا گرتا ہے۔ یہ شہر بڑی بندرگاہ ہے۔ یمن اور فارس کے جہاز اور تاجر بہت آتے ہیں اور اس لیے یہ شہر نہایت مالدار ہے اور اس کا محاصل بھی زیادہ ہے۔ علاء الملک مجھ سے کہتے تھے کہ اس بندر کا محاصل ساٹھ لاکھ دینار ہے اور امیر علاء الملک کو اس میں سے بیسواں حصہ ملتا ہے یعنی عشر کا نصف اور اسی شرح پر بادشاہ اپنے کارداروں کو علاقے سپرد کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں امیر علاء الملک کے ساتھ سیر کرنے گیا۔ شہر (۱۹) سے سات کوس کے فاصلے پر ایک میدان ہے، جس کو تارنہ کہتے ہیں۔ وہاں بے شمار آدمیوں اور حیوانات کی شکلیں صورتیں ثابت اور ٹوٹی پھوٹی پڑی ہوئی ہیں اور غلہ اور گیہوں اور چنا اور مسری وغیرہ بکھرائے ہوئے پڑے ہیں۔ فصیل اور مکانات کی دیواروں کے سامان موجود ہیں۔ کھنڈرات میں کھدے ہوئے پتھر کا ایک گھر ہے۔ اس کے وسط میں ایک چبوترہ ہے، جو ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس پر ایک آدمی کا بت ہے۔ اس آدمی کا سر دراز لمبا ہے اور منہ ایک طرف پھرا ہوا ہے۔ دونوں ہاتھ کمر سے لگے ہوئے ہیں۔ اس جگہ نہایت بودار پانی کھڑا ہوا تھا۔ بہت سی دیواروں پر ہندی زبان اور خط کے

کتبے ہیں۔ امیر علاء الملک ذکر کرتے تھے کہ اس ملک کے تاریخ داں گمان کرتے ہیں کہ یہ شہر مسخ (۲۰) ہو گیا تھا اور چبوترہ پر جو بت ہے، وہ اس کا بادشاہ تھا۔ چنانچہ اب بھی اس گھر کو راجہ کا محل کہتے ہیں۔ دیواروں کے کتبوں سے یہ پتا لگتا ہے کہ یہ بربادی تقریباً ایک ہزار سال گزرے ہوئی تھی۔ میں امیر علاء الملک کے پاس پانچ دن ٹھہرا۔ اس نے میری خاطر اور مدارات بدرجہ غایت کی اور میرے لیے زاد راہ بھی تیار کرایا۔

(۸) بھکر

وہاں سے میں بھکر (۲۱) گیا۔ یہ شہر بھی خوبصورت ہے۔ دریائے سندھ کی ایک شاخ اس کے بیچ میں سے گزرتی ہے۔ جس کا ذکر آگے بھی آئے گا اور اس شاخ کے وسط میں ایک خانقاہ ہے۔ وہاں مسافروں کو کھانا ملتا ہے۔ اس خانقاہ کو کشلو خاں نے جس کا ذکر آگے بھی آئے گا اپنے ایام حکومت میں تعمیر کیا تھا۔ اس شہر میں میری ملاقات امام عبداللہ حنفی اور قاضی شہر ابو حنیفہ اور شمس الدین محمد شیرازی سے ہوئی۔ شیخ شمس الدین کی عمر ان کے بیان کے مطابق اس وقت ایک سو بیس برس تھی۔

(۹) اوچہ

بھکر سے چل کر ہم اوچہ (۲۲) کے شہر میں پہنچے۔ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے اور بڑا شہر ہے۔ بازار بہت عمدہ ہے اور عمارتیں مضبوط ہیں۔ ان دنوں میں اس شہر کا حاکم سید جلال الدین کیچی تھا، جو شجاعت اور کرم میں مشہور تھا۔ اس امیر کے ساتھ میری دوستی ہو گئی اور اس کے ساتھ اکثر صحبت ہوتی تھی۔ دہلی میں بھی ہم دونوں ملے اور جب کہ بادشاہ دولت آباد کی طرف تشریف لے گئے اور سید جلال الدین بھی اس کے ساتھ گیا، مجھے اجازت دے گیا کہ اگر مجھے ضرورت ہو تو اس کے گاؤں کا محاصل وصول کر کے خرچ کر لیا کروں۔ چنانچہ میں نے پانچ ہزار دینار کے قریب اس میں سے خرچ کیا۔ اس شہر میں میں نے سید جلال الدین حیدری علوی (۲۳) کی زیارت کی اور انہوں نے مجھے اپنا خرقہ عنایت کیا۔ یہ شیخ بزرگان صالحین میں سے تھے اور یہ خرقہ اس وقت تک میرے پاس رہا۔ جب مجھے ہندو ڈاکوؤں نے سمندر میں لوٹ لیا اور اس وقت یہ خرقہ بھی جاتا رہا۔

(۱۰) ملتان

اوچ سے چل کر میں ملتان (۲۴) پہنچا۔ یہ شہر ملک سندھ کا دارالخلافہ ہے اور وہاں کا امیر الامرا بھی اسی شہر میں رہتا ہے۔ شہر میں پہنچنے سے پہلے دس کوس ورے ایک دریا پر سے عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ دریا بہت چوڑا اور گہرا ہے اور بغیر کشتیوں کے اس پر سے عبور نہیں کر سکتے۔ اس جگہ پار جانے والوں کے احوال کی تحقیقات ہوتی ہے اور ان کے اسباب کی تلاشی ہوتی ہے۔ اس زمانے میں اس جگہ ہر ایک تاجر سے ایک چوتھائی مال بطور محصول کے لے لیا کرتے تھے اور ہر گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا۔ میرے ہندوستان پہنچنے کے دو برس بعد بادشاہ نے یہ کل محاصل معاف کر دیے تھے اور جب خلیفہ عباسی سے بیعت کی تو سوا عشر اور زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ کے اور کوئی محصول باقی نہ رہا تھا۔ مجھے تلاشی کی بہت فکر تھی کیونکہ میرا سامان و ساز تو بہت معلوم ہوتا تھا اور اندر کچھ بھی نہ تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں سارا بھرم نہ کھل جائے۔ لیکن قطب الملک نے ملتان سے ایک فوج کے افسر کو بھیج دیا تھا اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ میری تلاشی کوئی شخص نہ لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس رات ہم دریا کے کنارے ٹھہر گئے اور علی الصباح میرے پاس دہقان سمرقندی جو ڈاک کا افسر اور بادشاہ کا اخبار نویس تھا' آیا۔ میں نے اس سے ملاقات کی اور اس کے ہمراہ حاکم ملتان کے پاس گیا۔ ملتان کا حاکم ان دنوں میں قطب الملک تھا۔ یہ شخص بڑا امیر اور فاضل تھا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو میری تعظیم کے لیے اٹھا اور مصافحہ کر کے مجھے اپنے برابر جگہ دی۔ میں نے ایک غلام اور ایک گھوڑا اور کشمش اور بادام بطور تحفہ کے پیش کیے۔ کشمش اور بادام ان کے ملک میں نہیں ہوتے اور تحفے کے طور پر دیے جاتے ہیں اور خراسان سے آتے ہیں۔ یہ امیر ایک بڑے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا' جس پر فرش بچھا ہوا تھا۔ اس کے پاس شہر کا قاضی سالار نام اور شہر کا خطیب جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا بیٹھے ہوئے تھے اور دائیں بائیں فوج کے افسر تھے اور اس کے سر پر مسلح آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ سامنے سے لشکر گزرتا تھا۔ اس جگہ بہت سی کمانیں پڑی ہوئی تھیں جو کوئی شخص لشکر میں سے تیر اندازی کا کمال دکھانا چاہتا تھا وہ اپنی طاقت کے مطابق کسی کمان کو ہاتھ میں لے کر کھینچتا تھا اور اگر اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تھا تو ایک چھوٹا نقارہ دیوار میں لگا ہوا تھا وہ شخص اپنا گھوڑا دوڑا کر اپنا نیزہ اس میں لگاتا تھا اور چھوٹی سی دیوار پر ایک انگشتری لگی ہوئی تھی۔ سوار اپنا گھوڑا دوڑا کر نیزے کی انی میں پرو کر انگشتری لے جاتا تھا اور ایک گیند بھی پڑی ہوئی تھی۔ سوار گھوڑا دوڑا کر اس پر چوگان لگاتا تھا۔ جس قدر کمال کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا اسی قدر اس کے

عہدے میں ترقی ہوتی تھی۔ جب ہم قطب الملک کے پاس گئے تو اس کو سلام کیا تو اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم شہر میں شیخ رکن الدین قریشی کے متعلقین کے ساتھ قیام کریں اور ان کی یہ عادت تھی کہ وہ بغیر حاکم کی اجازت کے کسی کو اپنے پاس بطور مہمان کے ٹھہرنے نہ دیتے تھے۔ اس شہر میں اور بھی بہت سے بزرگ آئے ہوئے تھے جو بادشاہ کی ملازمت کے لیے دہلی جاتے تھے۔ ان میں سے خداوند زادہ (۲۵) قوام الدین قاضی ترمذ (مع اپنے خاندان اور بیٹوں کے) اور اس کے بھائی عماد الدین و ضیاء الدین و برہان الدین اور مبارک شاہ سمرقند کا ایک رئیس اور ارن بغا بخارا کا ایک رئیس اور ملک زادہ جو خداوند زادہ قوام الدین کا بھانجا تھا اور بدر الدین فصال تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے دوست اور خادم اور متعلقین تھے۔ ملتان میں پہنچنے کے دو مہینے بعد بادشاہ کا ایک حاجب پرتی نام اور ملک محمد ہروی کوتوال آئے۔ وہ خداوند زادہ قوام الدین کے استقبال کے لیے آئے تھے۔ ان کے ساتھ تین غلام تھے۔ ان کو مخدومہ جہاں بادشاہ کی والدہ نے خداوند زادہ کی زوجہ کے استقبال کے واسطے روانہ کیا تھا۔ یہ لوگ خداوند زادہ اور ان کی اولاد کے لیے خلعت بھی لائے تھے۔ میں نے کہا کہ میرا ارادہ اخوند عالم یعنی بادشاہ کی ملازمت کرنے کا ہے۔ بادشاہوں کو یہاں کے لوگ اخوند عالم کہتے ہیں۔ بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص خراسان کی طرف سے آئے اور اس کا ارادہ اس ملک میں ٹھہرنے کا نہ ہو تو اس کو آگے نہ آنے دیں (۲۶) جب میں نے کہا کہ میرا ارادہ اس ملک میں ٹھہرنے کا ہے تو قاضی اور گواہ طلب کیے گئے اور میرے دستخط ایک عہد نامے پر کرائے گئے۔ میرے ساتھیوں میں سے بعضوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور میں نے سفر کی تیاری کی۔ ملتان سے چالیس روز کا راستہ ہے برابر آبادی (۲۷) چلی جاتی ہے۔

(۱۱) دسترخوان کی ترتیب

حاجب اور اس کے ساتھیوں نے خداوند زادہ قوام الدین کی ضیافت کا انتظام ملتان سے کر لیا اور مع باورچی ساتھ لیے۔ یہ حاجب ایک منزل آگے چلتا تھا اور منزل پر پہنچنے سے پہلے خداوند زادہ کے لیے انتظام کھانے کا کر چھوڑتا تھا۔ جس قدر اشخاص کا میں نے ذکر کیا وہ علیحدہ علیحدہ خیموں میں ٹھہرتے تھے۔ لیکن کھانا خداوند زادہ کے ساتھ دسترخوان پر کھاتے تھے۔ میں فقط ایک دفعہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا تھا۔ اس ترتیب سے کھانا لاتے تھے' پہلے روٹیاں لاتے ہیں جو نہایت پتلی چپاتیاں ہوتی ہیں۔ بکری کو بھون لیتے ہیں اور اس کے چار یا چھ ٹکڑے کر کے ایک

ایک آدمی کے سامنے رکھتے جاتے ہیں۔ پھر گھی میں تلی ہوئی روٹیاں لاتے ہیں جس کے جوف میں حلوا سا ہوتا ہے بھرا ہوا ہوتا ہے اور ہر ایک ٹکیا کے اوپر ایک میٹھی روٹی رکھتے تھے۔ جس کو خشتی کہتے ہیں اور اس کو آٹے اور شکر اور گھی سے بناتے ہیں۔ پھر ایک چیز لاتے ہیں جس کو سموسہ کہتے ہیں اور وہ قیمہ کیا ہوا گوشت ہوتا ہے۔ اس میں بادام اور جائفل اور پستہ اور پیاز اور گرم مصالحہ ڈال کر پتلی چپاتیوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور پھر گھی میں تل لیتے ہیں۔ ہر ایک شخص کے سامنے پانچ یا چار سموسہ رکھتے ہیں۔ پھر چاول گھی میں پکے ہوئے لاتے ہیں اور اس کے اوپر مرغ ہوتا ہے۔ پھر لقیمات القاضی لاتے ہیں۔ اس کو ہاشمی بھی کہتے ہیں۔ پھر قاہریہ لاتے ہیں۔ حاجب کھانا شروع کرنے سے پہلے دسترخوان پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اور سب حاضرین بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم ان کے ملک میں یہ ہے کہ سر کو رکوع کی طرح نیچے جھکاتے ہیں۔ جب یہ کر چکتے ہیں تو دسترخوان پر بیٹھتے ہیں اور کھانا شروع کرنے سے پہلے چاندی اور سونے اور کانچ کے پیالوں میں مصری اور گلاب کا شربت پیتے ہیں۔ جب شربت پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ اس وقت سب کھانا شروع کرتے ہیں۔ کھانا ختم ہونے پر فقاع (۲۸) کے پیالے آتے ہیں اور جب فقاع پی چکتے ہیں تو پان سپاری آتا ہے۔ جب پان چھالیہ لے چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جیسی کھانے سے پہلے تعظیم کی تھی اسی طرح پھر کرتے ہیں اور پھر دسترخوان سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔



حوالہ جات

(۱) و (۲) سندھ' سنسکرت' میں سندھو دریا کو کہتے ہیں۔ کیونکہ آریا لوگ پہلے مغرب کی طرف سے آئے تھے اس لیے انہوں نے پہلے جو سب سے بڑا دریا دیکھا اس کا نام سندھو رکھ دیا۔ دریا کے نام سے ملک کا نام مشہور ہو گیا کیونکہ فارسی اور سنسکرت کے الفاظ میں ہ اور س کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس لیے اہل فارس اس ملک کو ہند کہنے لگے۔ بعد میں ملک کا نام ہند رہا اور دریا کا سندھ۔ دریا کے نام سے اس کے کنارے کا ملک بھی سندھ کہلانے لگا اور باقی ملک ہند۔ جو مورخ ہند اور سندھ کو حضرت نوح کے بیٹے بتلاتے ہیں' وہ محض قافیہ بندی ہے۔ اس کے بعد کہ اس میں پنجاب کے پانچوں دریا مل جاتے ہیں اس کو پنجند یا پنجاب کہتے ہیں۔ سلاطین مغلیہ کے وقت سے پہلے فقط دریائے سندھ کا نام پنجاب تھا۔ اور ملک کو پنجاب نہیں کہتے تھے۔ ناصر الدین قباچہ جب دریائے سندھ میں غرق ہو کر مر گیا تو بداؤنی لکھتا ہے ناصر الدین اور پنجاب غریق بحر فنا گشت۔ یعنی ناصر الدین قباچہ سندھ میں ڈوب کر مر گیا۔

(۳) دریائے نیل کوہ قمر سے جو خط استوا کے قریب واقع ہے نکلتا ہے اور تین ہزار میل لمبا ہے۔ ۱۷ جون سے طغیانی شروع ہوتی اور اگست میں یہاں تک بڑھتی ہے کہ تمام شمالی مصر جس کو ڈیلٹا کہتے ہیں پانی کا ایک تختہ ہو جاتا ہے۔ مصر میں بھی بارش نہیں ہوتی۔ زندگی کا مدار فقط اسی طغیانی پر ہے۔

(۴) سرتیز۔ عماد الملک سرتیز قوم کا ترکمان۔ بادشاہ کا داماد اور فوج کا سپہ سالار تھا۔ ۷۴۸ ہجری میں دکن میں جبکہ وہ حسن کانگوی بہمنی کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا۔ ایک لڑائی میں مارا گیا۔

(۵) سیوستان سے ابن بطوطہ کی مراد شہر سیوان ہے نہ کہ سبی اور جیکب آباد کا علاقہ کیونکہ اس علاقہ کو بھی سیوستان کہتے ہیں۔

(۶) برید۔ عربی میں قاصد اور ۱۲ میل کے فاصلے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں ڈاک چوکی کو' ترکی میں الاغ اور فارسی میں پیار کہتے ہیں۔

(۷) کروہ اور کوس ایک ہی لفظ ہے۔ کوس کی درازی ہندوستان کے مختلف حصوں میں مختلف ہے۔ شمالی ہندوستان اور پنجاب کا کوس ۱٫۲۵ انگریزی میل کا ہوتا تھا۔ گنگا کے کنارے جو ملک واقع تھے ان کا کوس ۲٫۲۵ میل انگریزی کا ہوتا تھا اور ہند منگیڈ اور

دکن میں ۳ میل کا کوس ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ اور اس کا ہم عصر ہر دو پڑاؤ فاصلے کی مقدار منزلوں میں لکھتے ہیں' لیکن منزل کوئی معیار نہیں۔ دولت آباد کا فاصلہ دہلی سے ۷۰۰ میل ہے۔ اس کو چالیس دن کا فاصلہ لکھا ہے۔ اس شرح سے تین میل یعنی ۱۵ کوس کی ایک منزل ہوئی جو بہت موزوں ہے۔ لیکن ملتان دہلی سے کسی طرح سے ۵۰۰ میل سے زیادہ نہیں مگر اس کو ابن بطوطہ نے پچاس دن کا رستہ لکھا ہے۔ سیوان (سیوستان) سے ملتان تک ۳۸۹ میل کا فاصلہ ہے۔ تقریباً اسی قدر جس قدر دہلی سے ملتان کا لیکن اس کو دس دن کا رستہ لکھا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دریا پر چلنے والی کشتی اس قدر عرصے میں پہنچ جائے' اغلباً ان فاصلوں کے بیان کرنے میں ابن بطوطہ نے غلطی کی ہے۔

(۸) داوہ۔ بداؤنی نے اس لفظ کو دھاوہ لکھا ہے۔ اب بھی محاورے میں دھاوے پر چڑھنا اور دھاوہ کرنا بولتے ہیں۔

جو دلچسپ حال ابن بطوطہ نے ڈاکیہ کی چوکی اور گھوڑوں کا بیان کیا ہے' وہ اب تک دیہات کے ڈاک خانوں میں ہو بہو دیکھا جاتا ہے۔ مالک الابصار کے مصنف شہاب الدین دمشقی نے جو ابن بطوطہ کا ہم عصر تھا (۶۹۷ھ تا ۷۴۹ھ) سراج الدین عمر شبلی کی زبانی جو حال ڈاک کا لکھا ہے وہ بھی تقریباً یہی ہے' جو ابن بطوطہ نے لکھا ہے۔ بلکہ وہ یہ زیادہ لکھتا ہے کہ ہر ایک چوکی پر مسجد اور تالاب اور دکانیں بھی ہوتی ہیں۔ اس نے یہ بات بھی زیادہ لکھی ہے کہ دولت آباد سے دہلی تک بڑے بڑے شہروں کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کا وقت اور کسی غیر معمولی واقعہ کے ہونے کا حال اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر ایک چوکی پر نقارے رکھے ہوتے ہیں اور ایک نقارے کی آواز سن کر دوسرا آواز دیتا ہے اور اس طرح سے ذرا سی دیر میں بادشاہ کو خبر پہنچ جاتی ہے۔

(۹) تکریت۔ نواح بغداد میں ایک قصبہ ہے۔

طلب کے کافروں سے اغلباً وہ فرنگی جہادی مراد ہیں جو اس وقت کہیں کہیں قابض تھے۔

(۱۰) کرکدن یعنی گینڈا دو قسم کا ہوتا ہے ایک سینگ والا اور دو سینگ والا۔ دو سینگ والا ساٹرا اور جاوا کا باشندہ ہے لیکن چٹاگانگ اور برما میں بھی ہوتا ہے۔ ایک سینگ والا اب اکثر برہم پترا کے کنارے پر پایا جاتا ہے اور افریقہ میں بھی ہوتا ہے۔ اس کی اونچائی ۶ فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی اور سینگ کی درازی ۱۳ انچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ دلدلوں اور کیچڑ میں رہتا ہے۔ (بقیہ) سر کی کلائی اور سینگ کی درازی میں ابن بطوطہ نے مبالغہ کیا ہے۔ اس

[illegible] ہوتا ہے۔ قزوینی اس جانور کا نام زرکد لکھتا ہے اور اس کو جثہ میں ہاتھی کے برابر بتاتا ہے۔ یہ بھی لکھتا ہے کہ وہ ہاتھی کو سینگ سے مارتا ہے۔ اس کا سینگ ہاتھی کے پیٹ میں الجھ جاتا ہے اور دونوں مر جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ اس میں اور ہاتھی میں بالطبع دشمنی ہے۔ بعض مصنف لکھتے ہیں کہ آدمی پر ضرور حملہ کرتا ہے یہ بھی غلط ہے۔ لیکن سرخ رنگ سے اس کو نفرت ہے۔ اگر کوئی آدمی سرخ کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے تو اس پر حملہ کرتا ہے۔ صاحب مخزن نے لکھا ہے کہ وہ گاؤمیش سے بڑا ہوتا ہے اور ہاتھی سے بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی کھال سیاہ اور چھن دار اور موٹی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ تیز سے تیز چاقو یا تلوار بھی اس میں اثر نہیں کرتی۔ یہ بیان زیادہ تر قرین صحت ہے۔ زمانہ قدیم میں اس کی کھال سے ڈھال تیار کرتے تھے۔ نوبہ اور حبشہ اور افریقہ میں جو گینڈا ہوتا ہے اس کا سینگ درازی میں زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی درازی بھی راس امید کے ایک سیاح مسٹر کولبن نے فقط دو فٹ لکھی ہے۔ سینگ کو جب عرض میں تراشتے ہیں تو جوہر دار ہونے کے سبب سے مور' گھوڑے اور ہاتھی کی تصویریں نمودار ہوتی ہیں لیکن یہ فقط واہمہ کی کارگری ہے۔ اس سینگ کی تاثیر کولبن نے لکھی ہے کہ اگر اس کا پیالہ ہو اور اس میں کوئی زہر یا زہر آمیز چیز ڈال دی جائے تو وہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔ صاحب مخزن نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی چاقو یا چھری جس پر گینڈے کے سینگ کا دستہ چڑھا ہو زہر آمیز چیز کے پاس رکھ دو تو اس میں سے زہر کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔ مگر بغیر تجربے کے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں کس قدر صحت ہے۔ یہ جانور جگالی کرتا ہے اور بالعموم اس کا سینگ چھ انچ سے زیادہ نہیں ہوتا۔

(۱۱) جنانی۔۔ اس نام کا کوئی شہر نہ اب ہے اور نہ آئین اکبری میں ابو الفضل نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ قوم سمہ کا دارالخلافہ ساموئی نگر تھا جو ٹھٹھہ سے ۳ میل کے فاصلے پر تھا' لیکن اس کو جام جونا نے پیچھے آباد کیا ہے اور قوم سومرہ کا بڑا شہر محمد تور تھا۔ یہ بھی ٹھٹھہ کے قریب واقع تھا لیکن میری رائے میں یہ شہر کہیں اوچھ اور سکھر کے درمیان دریا کے جنوبی کنارے پر واقع تھا اور جیسا کہ حال میں ڈیرہ غازی خان رفتہ رفتہ دریا برد ہو گیا' اسی طرح یہ شہر بھی نیست و نابود ہو گیا ہو گا۔

(۱۲) شیخ بہاء الحق زکریا قریشی ملتانی۔ ابن بطوطہ کی روایت کی مطابق ان کے جد اعلیٰ ہندوستان میں محمد بن قاسم ثقفی کے لشکر کے ساتھ ۹۸ ہجری میں آئے تھے لیکن یہ درست نہیں۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین کے دادا کمال الدین قریشی مکہ معظمہ سے

خوارزم میں آئے اور وہاں سے ملتان میں آگئے۔ کوٹ کرور میں مولانا حسام الدین ترمذی کی دختر سے ان کے فرزند وجیہ الدین کی شادی ہوئی اور اس کے بطن سے شیخ بہاء الدین ۵۷۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ شیخ معین الدین بجاپوری نے آپ کا نسب عیار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی میں ملایا ہے۔ یہ اسد ام المومنین خدیجہ کے دادا تھے۔ ملتان کے قریشی اپنا نسب اس طرح بیان کرتے ہیں عیار بن ہاشم بن عبدمطلب بن قصی لیکن اس میں کلام ہے کیونکہ اسد بن ہاشم کے فقط ایک بیٹا حنین اور ایک دختر فاطمہ تھیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ تھیں۔ حنین کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں جو اس نے تصنیف کی تھی لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد کے

اسی زمانہ میں ایک اور قریشی صاحب ضلع ملتان کے رہنے والے مجھے ملے اور ان کے پاس ایک پرانا قلمی رسالہ تھا جو شیخ شرف الدین قریشی کی تصنیف سے تھا۔ یہ شیخ شرف الدین مخدوم رشید کی اولاد سے تھے اور یہ رسالہ انہوں نے ملفوظات شیخ شمس الدین سے بمقام لاہور موچی دروازہ محلہ شیخ بڈھن کتب خانہ شیخ عبدالغفور سے تالیف کیا تھا اس میں یہ درج ہے:

آنان مشائخ در عہد ارلغ پاشہ و قیس و قیس بن الحجۃ و ہو من اولاد شیخ عیار بن عبدالرحیم بن مطرف بن حزیمہ قاسم بن عیار و ہو بن الاسد بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔

اول شخص کہ از اجداد ایشاں در ہند آمد عبداللہ حسین بن میر تاج الدین بود کہ در عہد محمود شاہ غزنوی در غزنی آمد و ہمراہ لشکر او بر فرا آمدید سلطان محمود آن راسعہ دہ ہزار سوار در کوٹ کرور گزاشت۔

شیخ بہاء الدین نے خرقہ خلافت شیخ شہاب الدین سہروردی صدیقی سے حاصل کیا تھا۔ آپ کا مزار ملتان میں قلعہ کے اوپر واقع ہے۔ عراقی اور میر حسینی مصنف نزہت الارواح آپ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا انتقال ۶۶۱ھ میں ہوا۔ غوث بہاء الحق صاحب کے دست خاص کا ایک نسخہ کتاب "کشف المحجوب" کا مترجم کے پاس موجود ہے۔ اس میں سنہ کتابت ۶۶۱ھ درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب آپ نے سو برس کی عمر میں کتابت کی تھی۔۔۔۔۔

شیخ صدر الدین عارف آپ کے فرزند اور جانشین اور شیخ رکن الدین قریشی جن سے اس سفرنامہ میں اکثر روایتیں ابن بطوطہ نے کی ہیں آپ کے پوتے تھے۔ ابن بطوطہ نے

صدر الدین کی جگہ شمس الدین بام قلطی سے لکھا ہے۔

(۳) سیوستان۔ فرشتہ نے محمد بن قاسم ثقفی کی فتوحات کے ذکر میں لکھا ہے۔

"بعد ازاں سیستان شہر مراہ گرفتہ متوجہ بلدہ سیوستان کہ دریں عصر بسیواں شہرت دارد گردید۔"

سیواں اب کراچی کے ضلع میں ایک تعلقہ ہے۔ کراچی سے ۹۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یا ۱۰ ہزار کے قریب آبادی ہے۔ شہباز قلندر کی مشہور خانقاہ بھی اسی شہر میں ہے جو ۷۵۶ھ میں تعمیر کی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کا قلعہ سکندر اعظم کا بنایا ہوا ہے۔ شہر کے قریب ایک جھیل منچھر نام ہے۔ جو برسات میں ۲۰ میل لمبی اور ۱۰ میل چوڑی ہو جاتی ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے۔ نزدیک سیواں بزرگ کولا دستہ دراز اوردند آنزا بچہ گویند بر فراز آب زینہا ساختہ برستہ ماہی گیراں بسر برند۔

(۴) اسقنقور۔ فارسی میں ریگ ماہی اور ہندی میں بن روہو کہتے ہیں۔ پانی کی گوہ کے علاوہ ایک جانور خشکی میں ہوتا ہے۔ اس کی ماہیت کی بابت مختلف قول ہیں۔ اس کے گوشت کو بھی بدرجہ غایت لکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سانڈہ اور گوہ کی کوئی بڑی قسم ہے۔ مصر میں دریائے نیل کے کنارے ریگستان میں ہوتی ہے۔ صاحب مخزن نے لکھا ہے کہ اس نے ایک بن روہو مرشد آباد میں دیکھا تھا جو [illegible]ھ میں چین کے ملک سے لائے تھے۔ اس کا طول دو ہاتھ اور عرض نصف ہاتھ تھا اور ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے تھے۔ لیکن اس کا گوشت کھانے والوں نے اس بھی خاصیت کی تصدیق نہیں کی۔

(۵) مستعصم باللہ۔ آخری خلیفہ خلفائے عباسی سے تھا۔ ۶۵۶ھ میں اس کو ہلاکو خان نے جو چنگیز خان کا پوتا تھا کمبل میں لپیٹ کر گرزوں سے مروا ڈالا۔ تاریخ خلفاء میں قتل الخلیفہ رفسا لکھا ہے یعنی اس کو لاتیں مار کر مار ڈالا۔ شیخ سعدی نے ایک نہایت پر تاثیر مرثیہ لکھا ہے۔ جس کا آغاز اس طرح ہے:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں
اے محمد گر قیامت سے بر آری سر ز خاک
سر بر آور ویں قیامت درمیان خلق بیں
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ
ہم بداں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

خلفائے بغداد کی حکومت جو پانچ سو بیس سال سے چلی آتی تھی اس خلیفہ پر ختم ہو گئی۔

(۳) ہندوستان کے اس عصر کے مورخوں کو جب ٹنکہ کا رواج تھا اس کی ماہیت اور قیمت معلوم کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی اور پچھلے مورخوں نے جو کوشش کی تو ان کو کچھ پتہ نہ لگا۔ لیکن غیر ملکوں کے مسافروں کی تحریر سے اور سکوں سے جو دستیاب ہوتے ہیں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب مسلمان اول ہی اول ہندوستان میں آئے تو یہاں زیادہ تر رواج ایک سکہ کا تھا جس کو دلی وال کہتے تھے۔ وہ جیتل کے برابر ہوتا تھا۔ چنانچہ تاج المآثر کا مصنف اسی لفظ کا استعمال کرتا ہے۔ سراج عفیف یعنی طبقات ناصری کا مصنف الفاظ جیتل اور ٹنکہ کا استعمال کرتا ہے۔ سلطان محمود کے سکوں پر جو ۴۱۸ ہجری کے ہیں۔ عربی میں درہم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور سنسکرت میں ٹنکہ کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹنکہ اصل میں ہندوستان کا لفظ ہے اور ترکی نہیں۔ جیسا کہ بعض کہتے ہیں شروع میں تنکہ نقرہ اور تنکہ طلائی وزن میں ۱۷۵ گرین یعنی ۱۰۰ رتی کے ہوتے تھے لیکن سلطان محمد تغلق نے ایک تنکہ نقرئی ۱۴۰ گرین یعنی ۸۰ رتی کا بھی چلایا تھا۔ اسی کو ابن بطوطہ ابنا درہمی دینار کہتا ہے اور معمولی تنکہ نقرہ کو دینار کہتا ہے۔ مسالک الابصار کا مصنف کہتا ہے کہ طلائی ٹنکہ تین مثقال کا ہوتا تھا اور نقرئی تنکہ کی آٹھ ہشت گانیاں آتی تھیں اور ایک ہشت گانی مصر اور شام کے درہم کے برابر ہوتی ہے اور ایک ہشت گانی کی چار سلطانیاں آتی تھیں اور ایک سلطانی یا دو گانی کے دو جیتل اور ایک جیتل کے چار فلوس۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی تنکہ نقرہ کے چونسٹھ جیتل ہوتے تھے اور عدلی کے پچاس اور فرشتہ نے جو لکھا ہے کہ تنکہ کے پچاس پول آتے تھے اس کی مراد عدلی ٹنکہ ہے اور پول سے اس کی مراد جیتل ہے۔ اکبر بادشاہ کے وقت کا جیتل ایک علیحدہ چیز تھی وہ ایک روپیہ کا ہزارواں حصہ ہوتا تھا۔

صاحب طبقات اکبری نے علاوہ ٹنکہ سفید و ٹنکہ سرخ یعنی ٹنکہ نقرئی و ٹنکہ طلائی کے ایک اور لفظ ٹنکہ سیاہ استعمال کیا ہے۔ سلطان محمد تغلق کے عطیات کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے "واضح باشد کہ مراد ازیں ٹنکہ نقرہ است کہ پارہ از مس ہم داشت و بہ ہشت ٹنکہ سیاہ برابر داشت"۔

بعض مورخ کہتے ہیں کہ فرشتہ نے اس فقرہ کو خبط کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے "چنانچہ نظام الدین احمد بخشی تحقیق کردہ مراد ازیں تنکہ نقرہ است کہ پارہ مس ہم داشت و یکے ازاں تنکہ ہشتادو پول مس میدادند"۔ لیکن میری رائے میں طبقات اکبری کے موجودہ نسخوں

میں خواہ کچھ ہی ہو تنکہ سیاہ کا جو مطلب فرشتہ نے لیا ہے وہ درست ہے۔ کیونکہ سلطان محمد تغلق کے سکوں میں سے ایک سکہ جس میں چاندی اور تانبا مخلوط ہے ۳۲ رتی کا موجود ہے اور تعجب یہ ہے کہ وہ نہ تو عدلی کا پورا حصہ ہے اور نہ معمولی ٹنکہ کا اور ایک مستقل سکہ ہے۔ سکوں کے تحقیق کرنے والے حیران ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ میری رائے میں اصل ٹنکہ کا وزن یہ ہی تھا اور اس صورت میں ٹنکہ ٹانک کے لفظ سے مشتق ہے جو چار ماشہ کے برابر ہوتا ہے۔ یہی اس سکہ کا وزن ہے اور اس لیے ٹنکہ سیاہ اسی سے مراد ہے۔ الغرض ابن بطوطہ کے وقت میں تین طرح کے ٹنکے تھے۔ (۱) ٹنکہ سفید جو خالص چاندی کا ۱۰۰ رتی کا اور اسی (۸۰) رتی کا ہوتا تھا۔ ۸۰ رتی والے کو عدلی بھی کہتے تھے۔ (۲) ٹنکہ سرخ جو خالص سونے کا ہوتا تھا۔ اس کا وزن بعض کا ۱۰۰ رتی اور بعض کا ۸۰ رتی بھی ہے۔ (۳) ٹنکہ سیاہ جو ۳۲ رتی کا ہوتا تھا اور چاندی اور تانبے کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ نے معمولی ٹنکہ سفید کو ہمیشہ دینار کہا ہے اور عدلی کو درہمی دینار اور طلائی کو ٹنکہ اور ٹنکہ سیاہ کا اس نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ درہم کا لفظ استعمال کرتا ہے لیکن وہاں اس کی مراد ہشت گانی سے ہے۔ جو حال کے روپیہ کی دوانی کے برابر ہوتا تھا اور جس کو مسالک الابصار کا مصنف مصر اور شام کے درہم کے برابر بتلاتا تھا اور ابن بطوطہ بھی درہم کے مساوی کہتا ہے۔ مسٹر ایڈورڈ طامس نے نظام الدین احمد بخشی کی مذکورہ بالا عبارت سے نتیجہ نکالا ہے کہ ٹنکہ سیاہ ششگانی یعنی چھ جیتل کے مساوی ہوتا تھا۔ اس صورت میں مصنف طبقات اکبری کی مراد اس ٹنکہ سے جو سلطان محمد رائج تھا۔ عدلی ٹنکہ ہوتا ہے لیکن عدلی اور معمولی ٹنکہ میں فقط ایک خمس کا فرق تھا۔ مگر ٹنکہ معمولی سمجھو یا عدلی عطیات کی عظمت میں کچھ بڑا فرق نہیں پڑتا حالانکہ مسٹر طامس یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ ٹنکہ معمولی ٹنکہ سے قیمت میں بہت کم تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹنکہ سیاہ ٹنکہ تھا خواہ اس کو ۳۲ رتی کا سمجھو یا ہشت گانی یا ششگانی۔ سونے اور چاندی کے ٹنکہ میں جاولہ کی شرح جو ایک اور دس کی ابن بطوطہ لکھتا ہے وہ بھی بہت ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ ابن بطوطہ نے آئندہ ایک موقع پر یہ لکھا ہے کہ ۵۵ ہزار تو اس کا قرضہ تھا اور ۱۲ ہزار بادشاہ نے انعام دیا تھا اور ان کے عوض دسواں حصہ حسب دستور وضع کر کے اس کے پاس ۶۰۳۰۰ ٹنکہ طلائی پہنچے۔ اگر ایک اور دس کی شرح جاولہ ہوتی تو اس کے اس ۶۰۳۰ دینار طلائی آنے چاہئیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت جاولہ کی شرح دس اور گیارہ کے درمیان تھی۔

(۱۷) وصاف۔ تاریخ طاہری و تحفۃ الکرام و تاریخ معصومی و آئین اکبری و فرشتہ وغیرہ

تذکروں میں سومرو اور سمہ کے خاندانوں اور ان کے امیروں اور جاموں کا حال جو کچھ لکھا ہے' وہ اس قدر متناقض اور غلط ہے کہ کوئی درست رائے قائم کرنے کی کوشش کرنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ فقط اس قدر کسی صحت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ۴۵۰ھ کے قریب عبدالرشید غزنوی کے ایام حکومت میں خاندان سومرو کی سلطنت ابن سمار نے قائم کی اور وہ بجائے پانسو سال کے جیسا کہ فرشتہ لکھتا ہے تقریباً تین سو سال تک رہی۔ لیکن اس عرصہ میں بھی وہ کبھی شاہان دہلی کے مطیع رہے اور کبھی باغی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۷۵۲ھ کے قریب خاندان سمہ میں سلطنت منتقل ہوگئی اور ۹۲۷ھ کے قریب خاندان سمہ میں سلطنت منتقل ہوگئی اور ۹۲۷ھ میں خاندان ارغون ان کی بجائے قائم ہوا۔ ۷۵۲ھ کی تاریخ میں مجھے کچھ شک ہے کیونکہ ۷۶۲ھ میں جب فیروز شاہ تغلق نے سندھ پر حملہ کیا تو اس وقت ضرور سمہ خاندان تھا کیونکہ وہاں کا امیر جام بانیہ تھا۔ لیکن ۷۵۲ھ کے قریب جب سلطان محمد تغلق سندھ میں گیا تو ٹھٹھہ میں سومرو قوم کا ہونا بیان کیا ہے لیکن ان کے امیر کو بھی ضیاء برنی نے جام کر کے لکھا ہے۔ ۷۳۴ھ میں جس وقت کا ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے وہ بھی سومرو قوم کا ذکر کرتا ہے اور سمہ کا نام بالکل نہیں لیتا۔ لیکن ایک مشکل باقی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت ابن بطوطہ گیا تو سومرو کا سردار وُنار بیان کیا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ وُنار وہی ہے جو سمہ خاندان کا پہلا جام اونار یا اونڑا ہے۔ جس لفظ کو تاریخ فرشتہ کے کاتبوں نے بگاڑ کر افرا لکھ دیا ہے' تاریخ معصومی میں اس کی اور ملک رتن سیوستانی کی لڑائی کا ذکر کیا ہے۔ جو ابن بطوطہ کے بیان سے کچھ مختلف ہے۔ بیگلار نامہ کے مصنف نے خاندان سمہ کے آغاز کی تاریخ ۷۳۴ھ دی ہے۔ یہ ابن بطوطہ کے بیان کی مخالف نہیں ہے بلکہ اس کی تائید کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی سال میں جب ابن بطوطہ پہنچا ہو جام اونار کے عروج کا وقت شروع ہوا ہو اور چونکہ سومرو خاندان صدہا سال سے سندھ پر حکومت کرتا آتا تھا اور سمہ خاندان کا عروج اسی سال میں شروع ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے سمہ کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ میری رائے میں یہ تمیز ضیاء برنی نے بھی اسی وجہ سے نہیں کی اور قوم سمہ کو سومرو لکھ دیا۔ سر ہنری ایلیٹ کا یہ قیاس کہ خاندان سمہ کے راجہ ۷۹۳ھ میں مسلمان ہوئے' درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ابن بطوطہ نے جو چند رواج دیئے ہیں' وہ ہندوؤں کے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا کہ وُنار ہندو تھا' بلکہ اس کے رتن کے مخالف ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ مسلمان تھا اور ہندو کی اطاعت اس کو گراں گذری۔ میرے نزدیک سومرو خاندان کچھ مدت پہلے ایسا ضعیف ہو گیا تھا کہ اس کی حکومت برائے نام تھی اور ابن بطوطہ

کے آنے کے وقت بھی سلطان محمد تغلق کی حکومت تمام سندھ میں تھی اور کوئی سومرو بطور مستقل امیر کے باقی نہیں رہا تھا۔ ۷۳۴ھ اور ۷۵۱ھ کی بغاوتیں سمہ قوم کے جاموں کے وقت میں ہوئی ہیں اور اس لیے قوم سمہ کا آغاز ۷۳۴ھ سے سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ بیگلر نامہ میں درج ہے لیکن اس کو ۷۵۱ھ کے قریب جا کر استقلال ہوا کیونکہ ۷۳۴ھ کی بغاوت جیسا کہ ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے بڑی سختی کے ساتھ فرو کر دی گئی تھی۔ تحفۃ الکرام اور تاریخ معصومی کے مصنفوں نے سومرو خاندان کے امیروں کی فہرست مکمل نہیں کی اور جو لکھی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ منتخب التواریخ کے مصنف محمد یوسف نے جو فہرست دی وہ یہ ہے۔ یہ فہرست سب سے زیادہ مکمل ہے۔

۱۔ سومرو' ۴۳۵ ہجری
۲۔ بھونگر' ۴۴۹ سے ۴۶۴ ہجری' ۱۵ سال
۳۔ دودا' ۴۶۱ سے ۴۸۵ھ' ۲۴ سال
۴۔ سنگر' ۴۸۵ سے ۵۰۰ھ' ۱۵ سال
۵۔ خفیف' ۵۰۰ سے ۵۳۳ھ' ۳۳ سال
۶۔ عمر' ۵۳۳ سے ۵۷۳ھ' ۴۰ سال
۷۔ دودا ثانی' ۵۷۳ سے ۵۸۷ھ' ۱۴ سال
۸۔ پانھو' ۵۸۷ سے ۶۲۰ھ' ۳۳ سال
۹۔ خیرا' ۶۲۰ سے ۶۳۶ھ' ۱۶ سال
۱۰۔ محمد تور' ۶۳۶ سے ۶۵۱ھ' ۱۵ سال
۱۱۔ خیرا ثانی ۶۵۳ھ
۱۲۔ دودا ثالث' ۶۵۳ سے ۶۷۷ھ
۱۳۔ طائی' ۶۷۷ سے ۷۰۰ھ
۱۴۔ چانیسر' ۷۰۰ سے ۷۱۸ھ' ۱۸ سال
۱۵۔ بھونگر ثانی' ۷۱۸ سے ۷۳۳ھ' ۱۸ سال
۱۶۔ خفیف' ۷۳۳ سے ۷۵۱ھ' ۱۸ سال
۱۷۔ دودا رابع' ۷۵۱ سے ۷۷۶ھ' ۲۵ سال
۱۸۔ عمر' ۷۷۶ سے ۸۱۰ھ' ۳۵ سال
۱۹۔ بھونگر ثالث' ۸۱۰ سے ۸۲۱
۲۰۔ عمیر

بعض نسخوں میں نمبر ۹ و نمبر ۱۲ و نمبر ۱۳ درج نہیں ہے۔ اگر ان کو نکال دیا جائے تو تاریخیں درست ہو جاتی ہیں۔ اس حساب سے دودا رابع سلطان علاء الدین خلجی کا ہم عصر ہو جاتا ہے جیسا کہ تاریخ طاہری میں درج ہے اور اگر عمیر اور عمر کو ایک ہی سمجھا جائے تو نمبر ۱۹ اور ۲۰ کو بھی نکال دینا چاہیے۔ منتخب التواریخ میں جو عمیر اور ارکیل کی بابت قصہ لکھا ہے وہ مصنف تاریخ طاہری نے عمر کی بابت لکھا ہے۔ اس حساب سے عمر کی سلطنت ۷۷۳ھ میں ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجہ اس تمام تحقیقات کا یہ ہے کہ خاندان سومرو کی باستقلال سلطنت ۴۳۵ھ یعنی ۱۰۵۳ء سے شروع ہو کر ۷۷۳ھ یعنی ۱۳۷۱ء تک رہی یعنی فیروز شاہ کے حملہ تک اور خاندان سمہ کے مستقل جام جام بانیہ سے شروع ہوئے تھے۔

اگرچہ ان کا آغاز ۱۰۳۲ء یعنی ۴۲۳ھ سے شروع ہو گیا تھا اور انہوں نے شمالی سندھ میں شاہان دہلی کے حاکموں کو جام اونار اور جام جونا کے وقت میں نکال دیا تھا۔ یہ سومرے اور سمّے یا سمے دونوں راجپوت تھے اور سندھ کے قدیم باشندے تھے۔ خوشامد گر مورخوں نے جو ان کو عرب اور جمشید کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ بے بنیاد ہے۔ لس بیلہ کے نواب اور نوانگر کے راجا اب بھی جام کہلاتے ہیں اور کچھ بھوج کے جاریجہ رجپوت بھی سمے ہیں۔

(۱۸) لاہری۔ ہنٹر صاحب نے اپنی گزیٹر میں اس کا نام لاہوری بندر لکھا ہے۔ اب محض ایک گاؤں ہے اور کراچی کے ضلع میں واقع ہے۔ دریائے سندھ کی مغربی شاخ پر سمندر سے ۲۰ میل اندر کی طرف ہے۔ اس شاخ کے تنگ ہو جانے کے سبب سے مدت ہوئی یہ شہر تباہ ہو گیا۔ لیکن ابن بطوطہ کے وقت میں یہ بندر سندھ میں سب سے بڑا شمار کیا جاتا تھا۔ آئین اکبری میں بھی اس کو بندر لاہری کر کے لکھا ہے۔ اس وقت بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاصا بندر تھا۔ اس بندر کی آمدنی ابو الفضل نے ایک لاکھ ۳۸ ہزار روپیہ لکھی ہے۔ اٹھارویں صدی کے آخیر تک ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک تجارتی کوٹھی وہاں موجود تھی۔ کراچی نے جو عروج حاصل کیا ہے' وہ اسی صدی کے اندر اندر ہوا ہے اور خصوصاً سرکار انگریزی کے قبضے میں آنے کے بعد۔

(۱۹) جنرل کننگھم کی تحقیقات کے بموجب یہ کھنڈرات دیبل کے تھے جو سندھ کا سب سے پرانا دار الخلافہ تھا اور بندر لاہری سے فقط ۵ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ فرشتہ اور ابو الفضل دونوں نے دیبل اور ٹھٹھہ کو ایک شہر لکھا ہے' یہ ان کی غلطی ہے۔ اگرچہ ٹھٹھہ کو بھی دیبل ٹھٹھہ کہتے تھے لیکن دیبل ایک قدیم اور علیحدہ شہر تھا۔ بعضوں نے خیال کیا ہے کہ دیبل اسی جگہ تھا جہاں اب منوڑ کراچی کا منارہ روشنی واقع ہے۔ لیکن یہ قیاس بالکل غلط ہے۔ دیول اور دیبل کے لغوی معنے مندر کے ہیں۔ ٹھٹھ کی آبادی قدیم نہیں ہے۔ یہ شہر سلطان علاء الدین خلجی کے وقت میں آباد ہوا تھا۔ تاریخ طاہری کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ جس شہر کو اب لاہری بندر کہتے ہیں' قدیم زمانہ میں اس کو بندر دیبل کہتے تھے۔ یہ درست معلوم ہوتا ہے (اگرچہ الیٹ صاحب نے اس کے اس بیان کو تسلیم نہیں کیا) کیونکہ دیبل کے ویران ہونے کے بعد بندر لاہری اس سے تھوڑے فاصلے پر آباد کیا گیا تھا۔

(۲۰) مسلمان توحید کے ماننے والے جس جگہ بت وغیرہ دیکھتے ہیں ہمیشہ اس کی توجیہ مسخ ہونے سے کیا کرتے ہیں اور مسخ ہونے کے لیے کوئی کہانی بھی لوگ تجویز کر لیا کرتے ہیں۔

حالانکہ بتوں کا بنانا اور رکھنا قدیم بت پرستوں کے مذہب کا ایک جزو تھا۔

(۲۱) زمانہ حال میں بکھر فقط اس قلعہ کو کہتے ہیں جو دریائے سندھ کے بیچ میں روڑی اور سکھر کے درمیان واقع ہے۔ یہ محض قلعہ ہے اور ہمیشہ سے قلعہ ہوگا۔ سکھر اور اس قلعہ کے درمیان دریا کے جو شاخ ہے دو سو گز چوڑی ہے اور روڑی اور قلعہ کے درمیان کی شاخ چار سو گز چوڑی ہے۔ یہ پچھلی شاخ نہایت گہری ہے۔ بکھر کا شہر اس وقت اغلباً وہ ہوگا جس کو اب سکھر کہتے ہیں' جہاں میر محمد معصوم بکھری صاحب تاریخ معصومی کا منارہ اور مقبرہ واقع ہے۔ کیونکہ روڑی کا موجودہ شہر فقط ۹۷۱ھ سے آباد ہوا ہے اور ایک پرانا شہر الور نام اس سے پندرہ میل کے فاصلے پر سندھ کے پرانے شکم پر واقع تھا جہاں سے اب دریا ہٹ گیا ہے۔ ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سکھر اور قلعہ بکھر سے ایک شہر مراد لیا ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ دریائے سندھ کی ایک شاخ شہر میں سے گزرتی ہے۔ کشلو خان کی بنائی ہوئی خانقاہ شاید وہ ہوگی جس کو اب خواجہ خضر کی خانقاہ کہتے ہیں اور جو قلعہ کے متصل شمال میں واقع ہے۔ لیکن دریا میں علیحدہ ایک چھوٹے سے جزیرہ پر واقع ہے کیونکہ ایک دوسرا جزیرہ جو جنوب کی طرف واقع ہے اور جس کو سادھ بیلہ کہتے ہیں وہاں ہندوؤں کا مندر ہے۔ جو قدیم سے چلا آتا ہے۔ سکھر اب بڑی تجارت اور بہت رونق کی جگہ ہے اور نیا شہر پہاڑی سے نیچے ہیں دریا کے کنارے آباد ہوا ہے۔ آبادی اب تیس ہزار کے قریب ہے۔ دریائے سندھ پر اب ریلوے پل بندھ گیا ہے۔ ضلع کا صدر بھی اب شکارپور سے منتقل ہو کر سکھر میں آ گیا ہے۔ آئین اکبری میں ابو الفضل لکھتا ہے: بکھر گزین دژیست و آنرا در کہن نامہ منصورہ نوشتند۔ ہر شش دریا یکجائی گزیدہ ورہ او گذرد دو حصہ از جانب جنوب قلعہ و یکے بخش از شمال۔ باراں کم شود و میوہ گزیں۔ یہ تحقیق محقق علامی کی کہ منصورہ اور بکھر ایک ہے' بحث طلب ہے۔ حال کی تحقیقات سے منصورہ کا شہر حیدرآباد کے قریب تھا جہاں اب قصبہ نصیرپور واقع ہے۔

(۲۲) اوچ۔ اب یہ شہر بہاولپور کی ریاست میں دریائے پنجند کے کنارے پر واقع ہے۔ ملتان سے ۷۰ میل ہے۔ پہلے زمانے میں دریائے سندھ اور پنجاب کے پانچوں دریا اوچ کے پاس ملتے تھے اب چالیس میل نیچے مٹھن کوٹ کے قریب ملتے ہیں۔ کننگھم صاحب کی رائے ہے کہ یہ شہر سکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔ لیکن چونکہ اکثر شہروں کی بابت یہ کہا جاتا ہے' معلوم نہیں اس میں کس قدر صداقت ہے۔ ناصر الدین قباچہ کے وقت میں یہ شہر

سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ سادات بخاری اور گیلانی اس شہر میں رہتے ہیں۔ سید جلال بخاری اور مخدوم جہانیاں کے مزار اس شہر میں ہیں لیکن کسی مزار کی عمارت قابل تعریف نہیں۔ مزار کے دروازے پر یہ تاریخی شعر درج ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جلال شاہ
تاریخ بود ہفت صد و ہشتا دو پنج سال

تحجرالواصلین میں سال ولادت کی نسبت یہ شعر لکھا ہے۔

ہفت صد ہفت سال ہجری بود
کان مہ برج دیں طلوع نمود

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ کے اوچ میں پہنچنے کے وقت سید جلال المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ ان کے دادا سید جلال بخاری بہت دنوں پہلے فوت ہو چکے تھے۔

(۲۳) سید جلال الدین حیدری علوی۔ اغلباً سید جلال جہانیاں جہاں گشت سے مراد ہے جو سید جلال بخاری کے پوتے تھے اور اسی عہد میں تاریخ ضیاء برنی سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ اور جان بابیہ حاکم سندھ کی صلح بھی سید جلال نے ۷۶۷ء میں کروائی تھی۔

(۲۴) ملتان بہت قدیم شہر ہے۔ سکندر بن فیلقوس کے وقت میں یہ شہر قوم مالی کا دارالخلافہ تھا لیکن جنرل کننگھم کی رائے میں اس کی وجہ تسمیہ سورج دیوتا کا مندر ہے جس کے سبب سے یہ شہر ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ ۶۴۱ء میں ہیون تسنگ ایک چینی سیاح ہندوستان میں آیا تو بھی یہ مندر اور سورج کا بت موجود تھا اور اس وقت ملتان کے شہر کا گردا پانچ میل تھا۔ چچنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۱۲ء میں جب محمد قاسم ثقفی نے اس شہر کو فتح کیا اس وقت راوی اس ضلع کے جنوب اور مشرق تک بہتا تھا اور راوی قلعہ اور شہر کے بیچ میں بہتی تھی۔ بلاذری (۸۷۵ء) نے بھی اس بت کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ تمام سندھ کے ملک سے جاتری یہاں آتے تھے اور داڑھی اور سر منڈوا کر مندر کا طواف کرتے تھے۔ ابو زید اور مسعودی نے جو ہم عصر تھے (۹۱۵ء) اس مندر کا ذکر کیا ہے۔ **اصطخری** (۹۵۱ء) لکھتا ہے کہ اس مندر کی تعظیم کے سبب سے کوئی دشمن جو ہندو مذہب کا ہوتا تھا اس شہر پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے وقت میں یہ مندر عین بازار کے چوک میں واقع تھا۔ ابن حوقل (۹۷۶ء) کہتا ہے کہ یہ بت آدمی کی شکل کا ہے اور ایک چبوترے پر بیٹھا ہوا ہے۔ آنکھوں میں دو جواہرات لگے ہوئے ہیں اور باقی جسم پر سرخ کھال منڈھی ہوئی ہے۔ یہ معلوم نہیں اس کا جسم کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ ابن حوقل کے تھوڑے دن بعد قرامطہ نے اس شہر کو فتح کیا اور اس مندر کو توڑ ڈالا اور اس کی جگہ ایک مسجد بنوا دی۔ جب ابو ریحان ملتان میں آیا تو یہ بت موجود نہیں تھا۔ لیکن ادریسی نے (۱۱۳۰ء) میں پھر اس کا ذکر کیا ہے۔ ادریسی کے وقت میں بھی راوی شہر کے نیچے بہتی تھی۔ موسیو تھے وی نو ایک فرانسیسی سیاح ۱۶۶۶ء میں اورنگ زیب کے وقت میں آیا تھا وہ بھی اس سورج کی مورتی کا ذکر کرتا ہے اور اس کا بھی وہی بیان ہے جو ابن حوقل نے کیا ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ اورنگ زیب نے اس بت خانہ کو توڑ کر اس کی جگہ وہ مسجد قلعہ میں بنوا دی تھی جو مولراج کے زمانے میں محاصرہ ملتان کے وقت بطور میگزین کے استعمال کی جاتی تھی اور آگ لگنے سے اڑ گئی تھی۔ جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ میں نے ۱۸۵۳ء میں اس کے کھنڈرات دیکھے تھے وہ قلعہ کے عین وسط میں تھی۔ اس سے عربی مورخوں کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ مندر عین بازار کے وسط میں واقع تھا۔ تیمور کے وقت تک دریائے راوی شہر اور قلعہ کے دونوں طرف بہتا تھا اور اس کی ایک شاخ دونوں کے بیچ میں بہتی تھی۔ پہلاد پوری کا مندر جو اب قلعہ میں ہے' اس کا سورج دیوتا کے مندر سے کچھ تعلق نہیں۔ ممکن ہے کہ سورج کنڈ کا مندر جو شہر سے پانچ میل ہے' اس کا بقیہ ہو۔ شاہ رکن عالم کا مقبرہ اس شہر میں ایک عجیب چیز ہے۔ کل بلندی سو فٹ ہے اور پچاس فٹ کی بلندی پر وہ تعمیر کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں غیاث الدین تغلق نے اپنے واسطے بنوایا تھا' لیکن محمد شاہ تغلق نے وہ شاہ رکن عالم کو دے دیا تھا اور یہ کہانی کہ شاہ رکن عالم کی قبر غوث صاحب کے پائین تھی اور غوث صاحب نے کسی کو خواب میں فرمایا کہ ہم اس بے ادبی کے متحمل نہیں ہو سکتے اور اس لیے شاہ رکن عالم غیاث الدین کے مقبرہ میں چلے گئے اور اس لیے بادشاہ کو یہ مقبرہ دینا پڑا' کچھ اصلیت نہیں رکھتی۔ زیادہ ترجیح یہی ہے کہ محمد تغلق نے عقیدت یا مصلحت کی وجہ سے یہ مقبرہ قریشیوں کو دے دیا اور اپنے باپ کا مقبرہ تغلق آباد میں بنوایا۔ موجودہ شہر کی آبادی مع چھاؤنی کے اسی ہزار کے قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ نے دس میل پرے راوی کو عبور کیا ہے کیونکہ اگر وہ چناب و جہلم اور راوی تینوں کو عبور کرتا تو دریا کو چھوٹا نہ بتلاتا۔

(۲۵) خداوند زادہ۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اس وقت کی اصطلاح میں خداوند زادہ ان کو کہتے تھے جو سلاطین غور کی اولاد سے ہوتے تھے اور مخدوم زادہ اس کو کہتے تھے جو خلفائے

عباسیہ کی اولاد سے ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند زادہ قوام الدین سید تھے۔ شاید والدہ کی طرف سے ان کا نسب سلاطین غور سے ملتا ہوگا۔

(۲۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کا پردیسیوں کو اعلیٰ اعلیٰ عہدے دینا مصلحت سے خالی نہ تھا۔ وہ چاہتا کہ لائق لائق آدمی خراسان اور ترکستان اور عرب و شام وغیرہ سے آکر اس کی ملازمت اختیار کریں۔ بدایونی نے ۷۳۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے "دوران سال چنداں مردم از ولایت خراسان و عراق و سمرقند بامید بخشش سلطان در ہند آمدند کہ درین دیار بغیر از ایشاں طائفہ دیگر کم بنظر درمے آمدند"۔ مترجم کے جد اعلیٰ قاضی قوام الدین صدیقی مع اپنے بھتیجے شیخ موسیٰ کے شہر جھبو واقع سیستان سے اسی بادشاہ کے آغاز سلطنت میں ہندوستان میں آئے تھے اور رہتک کے قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ ان کے بھتیجے شیخ موسیٰ کو گنڈھ کشیر (ضلع میرٹھ) کی قضاوی گئی تھی اور ان کے بیٹے کو مہم کی۔

(۲۷) یہ جملہ اس وقت مبالغہ آمیز معلوم ہوگا کیونکہ ملتان سے لے کر پاک پتن تک اب بہت ہی کم آبادی ہے لیکن اس وقت دریائے بیاس فیروزپور سے اوپر ستلج کے ساتھ نہ ملتا تھا بلکہ لاہور اور منٹگمری اور ملتان کے اضلاع کو سیراب کرتا ہوا ملتان کے جنوب و غرب میں جا کر باقی دریاؤں کے ساتھ شامل ہوتا تھا۔ بے چراغ دیہات اور نالوں کے نشان موجود ہیں اور سوکھی بیاس کا شکم اب تک صاف نظر آتا ہے۔ مسعودی مورخ مصنف مروج الذہب (۳۳۳ھ) نے لکھا ہے کہ ملتان کے علاقے میں ایک لاکھ بیس ہزار دیہات اور قصبے اور شہر شامل ہیں۔ اس میں بہت کچھ مبالغہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اول تو ملتان کی حد دیپالپور سے بھکر کے قریب تک پہنچنی چاہیے اور دوم ملتان اور منٹگمری کے اضلاع ان دنوں میں بیاس کے سبب سے نہایت آباد تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیاس نے اپنا پرانا شکم کس زمانے میں چھوڑ دیا۔ کسی تاریخ سے صاف طور سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس وقت یہ اہم تبدیلی جس نے پنجاب کے ایک بڑے حصہ کو بے چراغ کر دیا واقع ہوئی۔ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آئین اکبری کی تصنیف کے وقت ستلج اور بیاس کے اتصال کی جگہ وہی تھی جو اب ہے اور اس لیے یہ تبدیلی کبھی پہلے واقع ہوئی۔ شیخ داؤد قادری' ہمنی وال کے تذکرہ میں جو ان کے سلسلہ کے ایک شخص نے تقریباً ایک سو بیس برس کے بعد لکھا ہے یہ روایت درج کی ہے کہ اکبر کے اوائل عصر میں جاگیردار کا نوکر شیخ صاحب کے پاس حاضر ہوا اور شوخی سے کہنے لگا کہ نہری مقامی کے لیے بیگاری دو۔ آپ خاموش ہو رہے۔ حاشیہ نشینوں نے عرض کیا کہ یہ لوگ بڑی شوخی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آئندہ سال نہ نہریں ہوں گی اور نہ ان کی شوخی اور اپنے مریدوں کو جو اکثر ملاح تھے فرمایا کہ ملتان اور قبولہ کی جانب کشتیاں لے کر چلے جاویں۔ خدا کے حکم سے ایسا ہی ہوا کہ دوسرے سال دریا نے اپنا شکم بالکل چھوڑ دیا۔ اس روایت سے جو تذکرہ داؤدی میں درج ہے اس تبدیلی کا وقت معلوم ہوتا ہے۔

(۲۸) فقاع۔ بضم الفاء و تشدید قاف شرابے کہ از جو و غیراں سازند و منتخب۔ فقاع لغت میں کچھ زرد رنگ والی شے کو کہتے ہیں۔ صاحب مخزن نے لکھا ہے فقاع قسمے از نبیذ است کہ از آب انارو ساویر عیرہا حبوب ترتیب و بعدو آں مقدار گزارند کہ بجوش آید و متغیر گردد و چوں مدتے گزارند کہ بجوش آید و متغیر گردد آنرا منع خوانند۔

باب (۲)

ملتان سے دہلی کا سفر

(۱) ابوہر

اول شہر جس میں ہم ملتان سے چل کر داخل ہوئے ابوہر(۱) تھا اور یہ ہندوستان کے شہروں میں سے پہلا شہر ہے۔ ابوہر ایک چھوٹا اور خوبصورت شہر ہے۔ عمارتیں عمدہ ہیں' نہریں اور درخت بھی بہت ہیں۔ ہمارے ملک کے درختوں میں سے سوا بیر کے اور کوئی درخت نہیں ہوتا۔ بیر ہمارے ملک کے بیر سے بڑا اور نہایت شیریں ہوتا ہے اور مازو کے دانہ کے برابر ہوتا ہے۔

(۲) ہندوستان کے میوے

ہندوستان میں ایک میوہ انبہ(۲) ہوتا ہے۔ اس کا درخت نارنگی کے درخت کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس سے بہت بڑا اور پتے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ سایہ بھی نہایت گھنا ہوتا ہے لیکن جو شخص اس کے سایہ میں سوتا ہے کسلمند ہو جاتا ہے اور اس کا پھل آلو بخارے سے بڑا ہوتا ہے۔ پختہ ہونے سے پہلے سبز ہوتا ہے اور جب گر پڑتا ہے تو اس میں نمک ڈال کر اچار بناتے ہیں۔ اسی طرح جیسے کہ ہمارے ملک میں لیموں اور کھٹے کا اچار بناتے ہیں۔ ادرک اور مرچ کا بھی اچار بناتے ہیں اور کھانے کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اور ہر نوالے(۳) کے پیچھے تھوڑا سا اچار کھا لیتے ہیں۔ جب خریف کے موسم میں انبہ پکتا ہے تو زرد رنگ کا ہو جاتا ہے اور اس کو سیب کی طرح کھاتے ہیں۔ بعضے اس کو تراش کر کھاتے ہیں اور بعضے چوستے ہیں۔ اس میں شیرینی کے ساتھ کچھ ترشی ہوتی ہے۔ گٹھلی بڑی ہوتی ہے اور گٹھلی کو بوتے ہیں تو درخت ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ کھٹے کے بیج بوتے ہیں۔

شکی و برکی(۴) گٹھل اس کا درخت بڑا ہوتا ہے اور پتے اخروٹ کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں اور پھل درخت کی جڑ میں لگتا ہے۔ جو پھل زمین کے متصل ہوتا ہے اس کو برکی کہتے ہیں۔ وہ شیرینی میں زیادہ ہوتا ہے اور ذائقے میں اچھا ہوتا ہے اور جو اوپر لگتا ہے اس کو شکی کہتے ہیں۔ اس کا پھل بڑے کدو کے مشابہ ہوتا ہے اور چھلکا گائے کی کھال کی مانند ہوتا ہے۔ جب خریف کے موسم میں یہ بہت زرد ہو جاتا ہے تو اسے توڑتے ہیں اور جب چیرتے ہیں تو ہر ایک دانے میں سو یا دو سو کوئے کھیروں کی شکل کے نکلتے ہیں اور کویوں کے بیچ میں ایک جھلی زرد رنگ کی ہوتی ہے ہر ایک کویہ میں گٹھلی ہوتی ہے جو باقلہ کے مشابہ ہوتی ہے۔ ان گٹھلیوں کو بھون کر کھاتے ہیں' یا پکا کر کھاتے ہیں تو اس کا مزہ باقلہ کی طرح ہوتا ہے۔ باقلہ اس ملک میں نہیں ہوتا۔ سرخ مٹی میں ان گٹھلیوں کو دبا دیتے ہیں تو دوسرے سال تک رہ سکتی ہیں۔ یہ میوہ ہندوستان کے نہایت عمدہ میووں میں سے ہے۔

تیندو آبنوس کے درخت کا پھل ہے۔ اس کا پھل خوبانی کے برابر ہوتا ہے اور رنگ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ شیریں بہت ہوتا ہے۔

جمو (جامن) اس کا درخت بڑا ہوتا ہے۔ اس کا پھل زیتون کے پھل کے مشابہ ہوتا ہے لیکن رنگ میں سیاہی مائل ہوتا ہے اور زیتون کی طرح اس کے اندر ایک گٹھلی ہوتی ہے۔

شیریں نارنج(۵) اس ملک میں بکثرت ہوتا ہے۔ لیکن ترش نارنج بہت کم ہوتا ہے۔ ایک قسم کا شیریں ترش بھی ہوتا ہے۔ وہ مجھے بہت خوش ذائقہ معلوم ہوتا تھا اور میں اس کو بہت چاہ کر کھایا کرتا تھا۔

موا(۶) اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے۔ پتے اخروٹ کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن سرخی و زردی مائل۔ اس کا پھل بھی چھوٹے آلو بخارے کی مانند ہوتا ہے اور نہایت شیریں ہوتا

ہے اور ہر ایک دانہ کے منہ پر ایک اور چھوٹا دانہ ہوتا ہے جو کشمش کے مشابہ ہوتا ہے اور بیچ میں سے خالی ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ انگور کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ کھانے سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ خشک کیا ہوا موہوا میں انجیر کی مانند ہوتا ہے اور میں انجیر کی بجائے اس کو کھایا کرتا تھا۔ انجیر اس ملک میں نہیں ہوتا ہے۔ موے کے منہ پر جو دوسرا دانہ ہوتا ہے اس کو بھی انگور کہتے ہیں۔ انگور ہندوستان میں بہت کم ہوتا ہے۔ دہلی میں اور بعض اور جگہ بھی ہوتا ہے اور موے کے سال میں دو دفعہ پھل لگتا ہے۔ اس کی گٹھلی کا تیل نکالتے ہیں اور چراغوں میں جلاتے ہیں۔

کسیرا (۷) (کسیرو) اس کو زمین سے کھود کر نکالتے ہیں۔ قسطل کے مشابہ ہوتا ہے اور نہایت شیریں ہوتا ہے۔

ہمارے ملک کے پھلوں میں سے انار ہندوستان میں بھی ہوتا ہے اور سال میں دو دفعہ پھل دیتا ہے۔ جزیرہ و بجتہ المحل (جزائر مالدیپ) میں میں نے دیکھا کہ انار بارہ مہینے پھل دیتا ہے۔

(۳) ہندوستان کے غلے

ہندوستان میں سال میں دو دفعہ فصل ہوتی ہے۔ جب گرمی میں بارش ہوتی ہے تو خریف کی فصل بوتے ہیں اور ساٹھ دن کے بعد اس کو کاٹ لیتے ہیں۔ خریف کے غلوں میں غلہ ہائے ذیل بھی ہوتے ہیں۔ کدرو (۸) یہ شاماخ (یعنی ساونک) جو چینہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اکثر عابد اور زاہد اور فقیر اور مساکین اس کو کھاتے ہیں۔ خودرو بھی ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ میں چھاج لے لیتے ہیں دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹی چھڑی سے درخت کو جھاڑتے ہیں تو ساونک کے دانے چھاج میں گرتے جاتے ہیں اور یہ دانے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ دھوپ میں اس کو خشک کرتے ہیں اور کاٹھ کی **اوکھلیوں** میں کوٹ کر چھلکا علیحدہ کر لیتے ہیں تو سفید دانہ اندر سے نکلتا ہے۔ بھینس کے دودھ میں اس کی کھیر پکاتے ہیں جو اس کی روٹی کی نسبت زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ میں اکثر کھیر پکا کر کھایا کرتا اور مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔

ماش مٹر کی ایک قسم ہے۔ مونگ یہ ماش (۹) کی ایک قسم ہے۔ لیکن شکل میں ذرا لمبی اور رنگ کی سبز ہوتی ہے۔ مونگ اور چاول ملا کر ایک کھانا جس کو کشری (کھچڑی) کہتے ہیں پکاتے ہیں اور اس کو گھی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ کشری صبح کو بطور نہاری کے کھاتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں حریرہ۔ لوبیا یعنی چولا۔ یہ بھی ایک قسم کا باقلہ ہے۔ موٹھ یہ اناج کدرو کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن دانہ اس سے چھوٹا اور گھوڑے اور بیلوں کو دانہ کی جگہ دیتے ہیں اور اس کام کے لیے چنا بھی

استعمال کرتے ہیں۔ جو میں ان لوگوں کے نزدیک کم طاقت ہوتی ہے اور چنے اور موٹھ کا دانہ دلتے ہیں اور پھر پانی میں بھگو کر گھوڑے کو کھلاتے ہیں اور گھوڑے کو خوید سبز کاٹ کر کھلاتے ہیں۔ جس سے وہ موٹے ہو جاتے ہیں۔ پہلے دس دن اس کو گھی پلاتے ہیں۔ جتنے تین رطل (یعنی ڈیڑھ سیر پختہ) اور جتنے چار رطل اور ان دنوں میں اس سے سواری نہیں لیتے۔ پھر ایک ماہ سبز ماش کھلاتے ہیں۔ یہ سب خریف کے اناج تھے۔ خریف کی فصل بونے کے ساٹھ دن بعد زمین میں ربیع کے اناج بونے شروع کرتے ہیں۔ جیسے کہ گندم اور نخود اور مسری اور جو۔ زمین سب اچھی اور زرخیز ہے۔ چنانچہ چاول سال میں تین دفعہ بوتے ہیں اور چاولوں کی پیدائش سب غلوں سے زیادہ ہے۔ تل اور **نیشکر** بھی خریف کے ساتھ بوتے ہیں۔

(۴) ابی بکھر

اب ہم سفر کا ذکر کرتے ہیں۔ شہر ابوہر سے چل کر ہم ایک صحرا میں سے گزرے۔ جس کی مسافت ایک دن کی ہے۔ اس کے کناروں پر بڑے بڑے پہاڑ تھے اور ان دشوار گزار پہاڑوں میں ہندو رہتے ہیں اور اکثر رہزن ہوتے ہیں۔ ہندوؤں میں سے اکثر رعیت ہیں جو بادشاہ کی حمایت میں دیہات میں بستے ہیں۔ ان کا حاکم مسلمان ہوتا ہے اور اس حاکم کا افسر عامل یا جاگیردار ہوتا ہے جس کی جاگیر میں وہ شہر یا گاؤں ہوتا ہے۔ بعضے ہندو نافرمان ہوتے ہیں جو بادشاہ سے لڑتے رہتے ہیں اور یہ لوگ پہاڑوں میں رہتے ہیں اور رہزنی کرتے ہیں۔ جب ہم ابوہر سے چلے تو لوگ صبح ہی صبح چل دیئے۔ اور میں اور چند آدمی دوپہر تک وہیں رہے اور دوپہر کے بعد وہاں سے چلے۔ ہم بائیس سوار تھے۔ جن میں عربی اور عجمی دونوں تھے۔ ہم پر اسی ہندوؤں اور دو سواروں نے حملہ کیا۔ میرے ہمراہی سب کے سب اچھے جوان اور بہادر تھے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ ہم نے بارہ آدمیوں اور ایک سوار کو ان میں سے قتل کیا اور اس کا گھوڑا پکڑ لیا۔ مجھے اور میرے گھوڑے کو تیر کا زخم لگا۔ لیکن ان کے تیر بہت کمزور ہوتے ہیں۔ ہم میں سے ایک کا گھوڑا زخمی ہوا۔ اس کو ہم نے اس مقتول کا گھوڑا دے دیا اور زخمی گھوڑے کو ذبح کر لیا۔ جو ترک ہمارے ساتھ تھے وہ اس کو کھا گئے اور مقتولوں کے سر کاٹ کر ہم ابی بکھر (۱۰) کے قلعہ میں لے گئے اور وہاں فصیل پر لٹکا دیئے۔ ابی بکھر ہم آدھی رات کو پہنچے اور اس سے سفر کر کے دو دن بعد اجودھن پہنچے۔

(۵) اجودھن (۱۱)

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ شہر شیخ فرید الدین (بداونی) کا ہے۔ مجھے شیخ برہان الدین اسکندری نے چلتے وقت کہا تھا کہ تمہاری ملاقات شیخ فرید الدین (۱۳) سے ہوگی۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں ان سے ملا۔ وہ بادشاہ ہند کے پیر ہیں اور اس نے ان کو یہ شہر انعام میں دیا ہوا ہے۔ شیخ پر وہم بدرجہ غایت غالب ہے۔ یہاں تک کہ نہ کسی سے مصافحہ کرتے ہیں اور نہ کسی کے قریب ہوتے ہیں۔ اگر ان کا کپڑا کسی کے کپڑے سے چھو جاتا ہے تو اس کو دھوتے ہیں۔ میں ان کی خانقاہ میں گیا اور ان سے ملاقات کر کے شیخ برہان الدین کا سلام ان کو پہنچایا۔ یہ سن کر انہوں نے تعجب کیا اور کہا کسی اور کو سلام کہا ہوگا۔ ان کے دونوں بیٹوں سے میں نے ملاقات کی۔ دونوں عالم و فاضل تھے۔ ایک کا نام معز الدین تھا اور دوسرے کا نام علم الدین۔ معز الدین بڑا تھا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا تھا۔ ان کے دادا شیخ فرید الدین بداونی (۱۳) کی قبر کی بھی میں نے زیارت کی۔ بداوں سنبھل کے علاقہ میں ایک شہر ہے۔ جب میں اس شہر سے رخصت ہونے لگا تو مجھے علم الدین نے کہا آپ میرے والد بزرگوار سے ملتے جائیں۔ وہ اس وقت سب سے اونچی چھت پر تھے اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ایک بڑا عمامہ باندھا ہوا تھا اور اس کا شملہ ایک طرف لٹکا ہوا تھا۔ انہوں نے میرے واسطے دعا کی اور میرے پاس مصری اور شکر تری ہدیہ بھیجی۔

(۶) ستی کا حال

میں شیخ صاحب کی زیارت سے واپس آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ہمارے خیمہ گاہ کی جانب سے بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں اور ان میں بعضے ہمارے آدمی بھی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک ہندو مر گیا تھا اور اس کے جلانے کے واسطے جو چتا تیار کی گئی ہے اس میں اس کی عورت بھی ساتھ جلے گی۔ جب وہ دونوں جل چکے تو ہمارے ہمراہی واپس آئے۔ کہتے تھے کہ عورت میت کے ساتھ چمٹ کر جل گئی۔ ایک اور دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک ہندو عورت بناؤ سنگھار کیے ہوئے گھوڑے پر سوار جاتی تھی اور ہندو مسلمان اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ آگے آگے نوبت بجتی جاتی تھی اور برہمن جو ان کے بزرگ ہوتے ہیں ساتھ ساتھ تھے۔ چونکہ بادشاہ کا علاقہ تھا اس لیے بادشاہ کی اجازت کے بغیر وہ جلا نہ سکتے تھے۔ بادشاہ نے جلانے کی اجازت دے دی "اس کے بعد جلایا۔ پھر کچھ مدت کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ میں ایک شہر میں تھا جس کے اکثر باشندے ہندو تھے اور جس کا نام امجری (۱۴) تھا۔ اس کا حاکم سامرہ قوم کا مسلمان تھا۔ اس کے نواح میں نافرمان ہندو رہتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے نافرمانی کی تو امیر ہندو مسلمانوں کو ساتھ لے کر ان سے لڑنے گیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی اور سات ہندو رعیت مارے گئے۔ ان میں سے تین کی عورتیں تھیں۔ انہوں نے ستی (۱۵) ہونے کا ارادہ کیا۔ ستی ہونا ہندوؤں میں واجب نہیں ہے لیکن جو رانڈیں اپنے خاوند کے ساتھ جل جاتی ہیں ان کا خاندان معزز گنا جاتا ہے اور وہ خود اہل وفا گنی جاتی ہیں اور جو رانڈیں ستی نہیں ہوتیں ان کو موٹے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اور طرح طرح کی خواری میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے اور ان کو اہل وفا بھی نہیں سمجھتے۔ لیکن کسی کو ستی ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ جن تین بیواؤں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا تھا وہ تین دن پہلے گانے بجانے اور کھانے میں مشغول ہو گئیں۔ گویا دنیا سے رخصت ہونے کو تھیں۔ ان کے پاس ہر طرف عورتیں آتی تھیں اور چوتھے دن صبح کو ان کے پاس ایک ایک گھوڑا لائے اور ہر ایک بیوہ بناؤ سنگھار کر کے اور خوشبو لگا کر اس پر سوار ہوئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا جس کو اچھالتی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا۔ اس میں منہ دیکھتی جاتی تھی اور برہمن اس کے گرد جمع تھے اور اس کے رشتہ دار اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ آگے آگے نقارے اور نوبت بجتی جاتی تھی۔ ہر ایک ہندو اسے کہتا تھا کہ میرا سلام میرے ماں باپ یا بھائی یا دوست کو کہنا اور وہ کہتی تھی اچھا اور ہنستی جاتی تھی۔ میں بھی اپنے دوستوں کو لے کر ان کے جلنے کی کیفیت دیکھنے گیا۔ ہم ان کے ساتھ تین کوس گئے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی بکثرت تھا اور درختوں کے انبوہ سے اندھیرا ہو رہا تھا۔ بیچ میں چار گنبد تھے۔ ہر ایک گنبد میں ایک بت تھا اور گنبد کے بیچ میں پانی کا حوض تھا۔ اس پر درختوں کے سایہ کے سبب سے دھوپ نہ پڑتی تھی۔ تاریکی میں یہ جگہ گویا جہنم کا ٹکڑا تھا۔ جب یہ عورتیں ان گنبدوں کے پاس پہنچیں تو حوض میں اتر کر انہوں نے غسل کیا اور حوض میں غوطہ لگایا اور اپنے کپڑے اور زیورات اتار کر علیحدہ رکھ دیے اور ان کی بجائے ایک موٹی ساڑھی باندھ لی۔ حوض کے پاس ایک نیچی جگہ آگ دہکائی گئی اور جب اس پر سرسوں کا تیل ڈالا گیا تو وہ شعلہ مارنے لگی۔ پندرہ کے قریب آدمیوں کے ہاتھ میں لکڑی کے گٹھے بندھے ہوئے تھے اور دس کے قریب آدمی لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ نقارہ اور نفیری والے بیوہ کے انتظار میں کھڑے تھے۔ آگ کو ایک رضائی کی اوٹ میں کر لیا تھا تاکہ اس عورت کی نظر اس پر نہ پڑے۔ ان میں سے ایک عورت نے رضائی کو زبردستی ان لوگوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہا کیا میں جانتی نہیں کہ یہ آگ ہے۔ مجھے ڈراتے ہو۔ پھر اس نے آگ کی طرف ڈنڈوت کی اور اپنے تئیں ڈال دیا۔ اس وقت نقارے اور نفیریاں بجنی شروع ہو گئیں۔ لوگوں نے پتلی لکڑیاں جو ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے "آگ میں ڈالنی شروع کیں اور اس کے اوپر بڑے

جڑے کنڈے ڈال دیئے تاکہ وہ عورت حرکت نہ کر سکے۔ حاضرین نے بہت شور کیا۔ میں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا اور گھوڑے سے گرنے کو تھا کہ مجھے میرے دوستوں نے سنبھال لیا اور میرا منہ پانی سے دھلوایا۔ میں وہاں سے لوٹ آیا۔ اسی طرح ہندو اپنے تئیں دریا میں غرق کر دیتے ہیں۔ اکثر دریائے گنگا میں ڈوب جاتے ہیں۔ گنگا کی طرف ہندو حج کے لیے جاتے ہیں اور اپنے مردوں کی راکھ بھی اس میں ڈالتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ اس دریا کا منبع بہشت میں سے ہے۔ جب کوئی شخص اپنے تئیں دریا میں ڈبو دیتا ہے تو حاضرین سے کہہ دیتا ہے کہ میں کسی دنیاوی تکلیف سے یا افلاس کے سبب ایسا نہیں کرتا بلکہ اپنے کسائل (۱۶) (گسائیں) کی رضامندی کے لیے کرتا ہوں۔ گسائیں ان کی زبان میں خدا کا نام ہے۔ جب وہ شخص ڈوب کر مر جاتا ہے تو اس کو نکال کر جلاتے ہیں اور اس کی راکھ دریائے گنگ میں ڈال دیتے ہیں۔

(۷) سرستی

اجودھن سے چل کر ہم سرستی (۱۷) سرسا پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے۔ وہاں چاول بہت ہوتے ہیں اور اچھے بھی ہوتے ہیں اور وہاں سے دہلی بھیجے جاتے ہیں۔ اور اس کا محاصل بھی بہت ہے۔ حاجب شمس الدین بوشنجی نے مجھے تعداد بتلائی تھی یاد نہیں رہی۔

(۸) ہانسی

پھر وہاں سے ہم ہانسی (۱۸) گئے۔ یہ ایک خوبصورت شہر ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں اس میں ہیں۔ اس کی فصیل بھی اونچی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک ہندو راجا تورا نے اس کو بنایا تھا اور اس راجہ کے متعلق یہ لوگ بہت سی حکایات بیان کرتے ہیں۔ قاضی کمال الدین صدر جہاں قاضی القضاۃ ہندوستان اور اس کا بھائی قطلوخان بادشاہ کا استاد اور ان کا بھائی شمس الدین جو ہجرت کر کے مکہ چلا گیا تھا اور وہاں ہی مر گیا تھا اس شہر کے رہنے والے ہیں۔

(۹) مسعود آباد و پالم

پھر ہم دو دن کے بعد مسعود آباد (۱۹) پہنچے۔ یہ شہر دہلی سے دس کوس کے فاصلے پر ہے اور وہاں ہم تین دن ٹھہرے۔ ہانسی اور مسعود آباد دونوں ملک ہوشنگ ابن ملک کمال گرگ کی جاگیریں ہیں۔ جب ہم پہنچے تو بادشاہ دارالخلافہ میں نہ تھے اور قنوج کی طرف گئے ہوئے تھے۔ قنوج دہلی سے دس منزل ہے۔ دہلی میں بادشاہ کی والدہ مخدومہ جہاں اور وزیر احمد بن ایاز رومی یعنی خواجہ جہاں موجود تھے۔ وزیر نے ہم میں سے ہر ایک کے لیے اس کے مذاق اور مرتبہ کے مطابق آدمی استقبال کے لیے بھیجا۔ میرے استقبال کو شیخ بسطامی اور شریف مازندرانی جو پردیسیوں کا حاجب ہے اور فقیہ علاء الدین قرہ ملتانی آئے۔ وزیر نے ہمارے آنے کی خبر سلطان کو دی اور ڈاک میں بھیجی۔ تیسرے دن اس کے پاس جواب آ گیا اور اسی لیے تین دن ہمیں مسعود آباد ٹھہرنا پڑا اور تین دن کے بعد ہمارے استقبال کو قاضی اور فقیہ اور مشائخ اور امرا آئے۔ مصر میں جن لوگوں کو امیر کہتے ہیں اس ملک میں ملک کہتے ہیں۔ اور شیخ ظہیر الدین زنجانی بھی آئے۔ وہ سلطان کے نہایت معزز مقرب ہیں۔ پھر ہم مسعود آباد سے چل کر ایک گاؤں کے قریب ٹھہرے جس کو پالم (۲۰) کہتے ہیں۔ یہ گاؤں سید شریف ناصر الدین مطہر اوہری کی جاگیر میں ہے۔ یہ سید صاحب بادشاہ کے مصاحبوں میں سے ہیں اور بادشاہ کی سخاوت سے انہوں نے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا ہے۔



حوالہ جات

(۱) ابوہر۔ اگرچہ ابن بطوطہ نے اس شہر کو ملتان اور پاک پٹن کے بیچ میں اجودھن سے تین منزل ملتان کی طرف لکھا ہے اور باب ۶ فصل ۳۰ میں کشلو خان کی نواحی کا ہونا بھی ابوہر میں بیان کیا ہے۔ بعد اس کے ثابت کیا ہے کہ وہ ملتان سے دو منزل ورے ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ابوہر سے ابن بطوطہ کی مراد یہی ابوہر ہے جو اب تحصیل فاضلکا ضلع فیروز پور میں پاک پٹن اور سرسہ کی سڑک پر پاک پٹن سے ۹۰ میل یعنی تین منزل دہلی کی طرف ساتھ پنجاب ریلوے پر واقع ہے چونکہ مالا بار کے کنارے پر سمندر میں ابن بطوطہ کو جہاز کے ڈاکوؤں نے لوٹ کھسوٹ کر ننگا چھوڑ دیا تھا اور اس نے جو یادداشت لکھی ہوگی وہ بھی جاتی رہی ہوگی۔ چھتیس برس بعد جو کچھ ابن بطوطہ نے لکھا ہے وہ محض اپنی یاد سے لکھا ہے اور اسی لیے بعض غلطیاں کہیں کہیں ہو گئی ہیں اور جیسا کہ آگے بھی معلوم ہوگا شہروں کے بیان میں آگے اور پیچھے کا لحاظ نہیں رہا۔ چنانچہ یہ فقرہ کہ ان دشوار گزار پہاڑوں میں ہندو کافر رہتے ہیں غلط ہے کیونکہ ابوہر کے دو دو سو میل تک کوئی پہاڑ نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کسی نے ابن بطوطہ سے یہ کہا ہو کہ یہ لوگ ریت کے پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ ابوہر میں ایک پرانا قلعہ ہے۔ ابن بطوطہ کے وقت سے کچھ دن پہلے تھوڑی طاقت ابوہر میں ہندو بھٹی راجپوتوں کا ایک راجہ رانا مل رہتا تھا جس کی لڑکی سے سالار رجب یعنی فیروز شاہ کے باپ اور سلطان محمد تغلق کے چچا کی شادی ہوئی تھی اور اسی کے شکم سے فیروز شاہ پیدا ہوا تھا۔ اس شادی کا حال شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے پہلے مقدمہ میں درج ہے۔ اس وقت ابوہر میں سلطان علاء الدین خلجی کی طرف سے سراج عفیف کا چچا عملدار تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل فاضلکا میں جو ابوہر واقع ہے وہ ان دنوں میں مشہور شہر تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابوہر کوئی اور جگہ دوابہ بار لی میں ہو اور بیاس کے خشک ہونے کے بعد غیر آباد اور گمنام ہو گیا ہو کیونکہ ابوہر کو دو موقعوں پر ابن بطوطہ نے ملتان کے متصل بیان کیا ہے مگر پہاڑوں کا ہونا وہاں بھی ممکن نہیں۔

(۲) آنبہ کی بابت امیر خسرو کا یہ شعر

نغزک ما نغز کن بوستاں
نغز ترین میوہ ہندوستاں

بہت مشہور ہے۔ "فوائد الفوائد" میں صفحہ ۲۳۱ پر درج ہے کہ آنبہ کا نام نغزک شمس الدین التمش نے تجویز کیا تھا۔ جس زمانہ میں وہ بدایوں کا حاکم تھا کیونکہ آنبہ یا آم ترکی میں فحش لفظ ہے۔

(۳) امیر خسرو کا یہ مصرع

لقمہ نرد وزیر گرا چار خیالی

اس بیان کا شاہد ہے۔ امیر خسرو کا انتقال ابن بطوطہ کے ہندوستان پہنچنے سے نو سال پہلے ۷۲۵ھ میں ہو چکا تھا۔

(۴) شکی چکی کا معرب ہے۔ چکی کٹھل کو کہتے ہیں۔ ابن بطوطہ کا مشاہدہ اور بیان کس قدر صحیح ہے۔ ایک دوسرا اسی قدر نکتہ مشاہدہ کرنے والا یعنی بابر بادشاہ اس پھل کی بابت لکھتا ہے۔

"ایں بدقیافہ و بد مزہ میوہ است ببینہ شکم گوسفند کہ درون اور ابیوں کردہ باشند۔ مزہ او شیریں در درون او مثل فندق دانہا باشد۔ بخوبی انگلہ شباہتے دارد لیکن چسپندہ است جہت چسپندگی او بعضے بدہستار و دہن روغن مالیدہ میخورند اثمار ہم در شاخ درخت مے شود و ہم در تنہ درخت و ہم در بیخ درخت مے شود"۔ مصنف سیر المتاخرین نے لکھا ہے کہ بنگالہ اور بہار میں بعض کٹھل اتنا بڑا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اس کو بمشکل اٹھا سکتا ہے۔

(۵) نارنج۔ نارنج و ترنج یعنی مٹھا و کھٹا۔ سنگترہ، نارنگی، کرنا، مٹولا، گل گل یہ سب نارنج کے اقسام یا ہم قسم میوے ہیں۔ بعضے شیریں بے مزہ، بعضے ترش، تلخ اور بعضے شیریں ترش اور بعضے شیریں لذیذ ہوتے ہیں۔ بابر بادشاہ نے ان سب اقسام کو مفصل بیان کیا ہے۔ ابن بطوطہ کے شیریں ترش نارنج سے سنگترہ ہے۔

(۶) مہوہ۔ ابن بطوطہ نے مہوہ کے پھول اور پھل میں تمیز نہیں کی۔ جس کو وہ انگور کے مشابہ دانہ لکھتا ہے وہ پھول ہوتا ہے اور اس کے گر جانے کے بعد پھل لگتا ہے۔ ابو الفضل اس درخت کی بابت یہ لکھتا ہے: "درخت لوبیا نیز نامند۔ چوب اور عمارت بکار و دواز گل او عرق بر کشند و مہوہ را گلوندہ نیز نامند"۔ تزک بابری میں درج ہے۔ "در تمش بالیدہ میشود۔ عمارت ہائے مردم ہندوستان اکثر از چوب درخت مہوہ است۔ از گل مہوہ عرق یعنی شراب مے کشند و گل اورا مثل مویز خشک کردہ مے خورند۔ کشمش فی الجملہ مشابہتے دارد بد مزگی ہم دارد۔

(۷) کسیرو۔ آئین اکبری میں درج ہے۔ "در کولا بہا (تالابہا) پیدائش کسیرو۔ چوں آب خشکی گردید از زمین بیروں آرند۔ خام و باتش جوش دادہ نیز خوردند"۔ صاحب مخزن لکھتا

ہے: "تنج بانے است کہ در گلاب ہا و آب ہائے استادہ سے روید از نبات آں بوریا سے بلند و بیخ آں کہ کسیرو است مدور بقدر جوز بوا و پوست آں سیاہ و بعضے مائل بسرخی و ریشہ ہائے بسیار باریک سیاہ و مغزآں سفید و شیریں لذیذ خوش ذائقہ"۔ نواح دلی و میرٹھ میں بکثرت اور اچھا ہوتا ہے۔

(۸) کدرو۔ آئین اکبری میں اس غلہ کا نام کدروں اور کدرم لکھا ہے۔ عوام کودوں بھی کہتے ہیں۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ کودوں سانوک کے مشابہ ہوتی ہے لیکن اوپر کا چھلکا سیاہ مائل بسرخی ہوتا ہے۔ ہندی مثل میں اس شخص کو جس نے مفت تعلیم حاصل کی ہو اور اس لیے اس کو کچھ آتا نہ ہو تو کہتے ہیں "کودوں دے کر پڑھا ہے" یعنی پڑھائی پر کچھ خرچ نہیں کیا۔

(۹) ماش۔ فارسی میں مونگ کو ماش کہتے ہیں اور اڑد کو ماش سیاہ۔ آئین اکبری۔

(۱۰) ابی بکر۔ پاک پٹن سے تقریباً ایک منزل کے فاصلہ پر تحصیل میلسی ضلع ملتان میں پرانی سڑک پر موضع دہالو کی حد میں ایک بہت پرانے بزرگ ابوبکر وراق نام کی خانقاہ ہے۔ اس پر چیت کے مہینے میں ایک بھاری میلہ ہوتا ہے، جس میں دس بارہ ہزار کے قریب آدمی جمع ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ وہی جگہ ہو لیکن یہ شبہ پڑتا ہے کہ ابن بطوطہ جو خود عرب تھا 'ابی بکر' نہ لکھتا اور بالضرور اس خانقاہ کا ذکر کرتا کیونکہ ابوبکر وراق بہت مشہور ولی گزرے ہیں۔ لیکن نہ نفحات میں اور نہ تذکرۃ الاولیا میں یہ درج ہے کہ ان کا مزار کہاں ہے۔

(۱۱) اجودھن۔ پاک پٹن کا قدیم نام اجودھن تھا۔ بابا فرید کی خانقاہ کے سبب سے اس کو اکبر بادشاہ کے حکم سے پاک پٹن کہنے لگے۔ پہلے پاک پٹن فرید کہتے تھے۔ اب یہ شہر ستلج سے دس میل کے فاصلے پر شمال میں ہے۔ پہلے دریا اس کے نیچے بہتا تھا۔ ملتان سے ہندوستان کو جاتے ہوئے دریائے ستلج کو مسافر اسی جگہ سے عبور کرتے تھے۔ اب ضلع منٹگمری میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ ہر سال محرم کے مہینے میں بابا فرید الدین شکر گنج کے مزار پر بڑا بھاری میلا ہوتا ہے جس میں ساٹھ ستر ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں ان میں سے ہر شخص بہشتی کھڑکی میں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ قصبے کی آبادی چھ ہزار کے قریب ہے۔ آئین اکبری میں اس شہر کو فقط پٹن لکھا ہے اور تاریخ فرشتہ میں پٹن بابا فرید۔

(۱۲) شیخ فرید الدین۔ اس جگہ ابن بطوطہ نے غلطی کی ہے۔ ابن بطوطہ کے وقت میں بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمہ کے پوتے شیخ علاء الدین موج دریا سجادہ نشین تھے اور معز الدین اور علم الدین ان کے ہی صاحبزادوں کا نام تھا۔ شیخ علاء الدین سلطان محمد تغلق کے پیر تھے۔

سلطان محمد تغلق نے جو آپ کا مرید اور معتقد تھا۔ آپ کے مزار پر ملک قبولہ کی معرفت ایک عالی شان گنبد تیار کرایا۔ جواہر فریدی میں آپ کی وفات کی تاریخ ۷۳۳ھ درج ہے لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ آپ کے صاحبزادہ شیخ معزالدین کی بابت لکھا ہے کہ سولہ سال مسند پر رہے اور ۷۴۹ھ میں انتقال ہوا۔ اور چونکہ ابن بطوطہ نے بھی آپ کی زیارت کی اس لیے تاریخ وفات ۷۳۴ھ یا ۷۳۳ھ ہونی چاہیے۔

(۱۳) بابا فرید الدین گنج شکر۔ آپ خواجہ جمال الدین سلیمان کے فرزند تھے۔ خواجہ جمال الدین کابل سے آکر کوٹ کرور میں آئے اور وہاں حضرت مولانا وجیہ الدین خجندی عباسی کی دختر کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔ آپ نے قصبہ کھتوال میں جو اب تحصیل میلسی ضلع ملتان میں چاولی مشائخ کے نام سے مشہور ہے، وطن اختیار کیا کہ خواجہ جمال الدین سلیمان فرخ شاہ کابلی کی اولاد میں سے تھے اور نسب میں فاروقی تھے۔ مصنف جواہر فریدی کی تحریر کے مطابق فرخ شاہ کابلی حضرت ابراہیم بن ادھم بادشاہ بلخ کی اولاد سے تھے۔ یہاں اس نے شیخ ابراہیم ادھم کا نسب اس طرح تحریر کیا ہے۔ ابراہیم بن ادھم بن سلیمان بن منصور بن ناصر بن عبداللہ بن حضرت عمر الخطاب رضی اللہ عنہم لیکن یہ نسب ثقہ مورخوں کے بیان کے مطابق درست نہیں۔ ابراہیم ادھم کا نسب ابن اثیر صاحب تاریخ کامل نے اس طرح لکھا ہے۔ "اس سال (۱۶۱ ہجری) میں ابراہیم بن ادھم بن منصور زاہد نے وفات پائی۔ آپ کی پیدائش بلخ میں ہوئی تھی لیکن پھر آپ نے شام میں وطن اختیار کر لیا تھا۔ آپ قبیلہ بکر بن وائل سے تھے۔ ابو حاتم بستی نے آپ کا ذکر لکھا ہے۔ ذیل ابن خلکان کے مصنف نے آپ کا نسب اس طرح دیا ہے۔ ابراہیم بن ادھم بن منصور بن یزید بن جابر عجلی۔ عجل ایک شاخ بکر بن وائل کی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم قریشی نہ تھے۔ مصنف جواہر فریدی نے اور بابا صاحب کے نسب میں ابراہیم کے آگے ادھم کا لفظ زیادہ کر کے اپنی ایجاد کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ جواہر فریدی نے بے شمار اور فاش غلطیاں اسی قسم کی اس قدر کی ہیں کہ میں اس کتاب کو ہرگز معتبر نہیں سمجھتا۔ شیخ جہد اور دیگر فاروقی خاندان جن کا تعلق فرخ شاہ کابلی سے ہے۔ اس نسب میں فقط ابراہیم کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اس پر ادھم زیادہ نہیں کرتے۔ بابا فرید الدین صاحب کو ابن بطوطہ نے غلطی سے بداونی لکھا ہے۔ شاید اس کو نظام الدین اولیا کا خیال رہا۔ آپ کی پیدائش

۹۵۸ھ اور وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی۔ شاہ عبدالحق نے تاریخ وفات ۷۴۳ ہجری لکھی ہے۔ حیدر آباد کا مشہور شمس الامرائی خاندان بابا صاحب کی اولاد سے ہے۔

(۱۴) اجبا* یہ شہر اباورد ہے۔ جو روڑی کے ضلع میں ملک سندھ میں اب بھی ایک تعلقہ یعنی تحصیل ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ ۸۸۷ھ میں بسایا گیا تھا اور ۱۵۵۷ء کی بنی ہوئی ایک بہت بڑی مسجد وہاں موجود ہے۔ آبادی تین ہزار کے قریب ہے۔ آئین اکبری میں سرکار ملتان میں ایک محال اوباورہ لکھا ہے جو اجبا* ہی ہے۔

(۱۵) ستی۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ ہندوؤں کے شاستر میں حکم ہے کہ حتی کی جس قدر عورتیں ہوں یہ کشادہ پیشانی اپنے خاوند کے ساتھ جل جائیں۔ لیکن ان کو نصیحت کرنی چاہیے کہ ایسا نہ کریں مگر بیواؤں کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ وہ اس سے جلنا پسند کرتی ہیں۔ ابن بطوطہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں کوئی عورت بادشاہی اجازت کے بغیر ستی نہ ہو سکتی تھی اور یہ بھی بڑی روک تھی کیونکہ بادشاہ کی اجازت ملنی کوئی آسان امر نہ تھا اور جس صورت میں اجازت ملتی ہوگی وہاں اطمینان کر لیا جاتا ہوگا کہ عورت اپنی خوشی سے ستی ہونا چاہتی ہے۔ اجازت کے آنے تک عورت کے غم اور رنج کی شورش بھی کم ہو جاتی ہوگی۔ چنانچہ ابوالفضل نے ستی ہونے والیوں کی پانچ قسمیں لکھی ہیں۔

(۱) غم کے سبب سے بیہوش ہو جاتی ہیں اور رشتہ دار آگ میں جلا دیتے ہیں۔

(۲) محبت کے سبب سے خوشی خوشی جل جاتی ہیں۔

(۳) شرما شرمی جل جاتی ہیں۔

(۴) رسم و عادت کے مطابق انکار نہیں کر سکتیں۔

(۵) خاوند کے وارث بغیر مرضی کے جلا دیتے ہیں۔

کم سے کم بادشاہی اجازت کی قید اس قدر ضرور مفید ہوگی کہ قسم دوم کے سوا اور کوئی عورت ستی نہیں ہو سکتی ہوگی۔ دسمبر ۱۸۲۹ء لارڈ بنٹنک نے ستی ہونے اور اس میں مدد کرنے کو جرم قرار دیکر اس بے رحم رسم کا خاتمہ کر دیا اور ہمیشہ کے لیے لاکھوں جانوں کے بچانے کا ثواب حاصل کیا لیکن اب بھی کبھی کبھی کوئی کلیجے والی یہ حرکت کر بیٹھتی ہے۔

(۱۶) کسالا۔ یہ لفظ اجبا* مسائیں ہے جس کے معنی زمین کا مالک ہے۔

(۱۷) سرستی۔ قدیم تاریخوں میں سرسہ کا نام سرستی لکھا ہے۔ آئین اکبری میں سرسہ لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ دریائے سرسوتی پر واقع ہونے کے سبب سے اس کا اصلی نام سرستی ہی ہو اور سرسہ بطور غلط عوام کے مشہور ہو گیا ہو۔ جو لوگ اس کی وجہ تسمیہ راجہ سارس کے نام سے مشہور کرتے ہیں غلط ہے۔ موجودہ شہر ۱۸۳۸ء میں میجر تھارسبی نے آباد کیا تھا۔ اب اس کی آبادی سترہ ہزار کے قریب ہے۔ پرانا شہر جو ۱۷۸۳ء کے قحط میں برباد ہو گیا تھا۔ موجودہ شہر کے جنوب مغرب میں بستا تھا۔ اب بھی وسیع کھنڈرات نظر آتے ہیں۔ پہلے اس شہر کے نیچے دریائے گھگر کی ایک شاخ بہتی تھی' اب خشک ہو گئی ہے۔ اس وقت میں شاید چاول اچھا اور بکثرت پیدا ہوتا ہو لیکن اب بھی دریائے گھگر یعنی سرستی کے کنارے علاقہ رانیہ میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس قدر عمدہ قسم کا نہیں جیسا کہ ابن بطوطہ لکھتا ہے۔ ابن بطوطہ کے وقت تک یہ شہر صوبہ دار کے رہنے کی جگہ تھی کیونکہ اس وقت تک حصار کا شہر فیروز شاہ نے آباد نہیں کیا تھا۔

(۱۸) یہ شہر اب ضلع حصار میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ موجودہ آبادی سولہ ہزار کے قریب ہے۔ کہتے ہیں کہ اننگ پال تور نے اس کو آباد کیا تھا۔ اجبا* ابن بطوطہ نے تورا سے یہی راجہ مراد لیا ہے۔ یا اس کی مراد راجہ تھورا سے ہو جس نے اس قلعہ کو از سر نو بنایا تھا۔ حصار کے آباد ہونے سے پہلے یہ بھی حاکم نشین جگہ تھی۔ ۱۷۸۳ء کے قحط میں یہ شہر بالکل غیر آباد ہو گیا تھا۔ ۱۷۹۵ء میں جارج ٹامس نے اس کو پھر آباد کیا اور قلعہ کو از سر نو مرمت کر کے اپنی دار الحکومت مقرر کی۔ ۱۸۰۲ء میں سرکار انگریزی کے قبضہ میں آیا تو یہاں چھاؤنی ڈالی گئی۔ ۱۸۵۷ء تک چھاؤنی رہی۔ سلطان شہاب الدین غوری اور سلطان محمود غزنوی اور سلطان مسعود غزنوی کے حملات کے یہ قلعہ نہایت مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ آئین اکبری میں فقط یہ لکھا ہے "قلعہ وا۔ واز خشت پختہ"۔

(۱۹) مسعود آباد۔ اکبر بادشاہ کے وقت تک یہ قصبہ آباد تھا۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ یہاں ایک پرانا خشتی قلعہ ہے۔ اجبا* یہ شہر وہی بے چراغ قصبہ ہے جس کے کھنڈرات اب بھی نجف گڑھ کے قریب موجودہ دہلی سے بارہ میل کے فاصلہ واقع ہے۔ اس کا فاصلہ پالم سے چھ یا سات میل ہوگا۔ مسعود آباد دہلی اور سرسہ کے راستہ پر نہ تھا۔ چونکہ ملک ہوشنگ بن کمال الدین گرگ کی جاگیر میں جو خداوند زادہ کے استقبال کے لیے گیا تھا' ہانسی اور مسعود آباد دونوں تھے۔ اس لیے وہ ان کو اس راستہ سے لے گیا ہے۔ شمس سراج نے فیروز شاہ کے سندھ سے دہلی پہنچنے کا جو رستہ لکھا ہے وہ وہی معمولی سڑک تھی جو رہتک و ہسم و ہانسی ہو کر آتی ہے۔

(۲۰) پالم۔ یہ گاؤں اب بھی دہلی کی تحصیل میں موجودہ شہر سے ۱۲ میل کے فاصلے پر' اس ریلوے پر جو دہلی سے ریواڑی کو جاتی ہے' واقع ہے اور دہلی سے چل کر پہلا سٹیشن ہے۔

باب (۳)

دہلی

(۱) شہر دہلی اور اس کی فصیل

دوپہر کے وقت ہم دارالخلافہ دہلی (۱) میں پہنچے۔ یہ ایک عظیم الشان شہر ہے اور اس کی عمارات میں خوبصورتی اور مضبوطی دونوں پائی جاتی ہیں۔ اس کی فصیل ایسی مضبوط ہے کہ دنیا بھر میں اس کی نظیر نہیں اور مشرق میں کوئی شہر خواہ اسلامی ہو خواہ غیر اسلامی اس کی عظمت کا نہیں بڑا فراخ شہر ہے اور سب آباد ہے۔ اصل میں چار شہر ہیں جو ایک دوسرے کے متصل واقع ہیں۔ اول دہلی جو پرانا ہندوؤں کے وقت کا شہر ہے۔ وہ ۵۸۴ ہجری میں فتح ہوا تھا اور دوسرا شہر سیری ہے اس کو دارالخلافہ بھی کہتے ہیں یہ شہر بادشاہ نے غیاث الدین خلیفہ مستنصر العباسی کے پوتے کو دے دیا تھا۔ جب وہ دہلی میں مقیم تھا۔ سلطان علاؤ الدین اور قطب الدین اسی شہر میں رہتے تھے۔ تیسرا شہر تغلق آباد ہے اس کو بادشاہ کے باپ غیاث الدین تغلق شاہ نے آباد کیا تھا۔ غیاث الدین ایک روز سلطان قطب الدین خلجی کی ملازمت میں کھڑا تھا اس وقت اس نے عرض کی کہ اے اخوند عالم اس جگہ ایک نیا شہر بنانا چاہیے۔ بادشاہ نے طنز سے کہا کہ تو بادشاہ ہو

جائے تو یہاں شہر آباد کر لینا۔ جب وہ تقدیر خدا سے بادشاہ ہو گیا تو اس نے یہ شہر آباد کیا اور اپنے نام پر اس کا نام تغلق آباد رکھا چوتھا شہر جہاں پناہ ہے اس میں سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ حال رہتا ہے اور اس نے اس شہر کو آباد کیا ہے۔ بادشاہ کا ارادہ تھا کہ چاروں شہروں کو ملا کر ایک فصیل ان کے گرد بناوے اور بنانی شروع بھی کی تھی لیکن بہت خرچ دیکھ کر ادھوری چھوڑ دی شہر کی فصیل تمام دنیا میں بے نظیر ہے۔ اس کا عرض گیارہ ہاتھ ہے۔ اس میں کوٹھریاں اور مکانات بنے ہوئے ہیں جس میں چوکیدار اور دروازوں کے محافظ رہتے ہیں اور غلے کے کھتے بھی جن کو انبار کہتے ہیں فصیل میں بنے ہوئے ہیں۔ منجنیق (۳) اور لڑائی کے سامان (اور رعادات (۴)) بھی ان ہی گوداموں میں رکھے جاتے ہیں۔ غلہ بھی ان ہی میں جمع کرتے ہیں یہ غلہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہتا ہے اور رنگ بھی نہیں بدلتا۔ میرے سامنے ان گوداموں میں سے چاول نکالے گئے ان کا رنگ اوپر سے سیاہ ہو گیا تھا۔ لیکن مزہ میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ مکئی یا جوار بھی اس سے نکال رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہ بلبن کے وقت جس کو نوے سال ہوئے ہیں یہ غلے بھرے گئے تھے۔ فصیل کے اوپر کئی سوار اور پیادے تمام شہر کے گرد گھوم سکتے ہیں۔ شہر کے اندر کی طرف گوداموں میں آبدان ہیں جن میں سے روشنی پہنچتی ہے۔ نم اس فصیل کے نیچے کا حصہ پتھر کا بنا ہوا ہے اور اوپر کا حصہ پختہ اینٹوں کا۔ برج تعداد میں بہت زیادہ اور قریب قریب ہیں۔ اس شہر کے اٹھائیس دروازے ہیں ان میں سے بعض کا ہم ذکر کرتے ہیں بداؤں دروازہ جو ایک بڑا دروازہ ہے شہر بداؤں کے نام سے مشہور ہے۔ مندوی دروازہ جس کے باہر کھیت ہیں اور گل دروازہ جس کے باہر باغ ہیں اور نجیب دروازہ اور کمال دروازہ کسی شخص کے نام پر ہیں اور غزنی دروازہ جس کے باہر عید گاہ اور بعض قبرستان ہیں اور پالم دروازہ جو پالم گاؤں کی طرف ہے اور بجالصہ دروازہ جس کے باہر دہلی کے کل قبرستان ہیں۔ قبرستان خوبصورت ہیں ہر ایک قبر پر گنبد نہیں تو محراب ضرور ہوتی ہے اور بیچ میں گل شبو اور رائے بیل اور گل نسرین اور قسم قسم کی پھلواری لگی ہوئی ہے۔

(۲) جامع مسجد و لوہے کی لاٹ و مینار

شہر کی جامع مسجد (۳) بڑی وسیع ہے۔ اس کی دیواریں اور چھتیں اور فرش ہر ایک چیز تراشی ہوئی سفید پتھر کی بنی ہوئی ہے جس کو سیسہ لگا کر جوڑ لگایا ہے اور لکڑی کا

اس میں نام نہیں اس مسجد میں تیرہ گنبد ہیں جو پتھر کے ہیں اور منبر بھی پتھر کا ہے چار صحن ہیں اور اس کے وسط میں ایک لاٹ (۵) ہے۔ معلوم نہیں کس دھات کی بنی ہوئی ہے۔ کسی نے اس لاٹ میں سے انگل بھر ٹکڑا تراشا ہے وہ جگہ نہایت چکنی ہے لوہا اس میں اثر نہیں کرتا۔ اس کا طول تیس ہاتھ کا ہے جو میں نے اپنی پگڑی سے ناپا تھا۔ مسجد کے اور شرقی دروازے کے باہر تانبے کے دو بڑے بڑے بت پتھر میں جڑے ہوئے پڑے ہیں مسجد میں آنے جانے والے ان پر پاؤں رکھ کر جاتے ہیں اس مسجد کی جگہ پہلے بت خانہ تھا۔ جب دہلی فتح ہوئی تو بت خانہ کی جگہ یہ مسجد تیار کی گئی مسجد کے شمالی صحن میں ایک صومعہ (مینار) (۶) ہے جس کا نظیر اسلام کے کسی ملک میں نہیں پایا جاتا۔ یہ مینار سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے حالانکہ مسجد سفید پتھر کی ہے۔ مینار کے پتھروں پر نقش کندہ ہیں اور اس کا اوپر کا چھتر خالص سنگ مرمر کا ہے اور لٹو زر خالص کے ہیں اور اندر سے اس کا زینہ اس قدر چوڑا ہے کہ اس پر ہاتھی چڑھ جاتا ہے۔ ایک ثقہ آدمی نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ جب یہ مینار بنایا جاتا تھا تو میں نے ہاتھیوں کو اس کے اوپر پتھر لے جاتے ہوئے دیکھا ہے اس مینار کو معز الدین بن ناصر الدین بن التمش نے بنوایا تھا اور قطب الدین خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ غربی صحن میں ایک اور مینار بنائے جو اس مینار سے بہت بڑا اور اونچا ہو اور ایک تہائی کے قریب اس نے بنوایا تھا کہ وہ مارا گیا اور سلطان محمد تغلق نے اس کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر فال بد سمجھ کر اپنے ارادہ سے باز رہا ورنہ یہ مینار دنیا کے عجائبات میں سے ہوتا وہ اندر سے اس قدر چوڑا ہے کہ تین ہاتھی برابر اس میں اوپر چڑھ سکتے ہیں اور یہ تہائی اس قدر بلند ہے جس قدر کے صحن شمالی کا کل مینار۔ میں ایک دفعہ اس پر چڑھا تھا تو میں نے دیکھا کہ شہر کے اونچے اونچے گھر اور فصیل باوجود بلندی کے چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے تھے اور اس کی جڑ میں کھڑے ہوئے آدمی چھوٹے چھوٹے بچے معلوم ہوتے تھے نیچے سے کھڑے ہو کر دیکھنے سے یہ ناکمل مینار بسبب کلانی اور وسعت کے کم اونچا معلوم ہوتا ہے سلطان قطب الدین خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ سیری میں ایک ایسی مسجد بنائے لیکن فقط ایک دیوار اور محراب کے سوا نہ بنا سکا۔ اس نے سفید، سرخ اور سبز و سیاہ پتھروں کی تعمیر شروع کی تھی اگر بن جاتی تو ایسی مسجد کسی ملک میں نہ ہوتی سلطان محمد نے اس کے بنانے کا ارادہ کیا تھا اور معماروں اور کاریگروں سے اندازہ کرایا تھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ۳۵ لاکھ روپیہ لگے گا خرچ کثیر دیکھ کر اس نے ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن بادشاہ کا ایک مصاحب

کہتا تھا کہ فال بد کے سبب سے اس نے بنانا شروع نہیں کیا کیونکہ قطب الدین اس کے شروع کرتے ہی مارا گیا تھا۔

(۳) شہر کے حوض شمسی و حوض خاص

شہر دہلی کے باہر ایک حوض (۷) ہے جو سلطان شمس الدین التمش کی طرف منسوب ہے اہل شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور شہر کی عید گاہ بھی اسی کے قریب ہے اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے اور اس کے غربی طرف عید گاہ کی جانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ جو چبوتروں کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترہ کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے جس میں تماشائی بیٹھ کر سیر کرتے ہیں اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں اس کے اندر ایک مسجد ہے اکثر زاہد اور متوکل وہاں جاکر رہتے ہیں جب حوض کے کنارے سوکھ جاتے ہیں تو ان میں ٹیکر اور ککڑی اور کھیری اور تربوز اور خربوزے بو دیتے ہیں۔ خربوزہ اس میں چھوٹا لیکن نہایت شیریں ہوتا ہے۔ دہلی اور دارالخلافہ کے درمیان ایک اور حوض ہے جس کو حوض خاص (۸) کہتے ہیں یہ حوض حوض شمسی سے بھی بڑا ہے اور اس کے کناروں پر چالیس کے قریب گنبد ہیں اس کے گرد اہل طرب رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے اسے طرب آباد کہتے ہیں یہاں اہل طرب کا ایک بازار ہے جو بہت بڑا ہے اور اس میں ایک مسجد جامع بھی ہے اور سوا اس کے اور مسجدیں بھی ہیں کہتے ہیں گانے بجانے والی عورتیں جو اس محلہ میں رہتی ہیں رمضان شریف میں تراویح کی نماز جماعت سے پڑھتی ہیں۔ اور ان کے امام مقرر ہیں عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین ابن مہنی کی شادی میں دیکھا کہ جونہی اذان ہوئی ہر ایک ڈوم وضو کر کے اور مصلے بچھا کر نماز پر کھڑا ہو گیا۔

(۴) مزارات

مزارات میں مشہور قبر شیخ الصالح قطب الدین بختیار کاکی (۹) کی ہے ان کی قبر کی

برکت مشہور ہے اور لوگ اس کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ ان خواجہ صاحب کا نام کافی اس سبب سے مشہور ہو گیا تھا کہ ان کے پاس جو مقروض اور مفلس آتے تھے اور قرض اور افلاس کی شکایت کرتے تھے یا کوئی ایسا شخص آتا تھا جس کی بیٹی جوان ہوتی تھی اور شادی کا سامان اس کے پاس نہ ہوتا تھا تو خواجہ صاحب ان کو ایک کاک سونے یا چاندی کی دیدیا کرتے تھے دوسرا مزار فقیہ نور الدین کرانی کا ہے۔ تیسرا فقیہ علاء الدین کرانی کا۔ یہ مزار پربرکت ہے اور نور اس پر برستا ہے اور یہ مکان عیدگاہ کی پشت کی طرف ہے اس جگہ اور بھی بہت سے اولیا کے مزار ہیں۔

(۵) علماء و صلحا

علمائے زندہ میں شیخ محمود (۱۰) کبا ہیں یہ بڑے بزرگ ہیں لوگ مشہور کرتے ہیں کہ ان کو دست غیب حاصل ہے کیونکہ وہ خرچ بہت کرتے ہیں اور کوئی ظاہرا ذریعہ آمدنی کا نہیں معلوم ہوتا۔ ہر مسافر کو روٹی دیتے ہیں اور روپیہ، اشرفی اور کپڑے تقسیم کرتے ہیں اور ان سے بہت سی کرامتیں بھی ظاہر ہوئی ہیں اور وہ کرامتیں مشہور ہیں۔ میں نے کئی بار ان کی زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔ شیخ علاء الدین نیلی (۱۱) دوسرے شخص ہیں یہ صاحب شیخ نظام الدین بداونی کے خلیفہ ہیں ہر جمعہ کو وعظ کہتے ہیں بہت سامع ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں اور سرمنڈوا کر صاحب وجد ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ صاحب وعظ کرتے تھے میں بھی حاضر تھا۔ قاری نے کلام اللہ کی یہ آیت پڑھی۔

یاایها الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شئ ۱
عظیم- یوم ترونها تذهل کل مرضعة عما ارضعت
وتضع کل ذات حمل حملها وترے الناس سکار
اے وماهم بسکاری ولکن عذاب اللہ شدید-

شیخ نے اس کو دوبارہ پڑھوایا تو ایک فقیر نے مسجد کے گوشہ سے چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا میں نے بھی اس کے جنازے کی نماز پڑھی۔ تیسرے عالم شیخ صدر الدین کہرانی ہیں صایم الدہر اور قایم الیل ہیں۔ دنیا کو بالکل ترک کیا ہوا ہے لباس ان کا فقط ایک کمبل ہے بادشاہ اور امیران کی زیارت کو آتے ہیں مگر وہ ان سے چھپتے پھرتے ہیں۔ ایک دفعہ بادشاہ نے درخواست کی کہ لنگر کے خرچ کے واسطے کچھ دیہات قبول کرلیں لیکن شیخ نے انکار کیا ایک دفعہ بادشاہ زیارت کے لئے گیا اور دس ہزار دینار نذر کئے شیخ نے قبول نہ کئے یہ شیخ تین دن سے پہلے روزہ نہیں کھولتے۔ ان سے کسی نے عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ میں جب تک مضطر نہیں ہوتا روزہ نہیں کھولتا مضطر کو مردار بھی حلال ہے چوتھے بزرگ امام الصالح یگانہ عصر فرید و ہر کمال الدین عبداللہ غازی ہیں۔ آپ شیخ نظام الدین بداونی کی خانقاہ کے پاس ایک غار میں رہتے ہیں میں نے تین دفعہ اس غار میں آپ کی زیارت کی۔ ان کی کرامت جو میں نے دیکھی وہ یہ ہے ایک دفعہ میرا ایک غلام بھاگ گیا میں نے اس کو ایک ترک کے پاس پہچانا اور اس کو واپس لینا چاہا۔ شیخ نے منع کیا کہ یہ شخص تیرے لائق نہیں جانے دے اور چونکہ وہ ترک مجھ سے مصالحت کرنا چاہتا تھا میں نے سو دینار لے کر غلام اس کے پاس چھوڑ دیا چھ مہینے کے بعد میں نے سنا کہ اس نے اپنے آقا کو قتل کر ڈالا۔ اس کو بادشاہ کے پاس پکڑ کر لائے بادشاہ نے اسے ترک کے بیٹوں کے حوالہ کر دیا کہ اپنا قصاص لے لیں انہوں نے اس کو مار ڈالا یہ کرامت دیکھ کر میں شیخ کا معتقد ہو گیا اور دنیا کو ترک کر کے ان کی ملازمت اختیار کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دس دس دن اور بیس بیس دن کا روزہ رکھتے تھے اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارتے تھے اور میں اس وقت تک جب تک کہ بادشاہ نے مجھے واپس بلا نہ بھیجا اور میں دنیا کو پھر نہ جا پلٹا ان کی خدمت میں رہا خدا خاتمہ بالخیر کرے۔ اس کی کیفیت آگے چل کر بیان کروں گا۔



حوالہ جات

(۱) دہلی — ابن بطوطہ کے وقت میں شہر کی آبادی چار جگہ تھی۔

۱ — دہلی۔ اس سے اصل پرانی دہلی یعنی اندرپت اور انگ پال کے پرانے قلعہ کی آبادی مراد نہیں ہے جو موجودہ شہر سے ۳ میل کے فاصلے پر متھرا کی سڑک پر واقع ہے بلکہ رائے پتھورا کے قلعہ اور لال کوٹ کی آبادی مراد ہے جو موجودہ قطب کی لاٹھ کو گھیرے ہوئے تھا۔ لال کوٹ کو انگ پال تور دوم نے سمت ۱۱۰۹ مطابق ۱۰۵۲ء میں بنایا تھا۔ چنانچہ لوہے کی لاٹھ پر یہ تاریخ درج ہے۔ پرتھی راج المعروف بہ پتھورا نے شہر کو اور بڑھا کر لعل کوٹ کو اس کے اندر بطور قلعہ کے لے لیا تھا۔ لال کوٹ کی دیواریں کہیں کہیں اب بھی موجود ہیں۔ اس کا محیط سوا دو میل کا تھا اور دیواریں تیس فٹ موٹی اور خندق سے لے کر چوٹی تک ساٹھ فٹ اونچی تھیں۔ رائے پتھورا کے قلعہ کا محیط ساڑھے چار میل کے قریب ہے لیکن دیواریں لال کوٹ کی دیواروں سے آدھی تھیں۔

۲ — تغلق آباد۔ یہ قلعہ اور شہر ایک پہاڑی پر قطب صاحب ۴ میل مشرق کی جانب متھرا کی سڑک کے متصل واقع ہے۔ نیم دائرہ کی شکل میں بنا ہوا ہے۔ کل محیط چار میل سے ایک فرلانگ (یعنی ۱/۸ میل) کم ہے۔ نیم دائرہ کا قاعدہ جنوب کی طرف ہے۔ اس کی لمبائی ایک میل ہے۔ اس کے نیچے بند باندھ کر ایک جھیل بنائی گئی تھی۔ پہاڑ کی چٹان کو تراش کر اس کے اوپر قلعہ کی فصیل بنائی ہے۔ میدان سے کل اونچائی ۹۰ فٹ ہے۔ جنوب مغربی گوشہ میں قلعہ اور شاہی محل تھا' اس کے قریب ہی غیاث الدین تغلق شاہ کا مقبرہ ہے جو جھیل کے وسط میں واقع ہے۔ سنگ سرخ اور سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ یہ عمارت نیچے سے گنبد کی چوٹی تک اسی فٹ اونچی ہے اور گنبد کا قطر باہر کی طرف سے ۴۴ فٹ ہے۔ کہتے ہیں کہ دونوں باپ بیٹے ایک ہی مقبرے میں آسودہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق شاہ کی نعش کو ٹھٹھ واقع سندھ سے جہاں وہ مرا تھا دہلی میں دفن کرنے کے لیے لے آئے ہوں گے۔ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ سلطان فیروز نے ان شخصوں کی اولاد سے جن کو محمد شاہ تغلق نے بے قصور مار ڈالا تھا۔ ابرا نامے لے کر اس کی قبر' جو دارالامن میں تھی' رکھوا دیا اور دارالامن وہ جگہ ہے جہاں غیاث الدین بلبن کا مقبرہ ہے۔ فیروز شاہ فتوحات میں لکھتا ہے کہ بادشاہ کے مقبرہ میں رکھوائے تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقبرہ کو بھی دارالامن کہتے تھے۔ حال میں اس غلط فہمی سے کہ ابرا نامے قبر کے اندر رکھے گئے تھے' قبروں کو کھود کر ابرا ناموں کی تلاش کی گئی' لیکن وہ نہ ملے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابرا نامے باہر مقبرہ کی عمارت کے اندر رکھے گئے کیونکہ فتوحات فیروز شاہی میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ در مقبرہ تغلق شاہ گزاشتیم اس کے یہ معنے کرنا کہ قبر کھود کر اس کے اندر رکھے سمجھ کا پھیر ہے۔ قلعہ میں اب گوجر آباد ہیں اور مقبرہ میں مسلمان زمیندار رہتے ہیں جو اپنے تئیں تغلق کی اولاد بتلاتے ہیں۔ شہر میں لکڑیاں لا کر فروخت کرتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ بہادر شاہ کے وقت میں جب قلعہ شاہجہانی آباد تھا تو یہ لوگ قلعہ میں لکڑیاں فروخت کرنے کے لیے آنا اپنی کسر شان سمجھتے تھے اور وہاں ہرگز نہ جاتے تھے۔ خواہ ان کو کسی قدر قیمت دی جاتی۔

۳ — سلطان محمد بن تغلق کا شہر جہاں پناہ دہلی اور سیری کے درمیان تھا۔ جہاں اس کے محل ہزار ستون کے کھنڈرات واقع ہیں۔

۴ — سیری کا قلعہ اور شہر سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے عہد میں بنوایا تھا۔ اب بھی قطب صاحب کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو اس کے نشانات باقی ہیں۔ اس کو قلعہ علائی بھی کہتے تھے۔

۵ — دہلی اور سیری کے جنوب اور مغرب میں پہاڑی تھی۔ شمال اور مشرق میں محمد تغلق نے ایک شہر پناہ بنا کر دونوں شہروں کو ایک کر دیا تھا اور اس وقت یہ شہر نہایت عظیم الشان شہر بن گیا تھا۔ ابن بطوطہ نے جو یہ لکھا ہے کہ اس فصیل میں تغلق آباد شامل تھا' صحیح نہیں۔

۶ — ابن بطوطہ کے چلے جانے کے بعد اور سلطان محمد تغلق کے مرنے کے بعد فیروز شاہ نے نیا شہر فیروز آباد بسایا۔ یہ شہر ہمایوں کے مقبرہ سے لے کر موجودہ شہر کے شمال کی طرف پہاڑی تک چلا گیا تھا اور موجودہ شہر کا وہ حصہ بھی جس میں کالی مسجد اور سلطان رضیہ کی قبر اور قدم شریف بھی ہے' اس میں شامل تھا۔ موجودہ شہر کے دہلی دروازے کے باہر ہی اس شہر کا قلعہ تھا جہاں اب فیروز شاہ کی لاٹھ کھڑی ہے۔ اس کتاب میں ایک نقشہ دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ یہ شہر کس کس موقع پر تھے۔ مسالک الابصار کا مصنف جو ابن بطوطہ کا ہم عصر اور دمشق کا رہنے والا تھا۔ ایک سیاح شیخ مبارک کی روایت سے لکھتا ہے کہ دہلی کا شہر کئی شہروں کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ ان شہروں کے نام علیحدہ علیحدہ بھی ہیں۔ لیکن سب کو ملا کر دہلی کہتے ہیں۔ شہر کا محیط چالیس میل ہے اور اس کے تین طرف بارہ بارہ ہزار قدم تک باغات ہیں اور مغرب کی طرف پہاڑی ہے۔ ایک ہزار مدرسے اور دو

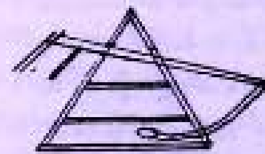
ہزار چھوٹی بڑی مسجدیں اور سترہ دار الشفا ہیں۔ شہر کے لوگ تالابوں کا پانی پیتے ہیں جو بارش کے وقت جمع کیا جاتا ہے۔ کنوؤں کا پانی فقط سات ہاتھ نیچا ہے اور ان پر رہٹ لگے ہوئے ہیں۔ اب تجویز ہے کہ سیری اور فیروز شاہ کی دہلی کے درمیان نیا شہر تعمیر کیا جاوے۔

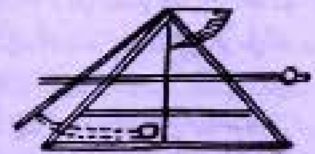
(۳) رعادات۔ اس لفظ میں ابن بطوطہ نے غلطی کی ہے۔ اصل میں یہ لفظ عرادہ ہے۔ چھوٹا منجنیق ہوتا ہے جس سے قلعہ پر پتھر پھینکتے ہیں۔ چنانچہ نظامی نے قلعہ کی تعریف میں لکھا ہے۔

نہ عرادہ برگرد او رہ شناس　　　نہ از گردش منجنیقش ہراس

صراح میں عرادہ کے معنی منجنیق خورد کے لکھے ہیں۔ رعادہ عربی میں کوئی لفظ نہیں۔

(۴) منجنیق۔ اس لفظ کی وجہ تسمیہ عجیب عجیب بیان کی گئی ہیں۔ بعضے فارسی من چہ نیک کا معرب بتلاتے ہیں لیکن اغلباً یہ لفظ یونانی لفظ "من جانے کون" سے مشتق ہے۔ جس کے معنے جادو اور کرتب کے ہیں۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ لفظ معرب ضرور ہے کیونکہ ج اور ق دونوں حروف کسی عربی لغت میں نہیں آسکتے۔ توپوں کی ایجادات سے پہلے یعنی سولہویں صدی تک ان آلات کا استعمال قلعہ کی دیواریں توڑنے اور قلعہ کے اندر شعلہ گیر اور جلتی ہوئی اور بدبو اور سڑی ہوئی چیزیں اور پتھر پھینکنے کے لیے یورپ اور اسلامی ممالک اور چین میں کیا جاتا تھا۔ کرنل یول نے مارکو پولو کے سفرنامہ میں ۱۲ تصویریں دی ہیں۔ ان میں سے ہم دو جو اسلامی ممالک میں مروج تھے یہاں نقل کرتے ہیں۔ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی نے جب اہل دہلی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے تو منجنیقوں کے ذریعہ سے ان کے پاس سونا اور چاندی پھینکے اور اسی طرح لالچ دے کر قلعہ کھلوا لیا۔ بعضے مورخ لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے ۹۳ ہجری میں دیبل کے قلعہ پر ایسا منجنیق لگایا جس پر پانسو آدمی کام کرتے تھے اور جس کا نام العروس یعنی دلہن تھا۔





(۳) جامع مسجد۔ اس مسجد کا نام قوت الاسلام تھا۔ پہلے اس جگہ راے پتھورا کا بت خانہ تھا۔ سلطان معز الدین محمد بن سام نے جس کا دوسرا نام شہاب الدین غوری ہے ۵۸۹ ہجری میں دہلی فتح کرنے کے بعد اپنے غلام اور سپہ سالار قطب الدین ایبک کی معرفت اس مسجد کی بنیاد رکھوائی۔ اصل میں یہ مسجد ۵۹۴ ہجری میں پانچ در کی بنائی گئی تھی۔ اسی درجے پر یہی سال تعمیر درج ہے۔ پھر ۶۲۷ ہجری میں تین تین در کے دو درجے دونوں طرف شمس الدین التمش نے زیادہ کیے۔ ابن بطوطہ کے وقت میں چوتھا درجہ بھی بنا ہوا موجود تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اس کے فقط دو در تھے۔ کیونکہ اس نے گنبدوں کی تعداد بجائے چودہ کے فقط تیرہ لکھی ہے۔ اگر چوتھا درجہ پورا ہو جاتا تو چودہ گنبد ہوتے۔ آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ پانچواں اور چوتھا درجہ سلطان علاء الدین خلجی نے ۷۱۰ ہجری میں بنانے شروع کیے مگر پورے نہ ہونے پائے لیکن ابن بطوطہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں درجے کا نام و نشان بھی اس وقت نہ تھا اور چوتھے درجے کی بابت بھی غیر مکمل ہوتا اس نے درج نہیں کیا۔ میری رائے میں پانچویں درجے کو کسی نے شروع نہیں کیا۔

اب گیارہ در موجود ہیں جن میں سے تین بڑے در ہیں اور آٹھ چھوٹے اور ان گیارہ دروں کا طول ۳۸۵ فٹ ہے۔ بڑی محراب ۵۳ فٹ اونچی اور ۲۲ فٹ چوڑی ہے۔ فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ ان محرابوں کی اونچائی اور قطب مینار کے سبب سے اس مسجد کو دنیا کے عجائبات میں شمار کرنا چاہیے۔ مسالک الابصار کا مصنف ابن بطوطہ کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ اس مسجد کی نظیر وسعت اور خوبصورتی میں تمام دنیا میں نہیں۔ امیر خسرو نے اس مسجد کی تعریف قران السعدین میں کی ہے۔ جس کا پہلا شعر ہم درج کرتے ہیں۔

مسجد او جامع فیض الٰہ　　　زمزمہ خطبہ او تا بماہ

مسجد کے دروازے کے نیچے جو بت پڑے ہوئے تھے وہ بکرماجیت کا بت تھا جو التمش اجین کی فتح کے وقت مہاکال کے مندر میں سے اٹھا کر دہلی لے آیا تھا۔ بدایونی لکھتا ہے "و نشان بکرماجیت راو تمثالے چند، دیگر را کہ از برنج ریختہ بودند آوردہ در پیش مسجد دہلی کندہ بود و فرمود تاکہ پامال خلائق باشد"۔ یہ واقعہ ۶۳۱ ہجری کا ہے۔

(۵) لوہے کی لاٹ۔ جنرل کننگھم نے ایک چھوٹا سا ٹکڑا ڈاکٹر طامس اور ڈاکٹر پرسی کے معائنہ کے لیے بھیجا تھا۔ ان دونوں کی رائے ہے کہ لاٹ خالص لوہے کی بنی

ہوئی ہے۔ مشہور بے شک یہ ہے کہ سات دھاتوں کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ یہ لاٹ ۲۳ فٹ ۸ انچ اونچی اور ساڑھے ۲۲ فٹ زمین سے باہر ہے۔ نہ میں لاٹ کا قطر سوا سولہ انچ ہے اور زمین کے نیچے ۳ فٹ ۸ انچ۔ یہ پیمائش ابن بطوطہ کی پیمائش سے مختلف ہے۔ تعجب یہ ہے کہ چودہ سو سال ہوئے لیکن اس پر زنگ نہیں آیا۔ مغربی رخ کی طرف چھ سطریں سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو راجہ دھاؤ نے بنایا تھا۔ پرنسپ صاحب نے کتبے میں اس طرح پڑھا تھا لیکن اور سنسکرت والوں نے جو پڑھا تو راجہ دھاؤ کا نام اس میں نہ پایا۔ مشہور روایت یہ ہے کہ اس کو اننگ پال تور اول المعروف بہ بیلن دیو نے جو آٹھویں صدی میں دہلی کا راجہ تھا ایک برہمن کے کہنے سے بنایا تھا اور شیش ناگ کے سر میں گاڑا تھا۔ لیکن یہ محض کہانی معلوم ہوتی ہے۔ اب جس طرح اس کتبے کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ ہم لاٹ کی تصویر کے نیچے درج کریں گے۔

(۶) قطب مینار۔ یہ مینار مسجد قوت الاسلام کے جنوب مشرقی گوشہ پر جمعہ کی اذان کے لیے بنایا گیا تھا۔ جیسا کہ پہلی منزل کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے اس کو قطب الدین ایبک نے سلطان معز الدین بن سام کے حکم کے مطابق بنانا شروع کیا اور سلطان شمس الدین التمش نے ۶۲۹ ہجری میں اس کی تکمیل کی۔ ۷۷۰ ہجری میں فیروز شاہ نے اور ۹۰۹ ہجری میں بہلول شاہ لودھی نے اس کی مرمت کرائی۔ ۱۸۰۳ء میں زلزلے کے باعث اوپر کی چھتری گر پڑی تھی اور کل مینار مرمت طلب ہو گیا تھا۔ سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی نے میجر رابرٹ سمتھ کی معرفت ساٹھ سال کا عرصہ ہوا اس کی مرمت کروائی اور ایک لاکھ کے قریب روپیہ خرچ کیا۔ اب موجودہ مینار پانچ منزل ہے۔ سب سے نیچے کی منزل ۹۵ فٹ اونچی ہے۔ اور پانچویں منزل ۲۲ فٹ ۴ انچ اونچی ہے۔ کل اونچائی ۲۳۸ فٹ ہے۔ نہ کا قطر ۴۷ فٹ ۳ انچ ہے اور چوٹی کا ۹ فٹ۔ یہ مینار نہ سے چوٹی تک مسلمان بادشاہوں کا بنایا ہوا ہے اور یہ کہانی کہ اصل میں اس کو راجہ پتھورا نے بنایا تھا اور وہ اپنی دختر اس کی چوٹی پر سے ہر روز صبح کو جمنا کی زیارت کرائی تھی بالکل بے اصل ہے۔ سیڑھیوں کی تعداد ۳۷۸ ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کو معز الدین کیقباد نے تعمیر کرایا" یہ غلط ہے۔ اس کو غالباً معز الدین بن سام اور معز الدین کیقباد کے ہم نام ہونے سے غلطی واقع ہوئی ہے اور اسی طرح وہ اس راوی کا مطلب نہیں سمجھا جس نے اس کے سامنے بیان کیا تھا کہ اس مینار پر ہاتھی چڑھ جاتے تھے اور پتھر لے جاتے تھے۔ راوی کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ باہر کی طرف جب تعمیر کے لیے پاڑ بندھی ہوئی تھی ہاتھی پتھر لے کر اوپر چڑھتے تھے۔

اس مینار سے ۴۲۵ فٹ کے فاصلے پر سلطان علاء الدین خلجی نے ایک اور مینار بنانا شروع کیا تھا۔ اس نے اس کی بنیاد اس مینار سے دوہری اٹھائی تھی لیکن وہ اس کو فقط ۸۷ فٹ بنانے پایا تھا کہ تعمیر کسی سبب سے بند ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ اس کو سنگ مرمر سے منڈھنے کا تھا اور وہ سنگ مرمر بعد میں ہمایوں کے مقبرے میں...... استعمال کیا گیا۔ ابن بطوطہ نے اس ٹوٹے ہوئے مینار کی بلندی میں غلطی کی ہے۔ ابن بطوطہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مینار کی تعمیر قطب الدین خلجی نے شروع کی تھی۔ یہ شاید زیادہ تر صحیح ہو اور چونکہ وہ جلد ہی مارا گیا اس لیے نامکمل رہنے کی بھی کافی وجہ ہے۔

(۷) حوض شمسی۔ اس حوض کو سلطان شمس الدین التمش نے بنوایا تھا۔ کسی زمانے میں یہ حوض تمام سنگ سرخ سے بنا ہوا تھا۔ اب دیواریں اور پتھر بالکل اکھڑ گئے ہیں۔ اس تالاب کا پانی ایک نہر بنا کر فیروز شاہ تغلق آباد میں لے گیا تھا۔ اب بھی یہ تالاب ۲۷۶ بیگہ پختہ میں ہے۔ فیروز شاہ نے فتوحات فیروزی میں لکھا ہے کہ میں نے اس حوض کے پانی آنے کے رستے کھلوائے جو زمینداروں نے بند کر دیے تھے۔ اس حوض کے کنارے پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مزار ہے جو نہایت دلچسپ جگہ ہے۔ آپ کا سن ولادت ۹۵۸ ہجری اور سن وفات ۱۰۵۲ ہجری ہے۔ امیر خسرو قران السعدین میں اس حوض کی تعریف لکھتے ہیں

ع

در کمر سنگ میان دو کوہ　　آب گہر صفوہ و دریا شکوہ

اب پھر بہت کم پانی آتا ہے۔ سنگھاڑہ اب بھی اس تالاب کا مشہور ہے۔

(۸) حوض خاص۔ سید احمد خان نے آثار الصنادید میں اس حوض کو فیروز شاہ کا بنایا ہوا لکھا ہے۔ یہ غلطی سید صاحب کو کتبے سے ہوئی ہے لیکن فتوحات فیروزی سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے فقط اس حوض کو صاف کر کے اس کی مرمت کرائی تھی۔ یہ حوض دراصل سلطان علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہے۔ فیروز شاہ کا مقبرہ بھی اسی تالاب پر ہے...... یہ حوض قطب صاحب کے رستے پر ہے......اور سڑک سے شمال کی جانب دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۹) شیخ الاصالح قطب الدین بختیار کاکی بن خواجہ کمال اوشی اوش (جو فرغانہ یعنی توقند کا ایک شہر ہے) کے رہنے والے تھے۔ اصفہان میں خواجہ معین الدین چشتی کی ملازمت حاصل کر کے ان کے مرید ہو گئے اور ان کے حکم سے دہلی میں وطن اختیار کیا۔ کاکی مشہور ہونے کی وجہ فرشتہ نے یہ لکھی ہے کہ آپ کی بیوی ایک شخص شرف الدین بقال سے بکی

بھی ضرورت کے وقت قرضہ لے لیا کرتی تھیں۔ شرف الدین کی بیوی نے خواجہ صاحب کی بیوی کو طعنہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرض نہ لیا کرو اور فلاں طاق سے جب بچوں کو ضرورت ہو کاک (ٹکیا) نکال کر دے دیا کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وہ ہاتھ طاق میں ڈالتیں تو گرم گرم کاک برآمد ہوتی تھی چونکہ اب بھی آپ کا تبرک یہی کاک ہے۔ اس سے فرشتہ کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کا مزار قطب صاحب میں زیارت گاہ عام و خاص ہے۔ قبر کی عمارت خام ہے۔ شیر شاہ بادشاہ دہلی نے اس کے گرد ایک بہت وسیع چار دیواری بنا دی تھی جس کے کئی دروازے اب بھی موجود ہیں۔ خانقاہ کی موجودہ عمارت جو کل سنگ مرمر کی ہے فرخ سیر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز قوال ایک مجلس میں شیخ احمد جام زندہ پیل کا یہ شعر۔

کشتگان خنجر تسلیم را　　　　ہر زماں از غیب جانے دیگر است

گا رہے تھے آپ نے کئی دفعہ فرمائش کی اسی کو گاؤ۔ اور حالت وجد میں جان دے دی۔

میر حسن دہلوی نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے۔

جان بر یک بیت داد است آن بزرگ
آرے ایں گوہر ز کان دیگر است
کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آپ کا انتقال ۶۳۳ ہجری میں ہوا۔ اسی سال سلطان شمس الدین التمش نے بھی وفات پائی۔

(۴) شیخ محمود کیا۔ اس بزرگ کا حال کسی تاریخ میں نظر نہیں پڑا۔ اس زمانے میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی بہت مشہور تھے۔ لیکن ابن بطوطہ نے کیا کا لفظ زیادہ لکھا ہوا ہے۔ شاید اس کی مراد کسی اور بزرگ سے ہو۔

(۵) علاء الدین نیلی۔ آپ اودھ کے رہنے والے تھے اور سلطان نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔ لیکن خود مرید نہیں کرتے تھے۔ آخر عمر میں فوائد الفوائد کو خود نقل کیا اور اکثر پڑھتے رہتے تھے۔ مولانا فرید الدین شافعی شیخ الاسلام اودھ کے شاگرد تھے۔ آپ کی قبر چبوترہ یاراں کے پاس درگاہ سلطان نظام الدین اور محل کوٹک کے بیچ میں ہے۔ اخبار الاخیار۔

باب (۴)

دہلی کی تاریخ

(۱) دہلی کی فتح

قاضی القضاۃ علامہ کمال الدین محمد بن برہان الدین الملقب بہ صدر جہاں ذکر کرتے تھے کہ دہلی کی فتح ۵۸۸ ہجری (۱) میں ہوئی تھی اور مسجد جامع کی محراب میں بھی یہی تاریخ لکھی ہوئی تھی جو میں نے خود پڑھی۔ دہلی کو قطب الدین ایبک (۲) نے فتح کیا ہے یہ شخص سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری بادشاہ غزنی و خراسان کا غلام اور اس کی طرف سے سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا اور یہ محمد بن غوری سلطان ابراہیم بن سلطان محمود غازی کے ملک پر جس نے ہندوستان کی فتح شروع کی زور سے قابض ہو گیا تھا۔ سلطان شہاب الدین نے قطب الدین کو ایک بڑا لشکر دے کر ہندوستان بھیجا۔ اس نے پہلے لاہور کو فتح کیا اور وہاں سکونت اختیار کی وہ ایک عظیم الشان بادشاہ ہو گیا۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے ایک دفعہ اس کی چغلی کھائی کہ وہ ہندوستان میں علیحدہ بادشاہت قائم کر کے اطاعت سے باہر ہونا چاہتا ہے۔ یہ خبر قطب الدین کو بھی پہنچ گئی۔ وہ تن تنہا غزنی میں آیا اور رات کو پہنچا۔ اسی وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اس کے چغل خوروں کو اس کے آنے کا علم نہ تھا۔ دوسرے روز جب بادشاہ دربار میں بیٹھا قطب الدین چھپ کر تخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے بادشاہ نے قطب الدین ایبک کا حال پوچھا جن صاحبوں نے اس کی چغلی کھائی تھی بول اٹھے ہمیں تحقیق معلوم ہے کہ وہ خود سر بادشاہ بن بیٹھا ہے بادشاہ نے تخت پر پاؤں مارا اور تالی بجا کر کہا ایبک' قطب الدین نے کہا حاضر اور باہر نکل آیا اور دربار میں سب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چغل خور شرمندہ ہو گئے اور ڈر کر زمین چومنے لگے۔ بادشاہ نے کہا تمہارا قصور اس دفعہ میں نے معاف کیا پھر کبھی ایبک کے برخلاف مجھ سے کچھ نہ کہنا۔ قطب الدین کو حکم دیا کہ واپس ہندوستان کو چلا جا۔ وہ واپس چلا گیا اور شہر دلی کو فتح کیا اور خود شہر بھی فتح کئے جب سے دلی برابر اسلام کا دارالخلافہ چلا آیا ہے۔ قطب الدین نے دلی میں وفات پائی۔

(۲) سلطان شمس الدین التمش

سلطان شمس الدین التمش (۳) یہ دلی کا اول مستقل بادشاہ ہے پہلے یہ قطب الدین کا غلام اور سپہ سالار اور نائب تھا۔ قطب الدین کے مرنے کے بعد مستقل بادشاہ ہوا اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کی تمام عالم و فقیہ۔ قاضی وجیہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اس کے سامنے بیٹھ گئے قاضی اس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اپنے فرش کا کونہ اٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین نے اس کو آزاد کر دیا تھا قاضی اور فقیہوں نے اس کو پڑھا اور سب نے اس کی بیعت کر لی۔ بیس برس تک اس نے سلطنت کی وہ نیک چلن اور انصاف پرور اور عالم و فاضل تھا انصاف کی جانب اس کی توجہ بدرجہ غایت تھی حکم دیا ہوا تھا کہ جس کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو وہ رنگے ہوئے کپڑے پہن کر پھرے تاکہ بادشاہ فوراً اس کو پہچان لے کیونکہ ہندوستان میں عموماً سفید رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ رات کے واسطے یہ تجویز کی تھی کہ اپنے دروازے کے برجوں پر دو شیر سنگ مرمر کے بنے ہوئے رکھے ہوئے تھے اور ان دونوں کے گلوں میں زنجیریں ڈالی ہوئی تھیں اور زنجیروں میں گھنٹیاں باندھے ہوئے تھے جب کوئی مظلوم آکر زنجیر ہلاتا تھا تو فوراً بادشاہ کو خبر ہو جاتی تھی اور وہ فوراً اس کے مقدمے کا فیصلہ کرتا تھا لیکن اس پر بھی قانع نہ ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ لوگوں پر رات کے وقت ظلم ہوتا ہوگا اور صبح تک دیر ہو جاتی ہے اس لیے حکم دیا کہ فوراً فریقین کو طلب کر کے فیصلہ کیا جائے۔

(۳) سلطان رکن الدین

سلطان شمس الدین کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی اس کا بیٹا رکن الدین (۴) اس کی بجائے تخت نشین ہوا۔ اس نے اول اپنے بھائی معز الدین (۵) کو جو رضیہ کا حقیقی بھائی تھا اور رکن الدین کی دوسری ماں کے پیٹ سے تھا قتل کروا ڈالا رضیہ ناراض ہوئی بادشاہ نے چاہا کہ اس کو بھی مروا ڈالے (۶) بادشاہ ایک روز جمعہ کی نماز کو جامع مسجد میں گیا ہوا تھا۔ رضیہ مظلوموں کی پوشاک پہن کر پرانے شاہی محل یعنی دولت خانہ کی چھت کے اوپر کھڑی ہو گئی جو مسجد جامع کے متصل واقع تھا اور لوگوں سے اپنے باپ کے عدل و احسان یاد دلا کر کہا کہ رکن الدین نے میرے بھائی کو مار ڈالا ہے اور مجھے بھی مروانا چاہتا ہے۔ اس پر لوگ برافروختہ ہوئے اور رکن الدین پر شورش کر کے اس کو مسجد میں پکڑ لیا اور رضیہ کے پاس لے آئے اس نے اپنے بھائی کے قصاص میں اس کو مروا ڈالا۔

(۴) سلطانہ رضیہ

چونکہ تیسرا بھائی ناصر الدین ابھی صغیر سن تھا۔ اس لیے لشکر اور امیروں نے اس کو سلطانہ مقرر کیا اس نے چار برس سلطنت کی۔ یہ سلطانہ (۷) مردوں کی طرح ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا کرتی تھی اور اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھی جب اس پر تہمت لگائی گئی کہ وہ ایک حبشی غلام (۸) سے تعلق رکھتی ہے تو لوگوں نے اتفاق کر کے اس کو تخت سے اتار دیا اور اس کے کسی رشتہ دار قریبی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا اور اس کے بھائی ناصر الدین (۹) کو بادشاہ بنا لیا جبکہ سلطانہ رضیہ کو تخت سے علیحدہ کیا گیا تو اس کا چھوٹا بھائی بادشاہ بنا (۱۰) اور مدت تک حکومت کرتا رہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد رضیہ اور اس کے شوہر نے بغاوت کی اور اپنے غلام اور ساتھی لے کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئی۔ ناصر الدین اور اس کے نائب بلبن نے جو اس کے بعد بادشاہ ہوا مقابلہ کیا رضیہ کے لشکر کو شکست ہوئی (۱۱) رضیہ میدان سے بھاگ گئی اور جب وہ تھک گئی اور بھوک اور پیاس نے غلبہ کیا تو ایک زمیندار کو ہل چلاتے ہوئے دیکھا اس سے کھانے کو کچھ مانگا اس نے ایک روٹی کا ٹکڑا دیا وہ کھا کر سو گئی اس وقت وہ مردانہ کپڑے پہنے

ہوئے تھی دیہدار کی نظر اس کی قبا پر جا پڑی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے وہ سمجھ گیا کہ یہ عورت ہے اس کو سوتے ہوئے قتل کر کے اس کے کپڑے اور سامان اتار لیا اور گھوڑے کو بھگا دیا اور اس کی نعش کو کھیت میں دفن کر کے آپ اس کا کوئی کپڑا بازار میں بیچنے گیا بازار والوں نے شبہ کیا اور اس کو کوتوال کے پاس پکڑ کر لائے کوتوال نے دیہدار کو مار پیٹ کی تو اس نے اقبال کیا اور تمام احوال بتا دیا اور اس کی نعش بھی بتا دی نعش کو وہاں سے نکال کر لائے اور غسل اور کفن دے کر اسی جگہ اس کو دفن کر دیا اور اس کی قبر پر ایک گنبد بنا دیا اب اس کی قبر زیارت گاہ ہے اور وہ دریائے جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسخ (ساڑھے تین میل) ہے۔

(۵) سلطان ناصر الدین

اس کے بعد ناصر الدین بالاستقلال بادشاہ ہو گیا اور اس نے بیس برس سلطنت کی یہ بادشاہ نہایت نیک چلن تھا۔ قرآن شریف کی کتابت کر کے اس کی قیمت سے گزارہ کرتا تھا قاضی کمال الدین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف مجھے دکھایا خط اچھا تھا اور کتابت منشیانہ تھی اس کے نائب غیاث الدین نے اس کو مار ڈالا (۱۲) اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

(۶) سلطان غیاث الدین بلبن

بلبن (۱۳) اپنے آقا کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور بیس برس تک سلطنت کرتا رہا۔ اس سے پہلے بیس برس تک بطور نائب کے بھی کل امور سلطنت اس کے ہاتھ میں تھے یہ بادشاہ منصف مزاج، بردبار اور نہایت نیک چلن تھا اور عالم اور فاضل تھا اس نے ایک مکان بنوایا تھا اس کا نام دارالامن (۱۴) رکھا تھا جو مقروض اس میں داخل ہو جاتا تھا اس کا قرضہ ادا کر دیتا تھا اور جو شخص کسی کو قتل کر کے یا کوئی جرم کر کے اس میں داخل ہو جاتا تھا تو مقتول یا مظلوم کے وارثوں کو عوض دے کر ان کو راضی کر دیتا تھا۔ اس بادشاہ کی قبر بھی اسی مکان میں بنائی گئی ہے۔ میں نے اس کی قبر دیکھی ہے۔ اس بادشاہ کی نسبت ایک عجیب حکایت بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بخارا کے بازار میں اس کو ایک فقیر ملا۔ بلبن پست قد اور کرو اور بدصورت تھا فقیر نے کہا اے ترکک (یعنی ترکڑے) گویا حقارت سے نام لیا۔ اس نے کہا حاضر اے آخوند۔ فقیر

کون ہو اور مانگتے ہو یہ انار خرید دے۔ اس نے کہا بہت اچھا اور اپنی جیب سے پیسے نکالے جو اس کے پاس موجود تھے اور ان کے سوا اور کچھ نہ تھا اور انار خرید کر فقیر کو دے دیا فقیر نے وہ انار لے کر کہا کہ ہم نے تجھے ہندوستان کا ملک بخشا۔ بلبن نے اپنا ہاتھ چوم کر کہا کہ مجھے منظور ہے یہ بات اس کی دل نشین ہو گئی۔ اتفاق سے سلطان شمس الدین التمش نے ایک سوداگر بھیجا کہ بخارا اور ترمذ اور سمرقند میں اس کے لئے غلام خریدے۔ اس نے سو غلام خریدے اور ان میں بلبن بھی تھا۔ جب بادشاہ کے سامنے وہ غلام حاضر کیے گئے تو اس کو سب پسند آ گئے مگر بلبن کو اس نے پسند نہ کیا اور کہا کہ میں اس کو نہیں لیتا بلبن نے عرض کی کہ اے اخوند عالم یہ غلام حضور نے کس کے لیے خریدے ہیں بادشاہ نے کہا کہ اپنے لیے بلبن نے عرض کی کہ تمام غلام اپنے لیے خریدے ہیں ایک غلام آپ خدا تعالی کے لیے خرید لیں۔ التمش ہنسا اور اس کو بھی خرید لیا لیکن چونکہ وہ کرو تھا اس لیے اس کو پانی لانے کا کام دیا۔ نجومیوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ تیری اولاد سے تیرا ایک غلام سلطنت لے لے گا اور اس پر غالب ہو جائے گا۔ نجومی ہمیشہ یہی کہتے تھے لیکن بادشاہ نے اپنی نیک بختی اور انصاف پروری کے سبب سے ان کی باتوں پر توجہ نہ کی۔ آخر انہوں نے بادشاہ کی بیگم سے کہا اس نے بادشاہ سے کہا تو بادشاہ کے دل پر کچھ اثر ہوا اور نجومیوں کو بلا کر کہا کہ تم اس شخص کو پہچان سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس کی بعض علامتیں ہیں اور ہم پہچان لیں گے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام غلام میرے سامنے سے گزریں بادشاہ بیٹھ گیا۔ جماعت جماعت بادشاہ کے سامنے سے گزرتی جاتی تھی اور نجم دیکھ دیکھ کر کہتے جاتے تھے کہ ان میں وہ شخص نہیں۔ عصر کا وقت ہو گیا۔ سقوں کی باری ابھی نہیں آئی تھی آپس میں کہنے لگے کہ ہم بھوکے مر گئے اور پیسے جمع کر کے بلبن کو بازار میں روٹیاں لانے کے واسطے بھیج دیا۔ اس کو قریب کے بازار میں روٹی نہ ملی اور وہ دوسرے بازار میں چلا گیا جو ذرا فاصلے پر تھا۔ جب سقوں کی باری آئی اور بلبن واپس نہ آیا تو انہوں نے ایک لڑکے کو کچھ دے کر بلبن کی مشک اور اس کا اسباب اس کے کندھے پر رکھ دیا اور اس کو بلبن کی بجائے پیش کیا جب بلبن کا نام پکارا گیا تو وہ لڑکا اس کی جگہ محسوب ہو گیا جب جائزہ ہو چکا تو نجومیوں نے اس شخص کو نہ پایا جس کی تلاش کرتے تھے بلبن بعد میں آیا جبکہ تمام سقے پیش ہو چکے تھے کیونکہ تقدیر الہی پوری ہونی تھی بلبن نے اپنی لیاقت سے ترقی کی اور وہ سقوں کا امیر ہو گیا اور پھر لشکر میں داخل ہو گیا اور رفتہ رفتہ سردار بن گیا۔

سلطان ناصر الدین نے بادشاہ ہونے سے پہلے اس کا نکاح اپنی بیٹی (۱۵) سے کر دیا اور جب ناصر الدین بادشاہ ہوا تو اس کو اپنا نائب بنا لیا بیس برس تک نیابت کی اور پھر اس نے سلطان ناصر الدین کو قتل کروا ڈالا اور خود بادشاہ ہو گیا بلبن کے دو بیٹے تھے بڑا بیٹا خان شہید (۱۶) تھا۔ جو اس کا ولی عہد تھا اور وہ اپنے باپ کی طرف سے سندھ کا حاکم تھا اور ملتان میں رہا کرتا تھا وہ تاتاروں سے لڑ کر ایک لڑائی میں شہید ہو گیا اس کے دو بیٹے تھے ایک کیقباد دوسرا کیخسرو۔ بلبن کے دوسرے بیٹے کا نام ناصر الدین تھا جو اپنے باپ کے وقت لکھنوتی اور بنگالہ کا حاکم تھا جب خان شہید مارا گیا تو بلبن نے اس کے بیٹے کیخسرو کو ولی عہد بنایا اور اپنے بیٹے کو نہ بنایا اس ناصر الدین کے بھی ایک بیٹا تھا جو بادشاہ کے پاس رہا کرتا تھا اور اس کا نام معز الدین تھا۔

(۷) سلطان معز الدین کیقباد

رات کے وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا انتقال ہوا تھا اس کا بیٹا ناصر الدین (بغرا خان) بنگالہ میں تھا۔ اس لیے اس نے اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ لیکن بادشاہ کا نائب کیخسرو سے رنجش رکھتا تھا اس نے یہ حیلہ کیا کہ بادشاہ کے مرتے ہی کیخسرو کے پاس پہنچا اور اس کی نسبت ہمدردی اور غمخواری ظاہر کی اور اس کو ایک جعلی کاغذ دکھایا جس میں سب امیروں نے کیقباد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اتفاق کیا تھا اور یہ کہا کہ مجھے تمہاری جان کا خوف ہے۔ کیخسرو نے کہا کہ پھر کیا کیا جائے۔ نائب نے صلاح دی کہ آپ اسی وقت سندھ چلے جائیں۔ کیخسرو نے کہا شہر کے دروازے بند ہیں نائب نے کہا کہ کنجیاں میرے پاس ہیں آپ کو نکلوا دیتا ہوں اور پھر دروازہ بند کرلوں گا کیخسرو بہت ممنون ہوا اور راتوں رات ملتان کی طرف بھاگ گیا۔ جب کیخسرو (۱۷) شہر سے باہر نکل گیا تو نائب معز الدین کے پاس گیا اور اس کو جگا کر کہا کہ تمام امیر آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں۔ معز الدین نے کہا کہ میرا چچا زاد بھائی ولی عہد ہے۔ میرے ساتھ بیعت کے کیا معنی نائب نے تمام قصہ سنایا۔ معز الدین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ تمام امیروں اور خواص سے راتوں رات بادشاہ کی بیعت کروا دی۔ دوسرے دن اعلان ہو گیا اور سب خاص و عام بادشاہ کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ پھر معز الدین کے باپ کو اس کی تخت نشینی کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ حق میرا ہے اور میری زندگی میں میرا بیٹا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے اپنے لشکر آراستہ کئے اور بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر چلا۔ اس طرف سے نائب نے بادشاہ کو ساتھ لیا اور دریائے گنگا کے کناروں پر بالمقابل شہر کڑا (۱۸) کے قریب دونوں لشکر خیمہ زن ہوئے لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ خدا تعالیٰ نے ناصر الدین کے دل میں ڈالا کہ آخر معز الدین تمہارا بیٹا ہے اور تیرے بعد بھی وہی بادشاہ ہو گا لوگوں کی خونریزی سے کیا فائدہ بیٹے کے دل میں بھی محبت نے جوش مارا اور آخر دونوں بادشاہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا میں ملے۔ بادشاہ نے اپنے باپ کے قدم لیے اور ناصر الدین نے اسے اٹھا کر کہا کہ جو میرا حق تھا۔ میں نے تجھے بخشا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس ملاقات کی بابت شعرا نے بہت قصیدے لکھے ہیں اس ملاقات کا نام قران السعدین (۱۹) رکھا گیا۔ پھر بادشاہ اپنے باپ کو دہلی (۲۰) میں لے گیا۔ اس کا باپ اس کو تخت پر بٹھا کر آپ اس کے سامنے کھڑا ہوا۔ پھر ناصر الدین واپس بنگالہ کو چلا گیا اور کچھ برس حکومت کر کے مر گیا۔ وہاں اس کی اولاد (۲۱) باقی رہی۔ ان میں سے ایک بیٹا غیاث الدین بہادر تھا جس کو سلطان غیاث الدین نے قید کر لیا تھا لیکن سلطان محمد تغلق نے اس کو اپنے باپ کی وفات کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ معز الدین (۲۲) نے چار سال تک سلطنت کی جس کا ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی۔ یہ بادشاہ سخی اور کریم تھا۔ اس کے دیکھنے والوں میں سے بعض اشخاص سے میری ملاقات ہوئی وہ اس کے علم اور انسانیت اور سخاوت کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اس نے جامع مسجد دہلی کا مینار (۲۳) بنوایا تھا۔ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ عیاشی اور شراب خواری کی کثرت سے اس کی ایک جانب مفلوج ہو گئی تھی۔ طبیبوں نے ہر چند علاج کیا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جب بادشاہ اس طرح عاجز ہو گیا تو اس کے نائب جلال الدین فیروز نے اس سے بغاوت کی اور شہر سے باہر نکل کر قبہ جیتانی کے قریب جو ٹیلا ہے اس پر خیمہ زن ہوا معز الدین نے اپنے امیروں کو اس کی لڑائی کے لیے بھیجا جو امیر جاتا تھا فیروز کے ساتھ مل جاتا تھا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا تھا پھر جلال الدین نے شہر میں داخل ہو کر محل شاہی کا محاصرہ کیا بادشاہ بھوک سے مرنے لگا ایک شخص مجھ سے ذکر کرتا تھا کہ اس کے ہمسایوں میں ایک شریف کا گھر تھا۔ وہ اس کے پاس کھانا بھیجتا رہا پھر لشکر نے محل میں داخل ہو کر اس کو مار ڈالا جس کا ذکر ہم عنقریب کریں گے اس کے بعد جلال الدین بادشاہ ہوا۔

(۸) جلال الدین فیروز

یہ بادشاہ بڑا بردبار اور فاضل تھا اس کی بردباری اس کی موت کا باعث ہوئی۔

جب یہ بادشاہ مستقل ہو گیا تو اس نے ایک محل اپنے نام پر بنوایا جو سلطان محمد تغلق نے پہلے اپنے داماد خدا ابن حنی کو دے دیا تھا۔ اس بادشاہ کے ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام رکن الدین تھا اور ایک بھتیجا تھا جس کا نام علاء الدین تھا اور وہ اس کا داماد بھی تھا۔

بادشاہ نے اس کو کڑا مانکپور کا حاکم مقرر کردیا تھا یہ علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز سمجھا جاتا ہے گیہوں اور چاول اور شکر وہاں بکثرت پیدا ہوتے ہیں کپڑا بھی بہت بیش قیمت تیار ہوتا ہے اور دہلی میں فروخت کے لیے آتا ہے یہ شہر کڑا دہلی سے اٹھارہ منزل ہے۔ علاء الدین کی عورت (۲۴) اس کو ہمیشہ تکلیف دیا کرتی تھی وہ اس کی شکایت اپنے چچا سے کرتا رہا آخر اسی سبب سے ان کے دلوں میں فرق آگیا۔ علاء الدین ایک بہادر اور جری اور صاحب ارادہ شخص تھا لیکن اس کے پاس روپیہ نہ تھا۔

ایک دفعہ اس نے دیوگیر پر حملہ کیا یہ شہر مالوہ اور مرہٹوں کے ملک کا دارالخلافہ تھا۔ وہاں کا راجہ ان دنوں ہندوستان کے تمام راجاؤں میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ راستہ میں چلا جاتا تھا کہ علاء الدین کے گھوڑے کا پاؤں ایک جگہ زمین میں دھنس گیا اور اس میں سے ٹن کی آواز نکلی علاء الدین نے وہ جگہ کھدوائی وہاں سے بے شمار دفینہ (۲۵) برآمد ہوا وہ اس نے سب فوج پر تقسیم کردیا پھر وہاں سے دیوگر کی طرف روانہ ہوا تو راجہ نے بغیر لڑائی کے اطاعت منظور کرلی اور بہت سا روپیہ دے کر اس کو رخصت کیا۔ علاء الدین کڑہ میں واپس آیا تو بادشاہ کے پاس اس نے وہ لوٹ نہ بھیجی۔ اہل دربار نے بادشاہ کو برافروختہ کیا بادشاہ نے اس کو بلا بھیجا۔ وہ نہ گیا بادشاہ نے خود آنے اور اس کے لے جانے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ اس کو اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ بادشاہ لشکر اور سفر کا سامان درست کر کے کڑہ کی طرف روانہ ہوا اور دریا کے کنارے جس جگہ معزالدین خیمہ زن ہوا تھا جا کر اترا اور کشتی میں بیٹھ کر اپنے بھتیجے کی طرف چلا۔ دوسری طرف سے علاء الدین اپنی کشتی میں بیٹھ کر آیا۔ اس نے اپنے نوکروں کو اشارہ کردیا تھا کہ جس وقت بادشاہ سے میں گلے لگ کر ملوں تو تم بادشاہ کا کام تمام کردینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا بادشاہ کا کچھ لشکر تو علاء الدین کے ساتھ مل گیا اور کچھ دہلی کی طرف واپس بھاگ گیا یہاں آکر انہوں نے بادشاہ کے بیٹے رکن الدین (۲۶) کو اپنا بادشاہ بنایا اور جب وہ ان کو ساتھ لے کر علاء الدین کے مقابلے کے واسطے آگے بڑھا تو وہ بھی علاء الدین کے لشکر میں جا ملے رکن الدین سندھ کی

طرف بھاگ گیا۔

(۹) سلطان علاء الدین محمد شاہ

علاء الدین دارالخلافہ میں داخل ہوا اور اس نے بیس برس تک سلطنت کی وہ بہت اچھے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اہل ہند اب تک اس کی تعریف کرتے ہیں وہ خود امور حکومت کو انجام دیتا تھا اور ہر روز نرخ وغیرہ کی بابت دریافت کر لیتا تھا اور محتسب سے رپورٹ لیتا تھا۔ محتسب کو اس ملک میں رئیس کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس نے محتسب سے دریافت کیا کہ گوشت کے گراں ہونے کا کیا سبب ہے اس نے کہا کہ گائے اور بکری پر زکوۃ (یعنی محصول) لی جاتی ہے بادشاہ نے اسی روز سے کل محصول اس قسم کے معاف کردیئے اور سوداگروں کو بلا کر راس المال اپنے خزانہ سے دیا اور کہا کہ اس کی گائے اور بکریاں خرید لاؤ اور ان کو بیچ کر قیمت خزانہ میں داخل کرو اور ان کی کچھ اجرت مقرر کردی اسی طرح سے جو کپڑا دولت آباد سے آتا تھا اس کا انتظام کیا۔ ایک دفعہ غلہ بہت گراں ہوگیا تو اس نے سرکاری گودام کھلوائے اور نرخ کم ہوگیا۔ بادشاہ نے ایک واجبی نرخ مقرر کردیا کہ اس کے مطابق خرید و فروخت کرو غلہ (۲۷) والوں نے بیچنے سے انکار کیا۔ بادشاہ نے اپنا گودام کھول دیا اور ان کو بیچنے کی بالکل ممانعت کردی اور خود چھ مہینے تک بیچتا رہا جب ذخیرہ والوں نے دیکھا کہ اب ان کا غلہ بگڑا جاتا ہے اور کیڑا لگ گیا تو انہوں نے بادشاہ سے رجوع کیا۔ بادشاہ نے ایک ایسا نرخ مقرر کردیا جو پہلے سے زیادہ سستا تھا اور وہ انہیں منظور کرنا پڑا یہ بادشاہ نہ تو جمعہ کے روز سوار ہو کر باہر نکلتا تھا اور نہ عید کے روز اور نہ کسی اور روز اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا ایک بھتیجا تھا۔ سلیمان (۲۸) نام۔ علاء الدین اس سے بہت محبت رکھتا تھا ایک دن بادشاہ شکار کو گیا اور وہ بھی ساتھ گیا اس نے ارادہ کیا کہ میں بادشاہ کے ساتھ وہی سلوک کروں کہ جو اس نے اپنے چچا جلال الدین کے ساتھ کیا تھا جب ناشتہ کرنے کے لیے کسی جگہ ٹھہرے تو سلیمان نے بادشاہ کے ایک تیر لگایا بادشاہ گر پڑا اور اس پر اس کے کسی غلام نے اپنی ڈھال ڈال دی سلیمان آیا کہ اس کا کام تمام کردے غلاموں نے کہا کہ وہ مرچکا ہے وہ اس کو سچ مان کر فوراً دارالخلافہ کی طرف چل پڑا اور حرم میں داخل ہونے لگا اتنے میں بادشاہ غشی سے ہوش میں آگیا۔۔۔۔۔ تو تمام لشکر اس کے گرد جمع ہوگیا اس

کا بھتیجا بھاگ گیا اس کو پکڑ کر لائے اور بادشاہ نے اس کو قتل کروا ڈالا اور پھر بھی سوار ہو کر باہر نہ نکلا۔ اس بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے۔ خضر خان، شادی خان، ابوبکر خان، مبارک خان (جس کا دوسرا نام قطب الدین تھا) اور شہاب الدین۔ قطب الدین کو بادشاہ ضعیف العقل بدنصیب اور کم ارادہ سمجھتا تھا اور اس کے بھائیوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے ہوئے تھے اور علم اور طبل بھی عطا کیے ہوئے تھے لیکن اس کو کچھ نہیں دیا تھا ایک روز بادشاہ نے اس سے کہا کہ تجھے بھی مجھے وہی تعظیم اور مرتبے دینے پڑے جو تیرے بھائیوں کو دیئے ہوئے ہیں قطب الدین نے کہا مجھے خدا دے گا اس جواب سے بادشاہ خائف ہو گیا اور اس سے ناراض ہو گیا۔ پھر بادشاہ بیمار ہو گیا اس کی بڑی ملکہ خضر خان کی ماں تھی اس کا نام ماہک تھا اس ملکہ کے ایک بھائی تھا۔ اس کا نام سنجر (۲۹) تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے قسم لی کہ وہ اس کے بیٹے خضر خان کو بادشاہ بنوانے کی کوشش کرے گا۔ اس کی خبر بادشاہ کے نائب کو پہنچی جس کو ملک الفتی (۳۰) کہتے تھے کیونکہ بادشاہ نے اس کو ایک ہزار تنکہ میں خرید لیا تھا اس نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ اس طرح کا عہد ہوا ہے۔ بادشاہ نے اپنے خواص کو حکم دیا کہ جب سنجر میرے پاس آئے اور میں اس کو خلعت دوں اور وہ پہننے لگے تو تم اس کی مشکیں باندھ کر زمین پر گرا لینا اور اس کو مار ڈالنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا خضر خاں (۳۱) اس روز سندپت (۳۲) (سنپت) شہیدوں کے مزاروں کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ یہ جگہ دہلی سے ایک منزل ہے اور خضر خان نے نذر مانی ہوئی تھی کہ وہ پیدل جا کر زیارت کرے گا اور اپنے باپ کی صحت یابی کی دعا مانگے گا جب اس کو خبر پہنچی کہ اس کے باپ نے اس کے ماموں کو قتل کر ڈالا تو نہایت غمگین ہوا اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ اہل ہند میں یہ رسم ہے کہ جب کوئی اس کا عزیز مرتا ہے تو وہ گریبان چاک کر دیتے ہیں اور بادشاہ کو بھی خبر پہنچی تو اس کو ناگوار گزرا اور جب خضر خاں اس کے پاس گیا تو اس پر ناراض ہوا اور نہایت ملامت کی اور حکم کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ لو اور ملک نائب کے سپرد کر دو اور نائب کو حکم دیا کہ اس کو گالیور (گوالیار) کے قلعے میں بند کر دے۔ یہ قلعہ ہندوؤں کی ریاستوں کے درمیان ہے اور دہلی سے دس منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور نہایت مضبوط سمجھا جاتا ہے میں بھی اس قلعہ میں کچھ عرصہ تک رہا ہوں خضر خاں کو گوالیار لے جا کر کوتوال اور محافظین قلعہ کے سپرد کیا اور ان سے کہا کہ تم اسے بادشاہ کا بیٹا نہ سمجھنا بلکہ اس طرح حفاظت کرنا جیسے کہ بادشاہ کے سخت

دشمن کی کرتے ہیں پھر بادشاہ کی بیماری بڑھتی گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ خضر خاں کو بلوا لو تاکہ میں اس کو ولی عہد مقرر کروں۔ نائب نے کہا کہ اچھا اور بلانے میں دیر کی۔ بادشاہ نے پوچھا تو کہا ابھی آنے والا ہے اتنے میں بادشاہ مر گیا۔

(۱۰) سلطان شہاب الدین

علاؤ الدین مر گیا تو ملک نائب (کافور) نے اس سب سے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو تخت پر بٹھایا اور لوگوں سے اس کی بیعت لی۔ تمام انتظام ملک نائب کے قبضہ اقتدار میں رہا۔ اس نے شادی خان (۳۳) اور ابوبکر خاں کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور ان کو بھی گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ خضر خاں کی آنکھوں میں بھی سلائی پھیر دی جائے۔ قطب الدین کو بھی قید کر لیا لیکن اس کی آنکھوں کو بے نور نہ کیا۔ سلطان علاء الدین کے خاص غلاموں میں سے بشیر اور مبشر دو شخص تھے ان کو بادشاہ بیگم نے جو سلطان معز الدین کی بیٹی تھی۔ یہ پیغام بھیجا کہ ملک نائب نے جو کچھ سلوک میرے بیٹوں کے ساتھ کیا ہے تمہیں معلوم ہے۔ اب وہ قطب الدین کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے جواب بھیجا کہ ہم جو کچھ کرنے والے ہیں تجھے معلوم ہو جائے گا ان کی عادت تھی کہ وہ رات کو نائب کے پاس رہا کرتے تھے اور ان کو اس کے پاس مع ہتھیاروں کے آنے کی اجازت تھی۔ اس رات بھی وہ حسب معمول آئے نائب اس رات کو ایک کلوی کے بالاخانہ میں تھا جس پر قماش منڈھا ہوا تھا یہ بالاخانہ سب سے اوپر کی چھت پر تھا اور اس کو اس ملک میں خرمتہ (۳۴) کہتے ہیں اتفاقاً ان میں سے ایک کی تلوار لے کر اس کو الٹا پلٹا اور دیکھ کر واپس کر دی۔ ان میں سے ایک نے فوراً تلوار سے وار کیا اور دوسرے نے بھی تلوار لگائی اور وہ دونوں اس کا سر قید خانہ میں قطب الدین کے پاس لے گئے اور اس کے روبرو جا ڈالا اور قطب الدین کو باہر نکال لائے۔

(۱۱) سلطان قطب الدین

قطب الدین کچھ دنوں تو اپنے بھائی شہاب الدین کے نائب کے طور پر کام کرتا رہا لیکن پھر اس کو تخت سے علیحدہ کر کے آپ بادشاہ ہو گیا اور شہاب الدین کی انگلیاں کاٹ کر اس کو بھی اور بھائیوں کے پاس گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا اور آپ دولت

آباد کی طرف گیا۔ دولت آباد دہلی سے چالیس منزل ہے اور تمام رستے پر برابر بید مجنوں کے اور قسم قسم کے درخت دو رویہ لگے ہوئے ہیں۔ چلنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ باغ کے درمیان چلا جاتا ہے اور ہر ایک کوس میں تین چوکیاں ڈاک کے ہرکاروں کی ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور ہر چوکی پر ہر چیز جس کی مسافر کو ضرورت ہوتی ہے ملتی ہے گویا وہ بازار میں جارہا ہے اور اسی طرح سے یہ سڑک تلنگانہ اور معبر کے ملک تک چلی گئی ہے جو دہلی سے چھ مہینے کا راستہ ہے۔ ہر ایک منزل پر بادشاہی محل ہے اور مسافروں کے لیے سرا ہے کچھ ضرورت نہیں کہ مسافر اپنے ساتھ زادراہ اٹھاتا پھرے۔ (۳۵) جب سلطان قطب الدین رستے میں تھا تو بعض امیروں نے اس کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے بھتیجے (۳۶) کو جو خضر خان کا بیٹا تھا اور دس برس کی عمر کا تھا تخت پر بٹھانا چاہا۔ قطب الدین نے اپنے بھتیجے کے پاؤں پکڑوا کر اس کا سر پتھروں سے ٹکرا کر بھیجا نکال کر مار ڈالا اور اپنے ایک امیر کو جس کا نام ملک شاہ (۳۷) تھا گوالیر کی طرف بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ وہاں اس لڑکے کے باپ کو اور اس کے چچاؤں کو قتل کر ڈالو۔ قاضی زین الدین مبارک قاضی گوالیر مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ جس روز یہ ملک شاہ قلعہ میں پہنچا تو میں خضر خان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آنے کی خبر سنتے ہی اس کا رنگ فق ہوگیا۔ جب ملک شاہ خضر خان کے پاس آیا تو اس نے پوچھا کیوں آیا ہے۔ امیر نے کہا اخوند عالم کسی ضرورت سے آیا ہوں۔ خضر خاں نے کہا میری جان کی خیر ہے۔ امیر نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کوتوال کو بلوایا اور محافظان قلعہ کو جو تین سو اشخاص تھے اور مجھے (یعنی قاضی کو) اور گواہوں کو طلب کیا اور سب کے سامنے بادشاہ کا حکم پڑھوایا۔ پھر شہاب الدین کے پاس آئے اور اس کو مار ڈالا اس نے کسی طرح کا ڈر اور بے قراری ظاہر نہیں کی اور پھر شادی خاں اور ابوبکر خان کے سرتن سے جدا کیے جب خضر خاں کی باری آئی تو رونے اور چلانے لگا اور اس کی ماں بھی اس کے ساتھ تھی لیکن اس کو گھر میں بند کر دیا تھا اور خضر خاں کو مار کر ان سب کی نعشیں بلا تکفین اور تدفین کے ایک گڑھے میں ڈال دیں کئی سال کے بعد ان کو نکالا گیا اور وہ ان کے خاندان کے مقبرہ میں دفن کیے گئے خضر خاں کی ماں پیچھے تک زندہ رہی اور میں نے اس کو ۷۲۸ ہجری میں مکہ معظمہ میں دیکھا تھا۔ گوالیار کا قلعہ (۳۸) ایک چٹان کی چوٹی پر واقع ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس چٹان میں سے تراش کر اس کو بنایا ہے اور اس کے آس پاس کوئی پہاڑ اس قدر بلند نہیں ہے

اور اس کے اندر پانی کا ایک تالاب اور تقریباً بیس کنویں ہیں۔ ہر ایک کنویں پر فصیل ہے جس پر منجنیق اور عرادے لگے ہوئے ہیں۔ قلعہ پر چڑھائی کا رستہ اس قدر چوڑا ہے کہ ہاتھی باآسانی آجاسکتے ہیں قلعہ کے دروازے پر پتھر کا تراشا ہوا ہاتھی کا بت مع فیل بان کے بنا ہوا ہے دور سے ہو بہو ہاتھی معلوم ہوتا ہے اور قلعہ کے نیچے شہر بستا ہے خوبصورت بنا ہوا ہے کل عمارات اور مساجد سفید پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور سوائے دروازہ کے لکڑی کہیں استعمال نہیں کی گئی اکثر رعیت ہندو ہیں بادشاہ کی طرف سے چھ سو سوار رہتے ہیں جن کو اکثر لڑنے کا کام رہتا ہے کیونکہ یہ قلعہ ہندوؤں کی ریاستوں کے بیچ میں ہے جب قطب الدین نے اپنے سب بھائیوں کو مار ڈالا اور کوئی حریف نہ رہا تو خدا نے اس پر ایک قاتل مسلط کیا جو اس کا بڑا منہ چڑھا امیر کبیر تھا اس نے قطب الدین کو قتل کر ڈالا اور وہ بھی تھوڑے ہی دنوں رہنے پایا تھا کہ اس کو خدا تعالی نے سلطان تغلق کے ہاتھ سے قتل کروایا جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں خسرو خاں قطب الدین کے امیروں میں سے تھا بڑا بہادر اور خوبصورت جوان تھا چندیری اور معبر کا ملک اس نے فتح کیا تھا۔ یہ علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز گنا جاتا ہے۔ معبر دہلی سے چھ ماہ کے فاصلے پر واقع ہے قطب الدین خسرو ملک سے نہایت محبت رکھتا تھا۔ قطب الدین کا استاد قاضی خاں (۳۹) صدر جہاں تھا اور وہ امرائے عظیم الشان میں سے تھا اور کلید داری کا عہدہ بھی اس کو تھا یعنی بادشاہی محل کی کنجی اس کے پاس رہتی تھی اور اس کی عادت تھی کہ وہ رات کو بادشاہی محل کے دروازے پر رہتا تھا ایک ہزار آدمی اس کے ماتحت تھے ہر رات کو اڑھائی اڑھائی سو آدمی پہرے پر رہتے تھے باہر کے دروازے سے اندر کے دروازے تک دو رویہ صف باندھے اور ہتھیار لیے ہوئے کھڑے رہتے تھے چنانچہ جب کوئی شخص محل کے اندر داخل ہوتا تھا تو اس کو ان کی صفوں کے درمیان میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان لوگوں کو نوبت والے کہتے تھے ان پر افسر اور منشی ہوتے تھے جو گشت پر پھرتے تھے اور حاضری لیا کرتے تھے کہ کوئی غیر حاضر نہ ہو۔ رات والے جب پہرہ دے چکتے تھے تو دن کے پہرہ دینے والے ان کی جگہ آکر پہرے پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ قاضی خاں خسرو ملک (۴۰) سے نہایت نفرت کیا کرتا تھا اور چونکہ خسرو ملک دراصل ہندو تھا اور ہندوؤں کی بہت جنبہ داری کرتا تھا اس لیے قاضی خان اس سے ناراض تھا۔ اور ہر موقع پر بادشاہ سے عرض کیا کرتا تھا کہ اس سے خبردار رہنا چاہیے لیکن بادشاہ نہ سنتا تھا اور کہتا تھا

کہ یہ باتیں جانے دو کیونکہ خداوند تعالیٰ کی قضا میں تھا کہ بادشاہ اس کے ہاتھ سے قتل کیا جائے۔ اس لیے اس کے کان پر جوں نہ چلتی تھی ایک روز خسرو خاں نے بادشاہ سے کہا کہ بعض ہندو مسلمان ہونا چاہتے ہیں اس وقت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو مسلمان (۴۱) ہونا چاہتا تھا تو وہ پہلے بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوتا تھا بادشاہ کی طرف سے اس کو خلعت اور سونے کے کنگن انعام میں ملتے تھے بادشاہ نے کہا ان کو اندر لے آؤ۔ خسرو ملک نے کہا وہ رات کو آنا چاہتے ہیں دن میں اپنے رشتہ داروں سے شرم کرتے ہیں بادشاہ نے کہا اچھا رات کو لے آؤ خسرو ملک نے اچھے اچھے بہادر ہندو منتخب کیے جن میں اس کا بھائی خان خاناں بھی تھا۔ موسم گرمی کا تھا بادشاہ سب سے اونچی چھت پر تھا اور اس وقت اس کے پاس سوا چند غلاموں کے اور کوئی نہ تھا جب وہ چار دروازوں کے اندر چلے آئے اور پانچویں دروازے پر پہنچے تو ان کو مسلح دیکھ کر قاضی خاں کو شک ہوا اس نے ان کو روکا اور کہا اخوند عالم کی اجازت لے آؤں۔ ان لوگوں نے ہجوم کر کے قاضی خاں کو مار ڈالا۔ غل جو ہوا تو بادشاہ نے پوچھا کیا ہے۔ خسرو ملک نے کہا کہ وہ ہندو آتے ہیں اور قاضی خان ان کو روکتا ہے کچھ تکرار ہو گئی ہے۔ بادشاہ خائف ہو کر محل کی طرف چلا دروازہ بند تھا اس نے دروازہ کھٹکھٹایا پیچھے سے خسرو خاں نے اس کو قابو میں کر لیا بادشاہ زبردست تھا اس کو نیچے دبا بیٹھا اتنے میں وہ ہندو آگئے خسرو خاں نے پکار کر کہا کہ بادشاہ نے مجھے نیچے دبا رکھا ہے۔ انھوں نے بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر صحن میں پھینک دیا۔

(۱۲) خسرو خاں

خسرو خاں نے اسی وقت امیروں اور افسروں کو بلا بھیجا ان کو کچھ معلوم نہ تھا وہ جو داخل ہوئے تو خسرو ملک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور صبح تک ان کو جانے نہ دیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے مشتہر کروا دیا اور دارالخلافہ سے باہر تمام امیروں کے نام پروانے بھیجے اور گراں بہا خلعتیں بھی روانہ کیں۔ سب نے اس کی اطاعت منظور کر لی لیکن تغلق شاہ نے جو دیپال پور (۴۲) کا حاکم تھا۔ اس کی خلعت کو پھینک دیا اور اس کے اوپر بیٹھ گیا۔۔۔۔ خسرو ملک نے اپنے بھائی خان خاناں کو بھیجا اور تغلق شاہ نے اس کو شکست دی جب خسرو ملک بادشاہ ہوا تو اس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیے اور حکم دیا کہ تمام ملک میں کوئی گائے ذبح نہ

کرنے پائے۔ ہندو گائے کا مارنا جائز نہیں رکھتے اگر کوئی گائے ذبح کر لیتا ہے تو اس کو یہ سزا دیتے ہیں کہ اس کو گائے کی کھال میں سلوا کر جلا دیتے ہیں یہ لوگ گائے کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور ثواب کے لیے بھی اور بطور دوا کے بھی اس کے پیشاب کا استعمال کرتے ہیں اور اس کے گوبر سے اپنے گھر اور دیواریں لیپتے ہیں۔ خسرو خاں چاہتا تھا کہ مسلمان بھی ایسا ہی کریں اس لیے لوگ اس سے متنفر ہو گئے اور سب نے تغلق شاہ کی طرف داری کی۔

شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق قوم سے ترک قرونہ (۴۳) تھا یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں تغلق بہت مفلس تھا۔ سندھ میں آیا تو کسی سوداگر کا گلوان (گلہ بان) ہو گیا یہ سلطان علاء الدین کے زمانے کا ذکر ہے ان دنوں بادشاہ کا بھائی اولو خاں (الغ خان) سندھ کا حاکم تھا۔ تغلق اس کے خادموں میں داخل ہو گیا۔ پہلے پیادوں میں بھرتی ہوا پھر الغ خاں کو اس کی شرافت معلوم ہوئی تو سواروں میں ترقی دی پھر اس کو افسر بنا دیا اور پھر میر آخور (۴۴) یعنی اصطبل کا داروغہ بنا دیا اور آخر کار امرائے عظیم الشان میں سے ہو گیا۔ میں نے ملتان میں تغلق کی بنائی ہوئی مسجد (۴۵) میں یہ کتبہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اس نے اٹھتیس دفعہ تاتاروں سے لڑ کر ان کو شکست دی اس لیے ملک غازی کا خطاب حاصل کیا۔ سلطان قطب الدین نے اس کو دیپال پور کا حاکم مقرر کیا اور اس کے بیٹے جونہ خاں کو میر آخور کا عہدہ دیا۔ خسرو ملک نے بھی اسے اسی عہدے پر قائم رکھا جب تغلق نے خسرو ملک کے خلاف بغاوت کا ارادہ کیا اس کے پاس تین سو سپاہی تھے۔ جن پر اس کو کامل بھروسہ تھا۔ اس نے کشلو خاں کو لکھا جو ان دنوں ملتان کا حاکم تھا (ملتان وہاں سے تین منزل تھا) کہ تم میری مدد کرو اور اپنے ولی نعمت کے خون کا عوض لو۔ کشلو خاں نے جواب دیا کہ اگر میرا بیٹا خسرو خاں کے پاس نہ ہوتا تو میں بےشک تیری مدد کرتا۔ ملک غازی یعنی غیاث الدین تغلق نے فوراً اپنے بیٹے جونہ خاں کو لکھا کہ میرا ارادہ اس طرح کا ہے جس طرح ہو سکے کشلو خاں کے بیٹے کو ساتھ لے کر دلی سے نکل آؤ۔ ملک جونہ سوچتا تھا کہ کیا حیلہ کروں اتفاق سے اسے موقع مل گیا اور وہ یہ تھا کہ خسرو ملک نے اس سے ایک روز یہ کہا کہ گھوڑے بہت موٹے ہو گئے اور بدن ڈالتے چلے جاتے ہیں تم ان سے محنت لو چنانچہ ہر روز ملک جونہ گھوڑے لے کر پھیرنے جایا کرتا تھا کبھی ایک گھنٹے میں واپس آجاتا کبھی دو گھنٹے میں اور کبھی تین گھنٹے میں ایک روز وہ ظہر

کے وقت تک واپس نہ آیا کھانے کا وقت آگیا بادشاہ نے سواروں کو حکم دیا کہ اس کی خبر لائیں۔ انھوں نے واپس آکر کہا کہ کہیں پتہ نہیں لگا معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا اور اس کے ساتھ کشلو خاں کی مدد سے لشکر کی فراہمی شروع کی بادشاہ نے اپنے بھائی خان خاناں کو ان کی لڑائی کے لیے روانہ کیا لیکن وہ شکست کھا کر واپس ہوا اور اس کے ہمراہی مارے گئے اور خزانہ اور اسباب تغلق کے ہاتھ لگا۔ تغلق دہلی کی طرف بڑھنے لگا اور خسرو اپنے لشکر کے ساتھ اس کے مقابلے کو شہر سے نکلا اور موضع آسیا باد (ہوائی چکی) میں خیمہ زن ہوا۔ اس نے دل کھول کر خزانہ لٹایا اور لوگوں کو اور لشکر کو تھیلیوں کی تھیلیاں روپوں کی بخش دیں۔ ہندوؤں نے جو خسرو خاں کے لشکر میں تھے بڑی جرأت سے مقابلہ کیا چنانچہ تغلق کا لشکر بھاگ گیا اور اس کا ڈیرہ لٹ گیا تغلق نے اپنے تین سو جانباز ہمراہیوں کو جمع کیا اور کہا کہ اب بھاگنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے چنانچہ جب خسرو کا لشکر لوٹ میں مشغول تھا اور اس کے پاس تھوڑے سے آدمی رہ گئے تھے تغلق اپنے ہمراہیوں کو لے کر اس پر جا پڑا۔ ہندوستان میں بادشاہ کی جگہ چھتر سے پہچانی جاتی ہے چھتر کو مصر میں طیر یا قبہ کہتے ہیں اور فقط عید کے روز بادشاہ سر پر لگاتا ہے۔ لیکن ہندوستان اور چین میں سفر میں ہوں یا وطن میں چھتر ہمیشہ بادشاہ کے سر پر رہتا ہے جب تغلق بادشاہ پر جا پڑا تو بڑی سخت لڑائی ہوئی بادشاہ کا لشکر بھاگ گیا اور اس کے پاس کوئی ساتھی نہ رہا۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور کپڑے اور ہتھیار اتار کر پھینک دیے اور سر کے بال پیچھے کو لٹکا لیے جیسے کہ ہندوستان کے فقیر لٹکاتے ہیں اور ایک باغ میں جا گھسا لوگ تغلق کے پاس جمع ہو گئے اور وہ شہر میں آیا کوتوال نے شہر کی کنجیاں اس کے سپرد کیں اور وہ محل میں داخل ہوا اور اس کے ایک گوشہ میں ڈیرہ کیا اور کشلو خاں سے کہا کہ تو بادشاہ بن جا کشلو نے کہا نہیں تو بادشاہ بن۔ دونوں تکرار کر رہے تھے۔ کشلو خاں نے کہا کہ اگر تو بادشاہ ہونا نہیں چاہتا تو تیرے بیٹے کو ہم بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ یہ بات تغلق کو منظور نہ تھی۔ خود بادشاہ بننا قبول کیا اور تخت پر بیٹھ کر بیعت لینی شروع کی سب خاص و عام نے اس کی بیعت کی۔

خسرو خاں تین دن تک برابر باغ میں چھپا رہا (۴۶)۔ تیسرے دن بھوک سے بے قرار ہوا اور باہر نکلا تو باغبان نے اسے دیکھ لیا اس نے باغبان سے کھانے کو مانگا۔ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی خسرو نے اسے اپنی انگشتری دی اور کہا اس کو گروی رکھ دے کھانا لے آ۔ جب وہ باغبان بازار میں آیا اور وہ انگشتری دکھائی۔ لوگوں نے یہ شبہ کیا کہ اس کے پاس ایسی انگوٹھی کہاں سے آئی اور اس کو کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال اس کو تغلق کے پاس لے گیا۔ تغلق نے اس کے ساتھ اپنے بیٹے جونہ خاں کو بھیجا کہ خسرو کو گرفتار کر کے لاؤ۔ جونہ خاں نے خسرو کو پکڑ لیا اور اس کو ٹٹو پر سوار کر کے بادشاہ کے سامنے لایا جب وہ بادشاہ کے سامنے آکھڑا ہوا تو کہا میں بھوکا ہوں۔ بادشاہ نے کہا شربت اور کھانا لاؤ بادشاہ نے اس کو کھانا کھلایا پھر بیئر پلایا اور پان دیا جب کھا چکا تو اس نے تغلق بادشاہ سے کہا اے تغلق مجھے رسوا نہ کر اور شاہانہ سلوک میرے ساتھ کر تغلق نے کہا بسر و چشم اور حکم دیا کہ اسی جگہ جہاں اس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا لے جا کر سر اڑا دو اور اس کے سر اور نعش کو چھت پر سے نیچے پھینک دو جیسا کہ اس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا اس کے بعد حکم دیا کہ اس کو غسل دے کر کفن دو اور اسی کے مقبرہ میں دفن کر دو۔

(۱۳) سلطان غیاث الدین تغلق

تغلق نے چار سال تک سلطنت کی۔ یہ بادشاہ نہایت منصف مزاج اور عالم فاضل تھا جب وہ بالاستقلال بادشاہ بن گیا تو اپنے بیٹے کو ملک تلنگ (۴۷) کے فتح کرنے کے لیے بھیجا (یہ ملک دہلی سے تین ماہ کے فاصلے پر ہے) اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر دیا اور بڑے بڑے امیر جیسے ملک تیمور اور ملک تگین اور ملک کافور مردار اس کے ہمراہ بھیجے جب وہ تلنگ کے ملک میں پہنچا تو اس نے بغاوت کا ارادہ کیا اس کا ایک مصاحب تھا۔ عبید (۴۸) نام جو شاعر بھی تھا اور فقیہ بھی تھا اور اس سے کہہ دیا کہ تو لوگوں سے کہہ دے کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کا گمان تھا کہ یہ خبر سن کر تمام لشکر اور امراء جلد سے بیعت کر لیں گے لیکن کسی نے اس کو سچ نہ جانا ہر ایک امیر نے مخالفت شروع کی اور اس سے علیحدہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ جونہ خاں کے ساتھ کوئی بھی نہ رہا۔ لوگوں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا لیکن ملک تیمور نے ان کو منع کیا جونہ خاں نے اپنے دس مصاحبوں کے ساتھ جن کو وہ یاران موافق کہا کرتا تھا بھاگ کر دہلی کا راستہ لیا۔ بادشاہ نے اس کو روپیہ اور لشکر دے کر پھر تلنگانہ کی طرف واپس بھیج دیا بعد ازاں بادشاہ کو حقیقت معلوم ہوئی تو اس نے عبید کو قتل کر ڈالا۔ ملک کافور مردار کے لیے ایک نوکدار سیدھی لکڑی زمین میں گڑوا دی اور عبید کا سر نیچے کی طرف کر کے وہ لکڑی اس

کی گردن میں چھوڑ کر لکڑی کے نوکدار سرے کو اس کی بغل میں سے نکال دیا باقی ماندہ باغی امیر خوف سے بنگالہ میں سلطان ناصر الدین کے بیٹے شمس الدین کے پاس بھاگ گئے۔

جب سلطان شمس الدین کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کا ولی عہد سلطان شہاب الدین بنگالہ کا بادشاہ ہوا لیکن اس کے چھوٹے بھائی غیاث الدین بورہ نے اپنے بھائی کو معزول کیا اور قطلو خاں اپنے دوسرے بھائی کو مار ڈالا دوسرے بھائی شہاب الدین اور ناصر الدین بھاگ کر تغلق کے پاس آ گئے تغلق ان کی مدد کے لیے ان کے ساتھ گیا اور اپنے بیٹے کو بطور نائب کے دہلی میں چھوڑ گیا اور غیاث الدین بہادر کو قید کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور دہلی کی طرف واپس ہوا۔

دہلی میں سلطان نظام الدین ولی بداونی (۴۹) رہتے تھے۔ جونہ خاں ہمیشہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور ان سے دعا کا خواستگار رہتا تھا۔ ایک روز اس نے ان کے خادموں سے کہا کہ جس وقت شیخ جذبہ اور وجد کی حالت میں ہوں تو مجھے خبر کرنا۔ چنانچہ جب ایسا موقع ہوا تو انہوں نے جونہ خاں کو خبر کی وہ حاضر ہوا شیخ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم نے تجھ کو سلطنت بخشی اسی عرصے میں شیخ کا انتقال ہو گیا۔ تو جونہ نے ان کے جنازہ کو کندھا دیا (۵۰) یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ علاوہ ازیں جونہ خاں کی تالیف قلوب اور سخاوت اور غلاموں کی زیادہ خریداری سے اور اسی طرح اور امور کے باعث بادشاہ پہلے بھی ناراض رہتا تھا اب اور بھی زیادہ خفا ہوا اور اس کو یہ بھی خبر پہنچی کہ کسی نجم نے یہ بھی کہا ہے کہ بادشاہ اس سفر سے زندہ واپس نہیں آئے گا۔

جب وہ دار الخلافہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے بیٹے کے نام حکم بھیجا کہ اس کے واسطے ایک نیا محل افغان پور میں تیار کرا دے۔ جونہ خاں نے تین دن میں محل کھڑا کروا دیا اس کی بنیاد لکڑیوں کے ستونوں پر زمین سے بلندی پر رکھی۔ اس میں اکثر لکڑی کا کام تھا۔ احمد ابن ایاز نے جو بعد میں خواجہ جہاں کے لقب سے مشہور ہوا اور ان دنوں میں بادشاہ کا میر عمارت تھا اس کی بنیاد ایسے اندازہ سے رکھی تھی کہ اگر اس کے ایک خاص موقع پر ہاتھی کھڑا کیا جائے تو تمام مکان گر پڑے۔ بادشاہ اس محل میں آکر ٹھہرا اور لوگوں کی ضیافت کی۔ جب لوگ کھانا کھا کر چلے گئے۔ تو جونہ خاں نے بادشاہ کی اجازت طلب کی کہ میں ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایک ہاتھی جو ساز و سامان سے مرصع تھا۔ سامنے لایا گیا مجھ سے شیخ رکن الدین ملتانی ذکر کرتے تھے وہ اس وقت بادشاہ کے پاس تھے اور بادشاہ کا لاڈلا بیٹا محمود بھی وہیں تھا جونہ خاں نے ان سے کہا کہ اے اخوند عالم نماز عصر کا وقت قریب ہے۔ آؤ نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ وہ محل سے باہر نکل آئے اسی وقت ہاتھی کو لائے ہاتھی کا محل میں پہنچنا تھا کہ تمام مکان بادشاہ اور شہزادہ کے سر پر گر پڑا۔ (۵۱) شیخ کہتے ہیں کہ میں نے شور سنا اور بغیر نماز پڑھے واپس چلا آیا۔ تو دیکھا محل گرا ہوا ہے جونہ خاں نے حکم دیا کہ تبر اور کدالیاں لاؤ تاکہ کھود کر بادشاہ کو نکالا جائے اور اشارہ کر دیا کہ ذرا دیر سے لائیں۔ چنانچہ جب کھودنا شروع کیا تو سورج غروب ہو چکا تھا جب کھود کر دیکھا گیا تو بادشاہ اپنے بیٹے کے اوپر جھکا ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کو موت سے بچانا چاہتا تھا یعنی اٹھا کر مکان سے نکالنا چاہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اس وقت تک زندہ تھا لیکن اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ راتوں رات مقبرہ میں جو اس نے تغلق آباد میں اپنے لیے بنوایا تھا پہنچا دیا اور وہاں دفن کیا گیا۔

تغلق آباد کے بنانے کا سبب میں پہلے بیان کر آیا ہوں اس شہر میں بادشاہ کا خزانہ اور محل تھے۔ اس قلعہ میں بادشاہ نے ایک ایسا بڑا محل تیار کرایا تھا کہ اس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا جس وقت سورج طلوع ہوتا تھا تو اس کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھ سکتا تھا اس میں بادشاہ نے بہت سامان جمع کیا تھا کہتے ہیں کہ اس میں ایک حوض بنوا کر سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا کہ وہ جم کر ایک ڈلا ہو گیا تھا اس کے بیٹے نے وہ تمام سونا صرف کیا۔ چونکہ خواجہ جہاں نے اس کو تغلق کے بنانے میں جس کے گرنے سے بادشاہ مرا بڑی صنعت ظاہر کی تھی اس لیے خواجہ جہاں کے برابر کسی کی بادشاہ کے دل میں جگہ نہیں تھی اور کوئی شخص اس کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔



حوالہ جات

(۱) فتح دہلی۔ یہ سنہ محراب پر ابن بطوطہ نے غلط پڑھا ہے۔ مشرقی دروازہ کا کتبہ یہ ہے۔ این حصار را فتح کرد و این مسجد جامع را بساخت بتاریخ شہور سنہ سبع و ثمانین و خمسمائۃ امیر اسفہ سالار اجل کبیر قطب الدولۃ و الدین امیر الامرا ایبک سلطانی اعز اللہ انصارہ و ست و بنج الت بت خانہ کہ در ہر بت خانہ دو بار ہزار بار ہزار دلیوال (ایک سکہ تھا جس کو جیتل کہتے تھے) صرف شدہ بود دریں مسجد بکار بستہ شدہ است۔ خدائے عزوجل بر آں بندہ رحمت کناد ہر کہ بر نیت بانی خیر دعاء ایمان گوید۔ سید احمد خان اور مسٹر طامس نے اس طرح پڑھا جنرل کننگھم نے ۵۸۷ کی جگہ ۵۸۹ اور ابن بطوطہ نے ۵۸۴ ہجری پڑھا ہے۔ اربع تسع اور سبع میں خط طغرا میں دور سے پڑھنے سے کچھ فرق معلوم نہیں ہو سکتا۔ مسٹر ایڈورڈ طامس لکھتے ہیں کہ حسن نظامی مصنف تاج المآثر نے بھی دہلی کی فتح کی تاریخ ۵۸۷ ہجری لکھی ہے اور منہاج السراج مصنف طبقات ناصری نے بھی لکھا ہے کہ قطب الدین نے فتح دہلی کے بیس سال بعد وفات پائی اور قطب الدین کی وفات ۶۰۷ ہجری میں ہوئی تھی۔ لیکن حسن نظامی کی تاریخ تاج المآثر کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اس نے فتح دہلی کی تاریخ صراحتاً کہیں نہیں لکھی۔ جاٹو زمیندار ہانسی کی لڑائی کا سال ۵۸۸ھ دیا ہے اور اس سے پہلے فتح دہلی کے نام سے سرخی دی ہے۔ لیکن مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال قلعہ فتح نہیں ہوا بلکہ میرٹھ اور اجمیر کے فتح کے بعد یعنی ۵۸۹ ہجری میں دہلی کی فتح ہوئی ہے۔ اسی طرح سے طبقات ناصری سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ۵۸۸ ہجری میں شہاب الدین نے رائے پتھورا کو شکست دے کر اجمیر، ہانسی، سرستی کو فتح کیا اور واپس وطن کو چلا گیا۔ قطب الدین کو کہرام میں چھوڑ گیا اور بادشاہ کی غیر حاضری میں قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی فتح کیے اور اگلے سال یعنی ۵۸۹ھ میں بادشاہ واپس آیا لیکن ایک جگہ قطب الدین کے حال کے شروع میں لکھا ہے کہ اس نے ۵۸۷ میں میرٹھ فتح کیا اور اسی سال میں دہلی فتح کی۔ مگر یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ طبقات ناصری سے معلوم ہوتا ہے کہ تراوڑی کی پہلی لڑائی ۵۸۷ ہجری میں ہوئی۔ دوسرے سال بادشاہ واپس گیا اور ۵۸۸ ہجری میں تراوڑی پر فتح حاصل کی اور اس کے بعد اجمیر و ہانسی فتح کیے اور جب بادشاہ چلا گیا تو قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی فتح کی۔ جب ۵۸۷ ہجری میں رائے پتھورا پر فتح حاصل نہیں ہوئی تھی تو دہلی اس سن میں کس طرح فتح ہو سکی

گی۔ تاریخ فرشتہ کی تحریر سے بھی تراوڑی کی دوسری لڑائی ۵۸۸ ہجری میں اور دہلی کی فتح ۵۸۸ ہجری کے آخر میں ہوئی۔ لیکن اس کتبہ سے فقط اربع اور سبع اور تسع زیر سوال رہ جاتے ہیں۔ میری رائے میں کننگھم صاحب نے تسع و ثمانین و خمسمائۃ درست پڑھا ہے اور یہی تاریخ فتح ہے۔

(۲) ایبک۔ فرشتہ نے منہاج السراج کی تاریخ کا مطلب غلط سمجھ کر لکھ دیا ہے کہ ایبک ترکی میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی ہو لیکن طبقات ناصری کی عبارت اس طرح ہے و انگشت خنصر از دست شلّ داشت بداں سبب اور ایبک شل گفتندے۔ انگلی کا ٹوٹنا شل ہونے کی وجہ کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ ایبک کے لقب کی وجہ کو۔ ای بک ترکی آئی چاند اور بک یا بیگ امیر کو کہتے ہیں یہ قول ایڈورڈ طامس صاحب کا ہے۔ کتبہ میں ای اور بک علیحدہ علیحدہ لکھا ہے اس سے بھی کچھ اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ اس زمانے کے کئی اور غلام اس نام کے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام کسی عیب کے متعلق نہیں ہیں۔ شمس الدین کے ساتھ جو دوسرا غلام خریدا گیا تھا وہ ایبک تھا۔ پھر ایک غلام سیف الدین ایبک جس کا ذکر تاریخ فرشتہ میں کئی جگہ آتا ہے اسی کا نام تھا۔

(۳) التمش۔ اگرچہ اس لفظ کے حرکات اور اشتقاق میں اکثر مصنفوں نے اختلاف کیا ہے۔ کسی نے التمش، کسی نے التتمش کہا ہے لیکن التمش کسی نے نہیں لکھا۔ بداونی نے لکھا ہے کہ وجہ تسمیہ یہ التتمش آنست کہ تولد وے در شب گرفت ماہ واقع شدہ بود و ترکان ایں چنیں مولد را التتمش خوانند۔ ترکی میں آی چاند کو کہتے ہیں اور تتمق مثل چاند کے گرہن کو کہتے ہیں۔ لیکن فرشتہ نے لکھا ہے کہ جس وقت قطب الدین نے شمس الدین اور ایک دو غلام دہلی میں خریدے تو ایک کا نام (اغلباً اپنے ہم نام ہونے کے سبب سے) طمغاج رکھا اور شمس الدین کا نام التمش رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام اس کا شروع سے نہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ یہ نام اس کا قطب الدین نے اس کے حسن کے سبب سے رکھا ہو۔ گویا کہ وہ ماہ کو شرمندہ کرنے والا تھا۔ سکوں سے بھی اس نام کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بعضوں پر سلطان المعظم شمس الدنیا و الدین ابو المظفر التمش القطبی ناصر امیر المومنین لکھا ہوا ہے اور بعضوں پر ایک طرف السلطان التتمش اور دوسری طرف سنسکرت خط میں سری سلطان لی تت مسی سموت ۱۲۸۳ لکھا ہوا ہے۔ قطب مینارہ کی دوسری منزل پر یہ کتبہ ہے۔ امر باتمام ہذہ العمارۃ الملک المؤید من السماء شمس الحق و الدین التتمش السلطانی ناصر امیر المومنین اور اسی منزل پر دوسری جگہ السلطان الاعظم ابو المظفر التتمش

السلطانی درج ہے۔ تیسری شہادت ہم عصر شاعروں کے اشعار سے مل سکتی ہے۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے ناصر الدین کی تخت نشینی کے وقت کسی شاعر نے ایک قصیدہ پیش کیا تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

آں خداوندے کہ حاتم بذل در رستم کوشش است   ناصر دنیا و دیں محمود بن التتمش است

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی ا ل ت م ش اور ا ل ت ی م ش اور ا ی ل ت م ش اور ا ی ل ی ت م ش چاروں طرح سے اس نام کو لکھتے ہیں۔ لیکن لتمش ابن بطوطہ کا نسخہ نقل کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ التتمش نے ۲۶ سال حکومت کی ہے ابن بطوطہ نے ۲۰ سال غلطی سے لکھے ہیں۔

بیچ میں کئی مہینے آرام شاہ قطب الدین کا بیٹا بھی بادشاہ بنا رہا ہے۔ اس کا ذکر ابن بطوطہ نے نہیں کیا۔ آرام شاہ کے سکے دستیاب ہوتے ہیں اس لیے یہ تحقیق ہے کہ وہ تخت پر کچھ دن ضرور بیٹھا تھا اور ان دنوں میں التتمش بداؤں کا حاکم تھا۔

(۴) رکن الدین شعبان ۶۳۳ ہجری میں اپنے باپ کی وفات پر تخت پر بیٹھا۔ اس کو التتمش نے اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ وہ خود عیش پسند تھا اور کل اختیارات اس کی والدہ شاہ ترخان کے ہاتھ میں تھے۔

(۵) معز الدین بہرام شاہ بن التتمش رضیہ کے بعد بادشاہ ہوا ہے۔ یہ ابن بطوطہ نے غلطی کی ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ شاہ ترخان کہ والدہ رکن الدین و کنیز ترکیہ بود چندیں زن اصیل را کہ در نکاح التتمش بودند بفضیحت تمام کشت و کہترین فرزند سلطان را کہ قطب الدین نام داشت بقتل رسانید و بنا بریں خاطر صغیر و کبیر و وضیع و شریف از رکن الدین متنفر شد۔

(۶) فرشتہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ امیروں کی بغاوت رفع کرنے کے لیے پنجاب کو گیا تھا۔ راستہ میں سے بعض امیر دہلی میں واپس آ گئے اور انھوں نے آ کر سلطان رضیہ کو تخت پر بٹھایا۔ بادشاہ یہ سن کر واپس آیا اور کیلو کھڑی میں پہنچا تھا کہ رضیہ کے لشکر نے اس کو پکڑ لیا۔

(۷) فرشتہ نے لکھا ہے کہ سلطانہ رضیہ جمیع صفاتیکہ بادشاہاں را باید مزین و محلی بود قرآن مجید را باادب مے خواند و از بعضے علوم فی الجملہ نصیبے داشت و بزمان پدر خود در مہمات ملکی دخل کردے و فرمانروائی نمودے و سلطان مانع نیامدے بلکہ در آں سال کہ از فتح گوالیار

برگشت چند امراء را حاضر کردہ او را ولی عہد گردانید۔ امیروں نے اعتراض کیا تو کہا کہ پسران خود را بشرب خمر و اقسام مناہی و ہوا پرستی مبتلا مے بینم۔ رضیہ اگرچہ بصورت زنست اما بمعنی مرد است و در حقیقت بہتر از پسران است سلطانہ رضیہ کی بابت فرشتہ نے بھی لکھا ہے سلطان رضیہ از پردہ بیروں آمدہ و لباس مرداں پوشیدہ قبا در بر و کلاہ بر سر بار عام دادہ بر تخت سلطنت مے نشست۔ یہاں تک کہ سکوں پر بھی السلطان الاعظم رضیۃ الدنیا و الدین مردانہ نام درج ہے۔

(۸) جمال الدین یاقوت حبشی میر آخور کی بابت فرشتہ نے لکھا ہے در خدمت سلطان رضیہ تقرب تمام پیدا کردہ امیر الامرا گشت۔

(۹) شاید ملک اختیار الدین التونیہ حاکم بھٹنڈہ سے مراد ہے۔ جب قلعہ میں امیروں نے رضیہ کو قید کر کے بھیج دیا تھا بھٹنڈہ کو قدیم مورخ تبرہند لکھتے تھے۔ اس کو ایڈورڈ ٹامس نے غلطی سے سرہند اور سر ہنری ایلیٹ نے تبرہند پڑھا ہے۔ فرشتہ نے بجائے تبرہند کے ہر جگہ بھٹنڈہ لکھا ہے۔

(۱۰) یہاں پھر غلطی ہے رضیہ کے بعد معز الدین بہرام شاہ اس کا بھائی بادشاہ ہوا اور اس کے بعد سلطان علاء الدین مسعود شاہ رکن الدین کا بیٹا بادشاہ ہوا اور اس کے بعد ناصر الدین ہوا۔

(۱۱) آخری لڑائی جس میں سلطان رضیہ کو شکست ہوئی بمقام کیتھل ہوئی تھی۔ وہاں سے بھاگ کر شاید وہ دہلی کے قریب آ گئی ہو۔ بدایونی ابن بطوطہ کی روایت کی کچھ تائید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ نوبت دیگر جمعیت بہم رسانیدہ بقصد تسخیر دہلی در نواحی قصبہ کیتھل رسیدہ از پیش ملک بلبن ہزیمت یافتہ و فرار نمودہ ہم رضیہ و ہم التونیہ بدست گنواراں افتادہ باشارت سلطان بہرام شاہ بقتل رسیدند۔ اس کی قبر موجودہ شہر کے اندر بلبل خانہ میں ہے۔ فقط ایک شکستہ چار دیواری باقی ہے۔ یہ جگہ دریا کے کنارہ سے اب دو میل کے فاصلے پر ہوگی۔ اب اس کو رجی بجی کی خانقاہ کہتے ہیں۔

(۱۲) یہ بھی غلطی ہے کیونکہ کسی ہم عصر یا بعد کے مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ بلبن نے ناصر الدین کو مار ڈالا۔ فرشتہ صاف لکھتا ہے کہ وہ بیمار ہو کر مرا ہے۔ بدایونی لکھتا ہے کہ در سنہ اربع و ستین و ستمائۃ (۶۶۴ھ) بیمار شد و چشم از عالم خراب و خیال پوشیدہ ملک باقی خراماں گردید۔

(۱۳) مصنف طبقات ناصری نے لکھا ہے کہ التتمش اور بلبن دونوں قراختا کے شہزادے

تھے جو چنگیز خان کے حملہ کے وقت غلام بنائے گئے اور ماوراء النہر میں غلاموں کے طور پر بیچے گئے۔

(۱۴) فتوحات فیروز شاہی میں اس مکان کا نام دارالامان لکھا ہوا ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اس میں بادشاہوں کے مزار ہیں۔ فیروز شاہ نے فتوحات فیروز شاہی میں لکھا ہوا ہے کہ میں نے اس مکان کی مرمت کرائی اور صندل کے کواڑ اس کے دروازے پر چڑھائے۔ سید احمد خان نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ مٹکاف صاحب کی کوٹھی کے پاس اور مولانا جمالی کی مسجد کے قریب کھنڈرات میں یہ مقبرہ ہے۔ اس کا پتھر اکھڑ کر کچھ لاہور گیا اور کچھ شاہجہاں آباد کے مکانات میں لگا۔ اب فقط کھنڈر چونے کا ڈھیر باقی رہ گیا ہے۔

(۱۵) سلطان غیاث الدین بلبن سلطان شمس الدین التمش کا داماد تھا۔ ناصر الدین محمود کا خسر۔ چنانچہ بدایونی لکھتا ہے وزارت بغیاث الدین بلبن کہ بندہ و داماد پدرا و بود قرار گرفت۔

(۱۶) خان شہید۔ محمد سلطان خان شہید' بلبن کا بڑا بیٹا تھا۔ اہل علم کا قدر داں اور خود بھی علامہ اور سخن فہم تھا۔ امیر خسرو اور حسن دہلوی اور بہت سے عالم و فاضل اس کی ملازمت میں رہتے تھے۔ امیر خسرو کہتے ہیں کہ بجودت طبع و دریافت معانی دقیق و سخن شناسی و یادداشت اشعار متقدمین و متاخرین بچو محمد سلطان کم کسے را دیدہ ام۔ شیخ سعدی کے پاس بطور نذر بہت مال بھیجا کرتا تھا اور ایک دفعہ ان سے ہندوستان میں تشریف لانے کی بھی درخواست کی۔ لیکن شیخ نے پیری اور ناتوانی کا عذر کیا اور اپنے اشعار اور کلام اس کے پاس بھیج دیا۔ اپنے باپ کی طرف سے ملتان کا صوبہ دار تھا۔ ارغون خان نے جو ہلاکو کا پوتا تھا تیمور خان حاکم غزنی کو ہندوستان کی تسخیر کے لیے ایک ہزار لشکر دے کر بھیجا۔ راوی کے کنارے پر اس کا اور شہزادے کا مقابلہ ہوا۔ دشمن کو شکست ہو چکی تھی۔ مگر شہزادہ ایک تیر کھا کر گر پڑا۔ امیر خسرو بھی اس لڑائی میں گرفتار ہو گئے تھے۔ امیر خسرو نے اس شہزادے کے مرثیہ میں ایک بے نظیر ترکیب بند لکھا ہے۔ جو شیخ سعدی کے مرثیہ مستعصم باللہ کے ہم پلہ ہے۔ ۔

واقعہ ہست یا بلا از آسماں آمد پدید
آفت ست ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید
راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را
رخنہ کا مسال در ہندوستان آمد پدید

مجلس یاراں پریشاں شد چو برگ گل زباد
برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

کیقباد معز الدین کا نام تھا اور وہ خان شہید کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ ناصر الدین بغرا کا بیٹا تھا اور خان شہید کا فقط ایک بیٹا تھا۔

(۱۷) فرشتہ نے لکھا ہے کہ ملک معز الدین کوتوال کہ با سلطان محمد خان مقابلی نداشت بامردم معتبر اتفاق کردہ گفت کہ کیخسرو بسیار تند خوست اگر او را بر تخت بادشاہی جلوس میسر شود کسے را زندہ نخواہد گزاشت صلاح ملک وراں است کہ کیقباد را کہ پسرے حلیم و برد بار است بر سر بادشاہی بنشانیم لیکن یہ حالات کہ کیخسرو کو کس طرح نکالا فقط ابن بطوطہ نے لکھے ہیں اور کسی مورخ نے نہیں لکھے۔ فرشتہ نے فقط یہ لکھا ہے کہ " کیخسرو را ملتان روانہ ساختند" جن مورخوں نے اس وقت اس کا ملتان میں ہونا لکھا ہے غلط ہے۔ فرشتہ سے ابن بطوطہ کی تفصیل کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۸) کنڑا۔ اب یہ شہر الہ آباد کے ضلع میں گنگا کے کنارے پر الہ آباد سے ۴۲ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ الہ آباد کے قلعہ کے تعمیر ہونے سے پہلے جو اکبر بادشاہ نے بنایا تھا اس علاقے کا صوبہ دار کنڑہ میں رہا کرتا تھا۔ لیکن اکبر بادشاہ نے صوبہ دار کو الہ آباد میں رہنے کا حکم دیا۔

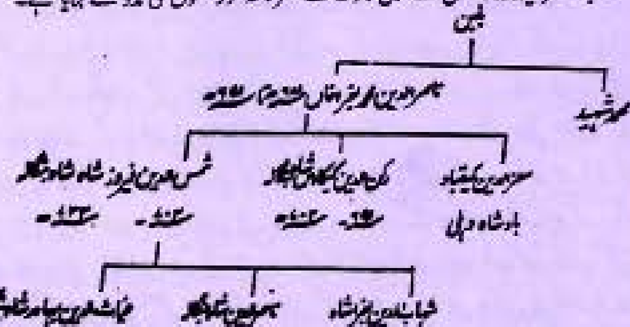
آصف الدولہ بہت سے پرانے مکانات کا پتھر لکھنؤ میں لے گیا۔ موجودہ آبادی چھ سات ہزار کے قریب ہے۔ پہلے یہاں کا کاغذ مشہور تھا۔ اب انگریزی کارخانے جاری ہونے کے باعث اس کی قدر جاتی رہی۔ کمبل بھی اچھے تیار ہوتے ہیں۔ مترجم

(۱۹) لقاء السعدین۔ شاید قرآن السعدین زیادہ ترجیح ہو کیونکہ امیر خسرو نے اس نام کی ایک مثنوی میں باپ بیٹے کی ملاقات کا حال لکھا ہے۔ ۔

یافت خبر خسرو مشرق پناہ
ناصر حق وارث ایں تخت و گاہ
کافر اورا پسر اناز گفت
وین شرف ازوے بہ پسر باز گفت
منعم بسر کرد و علم بہ کشید
ساختہ کیں شدہ و لشکر کشید
تند چو باد آمد از کوہ خار خار

(۳۰) ناصر الدین بغرا کا دہلی تک جانا کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔ وہ کڑا کے مقام ہی سے اپنے بیٹے کی بادشاہت کو تسلیم کر کے اور اس کو نصیحت کر کے واپس ہو گیا تھا۔

(۳۱) ضیاء برنی نے اور تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ یہ ناصر الدین بغرا سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے تک بنگال میں حکومت کرتا رہا لیکن بادشاہان دہلی کا تابع رہا۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو چتر اور دور باش رکھنے کا حکم دیا لیکن یہ غلط ہے۔ فرشتہ و ضیاء برنی و دیگر مورخوں نے سلطان ناصر الدین بغرا اور اس کی اولاد کا مفصل اور صحیح حال نہیں لکھا لیکن ابن بطوطہ نے جو نام دیئے ہیں ان کی تائید سکوں سے بھی ہوتی ہے۔ ذیل کے شجرہ نسب سے بنگال کے کل بادشاہوں کے نام جو بلبن کی اولاد سے تھے معلوم ہوں گے۔ یہ شجرہ نسب مسٹر ایڈورڈ ٹامس نے ابن بطوطہ کے سفرنامہ اور سکوں کی مدد سے بنایا ہے۔



اس جگہ ابن بطوطہ نے غیاث الدین بہادر کو ناصر الدین بغرا خان کا بیٹا لکھا ہے۔ لیکن ایک اور جگہ اس کو درست طور سے پوتا لکھا ہے۔ دیکھو باب ۶ فصل ۴ غیاث الدین

(۳۲) سن سال وکسرے فرشتہ

(۳۳) جامع مسجد دہلی کے نوٹ میں میں بیان کر آیا ہوں کہ ابن بطوطہ کو معز الدین سام یعنی محمد غوری اور معز الدین کیقباد کے ہم نام ہونے سے یہ غلطی واقع ہوئی ہے۔

(۳۴) فرشتہ نے لکھا ہے جلال الدین یک دختر خود راکہ در حسن و جمال نظیر و عدیل نداشت با علاء الدین عقد مناکحت بستہ بود سے بیروہ بدوائی لکھتا ہے چوں علاء الدین از کوچ سلطان کہ خوشدامن او باشد و دختراں دل پر عند و جگر پر خوں داشت کہ از وے ہمیشہ سلطان بدی میگفتند بہر بہانہ سے خواست کہ از قلمرو سلطان دور تر رفتہ گریز گاہے برائے خود پیدا سازد

(۳۵) یہ قصہ رضیہ کے بارے کا کسی تاریخ میں نہیں دیکھا گیا۔ تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا

سوار لے کر ایلچپور جا پہنچا اور وہاں مشہور کیا کہ چچا سے ناراض ہو کر وہ تلنگانہ کے راجہ کی نوکری کے لیے جاتا ہے بے خبر دیو گڑھ پر جا پہنچا۔ رام دیو نے جو بالکل تیار نہیں تھا۔ کچھ دے کر صلح کر لی لیکن اس کا بیٹا جو کہیں گیا ہوا تھا اور اس نے علاء الدین کے ساتھ جنگ کی اور شکست پا کر اور بھی کام بگاڑ دیا۔ راجہ نے چھ سو من سونا اور سات سو من مروارید، دو من جواہر لعل و یاقوت و الماس و زمرد۔ دو ہزار من نقرہ دے کر پیچھا چھڑایا۔

(۳۶) جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے تین بیٹے تھے۔ سب سے بڑا خانخاناں کہلاتا تھا۔ وہ اس بادشاہ کے سامنے ہی مر گیا تھا۔ دوسرا بیٹا ارکلی خان تھا۔ وہ بھی لائق تھا لیکن بادشاہ بیگم نے بے وقوفی سے اس کے آنے کا انتظار نہ کیا۔ تیسرا بیٹا رکن الدین تھا۔ اس کو علاء الدین کے دہلی پہنچنے سے پہلے بادشاہ بیگم نے تخت پر بٹھا دیا۔

(۳۷) سلطان شمس الدین التمش سے سلطان علاء الدین خلجی تک کا زمانہ وہ تھا کہ مغلوں کے لشکروں نے تمام ایشیا اور یورپ کے مشرقی حصہ کو تاراجت و تاراج کر کے بے چراغ کر دیا تھا۔ اگر سلطان شمس الدین التمش اور غیاث الدین بلبن اور علاء الدین خلجی غیر معمولی لیاقت کے بادشاہ نہ ہوتے تو کچھ شک نہ تھا کہ یہ ملک چنگیز خانی مغلوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے ایسا ویران ہو جاتا کہ کسی جگہ سبزہ کا نشان نظر نہ آتا اور نہ آدمی کی آواز سنائی دیتی۔ سرحد پر ان دنوں میں دیپالپور اور ملتان کے صوبہ دار منتخب ہو کر رکھے جاتے تھے چنانچہ کشلو خاں اور شیر خاں جو بلبن کا بھتیجا تھا اور خان شہید اور غازی تغلق بڑے آزمودہ جنرل اور منتظم تھے۔ ملک غازی تغلق کہتا ہے کہ میں چوبیس بار مغلوں سے لڑا ہوں اور اس سبب سے غازی کا لقب اس نے حاصل کیا تھا۔ جب مغلوں کے حملے پے در پے ہونے لگے تو سلطان علاء الدین خلجی کو ایک بہت بڑے لشکر کے رکھنے کی ضرورت ہوئی لیکن حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ایسے لشکر رکھنے کے لیے خرچ درکار ہے آخر کار بادشاہ نے یہ صلاح کی کہ سوار کی تنخواہ کم مقرر کی جائے اور نرخ ایسا مقرر کر دیا جائے کہ اس کا گزارہ اس قدر تنخواہ میں ہو جائے۔ چنانچہ اس نے پورے پانچ لاکھ سوار رکھنے کا انتظام کیا۔ تنخواہ کی شرح دو سو چونتیس تنکہ (روپیہ) ایک گھوڑے کے لیے اور تین سو بارہ تنکہ دو اسپہ کے لیے مقرر کی۔ نرخ حسب ذیل مقرر کیا۔

گندم فی من (۱۴ سیر پختہ) ساڑھے سات جیتل یعنی دو آنہ حال کے۔ جو فی من چار جیتل، چاول فی من ۵ جیتل۔ نخود فی من ۵ جیتل اور موٹھ فی من ۳ جیتل علاوہ ازیں ہر ایک چیز چھوٹی بڑی کا نرخ مقرر کر دیا چنانچہ سوئی سے لے کر گھوڑے کا نرخ خود مقرر کیا اور

مخبر اور ناظر مقرر کیے اگر کوئی نرخ سے کم بیچتا تھا تو اس کو سخت سزا دیتا تھا اپنے اصطبل کے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو بھی بیتل دے کر بھیج دیتا تھا تو آخر میں بچوں کو بھی کوئی دوکاندار وزن اور نرخ میں کم نہ دیتا تھا۔ تعجب یہ ہے کہ اس کے ایام سلطنت میں خشک سالی اور قحط کے برسوں میں بھی یہی نرخ برابر رہا۔ خود خالصہ کے دیہات سے بجائے نقدی کے غلہ لیتا تھا وہ غلہ خشک سالی کے موسم میں اپنے گودام سے اسی نرخ پر بیچتا تھا۔ عاملوں کو حکم تھا کہ زمینداروں سے بنجاروں کو معین نرخ پر غلہ دلا دیں اور بنجاروں کو حکم تھا کہ وہ معین نرخ پر دوکانداروں کے ہاتھ بیچیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتظام چل سکتا تھا لیکن اس پر عملدرآمد کرانے کے لیے ایک نہایت باخبر اور زبردست بادشاہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کے مرتے ہی یہ تمام انتظام کافور ہوگیا۔

(۲۸) سلیمان ۔ بداونی نے اس کا خطاب آکت خاں لکھا ہے آکت ترکی میں چھوٹے کو کہتے ہیں اور الغ بڑے کو۔ اس زمانے میں الغ خاں امیر الامرا کے مساوی عہدہ تھا ناصر الدین محمود کے وقت میں بلبن کا خطاب الغ خاں تھا اور علاء الدین خلجی کے وقت میں اس کا بھائی الماس الغ خاں کہلاتا تھا اور اپنے باپ کے وقت میں سلطان محمد تغلق کا خطاب الغ خاں تھا بعض مورخوں نے اس کو غلطی سے الف خاں لکھ دیا یہ درست نہیں بعض جگہ تو ہندوستان کے مورخوں نے الپ (بہادر) خاں کو بگاڑ کر الف خاں لکھ مارا اور بعض جگہ الغ خاں کو کہتے ہیں کہ بادشاہ کو تیر سے زخمی کر کے وہ دہلی میں آیا اور تخت پر بیٹھا لیکن جب حرم میں داخل ہونے لگا تو ملک دینار نے کہا کہ جب تک مجھے سلطان علاء الدین کا سر نہیں دکھاؤ گے حرم سرا میں جانے نہ دوں گا اتنے میں بادشاہ آ پہنچا۔ قتلغ کے معنے میانہ کے ہیں۔

(۲۹) سنجر۔ اس کا خطاب الپ خاں تھا الپ خاں اور الغ خاں (بادشاہ کا بھائی) اور ظفر خاں اور نصرت خاں بادشاہ کی سلطنت کے چار رکن تھے جن کو وہ چار یار کہا کرتا تھا۔

(۳۰) ملک الفی یعنی ہزار دیناری ملک نائب یعنی کافور کا لقب تھا۔ بادشاہ نے اس کو ہزار دینار کے عوض خریدا تھا اس لیے الفی اور ہزار دیناری کہلاتا تھا۔

(۳۱) خضر خاں۔ یہ قصہ ابن بطوطہ اور فرشتہ اور بداونی نے مختلف طور سے لکھا ہے۔ ضیاء برنی نے کچھ تفصیل نہیں کی۔ بداونی لکھتا ہے کہ بادشاہ نے خضر خاں کو ہستنا پور و دامن کوہ میں بھیج دیا تھا۔ بادشاہ کی صحت کی خبر سن کر وہ بہ سبب محبت کے پیران دہلی کی زیارت کو برہنہ پا چلا آیا۔ ملک کافور نے بادشاہ کو سمجھایا کہ خضر خاں ہستنا پور سے اور اس کا ماموں الپ خاں گجرات سے یہ سازش کر کے آئے ہیں کہ خضر خاں کو بادشاہ بنا دیا جائے اور الپ خاں اس کا نائب رہے۔ بادشاہ نے الپ خاں کو مروا ڈالا اور خضر خاں کو امروہہ بھیج دیا خضر خاں نے وہاں سے اپنی صفائی کی عرض داشت بھیجی اور پھر بلا اجازت دہلی چلا آیا۔ بادشاہ کی بھی محبت جوش میں آ گئی لیکن کچھ دن کے بعد پھر کافور نے بہکا دیا اور بادشاہ نے خضر خاں اور شادی خاں دونوں بھائیوں کو گوالیر کے قلعہ میں بھیج دیا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ شہزادہ کی بیماری میں خضر خاں اور اس کی ماں نے بادشاہ کی اچھی طرح سے خبر نہ لی۔ اس لیے بادشاہ نے ملک نائب کافور کو اور الپ خاں کو گجرات سے بلوا بھیجا۔ ملک نائب کافور نے موقع پاکر بادشاہ کو الپ خاں اور ملکہ اور خضر خاں سے بدظن کر دیا۔ بادشاہ نے احتیاطاً خضر خاں کو امروہہ کی جانب بھیج دیا اور کہا کہ بروقت صحت تجھ کو بلوا لوں گا۔ خضر خاں نے منت مانی کہ اگر اس کے باپ کو صحت ہو جائے گی تو پیادہ پا مشائخ دہلی کی زیارت کو آئے گا۔ باپ کے صحت کی خبر سنتے ہی پیادہ پا امروہہ سے چل دیا۔ بادشاہ نے محبت پدری سے اس کے بے اجازت چلے آنے پر کچھ خیال نہ کیا لیکن تھوڑے دنوں بعد ملک کافور نے اس کو خضر خاں اور شادی خاں اور ان کے ماموں الپ خاں کی طرف سے بدظن کر دیا۔ بادشاہ نے خضر خاں و شادی خاں کو گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا اور ملکہ جہاں کو محل سے باہر بھیج دیا اور الپ خاں کو قتل کروا ڈالا۔ ضیاء برنی نے اس واقعہ کی کچھ تفصیل نہیں کی۔ فقط یہ لکھا ہے کہ ملک کافور نے مکاری سے بادشاہ کا حکم حاصل کر لیا کہ الپ خاں کو قتل کیا جائے اور خضر خاں اور شادی خاں کو گوالیر کے قلعہ میں قید کیا جائے اور ملکہ جہاں کو لعل کوشک سے نکال دیا جائے برنی لکھتا ہے کہ اس روز علاء الدین کی سلطنت اور خاندان کا گویا خاتمہ ہو چکا تھا لیکن امیر خسرو نے اپنی مثنوی عشیقہ نام میں جس میں خضر خاں و دیول رانی کی محبت کا ذکر ہے کل حال مفصل لکھا ہے اور اس کو صحیح سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ ایک ہم عصر اور ایسے شخص کا بیان ہے جو دربار کا ملازم اور خضر خان کا بالخصوص دوست تھا۔

(۳۲) سنہپت ۔ اغلباً سونی پت سے مراد ہے جو موجودہ شہر سے ۲۸ میل کے فاصلے پر لاہور کی پرانی سڑک پر واقع ہے کسی زمانے میں جمنا اس کی فصیل کے نیچے بہتی تھی۔ اب بھی اس کے شکم کو بڈھا نالہ کہتے ہیں۔ یہ شہر بہت پرانا ہے کہتے ہیں کہ جدھشتر نے دریودھن سے پانچ پت طلب کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔ اگرچہ سیر المتاخرین نے ان پانچ شہروں کے نام کیتھل۔ اندری۔ اندر پت۔ کرنال اور برناوہ لکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں

کہ اس کو راجہ سوئی نے جو ارجن کی تیرہویں پشت میں تھا آباد کیا تھا۔ ۱۸۲۶ء ساٹھ یا ستر فٹ نیچے ایک مورتی سورج دیوتا کی ملی تھی۔ جنرل کننگھم صاحب اس کو بارہ سو سال کی بنی ہوئی بتلاتے ہیں اور ۱۸۵۱ء میں ایک جگہ سے یونانی درہم تین ہزار تعداد میں ایک جگہ جمع کیے ہوئے نکلے تھے موجودہ شہر کا رقبہ ایک میل کے قریب ہے اور آبادی چودہ پندرہ ہزار ہے۔ شہر کا بالائی حصہ کوٹ کہلاتا ہے اور نیچے کے حصے کو مشہد کہتے ہیں اس میں سید ناصر الدین اور میر کند کی خانقاہیں ہیں کہتے ہیں کہ سید ناصر الدین متھورا کے وقت میں دہلی کی فتح سے پہلے گھوڑے فروخت کرنے کے لیے لائے تھے۔ سونی پت میں متھورا کے داماد نے ان کے گھوڑے چھین لیے اور شہید کر ڈالا۔

(۳۳) بداونی لکھتا ہے کہ کافور ملک اختیار الدین سنبل را در قلعہ گوالیار فرستاد تا چشم خضر خاں و شادی خاں را میل کشید و سرداران بشرو بشر نام یا جمعے از پائکان محافظان محل ہزار ستون را اتفاق نمودہ ملک نائب کافور را در شبے بقتل رسانیدند۔ فرشتہ لکھتا ہے اور مبارک خاں بی بی مانک کس نزد شیخ نجم الدین کہ از اولاد احمد جام بود فرستادہ ایں معنی راباز نمود شیخ فرمود غم مدار و خاطر لطیفہ غیبی باش۔

(۳۴) خرمنہ۔ معلوم نہیں کہ یہ کس لغت کا معرب ہے آرام گاہ کا یا خری گاہ لیکن فرشتہ نے اس موقع پر لفظ خرگاہ استعمال کیا ہے ملک نائب ہر روز سلطان شہاب الدین خرد سال۔ ابر بالائے ہزار ستون آوردہ بر تخت نشاندے وچوں دربار بشکستے آں طفل۔ راجرم سرازد مادرش فرستادے وخود "در خرگاہے" کہ بربام ہزار ستون نصب کردہ بودند یا خواجہ سرایان قمار باختے بعد از مقتل شدن در بانجر گاہ درآمد ند و ملک کافور و خاصان اور ایں ازوفات سلطان ی وپنج روز بقتل رسانیدند۔

(۳۵) اسی قسم کی دو سڑکیں۔ شیر شاہ نے بھی تیار کرائی تھیں۔ بداونی و طبقات اکبری و فرشتہ میں درج ہے کہ ہر کوس پر ایک سرائے اور مسجد تھی لیکن سیر المتاخرین اور خلاصۃ التواریخ میں لکھتے ہیں کہ یہ سرائیں دو دو کوس پر تھیں بداونی لکھتا ہے کہ سلیم شاہ نے بیچ میں ایک ایک اور سرائے بنوا دی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر کوس یا نصف کوس پر سرائے کی کیا ضرورت تھی ممکن ہے کہ "دو کروہ" کی بجائے "دہ کروہ" کا لفظ ہو میں نے اس امر کی تحقیق کرنے کے لیے کہ اصل فاصلہ کیا تھا کئی تاریخیں دیکھیں لیکن قابل اطمینان طور سے معلوم نہ ہوا کہ اصل میں کس قدر فاصلے پر یہ سرائیں تھیں۔

(۳۶) یہ شخص جو دیو گڑھ (دولت آباد) کے رستے میں سازش کر کے بادشاہ کو مارنا چاہتا تھا اسد الدین بن یغرش سلطان علاء الدین کے چچا کا بیٹا تھا خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ بداونی نے لکھا ہے کہ اس کو ملک غورش بھی کہتے ہیں۔

(۳۷) یہ دیو گیر سے واپس آتے ہوئے حکم دیا تھا لیکن اس سے پہلے کا ذکر کرتا ہے در ۷۱۸ ہجری سر سلاحی کوتوال را فرستاد تا در گوالیار رفتہ خضر خاں و شادی خاں را بدرجہ شہادت رساند و دیول رانی را حبیبہ داخل حرم ساخت امیر خسرو نے مثنوی خضر خاں و دیول رانی میں یہ قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ مبارک شاہ نے خضر خاں کو پیغام بھیجا کہ میں تجھے کسی علاقے کا حاکم بنادوں گا اگر تو دیول رانی کو میرے پاس بھیج دے لیکن خضر خاں نے انکار کیا۔

چو ما من ہمسر است ایں یار جانی   سر من دور کن زاں پس بدانی

بادشاہ ناراض ہوا۔

بہ تندی سر سلاحی را طلب کرد   کہ باید صد کروہ امروز شب کرد

در اندر گلیور ایں دم نہ بس دیر   سر شیران ملک افگن بہ شمشیر

اس واقعہ کا امیر خسرو نے اپنی مثنوی میں ایک درد انگیز سماں باندھ کر دکھایا ہے۔

ضیاء الدین برنی نے اس شخص کا نام شادی کتہ سردار سلاحداران لکھا ہے۔ میری رائے میں سر سلاحی جو لفظ امیر خسرو نے اپنی مثنوی میں استعمال کیا وہ سر سلاحداران کی بجائے استعمال کیا گیا ہے۔ بداونی نے جو دو واقعات مذکور کیے ہیں وہ ایک ہی واقعہ ہے۔ ابن بطوطہ اس کا نام ملک شاہ لکھتا ہے۔

(۳۸) قلعہ گوالیار۔ ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ گوالیار کا قلعہ ایک علیحدہ چٹان پر واقع ہے جو ۳۴۲ فٹ اونچی ہے ڈیڑھ میل لمبا اور تین سو گز چوڑا ہے زینے کے دروازے پر ایک ایک ہاتھی کا بت پتھر میں ترشا ہوا کھڑا ہے۔ اس لیے اس کو ہاتھی پول کہتے ہیں۔ گوالیر کا پرانا شہر قلعہ کے مشرق کی طرف پہاڑی کے نیچے بستا ہے۔ اس میں شیخ محمد غوث گوالیری کی خانقاہ کی عمارت دیکھنے کے قابل ہے۔ راجہ کا محل مان سنگھ نے (۱۴۸۶ء سے ۱۵۱۶ء) بنایا تھا اس کے پاس راجہ بکرماجیت کا محل اور جہانگیر اور شاہ جہاں کے محلات واقع ہیں اور کل مجموعہ بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ ولفورڈ صاحب کی تحقیقات کے مطابق گوالیر کا قلعہ راجہ سورسین نے ۷۷۳ء میں بنایا تھا۔ ۱۰۲۳ء میں محمود غزنوی اس کو فتح نہ کر سکا۔ ۱۱۹۶ء میں محمد غوری نے اس کو فتح کیا۔ ۱۲۱۰ء میں پھر بادشاہان دہلی کے قبضے سے نکل گیا اور ۱۲۳۱ء میں شمس الدین التمش نے فتح کیا۔ اکبر نے اس کو بڑے بڑے آدمیوں کے لیے قید

خانہ مقرر کیا لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانے میں بھی اسی غرض کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں قلعہ پر گورنمنٹ انگریزی نے قبضہ کرلیا تھا لیکن لارڈ کرزن کے عہد میں جھانسی کے شہر کے عوض اس کو سندھیہ کو واپس کردیا گوالیر آگرہ سے ۶۵ میل ہے۔ بابر بادشاہ نے بھی ہتیاپول کا ذکر اپنی تزک میں کیا ہے۔ "در رج ضلع شرقی او ہتیہ پول ست پیل را ہاتھی گویند دروازہ۔ اپول۔ ودر بر آمد ایں دروازہ صورت یک فیلے۔ انجسم کردہ اندرو بالائے دو فیل بان ہم ساختہ بعینہ فیل را مشابہ کردہ اند" اسی ہاتھی کی نقل کے طور پر شہنشاہ اکبر نے جب قلعہ آگرہ تیار کیا تو اس کے مغربی دروازے پر دو ہاتھی مع فیل بانوں کے تیار کرائے ان کو شاہ جہاں دلی لعل قلعہ میں لے گیا اور وہاں کھڑے کردیے تھے عالمگیر نے ان کو بت پرستی کی علامت سمجھ کر اس جگہ سے علیحدہ کروا دیا تھا اور ٹکڑے ٹکڑے کروا کر دفن کروا دیا تھا اب ان میں سے ایک ہاتھی جو عجیب گھر میں تھا اور دوسرا نیا بنوا کر لارڈ کرزن نے قلعہ کے دلی دروازہ پر کھڑا کردیے ہیں۔

ان ہاتھیوں کا برنیر نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے اور وہ ہاتھیوں کے فیل بانوں کو جمل اور فتا کے بت بتلاتا ہے۔ اس پر ٹاڈ صاحب مصنف راجستھان اور جنرل کننگھم نے طرح طرح کی باتیں بنائی ہیں اور بلا ضرورت اس کو ایک حل طلب سوال بنا دیا ہے کہ اکبر نے کس منشا سے اپنے دشمنوں جمل اور فتا کے بت اپنے قلعے پر کھڑے کیے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کا منشاء یہ تھا کہ ان کی بہادری کی قدر کرے۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کو بطور دربان کے کھڑا کرنے سے ان کی ذلت مراد تھی لیکن یہ سب سوال بلا ضرورت ہیں۔ برنیر کے سوا اور کوئی مصنف غیر ملک کا یا اس ملک کا یہ نہیں لکھتا کہ ان ہاتھیوں پر جو دو بت تھے۔ وہ جیمل اور فتا کے تھے کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ برنیر کا تعلق دانشمند خاں سے تھا۔ ممکن ہے کہ اس نے دانشمند خاں سے یہ بات سنی ہو لیکن یہ محض غلط قیاس ہے کیونکہ میں ایک ایسے مصنف کی سند لاتا ہوں کہ اگر اکبر جمل اور فتا کے بت ان ہاتھیوں پر بناتا تو وہ ضرور لکھتا خواہ اکبر کا ارادہ ان بتوں کے بنانے سے جمل اور فتا کی توقیر یا تذلیل اور اپنی عظمت کی نمائش ہوتی یا دونوں ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے "گیتی خداوند قلعہ از سنگ سرخ برساخت کہ جہانیدگان ہمتائے او کم نگارند۔ بدروازہ باختر دو فیل سنگین با پیلبانان بس نیکو تراشیدہ اند"

حقیقت یہ ہے کہ گوالیار کی تقلید سے دروازے پر ہاتھیوں کا بنانا مقصود تھا۔ ہاتھی کے ساتھ پیلبان بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ ابو الفضل صاف لکھتا ہے کہ یہ بت پیلبانوں کے

تھے۔ ممکن ہے کہ برنیر کے وقت میں کیونکہ جیمل اور فتا کا واقعہ تازہ تھا۔ عوام ان تصویروں کو فتا اور جمل کی تصویر کہنے لگے ہوں اور برنیر کا ماخذ بھی دانشمند معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ ہی عوام لوگ ہیں گوالیار کی بابت تاریخی حال میں باب ۸ فصل ۹ کے حاشیہ میں لکھوں گا۔

(۳۹) قاضی خاں صدر جہاں۔ مولانا ضیاء الدین بن مولانا شہاب الدین خطاط کا خطاب تھا۔ اس نے بادشاہ کو خوش نویسی سکھائی تھی۔

(۴۰) خسرو خاں اصل میں گجرات کا باشندہ تھا۔ فرشتہ اور برنی نے اس کی قوم پروار لکھی ہے اور لکھا ہے کہ یہ کوئی کمین ذات ہوتی ہے بداونی براوا لکھتا ہے وہ مسلمان ہوگیا تھا اور حسن اس کا نام تھا۔

(۴۱) سوا ابن بطوطہ کے کسی اور مورخ نے یہ وجہ بیان نہیں کی بلکہ اصل میں یہ وجہ تھی کہ خسرو خاں کو جب بادشاہ نے نائب بنا کر چندیری اور معبر کے فتح کرنے کے واسطے بھیجا تو امیروں کو اس کی سرداری ناگوار گزرتی تھی اور اس کو ہمیشہ ڈر رہتا تھا اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے اجازت ہو تو میں اپنی قوم کے کچھ آدمی بلا لوں اس بہانہ سے اس نے چالیس ہزار گجراتی لشکر میں داخل کرلیے پھر ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میں رات کو اکثر بادشاہ کی خدمت میں رہتا ہوں میرے ہم وطن شکایت کرتے ہیں کہ میں ان سے بھی نہیں ملتا۔ بادشاہ نے کہا تم اپنے دوستوں کو رات کے وقت یہاں ہی بلا لیا کرو چنانچہ چھوٹے دروازے کی کنجی اس کو دیدی وہ اس بہانہ سے اپنی اور بادشاہ کی دل لگی کے لیے بہت سے بدمعاش اور اوباش لوگوں کو رات کے وقت بلا لیا کرتا تھا۔

(۴۲) دیپال پور۔ مونٹ گمری کے ضلع میں بیاس کے پرانے قدیم پاک پٹن سے ۲۸ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوکاڑہ کے اسٹیشن سے ۱۷ میل جنوب میں ہے جنرل کننگھم کی تحقیقات کے بموجب اس کو راجہ دیپال نے آباد کیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ راجہ کون سے زمانے میں تھا۔ وہی صاحب لکھتے ہیں کہ بطلیموس نے جو ڈیدالہ شہر لکھا ہے۔ وہ یہ ہی دیپال پور تھا فیروز تغلق یہاں ایک نہر کاٹ کر لایا تھا اور اس نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی تھی سلاطین مغلیہ سے پہلے غلاموں اور تغلقوں کے وقت میں یہ پنجاب کا دارالخلافہ رہا ہے کیونکہ ان دنوں میں چنگیز خانی مغلوں کے پے در پے حملات کے روکنے کے لیے لاہور اور ملتان کے بیچ میں ایک ایسے شہر کی ضرورت تھی جہاں سے دونوں طرفوں کا انتظام آسانی سے ہوسکے۔ پرانے شہر کے کھنڈرات اب بھی جنوب مغرب میں واقع

ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات کی بستیوں کے علاوہ خاص شہر تین میل کے رقبے میں بستا تھا موجودہ شہر میں چار ہزار کی آبادی ہے اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تیمور کے حملے کے وقت یہ شہر ملتان کی ہمسری کرتا تھا اور اس میں ۸۴ مسجدیں تھیں۔ بابر کے وقت میں بھی یہ شہر آباد تھا اور لاہور سے کم درجے کا نہیں تھا۔

(۴۳) قرونہ۔ مارکو پولو نے لکھا ہے کہ قرونہ ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جن کے باپ تاتاری ہوں اور ماں ہندی ہو ان لوگوں کا پیشہ لوٹ اور قزاقی ہے جہاں ان کا لشکر چلا جاتا ہے اس ملک کو بے چراغ کر دیتے ہیں ان کا سردار نگودار ہے جو چغتائی کا بھتیجا ہے یہ شخص اپنے چچا کے پاس سے بھاگ کر اور قرونہ کے لشکر کو لے کر بدخشاں کے رستے کشمیر میں گیا اور لاہور کو فتح کر کے وہاں بیٹھ گیا اور مغلوں سے لڑتا رہا۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو قرونہ کا طومان (دس ہزار آدمی) مغلوں کے لشکر کے ساتھ ہوتا تھا لیکن بعد میں انہوں نے لوٹ مار اپنا پیشہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ قوم چین کے شمال میں قرون جیون یا نیدن ایک پہاڑ ہے وہاں رہتی تھی کرنل یول کہتے ہیں کہ مارکو پولو نے جو وجہ تسمیہ بتائی ہے وہ غلط ہے لیکن خلاصۃ التواریخ کا مصنف لکھتا ہے۔ پدر سلطان ترک زادہ باسم تغلق از غلامان سلطان غیاث الدین بلبن و مادر او از قوم جٹ پنجاب بود۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرونہ کے لفظ سے ابن بطوطہ کے راوی نے یہ ہی مراد لی ہے کہ سلطان تغلق دوغلا تھا اور جو کچھ مارکو پولو نے قرونہ کی وجہ تسمیہ لکھی ہے صحیح ہے۔ اس سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ تغلق اس بادشاہ کی قوم کا نہ تھا بلکہ اس کے باپ کا نام تھا۔ شمس سراج عفیف سستی کر گیا ورنہ یہ کل بات معلوم ہو جاتی۔ اس نے تاریخ فیروز شاہی میں حوالہ دیا ہے کہ میں تغلق شاہ کے نسب کا حال اپنی کتاب مناقب سلطان تغلق میں لکھ آیا ہوں۔ اس لیے یہاں نہیں لکھتا اور اس کتاب کا کچھ پتہ نہیں لگتا بندہ خدا اتنی بڑی کتاب لکھنے بیٹھا تھا۔ اگر اس میں بھی نسب لکھ دیتا تو کیا بگڑتا تھا۔ سکوں پر السلطان الغازی غیاث الدنیا والدین ابو المظفر تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المومنین درج ہے اور اس کے بیٹے کے سکے پر المجاہد فی سبیل اللہ محمد بن تغلق شاہ یا الراجی رحمۃ اللہ محمد بن تغلق شاہ درج ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تغلق قوم کا نام نہیں تھا یا تو خود غیاث الدین کا نام ہو یا اس کے باپ کا تغلق کے لفظی معنے ترکی میں پہاڑی کے ہیں اور وہ پشتو کے لفظ رہیلہ کا مرادف ہے فرشتہ لکھتا ہے کہ میں نے بادشاہ تغلق کے نسب کی بابت لاہور میں بھی اور اور شہروں میں ہرچند تحقیقات کی مگر مجھے کچھ پتہ نہ لگا تواریخ الحاقی میں تغلق اور قتلغ کے معنے اوسط یا میانہ کے لکھے ہیں۔ قتلغ کے یہ معنے درست ہوں گے کیونکہ الغ خاں اور الپ خاں کے علاوہ بعضے امیر قتلغ خاں خطاب کے بھی درج ہیں لیکن تغلق کوئی مستقل دوسرا لفظ معلوم ہوتا ہے اب بھی ملتان کے باہر تونے خاں یعنی تغلق خاں کا گنبد موجود ہے۔

(۴۴) میر آخور۔ اس امیر کو کہتے تھے جس کے سپرد شاہی اصطبل ہوتا تھا۔ یہ بہت بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ علاء الدین خلجی کا بھائی اپنے چچا کے وقت میں میر آخور تھا۔ آخر بیگ بھی اسی عہدہ دار کو کہتے تھے غیاث الدین تغلق بھی سلطان علاء الدین خلجی کا آخر بیگ تھا۔

(۴۵) یہ تفصیل کسی اور مورخ نے نہیں لکھی بداونی نے فقط یہ لکھا ہے کہ ملک معز الدین جونا (جو بعد میں سلطان محمد تغلق ہوا) نے اپنے باپ کو لکھا کہ جگہ جگہ ڈاک چوکی کے گھوڑے اٹھا دیے جائیں چنانچہ ایک روز رات کو ملک بہرام ایبہ یعنی کشلو خاں حاکم ملتان واچہ کے بیٹے کو ساتھ لے کر بھاگ اٹھا اور سرسہ جا پہنچا جہاں اس کے باپ نے دو سو سوار بھیج دیے تھے بعض تاریخوں میں بجائے سرسہ کے حشتہ لکھا ہے اور فرشتہ نے جانے کا وقت بجائے رات کے دوپہر کا لکھا ہے جس سے ابن بطوطہ کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

(۴۶) بداونی کی تحریر کے موافق خسرو خاں ملک شادی کے مقبرہ میں جا چھپا تھا اور وہاں سے پکڑا گیا اور باغ میں سے اس کا بھائی خانخاناں گرفتار ہوا تھا خسرو خاں اور ملک غازی تغلق کی لڑائی ریز کے موضع کے قریب ہوئی تھی۔ سیر المتاخرین میں یہ مقام درج ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ گاؤں کہاں تھا۔ ایک گاؤں اس نام کا مم اور رہتک کی سڑک پر واقع ہے اور اگر دہلی کے قریب کوئی اور گاؤں اس نام کا نہیں تو اغلباً اسی مقام پر لڑائی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہ بھی غازی ملک کے رستے پر واقع تھا۔

(۴۷) ۷۲۱ھ میں غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے جونا خاں کو جس کا خطاب الغ خاں تھا ورنگل کے فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا قلعہ فتح ہونے کو تھا کہ کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ بادشاہ مر گیا اس سبب سے کئی افسر فوج کے بھاگ آئے قلعہ والوں کو بھی خبر ہو گئی انہوں نے جرات کر کے حملہ کیا اور محاصرین کو واپس ہونا پڑا۔ لیکن ۷۲۳ھ میں پھر الغ خاں نے ورنگل پر چڑھائی کی اور شہر کو فتح کر لیا۔ راجہ پرتاب رودر کو پکڑ کر جونا خاں دہلی میں لے گیا۔ اس کا بیٹا شنکر تھوڑے علاقے پر حاکم رہا۔ اس نے ۷۳۳ھ میں دوار اسمد اور

بیجانگر کے راجاؤں کے ساتھ سازش کر کے پھر مسلمانوں کو وارنگل سے نکال دیا۔ لیکن ۱۳۵۸ء میں محمد شاہ بہمنی نے پھر راجہ کو دق کرنا شروع کیا اور آخر ۱۴۲۳ء میں احمد شاہ بہمنی نے یہ کل علاقہ فتح کر لیا وارنگل کے کن پتی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ فرشتہ اور بدایونی دونوں متفق ہیں کہ شیخ زادہ دمشقی اور عبید زاکانی شاعر نے جو ان دنوں ہندوستان میں آکر جونا خاں کے مصاحب بنے ہوئے تھے ڈاک چوکی کے بند ہو جانے کے سبب سے فقط شوخی سے یہ افواہ اڑا دی کہ تغلق شاہ مر گیا اور اس کے ساتھ ہی امیروں کو بہکا دیا کہ جونا خاں تم سے ناراض ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جونا خاں کی اس میں کچھ سازش نہ تھی فرشتہ لکھتا ہے کہ اس نے عبید اور شیخ زادہ دمشقی کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور وہاں بادشاہ نے ان دونوں کو زندہ درگور کر دیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ وہ پکڑے گئے اور بادشاہ نے ان کو ہاتھیوں کے سامنے ڈال کر مروا ڈالا۔ برنی لکھتا ہے کہ بادشاہ نے ان کی زندہ کھال کھنچوائی۔

(۳۸) عبید شاعر۔ بدایونی نے اس کو عبید شاعر زاکانی لکھا ہے جو ایران کا ایک مشہور شاعر مسخرہ اور ہجو گو شاہ ابو اسحاق بادشاہ شیراز کے دربار میں تھا اگرچہ اس کا زمانہ بھی قریب تھا لیکن فرشتہ لکھتا ہے کہ این عبید نہ عبید شاعر مشہور است یہ عبید امیر خسرو کی ہجو کیا کرتا تھا چنانچہ خمسہ نظامی کے جواب میں جب امیر خسرو طوطی ہند نے اپنا خمسہ لکھا تو اس نے یہ شعر لکھا۔

قطعہ افتاد خسرو راز خامی — کہ بکپا پخت در دیگ نظامی

امیر خسرو نے بھی اپنی تصنیفات میں عبید اور سعد قلنقی کی کئی جگہ شکایت کی ہے اگرچہ فرشتہ لکھتا ہے کہ یہ عبید وہ عبید نہیں تھا جو شیراز میں تھا مگر مشکل یہ ہے کہ عبید زاکانی بھی جس کا حال تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں درج ہے مسخرہ اور ہجو گو تھا اس کے حق میں سلمان ساوجی نے یہ کہا ہے کیونکہ زاکان قزوین کے پاس ایک گاؤں ہے۔

جہنمی و ہجا گو عبید زاکانی — مقرر است بہ بے دولتی و بے دینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستا زادہ است — ولیک مے شود اندر حدیث قزوینی

کہتے ہیں کہ ایک روز خواجہ سلیمان ساوجی کے پاس گیا سلمان نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ کہا قزوین سے۔ خواجہ سلمان نے کہا کہ سلمان کا کوئی کلام یاد ہے عبید نے یہ قطعہ پڑھا۔

من خراباتیم و بادہ پرست
در خرابات مغاں عاشق و مست
مے کشندم چو سبو دوش بدوش
مے بردم چو قدح دست بدست

اور کہا کہ یہ شعر خواجہ کے معلوم نہیں ہوتے اغلب ہے کہ خواجہ کی بیگم نے یہ قطعہ کہا ہو۔ خواجہ سلمان یہ سن کر شرمندہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ شخص عبید زاکانی ہے۔

(۳۹) شیخ نظام الدین المعروف بہ سلطان نظام الدین اولیاءؒ فقیہ اور صوفی تھے۔ آپ کے والد احمد بن دانیال غزنی سے آکر بداؤں میں متوطن ہوئے آپ کی ولادت ۶۳۳ ہجری میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں آپ یتیم ہو گئے۔ والدہ نے پرورش کی پچیس سال کی عمر میں مع والدہ کے دہلی میں آ گئے۔ وہاں خواجہ شمس الدین خوارزمی کی جو کچھ دنوں بعد غیاث الدین کے وزیر بھی ہو گئے تھے شاگردی اختیار کی لیکن شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت میں اکثر رہا کرتے تھے یہ بزرگ باوا فرید الدین گنج شکر کے بھائی تھے۔ ان سے باوا صاحب کی تعریف سن کر اجودھن کو چل دیئے وہاں ان کی خدمت میں رہے باوا صاحب نے ان کو خرقہ عطا کر کے دہلی میں رہنے کا حکم دیا۔ امیر خسرو شاعر اور خواجہ حسن شاعر آپ کے مرید تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے دونوں بیٹوں خضر خاں اور شادی خاں کو آپ کے مریدوں میں داخل کروا دیا تھا اور اس لیے قطب الدین مبارک نے بادشاہ ہوتے ہی آپ سے پرخاش شروع کی اور حکم دیا کہ مہینے کی آخر تاریخ میں ہر روز دربار میں آیا کریں لیکن اس کو اس تاریخ سے پہلے ہی مار ڈالا گیا۔ اسی طرح سے جب غیاث الدین تغلق بنگالہ میں تھا تو اس نے سلطان نظام الدین کو پیغام بھیجا یا شیخ آنجا باشد یا ما۔ سلطان جی نے فرمایا ہنوز دلی دور است۔ چنانچہ ۷۲۵ ہجری میں بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے سلطان جی کا بھی انتقال ہو گیا اور بادشاہ بھی افغان پور کے محل میں دب کر مر گیا۔ خضر خاں نے آپ کی زندگی میں ایک عالیشان مقبرہ تیار کرایا تھا لیکن آپ نے وصیت کی کہ مجھے اس کے اندر دفن نہ کرنا اس لیے آپ کو اس کے سامنے دفن کر کے اس کے دو در زیادہ کر کے مسجد بنا دی گئی۔ اس مسجد پر آپ کی تاریخ وفات یہ درج۔

نظام دو گیتی شہ ماطین
سراج دو عالم شدہ بالیقین
چو تاریخ فوتش بجستم ز غیب
ندا داد ہاتف شہنشاہ دین

(۹۷۵ھ)

یہ جو مقبرہ آپ کے مزار پر موجود ہے ۹۷۵ ہجری میں اکبر بادشاہ کے وقت میں سید فریدوں خاں نے تعمیر کرایا ہے اور ۱۰۱۷ ہجری میں فرید خاں الخاطب سید مرتضیٰ خاں بانی فرید آباد نے صدف کا بنا ہوا ایک چھپر کھٹ آپ کے مزار پر چڑھایا۔

شیخ ولی نظام را دو فرید
کار دنیا و دین مہیا کرد
یک فریدش مقام عالی داد
یک فریدش مقام احیا کرد
مرتضیٰ بر مزار مرقد و
قبہ چوں سپہر برپا کرد
سال تاریخ ایں بنا جستم
قبہ شیخ عقل القا کرد

(۱۰۱۷ھ)

شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں ۱۰۴۳ ہجری میں خلیل اللہ خاں ابن میر میراں حسینی نعمت اللہی حاکم شاہ جہاں آباد نے سنگ سرخ کی جالی گردش آپ کے روضہ کے گرد بنوائی۔ موجودہ سنگ مرمر کی جالی گردش نواب احمد بخش خاں بہادر رستم جنگ جد امجد نواب صاحب لوہارو نے تعمیر کی تھی اور اس کی چھت کی مرمت حال میں مسٹر ارکلارک کمشنر دہلی نے اپنے خرچ سے کروا دی۔

(۵۰) اس کی تصدیق مسالک الابصار کا مصنف شہاب الدین دمشقی بھی کرتا ہے جس کا انتقال ۷۴۹ ہجری میں ہوا۔ اس نے بادشاہ کے انکسار کے وصف میں لکھا ہے کہ اس سے شیخ ابو صفا عمر بن اسحاق شبلی نے بیان کیا کہ انہوں نے اس بادشاہ کو ایک فقیر کے جنازے کو کندھا دیتے ہوئے دیکھا تھا۔

(۵۱) بداونی نے لکھا ہے کہ از ساختن ایں چنیں قصرے کہ ہیچ ضروری نبود ویرے آں کے آمد کہ الغ خاں قصر الجوف ساختہ باشد چنانچہ مشہور عوام است۔ یہی رائے ابو الفضل اور مصنف طبقات اکبری کی ہے لیکن ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بادشاہ کے حکم سے محل بنایا گیا تھا اس لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ضروری نہ تھا۔

فرشتہ اس روایت کو کہ مکان اڑا دیا" اس قسم کا بنایا گیا تھا تسلیم نہیں کرتا اور حاجی

محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں جو یہ لکھا ہے کہ بجلی گری اور مکان گر پڑا اس روایت کو فرشتہ نے ترجیح دی ہے ضیاء برنی نے بھی یہی سبب لکھا ہے لیکن ابن بطوطہ کے راوی شیخ رکن الدین ملتانی ہیں جو اس موقع پر موجود تھے اور ان کے نزدیک یہ مکان ایسی صنعت سے بنایا گیا تھا کہ جس وقت ہاتھی اس مکان پر چڑھے تو وہ فوراً" گر پڑے۔ صدر جہاں گجراتی نے اس صنعت کو طلسم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ پچھلے سب مورخ ضیاء برنی پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے ارادتاً" فیروز شاہ کی خاطر جو اپنے چچا زاد بھائی سلطان محمد تغلق کا بڑا مداح اور شکر گزار تھا اصل کیفیت بیان نہیں کی۔ اس مکان کے انجینئر خواجہ ایاز کو وزیر اعظم بنا دیا اور اپنی تمام زندگی میں اس کی قدر افزائی کرنے کو بھی ابن بطوطہ اور اس کے راوی نے بادشاہ کے خلاف ایک حجت قائم کی ہے لیکن یہ بھی دلیل اچھی نہیں کیونکہ اس زمانے میں بادشاہ لوگ ایسے لوگوں کو کسی بہانہ سے آگے پیچھے ضرور ہوا کرتے تھے میری رائے میں اگر بجلی کا واقعہ درست ہوتا تو شیخ رکن الدین ابن بطوطہ سے ضرور ذکر کرتے اور یہ بات ایسی نہیں تھی کہ لوگوں سے پوشیدہ رہ سکتی۔ اس واقعہ کے بعد سلطان کی مہربانی شیخ رکن عالم پر زیادہ ہی زیادہ ہوتی گئی۔ چنانچہ اپنے باپ کا مقبرہ جو ملتان کے قلعہ میں ہے اور جس میں شیخ رکن عالم کا مزار ہے۔ شیخ کو عنایت کیا۔ پھر ایک اور موقع پر گاؤں جاگیر میں بخشے باوجود اس مہربانی کے شیخ کی رائے جو انہوں نے ابن بطوطہ سے بیان کی پچھلے مورخوں کے قیاس کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار ہے۔

باب (۵)

سلطان محمد تغلق شاہ کا عہد

(۱) بادشاہ کے خصائل

جب سلطان تغلق مر گیا تو اس کا بیٹا بلا تنازعہ اور بغیر مخالفت کے تخت پر متمکن ہوا میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ اس کا اصلی نام جونہ خان تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد اس نے اپنا نام ابو المجاہد محمد شاہ رکھا بادشاہان سابق کا جو میں نے حال لکھا ہے اس کا اکثر حصہ شیخ کمال الدین غزنوی قاضی القضاۃ سے سنا ہے لیکن اس بادشاہ کی بابت جو کچھ میں نے آگے بیان کیا ہے وہ میرا چشم دید ہے۔

یہ بادشاہ خونریزی اور بیجا سخاوت (۱) میں مشہور ہے کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ کوئی فقیر امیر نہیں بن جاتا اور کوئی زندہ آدمی قتل نہیں کیا جاتا اس کی سخاوت اور شجاعت اور سختی اور خونریزی کی حکایات عوام الناس کی زبان زد ہیں۔ اس کے باوجود میں نے کوئی شخص اس سے زیادہ متواضع اور منصف نہیں دیکھا۔ شریعت کا پابند ہے اور نماز کی بابت بڑی تاکید کرتا ہے جو نہیں پڑھتا ہے اس کو سزا دیتا ہے اور من جملہ ان بادشاہوں کے ہے جن کی نیک بختی اور مبارک نفسی حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے میں اس کے احوال بیان کرنے میں بعض ایسی باتیں بیان کروں گا جو عجائبات معلوم ہوتی ہیں لیکن میں خدا اور اس کے رسول اور ملائکہ کو گواہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں اس کی فوق العادات سخاوت اور کرم سے بیان کروں گا وہ سب کا سب درست ہے یہ بھی معلوم رہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ اس کو مبالغہ (۲) کرتے ہیں لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ یا تو میری چشم دید ہے یا میں نے اس کی صحت کی طرف سے اطمینان کر لیا ہے یا خود میرے سامنے گزرا ہے اور اس کی روایت تمام مشرق میں حد تواتر کو پہنچ گئی ہے۔

(۲) شاہی محل کا دروازہ

شاہی محل کو جو دہلی میں ہے دار سرا کہتے ہیں اس میں کئی دروازوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے پہلے دروازہ پر پہرہ کے سپاہی رہتے ہیں اور نفیری اور نقارے اور سرنا والے بھی اس دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں۔ جس وقت کوئی امیر یا بڑا آدمی آتا ہے تو وہ نقارے اور نفیری بجانا شروع کرتے ہیں اور بجانے میں یہ آواز نکالتے ہیں کہ فلاں شخص آیا اور اسی طرح سے دوسرے اور تیسرے دروازہ پر ہوتا ہے پہلے دروازہ کے باہر چبوترے ہیں۔ ان پر جلاد بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بادشاہ کسی کے مارنے کا حکم دیتا ہے تو وہ محل ہزار ستون (۳) کے سامنے مارا جاتا ہے لیکن اس کا سر پہلے دروازہ کے باہر تین دن تک لٹکا رہتا ہے۔ پہلے اور دوسرے دروازہ کے درمیان ایک بڑی دہلیز ہے اس کے دونوں طرف چبوترے بنے ہوئے ہیں اس میں نوبت نقارے والے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسرے دروازہ پر اس کے اپنے دروازہ کے پہرہ دار ہوتے ہیں دوسرے کے بعد تیسرے دروازہ کے درمیان ایک بڑا چبوترہ ہوتا ہے اس پر نقیب اعظم (چتری [illegible]) بیٹھا رہتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک طلائی چھڑی ہوتی ہے اور سر پر جڑاؤ اور طلاکار کلاہ جس کے اوپر مور کے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں اور باقی نقیبوں کی کمر میں زریں پیٹی سر پر طلاکار شاشیہ اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا ہے جس کا دستہ سونے یا چاندی کا ہوتا ہے دوسرے دروازہ کے اندر ایک بڑا دیوان خانہ ہے۔ جس میں عام لوگ بیٹھے رہتے ہیں تیسرے دروازہ پر منشی بیٹھے رہتے ہیں ان کا یہ کام ہوتا ہے کہ کوئی شخص اندر آنے نہیں پاتا جب تک اس کا نام ان کی کتاب میں درج نہ ہو۔ ہر ایک امیر کے ہمراہیوں کی تعداد مقرر اور درج ہوتی ہے منشی اپنے روزنامچہ میں لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص

اس قدر ہمراہیوں کے ساتھ فلاں وقت آیا۔ بادشاہ اس روزنامچہ کو عشاء کی نماز کے بعد ملاحظہ کرتا ہے اس روزنامچہ میں جو کچھ حادثات دروازہ پر واقع ہوتے ہیں لکھے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے بیٹوں میں سے ایک کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ یہ روزنامچہ بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔

(۳) نذر کا دستور اور بادشاہ کا جلوس

یہ بھی دستور ہے کہ جو امیر تین دن یا اس سے زیادہ بلا عذر یا کسی عذر کے سبب سے غیر حاضر ہوتا ہے تو وہ پھر دروازہ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ بادشاہ کی خاص اجازت از سر نو حاصل نہ کی جائے اگر وہ بیماری یا کسی اور عذر کے سبب سے نہ آ سکا تھا تو وہ جس روز آتا ہے۔ اپنی حیثیت کے موافق ہدیہ یعنی نذر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح دستور ہے کہ ہر شخص جو پہلی دفعہ سلام کے لیے آتا ہے تو کچھ نہ کچھ نذر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اگر مولوی ہو تو قرآن شریف یا کوئی اور کتاب فقیر ہو تو مصلٰے یا تسبیح یا مسواک امیر ہو تو گھوڑے یا اونٹ یا ہتھیار۔ اس تیسرے دروازہ کے اندر ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں ایک دیوان خانہ بنا ہوا ہے۔ اس دیوان خانے کا نام ہزار ستون ہے۔ کیونکہ اس کی چھت جو لکڑی کی ہے لکڑی کے ہزار ستونوں پر قائم ہے۔ ان ستونوں پر روغن کیا ہوا ہے اور چھت میں بھی روغن ہے اور طرح طرح کے نقش و نگار اس میں بنے ہوئے ہیں سب لوگ اس مکان میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور بادشاہ بھی جلوس عام کے وقت اس میں آ کر بیٹھتا ہے۔

(۴) بادشاہ کا جلوس دربار میں

اکثر یہ جلوس عصر کی نماز کے بعد ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ چاشت کے وقت بھی ہوتا ہے بادشاہ کے جلوس کی جگہ ایک شہ نشین بنا ہوا ہے جو باقی مکان سے اونچا ہوتا ہے اس پر چاندنی بچھی ہوئی ہوتی ہے۔ بادشاہ کی کمر کے پیچھے بڑا تکیہ اور دائیں بائیں دو ذرا چھوٹے تکیے ہوتے ہیں اور بیٹھک ایسی ہوتی ہے جیسے آدمی نماز کے قعدہ میں بیٹھتا ہے اور یہی بیٹھک اکثر اہل ہند کی ہے جب بادشاہ بیٹھ چکتے ہیں تو وزیر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور کاتب وزیر کے پیچھے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے حاجبوں کا سردار اور حاجب ہوتے ہیں حاجبوں کا سردار آج کل ملک فیروز بادشاہ کا چچا زاد بھائی ہے اس کے پیچھے اس کا نائب ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد خاص حاجب اس کے بعد نائب خاص حاجب اور وکیل الدار اور اس کا نائب اور شریف الحجاب اور سید الحجاب اور ان کے بعد نقیب جو تعداد میں سو ہوتے ہیں۔ جب بادشاہ بیٹھ چکتا ہے تو حاجب اور نقیب بسم اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے ملک قبولہ کھڑا ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں چوری ہوتی ہے وہ مکھیاں ہلاتا ہے بادشاہ کے دائیں ہاتھ پر سو مسلح جوان اور بائیں پر سو مسلح جوان ہوتے ہیں ان کے ہاتھ میں ڈھالیں اور تلواریں اور کمانیں ہوتی ہیں اور دیوان خانہ کے طول میں دائیں اور بائیں قاضی القضاۃ اور اس کے بعد خطیب الخطبا پھر باقی قاضی اور پھر بڑے بڑے فقیہ۔ پھر سید پھر مشائخ پھر بادشاہ کے بھائی اور داماد اور ان کے بعد بہت بڑے بڑے امیر پھر پردیسی اور ایلچی اور پھر فوج کے افسر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ساٹھ گھوڑے آتے ہیں زین اور لگام سمیت۔ تمام ساز و زیورات پہنے ہوئے۔ بعضوں کی لگام اور حلقے سیاہ ریشم کے اور بعضوں کے سفید ریشم کے مرصع ہوتے ہیں۔ ان گھوڑوں پر بادشاہ کے سوا اور کوئی سوار نہیں ہوتا۔ ان میں سے آدھے تو دائیں اور آدھے بائیں طرف اس طرح کھڑے کیے جاتے ہیں کہ بادشاہ کی نظر سب پر پڑ سکے۔ پھر پچاس ہاتھی آتے ہیں جن پر طلائی اور ریشمی کپڑے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے دانتوں پر لوہا چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ان سے اہل جرائم کے مارنے کا کام لیا جاتا ہے ہر ایک ہاتھی کی گردن پر فیل بان ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا انکس ہوتا ہے جو طبرزین کہلاتا ہے۔ اس سے وہ ہاتھی کو ادب دیتا ہے اور ہر ایک ہاتھی کی پشت پر ایک بڑا صندوق سا (ہودہ) ہوتا ہے۔ جس میں بیس یا کم زیادہ جیسا کہ ہاتھی ہو جنگی سپاہی بیٹھ سکتے ہیں یہ ہاتھی سکھائے ہوئے ہوتے ہیں جس وقت حاجب بسم اللہ کہتا ہے وہ سر جھکا کر تعظیم کرتے ہیں۔ یہ ہاتھی لوگوں کے پیچھے کھڑے کیے جاتے ہیں ہر ایک شخص پہلے بادشاہ کے سامنے آتا ہے اور تعظیم کر کے اپنی مقررہ جگہ پر چلا جاتا ہے اور وہاں کھڑا ہو جاتا ہے جب کوئی ہندو تعظیم کے لیے آتا ہے تو حاجب اور نقیب بجائے بسم اللہ کے ہداک اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے غلام لوگوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں ڈھالیں اور تلواریں ہوتی ہیں۔ کوئی شخص ان میں سے ہو کر اندر داخل نہیں ہو سکتا بلکہ جو شخص آتا ہے وہ نقیبوں اور حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے گزر کر آتا ہے۔ جب کوئی پردیسی یعنی غیر ملک کا باشندہ سلام کے لیے آتا ہے تو دروازے پر اطلاع

(۵) عید کی نماز کا جلوس

عید کی پہلی رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیروں اور مصاحبوں اور مسافروں اور متصدیوں اور حاجبوں اور نقیبوں اور افسروں اور غلاموں اور اخبار نویسوں کے لیے ایک ایک خلعت ہر ایک کے درجہ (۳) کے موافق بھیجتا ہے جب صبح ہوتی ہے تو ہاتھی سجائے جاتے ہیں' ان پر ریشم کی طلائی اور جڑاؤ جھولیں ڈالی جاتی ہیں ان میں سے سو ہاتھی خاص بادشاہ کی سواری کے ہوتے ہیں۔ ان سب پر ایک ایک چھتر ہوتا ہے۔ جو ریشم کا بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ ہر ایک چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے اور ہر ایک ہاتھی پر ایک ریشمی گدی مرصع بہ جواہرات رکھی جاتی ہے۔ ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے اور اس کے آگے آگے زین پوش جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں ایک علم پر بطور پرچم کے لے جاتے ہیں۔ ہاتھی کے آگے غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے سر پر چھاجی ٹوپی (یعنی حاشیہ) ہوتی ہے اور کمر پر طلائی پٹی بعض پر جواہرات لگے ہوئے ہوتے ہیں اور بادشاہ کے آگے نقیب بھی ہوتے ہیں جو تعداد میں تین سو ہوتے ہیں ان میں ہر ایک کے سر پر پوستین کی کلاہ ہوتی ہے کمر میں طلائی پٹی اور ہاتھ میں تازیانہ جس کا دستہ سونے کا ہوتا ہے اور صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہاں قاضی القضاۃ ناصر الدین خوارزمی اور تمام قاضی اسی رتبہ پردیسی عراقی خراسانی شامی اور مصری سب ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں (اس ملک میں سب پردیسیوں کو خراسانی کہتے ہیں) اور موذن بھی ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور تکبیر کہتے جاتے ہیں بادشاہ اس ترتیب سے محل شاہی کے دروازے سے نکلتے ہیں اور لشکر باہر منتظر ہوتا ہے ہر ایک امیر اپنی فوج کو لیے علیحدہ علیحدہ کھڑا ہوتا ہے اور ہر ایک ساتھ نوبت نقارے والے بھی ہوتے ہیں سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے۔ بادشاہ کے آگے وہ لوگ جن کا ذکر میں کر آیا ہوں اور قاضی اور موذن ہوتے ہیں جو تکبیر پڑھتے جاتے ہیں بادشاہ کے پیچھے باجے والے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے بادشاہ کے خدمت گار پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خان کی سواری مع اس کی فوج اور باجے کے ہوتی ہے اس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے بہرام خاں کی سواری۔ اس کے بعد بادشاہ کے چچا زاد بھائی ملک فیروز کی پھر ملک مجیر ابی الرجا کی پھر ملک قبولہ کی یہ امیر بادشاہ کا نہایت مقرب اور منہ چڑھا ہے اور بڑا دولت مند ہے مجھ سے اس کا دیوان ملک علاء الدین مصری جو ابن سرشی کے نام سے زیادہ مشہور ہے ذکر کرتا ہے سب سے آگے امیر حاجب اس کے پیچھے اس کا نائب پھر سید الحجاب اور شرف الحجاب ترتیب سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور تین دفعہ تعظیم بجا لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں شخص سلام کے لیے حاضر ہے۔ جب اجازت ہوتی ہے تو اس کی نذر لوگوں کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ بادشاہ کی نظر ان پر پڑ سکے پھر حکم ہوتا ہے کہ نذر دینے والے کو بلاؤ وہ تین دفعہ تو بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے تعظیم کرتا ہے اور پھر حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ پر پہنچ کر تعظیم کرتا ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے تو میر صاحب کی صف میں کھڑے ہونے کی جگہ پر پہنچ کر تعظیم کرتا ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے تو میر حاجب کی صف میں کھڑا ہوتا ہے۔ ورنہ اس کے پیچھے اور بادشاہ اس کے ساتھ نہایت نرمی اور مہربانی کے ساتھ باتیں کرتا ہے اور اس کو مرحبا کہتا ہے اگر وہ تعظیم کے لائق ہوتا ہے تو بادشاہ اس سے مصافحہ کرتا ہے اور گلے لگا کر ملتا ہے اور اس کی نذر میں سے بعض چیزیں اپنے سامنے منگواتا ہے۔ اگر کوئی کپڑا یا ہتھیار ہوتا ہے تو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے اور دل جوئی کے لیے اس کی تعریف کرتا ہے پھر خلعت دی جاتی ہے اور نذر دینے والے کے لیے درجہ کے موافق اس کی سرشوئی کے نام سے کچھ مقرر ہو جاتا ہے۔

جب کوئی سرکاری اہل کار نذر پیش کرتا ہے یا کسی ملک کا خراج لاتے ہیں تو سونے کے برتن مثلاً طشت' آفتابہ یا کوئی اور چیز بنواتے ہیں اور سونے کی اینٹیں بنوا لیتے ہیں جن کو خشت کہتے ہیں۔ فراش لوگ جو بادشاہ کے غلام ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک چیز یا اینٹ ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر ہاتھی نذر میں ہوتا ہے تو وہ ہاتھی پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد گھوڑے مع ساز و سامان کے پھر خچر پھر اونٹ اور ان سب پر مال لدا ہوا ہوتا ہے جب بادشاہ دولت آباد سے آئے تو خواجہ جہاں وزیر نے نذر پیش کی۔ اس وقت میں بھی موجود تھا۔ خواجہ جہاں نے شہر بیانہ سے باہر نکل کر اپنی نذر پیش کی۔ اس نے اس ترتیب سے نذر دی تھی جو میں نے ابھی بیان کی اس نذر میں ایک سینی زمرد سے بھری ہوئی اور ایک سینی موتیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس موقع پر بادشاہ ایران سلطان ابو سعید کا عم زاد بھائی حاجی کاؤن بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے اس نذر میں سے بہت سا حصہ اس کو بخش دیا۔ اس کا ذکر میں آگے کسی موقع پر کروں گا۔

کرتا تھا کہ اس کا اور اس کے لشکر اور خادموں کا خرچ چھتیس لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ پھر ملک نکیھ کی پھر ملک بغرا کی پھر ملک مخلص کی پھر قطب الملک کی مع ہر ایک کے لشکر اور باجے والوں کے۔ یہ لوگ جن کے نام میں نے لیے ہیں وہ امیر ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہتے ہیں اور عید کے دن بادشاہ کے ساتھ نوبت نقارہ لے کر جاتے ہیں اور باقی امیر بغیر نوبت کے جاتے ہیں اور وہ درجہ میں چھوٹے ہوتے ہیں اور ہر ایک شخص عید کے دن جلوس میں مع اپنے گھوڑے کے زرہ پوش ہوتا ہے جب بادشاہ عید گاہ کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو وہیں کھڑے ہو جاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ قاضی اور موذن اور بڑے بڑے امیر اور ذی رتبہ پردیسی پہلے داخل ہو جائیں۔ بادشاہ پیچھے اترتا ہے اور امام نماز شروع کرتا ہے اور خطبہ پڑھتا ہے اور بقر عید ہوتی ہے تو بادشاہ نیزہ سے اونٹ کو نحر کرتا ہے اور اس سے پہلے اپنے کپڑوں پر ایک ریشمی تلی اوڑھ لیتا ہے تاکہ کپڑوں پر خون کی چھینٹیں نہ پڑیں۔ یہ قربانی کر کے بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر واپس محل میں واپس آ جاتا ہے۔

(۶) عید کا دربار

عید کے دن تمام دیوان خانہ میں فرش بچھایا جاتا ہے اور طرح طرح کی آرائش کی جاتی ہے اور دیوان خانہ کے صحن میں بارکہ (۵) (بارگاہ) کھڑی کرتے ہیں۔ وہ ایک بہت بڑا خیمہ ہوتا ہے جو بہت سے موٹے موٹے کھمبوں (ستونوں) پر کھڑا کیا جاتا ہے اور اس کے چاروں طرف اور خیمے ہوتے ہیں اور ریشم کے بوٹے جن میں رنگ برنگ کے ریشمی پھول بڑے چھوٹے ہوتے ہیں لگائے جاتے ہیں اور ان درختوں کی تین صفیں دیوان خانہ میں بناتے ہیں دو درختوں کے درمیان ایک سونے کی چوکی رکھی جاتی ہے اور اس پر ایک گدی ہوتی ہے جس پر رومال پڑا ہوا ہوتا ہے دیوان خانہ کے صدر میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا ہے یہ تخت خالص سونے کا ہے۔ اس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اس کا طول ۲۳ بالشت کا اور عرض اس سے نصف ہے۔ علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہوتے ہیں جب دیوان خانہ میں لگاتے ہیں۔ تو ٹکڑوں کو جوڑ لیتے ہیں ایک ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اٹھاتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک کرسی بچھاتے ہیں اور بادشاہ کے سر پر چھتر لگاتے ہیں۔ جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو نقیب اور حاجب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے ہیں پھر ایک ایک شخص سلام کے واسطے آگے بڑھتا ہے۔ سب سے پہلے قاضی اور خطیب اور عالم اور سید اور مشائخ اور بادشاہ کے بھائی اور نزدیکی اور رشتہ دار آگے بڑھتے ہیں۔ ان کے بعد پردیسی پھر وزیر پھر فوج کے بڑے بڑے افسر پھر بوڑھے غلام پھر فوج کے سردار ہر ایک سہولت سے سلام کر کے واپس آتا ہے اور اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے یہ بھی دستور ہے کہ عید کے دن جن لوگوں کے پاس جاگیر میں دیہات ہیں وہ کچھ اشرفیاں لاتے ہیں اور رومال میں باندھ کر جس پر دینے والے کا نام ہوتا ہے ایک سونے کے تھالوں میں جو اس مطلب کے واسطے رکھے ہوئے ہوتے ہیں ڈالتے جاتے ہیں اس طرح بہت سا مال جمع ہو جاتا ہے۔ اس میں سے بادشاہ جس کو چاہتا ہے بخشش کرتا ہے۔ جب سلام ہو چکتا ہے تو کھانا آتا ہے۔ عید کے دن بڑی انگیٹھی (۶) بھی باہر نکالتے ہیں۔ وہ برج کے شکل کی خالص سونے کی بنی ہوئی ہے۔ اس کے بھی ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ جب باہر نکال کر رکھتے ہیں تو ٹکڑے جوڑ لیتے ہیں اس میں تین خانہ ہوتے ہیں اس میں فراش داخل ہو کر عود اور الائچی اور عنبر جلاتے ہیں اس کی خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک اٹھتا ہے۔ غلاموں کے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے گلاب پاش ہوتے ہیں وہ حاضرین پر گلاب اور پھولوں کے عرق چھڑکتے ہیں۔ یہ بڑا تخت اور انگیٹھی فقط عید کے دن باہر نکالے جاتے ہیں عید کے پیچھے بادشاہ ایک اور تخت پر جلوس کرتے ہیں وہ تخت بھی زریں ہے۔ یہ جلوس بارگہ میں ہوتا ہے بارگہ کے تین دروازے ہوتے ہیں بادشاہ ان کے اندر بیٹھتا ہے اول دروازے پر عماد الملک سرتیز کھڑا ہوتا ہے دوسرے دروازے پر ملک نکبیہ اور تیسرے دروازے پر یوسف بغرا اور دائیں بائیں اور امیر کھڑے ہوتے ہیں بارگہ کا کوتوال ملک طغی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوتی ہیں اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی۔ یہ دونوں اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ بٹھاتے ہیں اور صفوں کو سیدھا کرتے ہیں وزیر اور کاتب اس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں حاجب اور نقیب بھی اپنی اپنی جگہ پر ہوتے ہیں اس کے بعد طوائف اور گانے بجانے والے آتے ہیں سب سے پہلے راجاؤں کی بیٹیاں آتی ہیں جو اس سال لڑائی میں پکڑی ہوئی آتی ہیں وہ اپنا گانا بجانا اور ناچ دکھاتی ہیں اور راگ سناتی ہیں۔ ان کو بادشاہ اپنے بھائی بندوں اور دامادوں اور شہزادوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ یہ جلوس عصر کے وقت ہوتا ہے اس کے دوسرے دن کا جلوس عصر کے بعد اسی ترتیب سے ہوتا ہے۔ عید کے تیسرے دن بادشاہ کے رشتہ داروں کے نکاح ہوتے ہیں اور ان کو جاگیریں انعام میں ملتی ہیں، چوتھے دن غلام آزاد کیے جاتے ہیں، پانچویں دن

لونڈیاں آزاد کی جاتی ہیں چھٹے دن غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح ہوتے ہیں اور ساتویں دن خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔

(۷) بادشاہ کا جلوس جب وہ سفر سے واپس آتا ہے

جب بادشاہ سفر سے واپس (۷) آتا ہے تو ہاتھیوں کو آراستہ کیا جاتا ہے اور سولہ ہاتھیوں پر زرین اور جڑاؤ چھتر لگائے جاتے ہیں اور آگے آگے زین پوش اٹھا کر لے جاتے ہیں اس میں بھی جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں لکڑی کے بڑے بڑے برج بنائے جاتے ہیں جن کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ ریشم کا کپڑا ان پر منڈھا ہوا ہوتا ہے ہر ایک درجہ میں لونڈیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیورات پہن کر بیٹھتی ہیں ہر ایک برج کے وسط میں چمڑے کا حوض ہوتا ہے جس میں گلاب کا شربت ہوتا ہے یہ لونڈیاں ہر شخص کو خواہ شہری ہو یا مسافر پانی پلاتی ہیں اور جب وہ پانی پی چکتا ہے تو اس کو پان کی گلوری دیتے ہیں اور شہر سے شاہی محل تک تمام رستے پر دونوں طرف کی دیواروں پر ریشمی کپڑے منڈھے ہوئے ہوتے ہیں اور راستہ پر ریشمی کپڑے کا فرش ہوتا ہے اس پر بادشاہ کا گھوڑا چلتا ہے اور بادشاہ کے آگے ہزاروں غلام ہوتے ہیں اور فوج پیچھے پیچھے ہوتی ہے اور بعض دفعہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہاتھیوں پر تین یا چار چھوٹی چھوٹی منجنیقیں چڑھا دیتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے دینار اور درہم لوگوں کو پھینکتے ہیں اور یہ بکھیر شہر کے دروازے سے شاہی محل کے دروازہ تک ہوتی ہے۔

(۸) خاصہ کا دسترخوان

بادشاہ کے محل میں دو طرح کا کھانا ہوتا ہے ایک خاص اور دوسرا عام۔ خاصہ وہ ہے کہ بادشاہ خود کھاتے ہیں اور اس میں فقط خاص خاص امیر اور بادشاہ کا چچا زاد بھائی فیروز اور عماد الملک سرتیز اور میر مجلس یا پردیسیوں میں سے کوئی شخص جس پر بادشاہ کو خاص مہربانی کرنی منظور ہو شامل ہوتے ہیں اور بعض وقت جب حاضرین میں سے بھی خاص کر کسی پر مہربانی کرنی منظور ہوتی ہے تو بادشاہ خود رکابی اٹھاتے ہیں اور اس پر ایک روٹی رکھ کر اپنے ہاتھ سے اس شخص کو دیتے ہیں وہ بائیں ہتھیلی پر وہ رکابی لیتا ہے اور دائیں ہاتھ سے سلام کرتا ہے کبھی کبھی اس خاصہ میں سے کسی غیر حاضر شخص کے واسطے کھانا بھیجا جاتا ہے وہ بھی اسی طرح لیتا ہے اور سلام کرتا ہے جیسے کہ حاضر اور پھر اس کے پاس جتنے اخلاص حاضر ہوتے ہیں ان سب کے ساتھ وہ اس کھانے کو کھاتا ہے۔ میں اس خاص کھانے میں بارہا شامل ہوا ہوں۔

(۹) عام دسترخوان

یہ کھانا مطبخ سے لاتے ہیں اس کے آگے نقیب ہوتے ہیں جو بسم اللہ کہتے جاتے ہیں اور ان سب کے آگے نقیب النقباء ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں سونے کی چھڑی ہوتی ہے اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی جب وہ چوتھے دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور دیوان خانہ میں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں وہ ان کی آواز سنتے ہیں تو سب کے سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور سوا بادشاہ کے کوئی شخص بیٹھا نہیں رہتا جب کھانا زمین پر رکھا جاتا ہے تو نقیب صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا سردار سب کے آگے کھڑا ہو کر بادشاہ کی تعریف کرتا ہے اور پھر زمین بوس کرتا ہے اور اس کے ساتھ کل نقیب زمین بوس کرتے ہیں اور کل حاضرین زمین بوس کرتے ہیں۔ یہ بھی دستور ہے کہ جب یہ موقع ہوتا ہے اور نقیب کی آواز سنائی دیتی ہے تو جو شخص چلتا ہوتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے اور کھڑا ہوتا ہے تو وہیں جم جاتا ہے اور جب تک نقیب تعریف ختم نہیں کر چکتا کوئی شخص حرکت نہیں کرتا نہ بولتا ہے پھر اسی طرح اس کا نائب تعریف کرتا ہے اور پھر سب حاضرین زمین بوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد بیٹھ جاتے ہیں اور منشئ سب حاضرین کے نام لکھ لیتا ہے۔ خواہ بادشاہ کو اس کے حاضر ہونے کا حال معلوم ہی ہو اور بادشاہ کے لڑکوں میں سے کوئی لڑکا یہ فہرست بادشاہ کے پاس لے جاتا ہے اس کو دیکھ کر بادشاہ حکم دیتا ہے کہ فلاں امیر آج کھانا کھلا دے۔ ان کا کھانا چپاتیاں اور بھنا ہوا گوشت اور چاول اور مرغ اور سموسہ وغیرہ ہوتے ہیں جن کی تفصیل میں بیان کر آیا ہوں۔ دسترخوان کے صدر میں قاضی اور خطیب اور فقیہ اور سید اور مشائخ ہوتے ہیں اور ان کے بعد بادشاہ کے رشتہ دار اور بڑے بڑے امیر ترتیب وار بیٹھتے ہیں اور ہر ایک شخص کی جگہ مقرر ہوتی ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے اور اس لیے بالکل اژدہام نہیں ہوتا جب سب لوگ بیٹھ چکتے ہیں تو شربدار آتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں سونے اور چاندی اور تانبے اور کانچ کے پیالے ہوتے ہیں جن میں شربت ہوتا ہے کھانے سے پہلے شربت پیتے ہیں جب پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتے ہیں۔ اس وقت کھانا شروع کیا جاتا ہے اور ہر شخص کے سامنے ہر قسم کے کھانے اور ایک رکابی موجود ہوتی ہے

ایک رکابی میں دو شخص شامل نہیں ہوتے حلیم، حلیمہ، کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد فقاع یعنی نبیذ قلعی کے پیالوں میں لاتے ہیں اور جب حاجب بسم اللہ کہتا ہے تو پینا شروع کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پان چھالیہ لاتے ہیں ہر ایک آدمی کو ایک لپ بھر چھالیہ اور پندرہ پان کا بیڑا دیتے ہیں جس پر سرخ ریشم کا دھاگہ بندھا ہوا ہوتا ہے جب پان لے چکتے ہیں تو حاجب پھر بسم اللہ کہتے ہیں اور سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور جو امیر کھلانے پر مقرر ہوتا ہے وہ زمین بوس کرتا ہے اور پھر سب حاضرین زمین بوس کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ دو دفعہ (۸) کھانا ہوتا ہے۔ ایک تو ظہر سے پہلے اور دوسرا عصر کے بعد۔

(۱۰) بادشاہ کی سخاوت

بادشاہ کی سخاوت کی بابت میں فقط وہی بیان کروں گا جو میں نے دیکھا ہے اور خدا علیم ہے جو کچھ میں بیان کرتا ہوں وہ یمن اور خراسان اور فارس کے سب لوگ جانتے ہیں اور یہی شہادت میرے کلام کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ پردیسیوں پر اس کی مہربانی ان ملکوں میں گھر گھر جانتا ہے اور وہ پردیسیوں کی بڑی قدر کرتا ہے اور اہل ہند پر ان کو ترجیح دیتا ہے ان کو جاگیریں اور انعام اور بڑے بڑے عہدے دیتا ہے اس کا حکم ہے کہ پردیسیوں کو کوئی غریب (پردیسی) نہ کہے بلکہ عزیز کے لفظ سے پکاریں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ پردیسی کو پردیسی کہنا اس کی دل شکنی کرتا ہے۔

(۱۱) شہاب الدین تاجر گازرونی کو بخشش

گازرون (شیراز کے پاس ایک شہر ہے) کا ایک ملک التجار پرویز نام تھا اور شہاب الدین اس کا ایک دوست تھا۔ ملک پرویز کی جاگیر میں بادشاہ نے کنبایت کا شہر دیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ وعدہ کیا ہوا تھا کہ اس کو وزارت کا عہدہ دے گا۔ اس نے اپنے دوست شہاب الدین کو بلا بھیجا اور جب وہ آیا تو اس کو حکم دیا کہ بادشاہ کے لیے نذر تیار کرے اس نے جو نذر تیار کی اس میں ایک سراچہ یعنی ڈیرہ مشجر کا بنا ہوا تھا جس پر زریں بوٹیاں ٹنکی ہوئی تھیں اور جس کا سیوان (سائبان) بھی زربفت مشجر کا تھا اور ایک خیمہ تھا۔ مع قنات وغیرہ کے ایک آرام گاہ تھی یہ سب چیزیں مشجر کمخواب کی بنی ہوئی تھیں اور بہت سے خچر بھی تھے جب شہاب الدین یہ سب چیزیں لے کر اپنے دوست ملک التجار کے پاس لایا تو وہ بھی ملک کا خراج اور نذر لے کر چلنے کو تیار بیٹھا تھا۔ بادشاہ کے وزیر خواجہ جہان کو معلوم تھا کہ بادشاہ نے پرویز سے وزارت دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے اور یہ بات اس کو نہایت ناگوار گزری تھی چونکہ اس سے پہلے کنبایت اور گجرات اس کی جاگیر میں تھے اور اس کے باشندوں سے اس کا دلی تعلق تھا۔ ان میں اکثر ہندو تھے اور بعض بادشاہ سے سرکش بھی تھے۔ خواجہ جہاں نے ان میں سے کسی کو چپکے سے کہہ دیا کہ ملک التجار کو رستہ میں مار ڈالو چنانچہ جب ملک التجار نذر اور خراج لے کر دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا تو ایک روز چاشت کے وقت کسی منزل میں اترے اور تمام لشکر اپنی ضروریات کے لیے پراگندہ ہو گیا اور اکثر سو گئے تو اس وقت ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت ان پر آپڑی ملک التجار کو قتل کر ڈالا اور اس کا کل مال لوٹ لیا اور خزانہ اور نذر کو بھی نہ چھوڑا۔ شہاب الدین کا بھی سب مال لوٹ لیا لیکن وہ خود بچ گیا اخبار نویسوں نے یہ حال بادشاہ کو لکھا بادشاہ نے حکم دیا کہ نہروالہ کے خراج سے تیس ہزار دینار اس کو دے دیے جائیں اور وہ اپنے ملک کو واپس چلا جائے۔ شہاب الدین کو جب یہ کہا گیا تو اس نے کہا کہ میں بادشاہ کی زیارت کے لیے جاتا ہوں اور اس کی دہلیز کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ بادشاہ کو اس کا جواب لکھا گیا تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور اجازت دی کہ شہاب الدین دارالخلافہ کی طرف چلے آئے جس روز وہ دارالخلافہ میں پہنچا تو ہمیں بھی اسی روز بادشاہ کے سامنے پیش ہونا تھا وہ بھی پیش ہوا بادشاہ نے ہمیں بھی خلعت دی اور ٹھہرنے کا حکم دیا اور شہاب الدین کو بھی بہت کچھ دیا ایک روز کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ مجھے یعنی ابن بطوطہ کو چھ ہزار روپیہ دیا جائے اور اسی روز دریافت فرمایا کہ شہاب الدین کہاں ہے بہاء الدین فلکی نے کہا کہ اخوند عالم نمیدانم لیکن پھر کہا زحمت دارد بادشاہ نے فرمایا کہ "برو ہمیں زماں از خزانہ یک لک تنکہ گیری پیش اوبری تا دل او خوش شود" چنانچہ بہاء الدین نے فوراً تعمیل کی بادشاہ نے اس کو حکم دیا کہ جو کچھ اسباب ہندوستان کا بنا ہوا وہ خریدنا چاہے خرید لے اور جب تک اس کی خرید جاری رہے اور کوئی شخص نہ خریدے اور یہ بھی حکم دیا کہ اس کو تین جہاز مع اسباب اور زاد راہ کے دیے جائیں شہاب الدین ہرمز میں پہنچا اور وہاں ایک عظیم الشان مکان بنوایا۔ اس شہاب الدین کو میں نے پھر شہر شیراز میں دیکھا کہ وہ وہاں سلطان ابو اسحاق کی بخشش کا خواستگار تھا اس وقت وہ کل مال خرچ کر چکا تھا ہندوستان کی دولت کا یہی حال ہے اول تو وہاں کی دولت کو بادشاہ باہر نہیں جانے دیتا اور اگر چلی بھی جاتی ہے تو خدا لینے والے پر کوئی نہ کوئی آفت بھیج دیتا ہے چنانچہ

شہاب الدین کی دولت بھی اس جھگڑے میں جو اس کے بھتیجوں کا بادشاہ پر حزم کے ساتھ تھا ساری کی ساری جاتی رہی۔

(۱۲) شیخ رکن الدین کو بخشش

بادشاہ نے خلیفہ ابوالعباس (۹) کے پاس ملک مصر میں تحفے بھیج کر خلیفہ سے درخواست کی تھی کہ اس کو ہندوستان اور سندھ کے ملک پر حکمرانی کرنے کا اجازت نامہ (۱۰) بھیجا جائے اور یہ درخواست فقط اعتقاداً تھی۔ خلیفہ ابوالعباس نے ایک اجازت نامہ شیخ الشیوخ رکن الدین کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب شیخ رکن الدین دارالخلافہ میں پہنچے تو بادشاہ نے ان کے خیر مقدم اور خاطر تواضع میں نہایت مبالغہ کیا اور کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا اور جب وہ اس کے پاس آتے تھے تو تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا جو کچھ اس کو بطور بخشش کے دیا اس کی بھی کچھ حد نہیں تھی ازاں جملہ گھوڑے کا تمام ساز یہاں تک کہ میخیں بھی سونے کی تھیں اور بادشاہ کا حکم تھا کہ جب تم جہاز سے اتر کر خشکی پر چلنا شروع کرو تو سونے کے نعل اپنے گھوڑے کے لگوا لینا شیخ صاحب کھمبایت کی طرف چلے کہ وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر اپنے گھر کو تشریف لے جائیں۔ راستے میں قاضی جلال الدین نے بغاوت کی اور ابن الکولمی اور شیخ رکن الدین دونوں کو لوٹ لیا۔ شیخ صاحب اپنی جان لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر ہنسا مذاقاً یہ کہا کہ "آمدی کہ زر بری ویا صنم دلربا خوری زر نبردی و سر نہی" پھر کہا خاطر جمع رکھو میں دشمنوں پر چڑھائی کرتا ہوں اور جو کچھ انہوں نے تم سے لیا ہے اس سے دو چند سہ چند تم کو دوں گا جب میں ہندوستان سے چل پڑا تھا تو میں نے سنا تھا کہ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور پہلے سے زیادہ دیا۔

(۱۳) واعظ ترمذی کو بخشش

واعظ ترمذی ناصر الدین بادشاہ کی خدمت میں سلام کے لیے اپنے وطن سے آیا اور مدت تک دارالخلافہ میں اس کی ملازمت میں رہا۔ آخر اس نے وطن کی طرف واپس جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اور اب تک اس کے وعظ کو نہ سنا تھا جانے سے پہلے اس کے وعظ کے سننے کا ارادہ کیا حکم دیا کہ سفید صندل مقاصری (۱۱) کا ایک منبر تیار کیا جائے اس کی میخیں اور پتیاں سونے کی بنوائیں اور اس کے اوپر ایک بڑا یاقوت لگوایا اور ناصر الدین کو ایک خلعت عباسی سیاہ رنگ زریں و مرصع اور ایک عمامہ پہننے کے لیے دیا اور وہ سراچہ میں بادشاہ تخت کے اوپر بیٹھا اس کے دائیں بائیں خواص اور قاضی اور مولوی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے واعظ نے ایک خطبہ فصیح و بلیغ عبارت میں پڑھا اور اس کے بعد وعظ کہا کچھ بہت مفید نہ تھا لیکن اس کی تقریر اچھی تھی جب واعظ منبر سے نیچے اتر آیا بادشاہ اس کی طرف بڑھا اور اس کو گلے سے لگایا اور ہاتھی پر سوار کرایا اور سب کو حکم دیا جن میں 'میں بھی شامل تھا اس کے آگے آگے پیدل چلیں اس کو ایک سراچہ یعنی خیمہ میں لے گئے جو اسی کے واسطے کھڑا کیا گیا تھا اور بادشاہ کے خیمہ کے مقابل تھا یہ خیمہ رنگا رنگ کے ریشمی کپڑوں کا بنا ہوا تھا۔ اس کی رسیاں اور قنات بھی ریشم کی تھیں۔ خیمہ کے ایک طرف سونے کے برتن تھے جو سلطان نے اس کو دیئے تھے۔ ان میں سے ایک تنور تھا اتنا بڑا کہ ایک آدمی اس میں اچھی طرح سے بیٹھ سکتا تھا اور دو دیگیں تھیں۔ رکابیوں کی گنتی مجھے یاد نہیں رہی اور کئی آب خورے اور ایک لوٹا اور ایک تی سندہ (۱۲) اور ایک خوان چار پاؤں والا اور ایک کتابوں کا صندوق یہ سب سونے کی چیزیں تھیں عماد الدین سمنانی نے خیمہ کی دو میخیں اٹھا کر دیکھیں ان میں سے ایک پیتل کی تھی اور دوسری قلعی کی ہوئی تانبے کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سونے اور چاندی کی ہیں لیکن اصل میں سونے اور چاندی کی نہیں تھیں جس وقت یہ واعظ اول ہی اول آیا تو اس کو ایک لاکھ دینار دیئے تھے اور دو سو غلام جن میں سے کچھ تو اس نے چھوڑ دیئے اور کچھ رکھے۔

(۱۴) اور بخششوں کا ذکر

عبدالعزیز فقیہ اور محدث تھا۔ دمشق میں اس نے تقی الدین ابن تیمیہ (۱۳) اور برہان الدین ابن البرکح و جمال الدین مزی و شمس الدین ذہبی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی تھی پھر جب وہ بادشاہ کی ملازمت میں آیا تو اس نے اس کی بہت خاطر تواضع کی ایک روز اتفاق سے اس نے حضرت عباس اور ان کی اولاد کے فضائل میں کچھ حدیثیں بیان کیں اور کچھ خلفائے بنی عباس کا ذکر کیا بادشاہ بنی عباس سے محبت رکھتا تھا۔ وہ حدیثیں بہت پسند آئیں۔ بادشاہ نے عبدالعزیز اردبیلی کی قدم بوسی کی اور حکم دیا کہ سونے کی تھالی میں دو ہزار اشرفی لاؤ اور وہ تھالی بھری بھرائی بادشاہ نے فقیہ کو دے دی۔

فقیہ شمس الدین اندکانی ایک حکیم اور شاعر تھا اس نے ایک فارسی قصیدہ بادشاہ

کی مدح میں پڑھا جس کے ستائیس شعر تھے بادشاہ نے اس کو ہر ایک بیت کے عوض ہزار دینار دیئے۔ زیادہ سے زیادہ جو ہم نے ایسی عطاؤں کی بابت سنا تھا وہ یہ تھا کہ کسی نے ہر شعر کی بابت ہزار درہم دیئے ہوں لیکن وہ عطا اس بادشاہ کی عطاء کا دسواں حصہ تھا۔

شونکاری عضد الدین اپنے وطن میں ایک مشہور فاضل تھا۔ جس کے علم و فضل کا آوازہ پڑا ہوا تھا۔ بادشاہ نے بھی اس کی تعریف سنی اس کے پاس دس ہزار روپیہ گھر بیٹھے بھیج دیئے نہ اس نے کبھی بادشاہ کو دیکھا نہ اس کے پاس قاصد بھیجا۔

جب بادشاہ نے قاضی مجد الدین ولی شیرازی (۱۳) کی تعریف سنی (جن کا ذکر میں پہلی جلد میں کر آیا ہوں اور اس جلد میں بھی کچھ بیان کروں گا) تو ان کے پاس شیراز میں شیخ زادہ دمشقی کے پاس دس ہزار روپیہ بھیج دیا۔

برہان الدین ایک واعظ تھا اور سخی ایسا تھا کہ جو کچھ اس کے پاس ہوتا تھا وہ بھوکوں کو دے دیتا تھا اور بعض اوقات قرض لے کر سخاوت کرتا تھا بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی اس کے پاس چالیس ہزار دینار بھیجے اور اس سے ہندوستان آنے کی درخواست کی۔ برہان الدین نے وہ دینار لے لیے اپنا قرض اتار دیا اور آنے سے انکار کیا یہ کہہ کر کہ بادشاہ ہند عالموں کو اپنے روبرو کھڑا رکھتا ہے میں ایسے شخص کی ملازمت کرنا نہیں چاہتا اور ملک خطا کی طرف چلا گیا۔

حاجی گاؤن سلطان ابو سعید (۱۵) شاہ ایران کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور اس کا بھائی موسیٰ عراق میں کسی جگہ کا حاکم تھا۔ اس نے حاجی گاؤن کو ایلچی کے طور پر بادشاہ کے پاس بھیجا بادشاہ نے اس کی بہت تعظیم کی اور بہت کچھ دیا ایک روز کا ذکر ہے کہ وزیر خواجہ جہاں نے ہدیہ بھیجا جس میں تین تھالیاں تھیں ایک میں یاقوت تھے اور دوسری میں زمرد اور تیسری میں موتی۔ حاجی گاؤن بھی حاضر تھا اس میں سے بادشاہ نے حاجی گاؤن کو بہت سا مال دیا اور رخصت کے وقت بھی بہت دولت دی جب حاجی گاؤن عراق میں گیا تو اس کا بھائی فوت ہو گیا اور اس کی بجائے سلیمان حاکم بن بیٹھا تھا حاجی گاؤن نے اپنے بھائی کا ورثہ طلب کیا اور ملک کا بھی دعویٰ کیا۔ لشکر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ فارس کی طرف چلا گیا جب شونکار کے شہر میں پہنچا تو اس کے مشائخ نے آنے میں کچھ دیر کی جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے دریافت کیا کہ تم جلدی کیوں نہیں آئے۔ انہوں نے کچھ عذر کیا وہ عذر قبول نہ کیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا " تیغ پکار "

یعنی تلوار کھینچو انہوں نے تلوار نکال کر ان کے سر اڑا دیئے ان لوگوں کی تعداد ذرا زیادہ تھی قرب و جوار کے امیروں کو یہ بات ناگوار گزری انہوں نے شمس الدین سمنانی کو جو بڑا امیر اور فقیہ تھا اس معاملہ میں خط لکھا اور اس سے اعانت طلب کی وہ اپنا لشکر لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس ملک کے عوام الناس مشائخ شونکارہ کا انتقام لینے کے لیے جمع ہوئے اور رات کے وقت حاجی گاؤن کے لشکر پر شب خون مارا اور اس کو پراگندہ کر دیا۔ حاجی گاؤن محل میں شہر کے اندر تھا اس کا محاصرہ کر لیا وہ غسل خانہ میں جا چھپا لیکن اس کو پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھیج دیا اور باقی اعضا تمام ملک میں تقسیم کر دیئے۔

(۱۵) ابن الخلیفہ کی آمد

امیر غیاث الدین محمد عباسی (ابن عبدالقادر بن یوسف بن عبدالعزیز بن خلیفہ المستنصر باللہ (۱۶) عباسی) بغدادی سلطان علاء الدین طرمشیریں بادشاہ ماوراء النہر کے پاس آیا سلطان نے اس کو حضرت قثم بن عباس (۱۷) کی خانقاہ کا متولی کر دیا اور اس میں وہ کئی سال تک رہا۔ پھر اس نے سنا کہ بادشاہ ہندوستان کو بنی عباس کے ساتھ محبت ہے اس لیے اس نے اپنی طرف سے محمد ہمدانی صوفی اور محمد بن (ابی شرقی حربادی کو قاصد بنا کر بھیجا یہ دونوں بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور ناصر الدین ترمذی جس کا ذکر میں ابھی کر آیا ہوں۔ امیر غیاث الدین سے واقف تھا اور بغداد میں اس نے اس کے نسب کی بابت دریافت کیا تھا تو وہاں کے مشائخ نے اس کی صحت کو تصدیق کیا تھا ناصر الدین نے بھی یہ حال بیان کیا تو بادشاہ نے قاصدوں کو پانچ ہزار دینار دیئے اور امیر غیاث الدین کے واسطے تیس ہزار دینار بطور زاد راہ کے روانہ کیے اور اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا اور ہندوستان کی طرف آنے کی درخواست کی اس خط کے پہنچتے ہی غیاث الدین چل پڑا اور جب ملک سندھ میں پہنچا تو اخبار نویسوں نے بادشاہ کو خبر دی بادشاہ نے دستور کے موافق استقبال کے لیے آدمی بھیجے اور جب وہ سرسہ میں پہنچا تو قاضی کمال الدین صدر جہاں کو حکم دیا کہ استقبال میں کچھ فقیہ اپنے ساتھ لے کر اس کی سواری کے ساتھ شامل ہو پھر امیروں کو استقبال کے لیے بھیجا اور جب وہ مسعود آباد میں پہنچا تو بادشاہ مع امیروں کے خود اس کے استقبال کے لیے باہر آیا۔ جب ملاقات ہوئی غیاث الدین پیادہ ہو گیا بادشاہ بھی سواری سے نیچے اتر آیا اور غیاث الدین نے

حسب دستور زمین بوس کی تو بادشاہ نے بھی اسی طرح زمین بوس کی امیر غیاث الدین کچھ نذر اپنے ساتھ لایا تھا ان میں کپڑوں کے تھان بھی تھے بادشاہ نے ایک تھان اپنے کندھے پر ڈال لیا اور جس طرح اور لوگ بادشاہ کی زمین بوس کرتے ہیں اسی طرح سلام کیا پھر گھوڑے آئے بادشاہ نے ایک گھوڑے کو پکڑ کر امیر کے سامنے کیا اور قسم دیکر کہا کہ آپ اس پر سوار ہوں اور خود رکاب پکڑ کر کھڑا ہو گیا پھر بادشاہ سوار ہو گیا اور باقی ہم راہی بھی سوار ہو گئے اور شاہی چھتر ان دونوں پر سایہ کے لیے کھڑا کیا گیا پھر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا یہ سب سے بڑھ کر تواضع تھی کیونکہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے کسی کو پان نہیں دیتا (۱۸) اور یہ بھی کہا کہ اگر میں خلیفہ ابو العباس سے بیعت نہ کر چکتا تو آپ سے بیعت کرتا غیاث الدین نے جواب دیا کہ میں خود ابو العباس کی بیعت ہوں۔ امیر غیاث الدین نے تواضعاً" فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جس نے بنجر زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا وہ اسی کی ملکیت ہوتی ہے گویا بادشاہ کے احسانات نے ہمیں از سر نو زندہ کیا ہے بادشاہ نے نہایت عجز سے اس کا مناسب جواب دیا جب اس سراچہ یعنی خیمہ میں پہنچے جو بادشاہ کے لیے کھڑا کیا گیا تھا تو بادشاہ نے ابن خلیفہ کو اس میں ٹھہرایا اور اپنے واسطے علیحدہ خیمہ لگوایا اس رات کو دار الخلافہ سے باہر رہے اور دوسرے دن شہر میں داخل ہوئے اور سیری کا محل جو سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی نے بنایا تھا۔ اس کی سکونت کے لیے مقرر کیا اور بادشاہ مع امیروں کے خود محل میں گیا اور اس کا تمام سامان مہیا کیا اور اس کے سامان میں علاوہ چاندی اور سونے کے برتنوں کے ایک طلائی حمام غسل کے واسطے تھا پھر چار لاکھ دینار اسی وقت بطور سرشوئی کے بھیجے گئے اور لونڈی اور غلام اور لڑکے خدمت کے لیے بھیجے اور روزانہ خرچ کے لیے تین سو دینار مقرر کیا اور ہر وقت دسترخوان خاص سے اس کے لیے کھانا علاوہ جاتا تھا سیری کا تمام شہر گھروں اور باغوں اور زمین اور گوداموں سمیت اس کی جاگیر میں دیا گیا اور اس کے علاوہ سو دیہات اور دیئے دہلی کے شرقی مقامات کی حکومت عطا کی اور تیس خچر زریں زینوں سمیت اس کے پاس بھیجے اور ان کا چارہ دانہ سرکاری گودام سے جاتا تھا اس کے واسطے حکم تھا کہ جب شاہی محل میں آئے گھوڑے سے ہرگز نہ اترے اور جہاں تک بادشاہ سوار ہو کر آتے ہیں چلا جائے حالانکہ اور کسی کو محل میں سوار آنے کی اجازت نہ تھی سب لوگوں کو حکم تھا کہ جس طرح بادشاہ کو زمین بوس کرتے ہیں اسی طرح اس کی بھی تعظیم کیا کریں جب

وہ بادشاہ کی خدمت میں آتا تھا تو بادشاہ تخت سے نیچے اتر آتا تھا اور اگر چوکی پر ہوتا تھا تو کھڑا ہو جاتا تھا اور دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے بادشاہ اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا تھا اور جب وہ چلنے کو کھڑا ہوتا تھا تو بادشاہ بھی کھڑا ہو جاتا تھا پھر بادشاہ اس کو سلام کرتا تھا اور وہ بادشاہ کو۔ جب مجلس سے باہر جاتا تھا تو باہر اس کے لیے ایک مسند بچھا دی جاتی تھی اس پر جتنی دیر چاہتا تھا بیٹھتا تھا ہر روز دو دفعہ یہ ہوتا تھا امیر غیاث الدین دہلی میں قیام پذیر تھا کہ بنگالہ کا وزیر آیا بادشاہ نے حکم دیا کہ بڑے بڑے امیر اس کا استقبال کریں اور پھر آپ بھی اس کے استقبال کو نکلا اور اس کی بڑی تعظیم کی اور جیسے بادشاہ کے شہر میں داخل ہونے کے وقت رونق ہوتی ہے ویسی ہی اس وقت ہوئی امیر غیاث الدین بھی یعنی ابن الخلیفہ اس کی ملاقات کو باہر آیا اور قاضی اور فقیہ اور مشائخ بھی جب بادشاہ واپس ہو گئے تو وزیر سے کہا کہ آپ مخدوم زادہ کے گھر جائیں۔ وزیر وہاں گیا اور دو ہزار اشرفی اور کپڑوں کے تھان پیش کیے اور اس کے ساتھ امیر قبولہ اور میں بھی گیا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ کے پاس بہرام حاکم غزنی آیا اور اس کے ساتھ ابن الخلیفہ کی پرانی عداوت تھی بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہ غزنی کو ایک مکان میں جو سیری میں ہے ٹھہرائیں (سیری کا کل شہر بادشاہ نے ابن الخلیفہ کو دے دیا تھا) یہ بھی حکم دیا کہ سیری میں حاکم غزنی کے واسطے ایک نیا گھر بنایا جائے ابن الخلیفہ کو خبر ہوئی وہ غصہ ہو گیا اور بادشاہ کے محل میں گیا اور اپنی مسند پر حسب دستور جا کر بیٹھ گیا اور وزیر کو بلا بھیجا اور کہا اخوند عالم سے کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے مجھے دیا ہے وہ میرے مکان میں موجود ہے میں نے اس میں سے کچھ خرچ نہیں کیا بلکہ کچھ نہ کچھ زیادہ کیا ہو گا اور میں اب یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا یہ کہہ کر ابن الخلیفہ محل سے چل دیا۔ وزیر نے اس کے دوستوں سے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس سبب سے ناراض ہے کہ بادشاہ نے حاکم غزنی کے لیے سیری میں محل (۱۹) بنانے کا حکم دیا ہے وزیر نے جا کر بادشاہ کو خبر کی۔ وہ اسی وقت سوار ہو کر اور دس آدمی اپنے ہمراہ لے کر ابن الخلیفہ کے مکان پر آیا اور گھوڑے سے محل کے باہر اتر کر اندر جانے کی اجازت طلب کی ابن الخلیفہ سے بادشاہ نے عذر کیا اور ابن الخلیفہ نے اس کا عذر منظور کر لیا لیکن بادشاہ نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا کہ آپ خوش ہو گئے ہیں جب تک آپ میری گردن پر پاؤں نہ رکھیں ابن الخلیفہ نے کہا یہ میں ہرگز نہ کروں گا خواہ بادشاہ مجھے قتل کروا دے بادشاہ نے اپنے سر کی قسم دلائی کہ یہ کرنا ہو گا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ ملک قبولہ

نے ابن الخلیفہ کا پاؤں اپنے ہاتھ سے اٹھا کر بادشاہ کی گردن پر رکھ دیا۔ بادشاہ کھڑا ہوگیا اور کہا اب مجھے تسلی ہوگئی کہ آپ راضی ہوگئے ایسی عجیب و غریب حکایت میں نے کسی بادشاہ کے متعلق آج تک نہیں سنی عید کے دن میں بھی مخدوم زادہ کے سلام کو گیا۔ ملک کبیر بادشاہ کی طرف سے تین خلعت لایا جبوں میں تکموں کی جگہ جو ریشم کے ہوتے ہیں برابر موتیوں کے بٹن لگے ہوئے تھے ملک کبیر دروازہ پر کھڑا رہا جب ابن الخلیفہ محل سے نیچے اترا تو اس کو خلعت پہنایا۔ بادشاہ نے لاتعداد مال اور دولت دی تھی لیکن تاہم یہ شخص بڑا بخیل تھا جس قدر بادشاہ میں سخاوت تھی اسی قدر یہ شخص بخیل تھا میرے ساتھ ابن الخلیفہ کی نہایت گہری دوستی ہوگئی تھی اور میں اس کے پاس بہت آیا جایا کرتا تھا جب میں سفر کو چلا تو اپنے بیٹے احمد کو بھی اسی کے پاس چھوڑ آیا تھا مجھے معلوم نہیں اس کا کیا حال ہوا میں نے ایک روز کہا کہ آپ تنہا کیوں کھاتے ہیں اور دسترخوان پر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو کیوں نہیں کھلاتے اس نے جواب دیا کہ میں دیکھ نہیں سکتا کہ اس قدر آدمی میرا کھانا کھائیں اور اس لیے میں تنہا کھاتا ہوں فقط اپنے کھانے میں سے محمد بن ابی الشرقی اپنے دوست کو کچھ دیا کرتا تھا اور باقی کل آپ کھاتا تھا جب میں اس کے گھر جاتا تھا تو دیکھتا تھا کہ دہلیز میں اندھیرا ہوتا تھا چراغ نہیں ہوتا تھا اور میں نے کئی دفعہ اس کو اپنے باغ میں تنکے جمع کرتے دیکھا اور اس نے ان تنکوں سے گودام بھر لیے تھے۔ میں نے کہا مخدوم زادہ صاحب یہ کیا کرتے ہو اس نے کہا کہ لکڑیوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اپنے غلاموں اور نوکروں اور دوستوں سے باغ میں کام لیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ میرا کھانا مفت کھائیں۔ ایک دفعہ مجھ پر قرض ہوگیا میں نے اس سے قرض مانگا ایک دن مجھ سے کہا کہ میں بہت چاہتا ہوں کہ تیرا قرضہ ادا کروں لیکن ہمت نہیں پڑتی۔ ایک دفعہ مجھ سے ذکر کرتا تھا کہ ہم چار آدمی بغداد سے باہر گئے۔ پیدل تھے ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ایک چشمہ سے ہم گزرے تو وہاں ایک درہم پڑا ہوا پایا۔ ہم نے سوچا کہ ایک درہم کا کیا کریں۔ آخر ہم سب نے اتفاق کیا کہ اس کی روٹی خرید لیں۔ ایک آدمی روٹی خریدنے گیا۔ تو نان بائی نے کہا کہ میں روٹی اور بھوسہ دونوں ساتھ بیچتا ہوں اور علیحدہ علیحدہ نہیں دیتا آخر ایک قیراط کی روٹی لی اور ایک قیراط کا بھوسہ۔ بھوسہ کی ہمیں ضرورت نہیں تھی اس لیے وہ پھینک دیا اور ایک لقمہ ہم نے روٹی کھالی۔ کہتا تھا اب خدا نے مجھے اس قدر دولت عطا کردیا ہے۔ میں نے کہا خدا کا شکر کر اور فقرا اور مساکین کو صدقہ دیا کر۔ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا میں نے کبھی اس کو خیرات دیتے یا کسی کے ساتھ سلوک کرتے نہیں دیکھا۔ خدا تعالیٰ ایسے بخل سے پناہ میں رکھے۔ ہندوستان سے جانے کے بعد میں بغداد میں گیا اور مدرسہ مستنصریہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جو اس کے دادا خلیفہ المستنصر باللہ نے بنایا تھا۔ میں نے ایک جوان سقیم الحال کو دیکھا کہ وہ ایک اور شخص کے پیچھے جو مدرسہ سے نکلا تھا جلدی جلدی جا رہا تھا ایک طالب علم نے مجھ سے کہا کہ یہ جوان امیر غیاث الدین کا بیٹا ہے جو ہندوستان میں ہے۔ میں نے اس کو آواز دی اور کہا کہ میں ہندوستان سے آیا ہوں تیرے باپ کا حال بتا سکتا ہوں اس نے کہا میرے پاس حال ہی میں اس کی خیر عافیت آچکی ہے اور وہ اس شخص کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص جس کے پیچھے یہ عباسی دوڑتا ہے کون ہے اس نے کہا یہ جیل خانہ کا ناظر ہے اور یہ جوان کسی مسجد کا امام ہے اور اس مسجد سے اس کو ایک درہم یومیہ ملتا ہے اور اس شخص سے وہ اپنی اجرت مانگتا ہے۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں نے سوچا کہ اگر ابن الخلیفہ اپنی خلعت کا ایک تکمہ اس کو بھیج دے تو اس کو عمر بھر کے لیے غنی کردے۔

(۱۹) امیر سیف الدین

جب یہ سیف الدین غدا ابن ہبۃ اللہ ابن مہنا (۲۰) امیر عرب الشام بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس کا نہایت اکرام کیا اور سلطان جلال الدین کے محل میں جو کوشک لعل (۲۱) کے نام سے مشہور ہے اور شہر دہلی کے اندر ہے اس کو فروکش کیا یہ محل بہت بڑا ہے اس میں ایک بہت بڑا صحن ہے اور اس کی دہلیز بہت بڑی ہے اس کی دہلیز پر ایک برج ہے جس سے اندر کے اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں۔ سلطان جلال الدین اس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں جو چوگان بازی ہوتی تھی دیکھا کرتا تھا جب امیر سیف الدین کو اس محل میں ٹھہرایا گیا تو میں نے یہ محل دیکھا تمام اسباب سے بھرا ہوا تھا لیکن تمام چیزیں بوسیدہ ہوگئی تھیں۔ ہندوستان میں دستور ہے کہ جب بادشاہ مرجاتا ہے تو اس کے محل کو چھوڑ دیتے ہیں اور نیا بادشاہ اپنے لیے علیحدہ محل تیار کرواتا ہے اور اس محل کی کوئی چیز اس جگہ سے نہیں ہلاتے۔ میں اس محل میں اچھی طرح پھرا اور اس کی چھت پر بھی گیا عبرت کا مقام تھا میرے آنسو نکل پڑے فقیہ جلال الدین مغربی غرناطی نے جو بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے

اور اس وقت میرے ساتھ تھے یہ شعر پڑھا۔

وسلا ثیتم   سل   الطین   منہم

والدروس   الظلام   صارت   عظاما

(ترجمہ) ان کے بادشاہوں کا حال مٹی سے پوچھ کہ بڑے بڑے سروں کی ہڈیاں ہی ہوگئیں۔

اس محل میں امیر سیف الدین کی شادی کا کھانا ہوا چونکہ بادشاہ اہل عرب سے بہت محبت رکھتا تھا اور ان کی قدر کرتا تھا۔ جب یہ امیر آیا تو اس کے ساتھ یہی سلوک کیا اور بارہا اس کو بڑے بڑے عطیے بخشے ایک دفعہ ملک اعظم بایزیدی حاکم منکبھو کی نذر پیش ہوئی اس میں گیارہ گھوڑے اصیل اور عجیب تھے بادشاہ نے امیر سیف الدین کو دے دیئے اور پھر ایک دفعہ دس گھوڑے جن کے زین زریں اور لگام طلائی تھے امیر کو دے دیئے اور بعد ازاں اپنی بہن فیروزہ اخوند سے اس کی شادی کردی جب بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی بہن کی شادی امیر سیف الدین سے کی جائے تو ولیمہ کی تیاری اور اخراجات کا کام ملک فتح اللہ شونویس کے سپرد کیا اور مجھے حکم دیا کہ تم ان دنوں میں امیر سیف الدین کے ساتھ رہو ملک فتح اللہ بڑے بڑے سائبان لایا اور اس نے دونوں صحنوں پر سائبان لگائے اور ایک صحن میں ایک بڑا خیمہ لگایا اور اس میں طرح طرح کے عمدہ فرش بچھائے اور شمس الدین تبریزی مطربوں اور طوائف کو لے کر آیا یہ سب بادشاہ کے غلام اور لونڈیاں تھیں اور باورچی اور نان بائی اور حلوائی اور سقے تنبولی حاضر ہوگئے جانور اور پرندے ذبح کئے گئے اور پندرہ دن تک سب لوگوں کو کھانا کھلایا گیا اور بڑے بڑے امیر اور پردیسی دو وقت کھانے میں شامل ہوتے تھے نکاح کی رات سے دو رات پہلے بادشاہ کے محل سے بیگمات آئیں اور انہوں نے مکان آراستہ کیا اور اچھے اچھے فرش بچھائے اور امیر سیف الدین کو بلایا۔ یہ پردیسی تھا اور اس کا کوئی نزدیکی وہاں نہیں تھا ان عورتوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کو ایک مسند پر بٹھایا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ بادشاہ کی سوتیلی ماں جو مبارک خاں کی ماں تھی امیر سیف الدین کی ماں بنی اور بیگموں سے دوسری عورت اس کی بہن بنی اور تیسری عورت اس کی پھوپھی بنی اور چوتھی اس کی خالہ تاکہ وہ سمجھے کہ اس کا تمام خاندان یہاں موجود ہے۔ انہوں نے اس کو چوکی پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی اور باقی عورتیں اس کے سر پر کھڑی ہو کر ناچتی گاتی رہیں۔ بیگمیں یہ سب سامان تیار کر کے دولہا دلہن کے سونے کے گھر میں چلی گئیں اور وہ اپنے دوستوں سمیت باہر کے مکان میں رہا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ چند امیر اس کی جماعت میں داخل ہوں اور چند دلہن کی جماعت میں اور اس ملک میں یہ دستور ہے کہ جس مکان سے دولہا دلہن کو اپنے گھر لاتا ہے تو اس مکان کے دروازے پر دلہن کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اور جب دولہا کی جماعت آتی ہے تو ان کو داخل ہونے سے روکتے ہیں اگر وہ غالب ہو جاتے ہیں تو چلے جاتے ہیں اور اگر مغلوب ہو جاتے ہیں تو ان کو ہزاروں روپیہ انعام دینے پڑتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد امیر کے پاس نیلے ریشم کے خلعت لائے جو زر بفت کے بنے ہوئے تھے اور اس قدر جواہرات ان پر جڑے ہوئے تھے کہ جواہرات کے سبب سے کپڑے کا رنگ نظر نہیں آتا تھا اور ایسی ہی ایک کلاہ تھی میں نے ایسی پوشاک کبھی نہیں دیکھی تھی اور جو پوشاکیں بادشاہ نے اپنے اور داماد کو دیں جیسے عماد الدین سمنانی کو اور ملک العلما کے بیٹے کو اور شیخ الاسلام کے بیٹے کو اور صدر جہاں بخاری کے بیٹے کو کوئی اس کے برابر نہ تھی پھر امیر سیف الدین اپنے ساتھیوں اور غلاموں کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی پھر ایک چیز (۲۲) جو تاج کے مشابہ تھی اور چنبیلی اور نسرین اور رائے بیل کے پھولوں کی بنی ہوئی تھی اور جس کی جھالر منہ اور سینہ پر لٹکتی تھی لائے اور امیر سے کہا اس کو سر پر رکھو امیر نے انکار کیا کیونکہ وہ عرب کا صحرائی تھا میں نے کہا کہ میرا کہنا مان اور اس کو قسم دلائی تو اس نے سر پر رکھ لیا۔ پھر سب جماعت حرم کے دروازہ پر پہنچی تو وہاں دلہن کی جماعت کھڑی تھی امیر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر عربی حملہ کیا پچھاڑ پچھاڑ کر سب کو بھگا دیا بادشاہ کو خبر پہنچی تو نہایت خوش ہوا اور صحن میں داخل ہوا تو وہاں ایک منبر پر جو دیبا سے منڈھا ہوا تھا اور اس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے دلہن کو لا کر بٹھا دیا اور عورتیں گانے والی بیٹھی ہوئی تھیں اس کو دیکھ کر سب کھڑی ہوگئیں امیر کا گھوڑا دلہن کے منبر تک آیا وہاں آکر امیر گھوڑے سے اترا اور منبر کی پہلی سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر زمین بوس کیا اس وقت دلہن کھڑی ہوگئی پھر دلہن نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا اور پھر امیر دلہن سے ایک سیڑھی کے نیچے بیٹھ گیا اور اس کے ساتھیوں پر درہم اور دینار نثار کیے گئے عورتیں تکبیر بھی کہتی جاتی تھیں اور گاتی بھی جاتی تھیں باہر نوبت اور نقارے بج رہے تھے۔ پھر امیر کھڑا ہوا اور اپنی دلہن کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے نیچے اترا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے ہولی۔ امیر تو گھوڑے پر سوار

ہو گیا اور دلہن ڈولے میں بیٹھ گئی اور ان دونوں پر درہم اور دینار نثار کئے گئے۔ ڈولے کو غلاموں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور بیگمات گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور باقی عورتیں پیدل تھیں وہ ان کے آگے آگے جاتی تھیں جب سواری کسی امیر کے گھر کے سامنے سے گزرتی تھی تو باہر نکل کر درہم اور دینار ان پر بکھیرتا تھا دوسرے دن دلہن نے دولہا کے دوستوں کے گھر کپڑے اور دینار اور درہم بھیجے اور بادشاہ نے بھی ان میں سے ہر ایک کو ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے اور ایک ایک تھیلی جس میں دو سو سے لے کر ہزار تک دینار تھے بھیجے اور ملک فتح اللہ نے بیگموں کو قسم قسم کے ریشمی کپڑے اور تھیلیاں دیں۔ ہندوستان کا دستور ہے کہ اہل عرب کو سوا دولہا کے اور کوئی کچھ نہیں دیتا۔ اسی روز لوگوں کی پھر ضیافت کی گئی اور شادی ختم ہو گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ امیر غدا کو مالوہ اور گجرات اور کھمبایت اور نہروالہ جاگیر میں دیئے جائیں اور ملک فتح اللہ کو اس کا نائب مقرر کیا اور امیر کی رتبہ افزائی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی لیکن وہ صحرائی آدمی تھا اس نے اپنی قدر نہ پہچانی اور صحرائی جہالت نے اس کو بیس روز میں ادبار کو پہنچا دیا۔ شادی سے بیس دن بعد وہ بادشاہی محل میں گیا اور اندر جانا چاہا امیر حاجب (پردہ دار) نے اس کو منع کیا اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور زبردستی گھسنا چاہا۔ دربان نے اس کی زلفیں پکڑ لیں اور الٹا دھکیل دیا۔ امیر نے اس کے لاٹھی ماری جو اس کے ماتھے میں لگی دربان کے خون نکل آیا اور یہ شخص ایک بڑا امیر تھا۔ اس کا باپ غزنی کا قاضی تھا اور سلطان محمود بن سبکتگین کی اولاد میں سے تھا اور بادشاہ اس کو باپ کہہ کر پکارا کرتا تھا اور اس کے بیٹے کو یعنی اس مضروب کو بھائی کہا کرتا تھا وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے کپڑے خون سے آلودہ تھے۔ اس نے کہا کہ امیر غدا نے مجھے مارا۔ بادشاہ تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر کہا قاضی کے پاس جا کر نالش کرو۔ یہ جرم ایسا ہے کہ بادشاہ کسی کو جس نے اس طرح بادشاہ کے محل میں گھسنے کے لئے زبردستی کی ہو معاف نہیں کرتا اور اس کی سزا ہمیشہ موت ہوا کرتی ہے لیکن پردیسی ہونے کے سبب سے اس کی رعایت کی گئی اور ملک تتر کو کہا کہ ان دونوں کو قاضی کے پاس لے جاوے قاضی کمال الدین دیوان خانہ میں تھا اور یہ ملک تتر حاجی تھا اور عربی اچھی بولتا تھا۔ اس نے امیر سے کہا کہ تو نے اس شخص کو مارا ہے اگر نہیں مارا تو کہہ دے نہیں مارا اس تقریر میں اشارہ کیا تھا کہ وہ انکار کر جائے لیکن امیر غدا ایک جاہل آدمی تھا اور اس کو کچھ فخر بھی ہو گیا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے مارا ہے اتنے میں مضروب کا باپ بھی آ گیا

وہ چاہتا تھا کہ صلح کرا دے لیکن سیف الدین نے منظور نہ کیا۔ قاضی نے حکم دیا کہ وہ رات بھر قید رہے۔ اس کی بیوی نے بادشاہ کے خوف سے نہ اس کے پاس بستر بھیجا اور نہ کھانے کی خبر لی۔ اس کے دوستوں کو بھی خوف ہوا اور انہوں نے اپنی اپنی دولت لوگوں کے پاس امانت رکھ دی۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو قید خانہ میں جا کر دیکھوں۔ ایک امیر مجھے ملا اور میرا مطلب سمجھ کر کہا کہ تو بھول گیا کہ تو نے شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام کے ملنے کا ارادہ کیا تھا اور بادشاہ نے تیرے قتل کا حکم دیا تھا۔ (اس کا ذکر میں آگے کروں گا) یہ سن کر میں واپس چلا آیا اور دوسرے دن ظہر کے وقت امیر غدا رہا ہو گیا بادشاہ نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا اور جاگیر کا جو حکم دیا تھا وہ منسوخ کر دیا اور اس کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کا ایک بہنوئی تھا جس کا نام مغیث الدین ابن ملک الملوک تھا اور بادشاہ کی بہن اس کی شکایت کرتی کرتی مر گئی تھی اس وقت لونڈیوں نے یاد دلایا کہ وہ بھی اس کے ظلم کے سبب سے مری ہے اور اس کے نسب میں بھی کلام تھا۔ بادشاہ اپنے ہاتھ سے حکم لکھا کہ حرامی اور موش خوار دونوں جلا وطن کئے جائیں۔ موش خوار سے مراد امیر سیف الدین تھا اور حرامی سے مغیث الدین کیونکہ عرب کے بدوی یوج کھاتے ہیں اور وہ جنگلی چوہے کے مشابہ ہوتا ہے۔ چوبدار آئے کہ اس کو جلا وطن کریں اس نے ارادہ کیا کہ گھر میں جاوے اور اپنی بیوی سے رخصت ہو آئے لیکن چوبدار پے در پے اس کے بلانے کے لیے آئے وہ روتا ہوا چلا۔ میں اس وقت کے محل کی طرف گیا اور رات کو وہیں رہا ایک امیر نے پوچھا کہ تم رات کو یہاں کیوں ٹھہرتے ہو میں نے کہا کہ میں امیر سیف الدین کے معاملہ میں بادشاہ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کو واپس بلا لے اور ملک بدر نہ کرے اس نے کہا کہ یہ ممکن ہی نہیں۔ میں نے کہا اگر سو رات مجھے یہاں ٹھہرنا پڑے گا تو نہ جاؤں گا جب تک میرا مطلب پورا نہ ہو جائے گا۔ بادشاہ کو بھی یہ خبر پہنچی۔ اس نے حکم دیا کہ امیر سیف الدین کو واپس بلا لو اور پھر حکم دیا کہ وہ ملک قبولہ لاہوری کی خدمت میں رہا کرے چنانچہ چار برس تک وہ اس کے پاس رہا حضر میں اور سفر میں اور سب آداب اور طریقے سیکھ گیا پھر بادشاہ نے اس کو اس کے مرتبے پر بحال کر دیا اور اس کو جاگیر دی اور لشکر کا سردار بنایا۔

(۱۷) وزیر کی لڑکیوں کی شادی

خداوند زادہ قوام الدین قاضی ترمذ جن کے ساتھ میں ملتان سے دہلی آیا تھا۔ جب دہلی میں پہنچے تو بادشاہ نے ان کی خاطر و مدارت بہت کی اور ان کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا۔ پھر اس کے دونوں بیٹوں کے ساتھ وزیر خواجہ جہاں کی لڑکیوں کا نکاح کر دیا مگر وزیر اس وقت دارالخلافہ میں نہ تھا۔ بادشاہ نے ان کے باپ کا نائب ہو کر وزیر کے محل میں آ کر اس کی بیٹیوں کا نکاح کیا جب تک قاضی القضاۃ نے نکاح پڑھایا بادشاہ کھڑا رہا اور امیر اور حاضرین بیٹھے رہے۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے کپڑے اور تھیلیاں اٹھا کر قاضی کو اور خداوند زادہ کے بیٹوں کو دیں یہ دیکھ کر اور امیر بھی کھڑے ہو گئے اور عرض کی حضور یہ کام نہ کریں۔ بادشاہ نے ان کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ اور پھر اپنی جگہ ایک امیر کو کھڑا کر کے خود چلا گیا۔

(۱۸) بادشاہ کی تواضع اور انصاف

ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بلا سبب مار ڈالا بادشاہ بغیر کسی ہتھیار کے پیدل قاضی کے محکمہ میں گیا اور وہاں جا کر سلام اور تعظیم کی اور قاضی کو پہلے حکم دے دیا تھا کہ جب میں آؤں تو قاضی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہو اور کسی طرح کی حرکت نہ کرے بادشاہ محکمہ میں گیا اور قاضی کے سامنے کھڑا ہوا قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کر لے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اس کو راضی کر لیا۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی مسلمان نے اس پر کچھ مال کا دعویٰ کیا۔ جھگڑا قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ اس کا مال دے دے بادشاہ نے دے دیا۔ ایک دفعہ ایک امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب مجھے مارا ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ یا تو لڑکے کو راضی کرو۔ ورنہ قصاص دو۔ میں نے دیکھا کہ اس نے دربار میں آ کر لڑکے کو بلایا اور اس کو چھڑی دے کر کہا کہ اپنا عوض لے لے اور اس کو اپنے سر کی قسم دلائی کہ جیسا میں نے تجھ کو مارا تھا تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں چھڑی لے کر اکیس چھڑیاں بادشاہ کے لگائیں یہاں تک کہ ایک دفعہ اس کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی۔

(۱۹) نماز کی تاکید

یہ بادشاہ نماز کے معاملہ میں بہت تاکید کرتا تھا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اس کو سزا دی جائے ایک روز اس نے نو آدمی اس بات پر قتل کر ڈالے ان میں سے ایک آدمی ایک مطرب (۲۳) تھا اس کام پر بہت سے آدمی لگائے ہوئے تھے کہ جماعت کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے اس کو پکڑ لاؤ یہاں تک کہ سائیس لوگ جو دیوان خانہ کے دروازے پر گھوڑے لیے رہتے تھے ان کو بھی پکڑنا شروع کیا۔ حکم تھا کہ ہر شخص فرائض نماز و شرائط اسلام کو سیکھے۔ لوگوں سے سوال کیے جاتے تھے اور اگر کوئی اچھی طرح سے جواب نہیں دے سکتا تھا تو اس کو سزا ملتی تھی تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔

(۲۰) احکام شرع کی پابندی

احکام شرع کی پابندی کی بھی سخت تاکید کرتا تھا۔ اپنے بھائی مبارک خاں کو حکم دیا ہوا تھا کہ وہ دیوان خانہ میں قاضی کے ساتھ بیٹھ کر انصاف کرائے۔ اس کو حکم تھا کہ ایک بلند برج میں بیٹھے اور قاضی کے واسطے اسی برج میں ایک مسند بادشاہ کی مسند کی طرح لگائی جاتی تھی مبارک خاں قاضی کے دائیں ہاتھ بیٹھتا تھا اگر کسی شخص کا دعویٰ کسی بڑے امیر پر ہوتا تھا تو مبارک خاں کے سپاہی اس امیر کو بلا کر قاضی کے سامنے پیش کرتے تھے اور وہ قاضی سے اس کا انصاف دلاتا تھا۔

(۲۱) انصاف کا دربار

۷۴۱ھ ہجری میں بادشاہ نے حکم دیا کہ سوائے زکوٰۃ اور عشر کے اور سب محصول (۲۴) اور ڈانڈ معاف کر دیے جائیں اور خود ہفتے میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کے دن انصاف رسانی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا اور اس روز اس کے سامنے فقط امیر حاجب و خاص حاجب اور سید الحجاب اور شرف الحجاب چار شخص ہوتے تھے اور سب کو عام اجازت تھی کہ جس کسی کو کسی کی شکایت کرنا ہو عرض کرے چار امیروں کو چار دروازوں پر مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ مستغیثوں کی شکایتیں قلم بند کریں اور ان میں سے چوتھا ملک فیروز بادشاہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اگر پہلے دروازے والا اس کی شکایت لکھ بھیجتا تھا تو خیر ورنہ وہ دوسرے دروازے والے کے پاس آتا تھا۔ اگر وہ بھی نہ لکھتا تو تیسرے اور چوتھے دروازے والے کے پاس اگر وہ بھی انکار کرتا تو صدر جہاں قاضی القضاۃ کے پاس اگر وہ بھی نہ لکھتا تو بادشاہ کے پاس

آنے کی اس کو اجازت ہوتی تھی اگر بادشاہ کو یقین ہو جاتا تھا کہ ان میں کسی کے پاس وہ گیا تھا اور انہوں نے اس کی شکایت نہیں لکھی تو ان کو ڈانٹ دیا کرتا تھا۔ یہ سب تحریریں بادشاہ عشاء کے بعد خود مطالعہ کیا کرتا تھا۔

(۲۲) قحط میں لوگوں کی پرورش

جب ہندوستان اور سندھ میں قحط پڑا یہاں تک کہ گیہوں چھ (۲۵) دینار فی من ہو گئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دہلی کے کل باشندوں کو بلا تمیز چھوٹے بڑے یا غلام و آزاد کے بحساب ڈیڑھ رطل مغربی روزانہ فی کس چھ مہینے کا ذخیرہ سرکاری گودام سے دے دو۔ فقیہ اور قاضی محلہ کی فہرست تیار کرتے تھے اور ان لوگوں کو حاضر کرتے تھے اور ہر ایک شخص کو چھ مہینے کی خوراک دی جاتی تھی۔

(۲۳) خونریزی

یہاں تک بادشاہ کی تواضع اور انصاف اور نرم دلی اور سخاوت کا جو سب غیر معمولی اور فوق العادت تھیں میں نے بیان کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خونریزی پر نہایت دلیر تھا ایسا کبھی شاذ و نادر ہوتا تھا کہ اس کے دروازے پر کوئی شخص قتل نہ کیا جاتا تھا اکثر نعشیں دروازے پر پڑی رہتی تھیں ایک روز کا ذکر ہے کہ میں محل میں جاتا تھا۔ میرا گھوڑا کچھ سفید چیز دیکھ کر چمکا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ میرے ہمراہی نے کہا یہ ایک شخص کا سینہ ہے جس کے تین ٹکڑے کئے گئے ہیں۔ یہ بادشاہ چھوٹے بڑے جرم پر برابر سزا دیتا تھا نہ اہل علم کا لحاظ کرتا تھا اور نہ شریفوں کا اور نہ صالحین کا۔ دیوان خانہ میں ہر روز سینکڑوں آدمی جولان پہنے ہوئے حاضر کئے جاتے تھے۔ بعض قتل کئے جاتے تھے اور بعض کو عذاب دیا جاتا تھا اور بعض کو مار پیٹ کی جاتی تھی اور اس کا دستور تھا کہ سوا جمعہ کے ہر روز کل قیدیوں کو دیوان خانہ میں بلاتا تھا۔ جمعہ کے روز وہ غسل اور حجامت کرتے تھے اور آرام کرتے تھے۔ خدا پناہ میں رکھے۔

(۲۴) اپنے بھائی کو قتل کیا

اس کا ایک بھائی مسعود خاں تھا۔ اس کی ماں سلطان علاء الدین کی بیٹی تھی یہ

شخص ایسا خوبصورت تھا کہ میں نے اس کا ثانی نہیں دیکھا۔ اس پر تہمت لگائی گئی کہ وہ بغاوت کرنا چاہتا ہے جب اس سے دریافت کیا تو تعزیر کے ڈر سے اس نے اقرار کر لیا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ایسے جرموں میں انکار کرنے والوں کو طرح طرح کا عذاب دیا جاتا ہے اس کی نسبت ایک دفعہ مرنا آسان ہوتا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بازار کے چوک میں لے جا کر اس کی گردن مار دو چنانچہ قتل ہونے کے بعد تین دن تک نعش وہاں ہی پڑی رہی اس کی والدہ دو برس پہلے اسی جگہ سنگسار کی گئی تھی کیونکہ اس نے زنا کا اقرار کیا تھا اور قاضی کمال الدین نے اس کو سنگسار کیا تھا۔

ایک دفعہ بادشاہ نے ملک یوسف بڑا کی سرداری میں پہاڑ کے ہندوؤں کے ساتھ لڑنے کو ایک بڑا لشکر بھیجا۔ یوسف مع لشکر کے شہر سے باہر نکلا۔ ان میں سے تین سو پچاس آدمی روپوش ہو گئے اور اپنے گھروں کو واپس چلے آئے۔ یوسف نے بادشاہ کو لکھا بادشاہ نے حکم دیا کہ گلی گلی آدمی پھر جائیں جو کوئی فراریوں میں سے ملے اس کو پکڑ لائیں چنانچہ تین سو پچاس آدمی پکڑے گئے ان سب کو ایک ہی جگہ مروا ڈالا۔

(۲۵) شیخ شہاب الدین کو قتل کرنا

شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام (۲۶) خراسانی شہر کے بڑے مشائخوں اور فاضلوں میں سے تھے اور چودہ چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین اور سلطان تغلق ان کی زیارت کو جاتے تھے۔ اور ان سے دعا کی آرزو رکھتے تھے سلطان محمد شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ (۲۷) اختیار کیا کہ مشائخ اور عالموں کو اپنی کچھ کی خدمتیں سپرد کیا کرتا تھا اور یہ دلیل لاتا تھا کہ خلفائے راشدین سوا اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہیں کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین نے انکار کیا۔ جب بادشاہ نے دربار عام میں بالمشافہ کہا تو بھی انکار کیا۔ بادشاہ غصہ ہوا اور شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا کہ شیخ شہاب الدین کی داڑھی کے بال نوچے۔ ضیاء الدین نے انکار کیا اور کہا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کی داڑھی نوچی جائے۔ چنانچہ نوچی گئی۔ ضیاء الدین کو تلنگانہ کی طرف نکال دیا اور کچھ مدت کے بعد اس کو وارنگل (۲۸) کا قاضی مقرر کیا وہ وہاں ہی مر گیا۔ اور شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا وہ وہاں سات برس تک رہے پھر ان کو واپس بلا لیا۔ اور بہت تعظیم و تکریم کی اور ان کو عاملوں سے بقایا وصول کرنے کا کام سپرد کیا۔ پھر ان کو وہاں

سے بلا بھیجا اور ان کی نہایت تعظیم تکریم کی اور ان کو اس محکمہ کا جو عاملوں سے چارہ وصول کرتے ہیں دیوان مقرر کر دیا پھر ان کی تعظیم افزائی کی۔ امیروں کو حکم دیا کہ ان کے پاس سلام کو جایا کریں اور جو کچھ وہ کہیں عمل کیا کریں یہاں تک کہ بادشاہ کے گھر میں کوئی شخص ان سے اعلیٰ عہدہ پر نہیں تھا اور جب بادشاہ نے دریائے گنگ پر جا کر اپنے لیے ایک محل بنایا جس کا نام اس نے "سرگ دوارہ" رکھا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ اپنے اپنے مکان بنا دیں تو شیخ شہاب الدین نے اجازت چاہی کہ وہ دہلی میں رہیں بادشاہ نے ان کو اجازت دے دی اور شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بڑا بنجر رقبہ ان کو دے دیا۔ شیخ شہاب الدین نے اس میں ایک بڑا غار کھدوایا اور اس کے اندر گھر اور گودام اور تنور اور حمام ہر طرح کی تعمیرات بنوائیں اور دریائے جمنا میں سے ایک نہر کاٹ کر زمین کو آباد کیا۔ چونکہ ان دنوں قحط کے دن تھے ان کو غلے کی آمدنی سے بہت فائدہ ہوا۔ اڑھائی برس تک جب تک بادشاہ دہلی سے باہر رہا شہاب الدین اپنے غار میں رہے۔ ان کے خادم دن میں زمین کا کام کرتے تھے اور رات کو مع مویشی کے غار کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے تھے۔ کیونکہ قرب و جوار کے پہاڑوں میں چور بہت رہتے تھے۔ جب بادشاہ دارالخلافہ کی طرف واپس آیا تو شیخ شہاب الدین نے سات میل کے فاصلے پر جا کر بادشاہ کا استقبال کیا۔ بادشاہ نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور خوب گلے لگ کر ملا۔ پھر شیخ شہاب الدین اپنے غار کی طرف واپس چلے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے پھر شیخ کو بلا بھیجا۔ شیخ شہاب الدین نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ بادشاہ نے مخلص الملک ندرباری کو جو امرائے عظام میں سے تھا ان کے پاس بھیجا۔ اس نے نہایت ملائمت سے گفتگو کر کے بادشاہ کے غضب سے ان کو ڈرایا۔ شیخ نے کہا کہ میں اس ظالم (۲۹) بادشاہ کی خدمت ہرگز نہ کروں گا۔ مخلص الملک بادشاہ کے پاس واپس آیا اور جو کچھ شیخ نے کہا تھا اس سے جا کہا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ کو پکڑ لائیں چنانچہ پکڑ لائے۔ بادشاہ نے پوچھا تو مجھے ظالم کہتا ہے شیخ نے کہا ہاں تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں۔ اس نے شہر دہلی کے اجاڑنے اور اس کے باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے اپنی تلوار نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اس کو کہا کہ مجھے ظالم ثابت کر اور میری گردن اس تلوار سے اڑا دے۔ شیخ شہاب الدین نے کہا کہ جو شخص تجھ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا وہ خود قتل کیا جائے گا لیکن تو خود خوب جانتا ہے کہ تو ظالم ہے۔ بادشاہ نے شیخ کو ملک نکبہ

داوادار (۳۰) کے حوالے کیا اس نے ان کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈالیں اور اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں۔ چودہ دن تک برابر شیخ نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ ہر روز اس کو دیوان خانہ میں لاتے تھے اور فقیہوں اور مشائخوں کے سامنے ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے قول کو واپس کریں شیخ نے کہا کہ میں واپس نہیں کرتا اور شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ چودھویں دن بادشاہ نے شیخ کو مخلص الملک کے ساتھ کھانا بھجوایا۔ لیکن شیخ نے کھانے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا رزق زمین سے اٹھ گیا بادشاہ کا کھانا اس کے پاس واپس لے جاؤ۔ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ پانچ استار گوبر کھلا دیں اور پانچ استار (۳۱) مغرب کے اڑھائی رطل کے برابر ہوتے۔ اس کام پر کافر مقرر ہوتے ہیں۔ انہوں نے شیخ کو چت لٹایا اور اس کا منہ سنڈاسیوں سے کھول کر پانی میں ملا کر گوبر پلایا۔ دوسرے دن شیخ کو قاضی صدر جہاں کے پاس لے گئے اور وہاں تمام مولویوں اور مشائخوں اور پردیسیوں نے اس کو نصیحت کی کہ اپنے قول کو واپس لے لیں شیخ نے انکار کیا۔ اس لیے ان کا سر کاٹا گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

(۳۶) بادشاہ کا فقیہ عفیف الدین کاشانی کو قتل کرنا

قحط کے دنوں میں بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ دارالخلافہ کے باہر کنوئیں کھودے جائیں اور ان پر کھیتی کی جائے۔ لوگوں کو اپنے پاس سے بیج دیا اور جو کچھ زراعت کے لیے ضروری تھا وہ ان کے حوالے کیا لیکن یہ زراعت زبردستی ان سے بادشاہی گودام کے لیے کراتا تھا۔ فقیہ عفیف الدین کو اس کی خبر پہنچی۔ اس نے کہا کہ ایسی زراعت سے کچھ نہیں حاصل ہو گا کسی نے بادشاہ سے بھی جا کہا بادشاہ نے اس کو قید کر لیا اور کہا کہ تو امور سلطنت میں کیوں دخل دیتا ہے۔ کچھ دنوں بعد اس کو چھوڑ دیا اور فقیہ اپنے گھر جا رہا تھا کہ رستے میں اس کو دو فقیہ ملے جو اس کے دوست تھے۔ انہوں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ تیری خلاصی ہوئی۔ عفیف الدین نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ظالموں کے ہاتھ سے نجات دی۔ عفیف الدین اپنے گھر کو چلا گیا اور وہ دونوں فقیہ اپنے گھر کو چلے گئے۔ بادشاہ کو خبر پہنچی اس نے کہا کہ تینوں کو حاضر کیا جائے چنانچہ تینوں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عفیف الدین کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں اور ان دونوں کی گردنیں مارنے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے کہا کہ عفیف الدین کا تو یہ قصور ہے کہ اس نے تجھے ظالم کہا لیکن ہمیں کس گناہ پر مارتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے اس کا

کلام سن کر اس کی تردید نہیں کی تو گویا تم نے بھی اس کے قول پر اتفاق کیا چنانچہ تینوں کو (اللہ ان پر رحمت کرے) قتل کیا۔

(۲۷) بادشاہ کا دو سندھی مولویوں کو قتل کرنا

سندھ کے دو مولوی بادشاہ کے ملازم تھے بادشاہ نے ایک دفعہ ایک امیر کو کسی ملک کا حاکم مقرر کیا اور ان دونوں مولویوں کو حکم دیا کہ تم اسی کے ساتھ جاؤ اور ان سے کہا کہ میں نے اس ملک کی رعیت تمہارے سپرد کی ہے اور یہ امیر جو کچھ تم کہو گے اس پر عمل کرے گا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم اس پر بطور دو گواہوں کے ہوں گے اور جو کچھ درست ہوا کرے گا اس کو بتا دیا کریں گے بادشاہ نے کہا کہ تمہاری نیت درست نہیں۔ تمہاری نیت یہ ہے کہ تم پرایا مال کھاؤ اور اس جاہل ترکی کے ذمہ اس کا الزام لگاؤ۔ ان دونوں مولویوں نے کہا کہ اے اخوند عالم پناہ بخدا ہماری یہ نیت نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں تمہاری یہی نیت ہے اور حکم دیا کہ ان دونوں کو شیخ زادہ نہاوندی کے پاس لے جاؤ۔ یہ شخص لوگوں کو عذاب دینے پر مقرر تھا۔ ان دونوں کو اس کے پاس لے گئے اس نے سمجھایا کہ بادشاہ تم دونوں کو قتل کرنا چاہتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا اقبال کر لو۔ اور اپنی جانوں کو عذاب سے بچاؤ۔ ان دونوں نے کہا کہ ہماری نیت وہی تھی جو بادشاہ سے عرض کر دیا گیا ہے شیخ زادہ نہاوندی نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو کچھ عذاب کا مزا چکھاؤ چنانچہ وہ چت لٹائے گئے اور ان کے سینوں پر ایک ایک گرم لوہے کی سل رکھی گئی پھر وہ سل اٹھائی گئی تو تمام سینے کا گوشت اس کے ساتھ آیا۔ پھر زخموں پر پیشاب اور راکھ ملا کر ڈالی گئی۔ اس وقت انہوں نے اقبال کیا کہ ہماری نیت وہی تھی جو بادشاہ کہتا ہے۔ ہم گناہ گار ہیں اور قتل کے مستحق ہیں اگر ہم قتل کیے جائیں تو دین دنیا میں ہمیں کچھ دعویٰ نہیں۔ چنانچہ اس (۳۲) مضمون کا خط ان دونوں نے لکھ دیا اور قاضی کے پاس اس کی تصدیق کرنے کے لیے لے گئے۔ قاضی نے اس پر مہر کی اور اپنے ہاتھ سے لکھا کہ یہ دونوں شخص بغیر اکراہ و جبر کے اقبال کرتے ہیں۔ اگر وہ کہتے کہ یہ اقبال ہم سے زبردستی لیا گیا ہے تو ان کو طرح طرح کا عذاب دیا جاتا۔ انہوں نے سمجھا کہ ایک دفعہ گردن ماری جائے تو عذاب سے بہتر ہے چنانچہ وہ دونوں خدا ان پر رحمت کرے قتل کیے گئے۔

(۲۸) بادشاہ کا شیخ ہود کو قتل کرنا

شیخ زادہ ہود شیخ رکن الدین ملتانی کا پوتا تھا اور بادشاہ اس کے دادا شیخ رکن الدین قریشی کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اسی طرح سے اس کے بھائی عماد الدین کی بھی۔ یہ عماد الدین بادشاہ سے شکل میں بہت ملتا جلتا تھا چنانچہ کشلو خاں کی لڑائی کے دن اس کو دشمنوں نے بادشاہ سمجھ کر مار ڈالا اور جبکہ عماد الدین مارا گیا تو بادشاہ نے اس کے بھائی شیخ رکن الدین کو سو گاؤں جاگیر میں دیئے کہ ان کی آمدنی خانقاہ کے لنگر پر خرچ کرے شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد شیخ ہود اپنے دادا کی وصیت کے بموجب خانقاہ کے متولی مقرر ہوئے لیکن شیخ رکن الدین کی ایک بھتیجی نے تنازعہ کیا اور کہا کہ میں اپنے چچا کی میراث کی زیادہ مستحق ہوں پھر وہ دونوں بادشاہ کے پاس دولت آباد آ گئے۔ دولت آباد ملتان سے ۸۰ (اسی) منزل ہے۔ بادشاہ نے شیخ کی وصیت کے بموجب شیخ ہود کو سجادہ نشین مقرر کر دیا۔ یہ شخص ہود عمر میں بڑا تھا اور شیخ رکن الدین کا بھتیجا ابھی نوجوان تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہود کی نہایت تعظیم اور تکریم کی جائے اور جس منزل میں ٹھہرے بادشاہ کی طرف سے دعوت کی جائے۔ شہر کے مشائخ اور حکام کو حکم دیا کہ اس کا استقبال کرنے جائیں جب وہ دارالخلافہ میں پہنچا تو شہر کے کل مولوی اور قاضی اور مشائخ اس کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے اور میں بھی ان میں شامل ہوا۔ شیخ پالکی میں سوار تھا جس کو آدمی اٹھا کر لے جاتے تھے اور اس کے گھوڑے کوتل چلے آ رہے تھے۔ ہم نے اس کو سلام کیا اور اس کا پالکی میں سوار ہونا پسند نہ کیا۔ میں نے کسی سے ذکر کیا کہ اس کو چاہیے گھوڑے پر سوار ہو جائے اور قاضی اور مشائخ جو اس کا استقبال کرنے آئے ہیں ان کے ساتھ سوار ہو کر چلے۔ کسی نے اس کو بھی کہہ دیا وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور عذر کیا اور کہا کہ بسبب درد کے گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔ جب دارالخلافہ میں پہنچے تو بادشاہ کی طرف سے دعوت دی گئی اور اس میں قاضی اور مولوی اور پردیسی سب بلائے گئے جب کھانا کھا چکے تو ہر ایک کو علی القدر استحقاق نذر بھی دی گئی چنانچہ قاضی القضاۃ کو پانچ سو دینار اور مجھے اڑھائی سو دینار۔ یہ اس ملک کا دستور ہے کہ ہر ایک شاہی دعوت پر اس طرح کی نذریں دی جاتی ہیں۔ پھر شیخ ہود ملتان کی طرف رخصت ہوئے۔ اور بادشاہ نے اس کے ساتھ شیخ نور الدین شیرازی کو بھیجا کہ وہ ملتان میں جا کر ان کو ان کے دادا کا سجادہ نشین کرے اور بادشاہ کے خرچ سے وہاں بھی ایک بڑی دعوت کرے گا۔ شیخ ہود کئی سال تک سجادہ نشین رہا۔

ایک دفعہ عماد الملک حاکم سندھ نے بادشاہ کو لکھا کہ شیخ ہود اور اس کے رشتہ دار مال جمع کرتے ہیں اور بے جا کاموں میں خرچ کرتے ہیں اور خانقاہ میں کسی کو روٹی نہیں دیتے۔ بادشاہ کا حکم صادر ہوا کہ ان کا مال ضبط کر لیا جائے۔ عماد الملک نے ان کو طلب کیا۔ بعضوں کو قتل کیا اور بعضوں کو مار پیٹ کی اور کچھ دنوں تک ہر روز ان سے بیس ہزار دینار وصول کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس کچھ نہ رہا۔ ان کے گھروں سے بہت دولت اور اسباب نکلا۔ چنانچہ ایک جوتیوں کا جوڑا تھا جس پر جواہر اور یاقوت جڑے ہوئے تھے اس کی قیمت سات ہزار دینار تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ جوتیوں کا جوڑا شیخ ہود کی بیٹی کا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کی لونڈی کا جب شیخ پر بہت سختی ہوئی تو اس نے ترکستان میں بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ایک شخص نے اس کو پکڑ لیا۔ عماد الملک نے بادشاہ کو لکھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہود کو اور اس شخص کو جس نے اسے پکڑا ہے ایک جگہ باندھ کر بھیج دے جب وہ دونوں دار الخلافہ میں پہنچے تو جس شخص نے شیخ ہود کو پکڑا تھا اس کو رہا کر دیا اور شیخ سے پوچھا کہ تو نے کہاں بھاگنے کا ارادہ کیا تھا۔ شیخ نے عذر کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تیرا ارادہ تھا کہ تو ترکستان جائے اور وہاں جا کر کہے کہ میں بہاء الدین ذکریا ملتانی کا بیٹا ہوں اور بادشاہ نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اور ترکوں کو مدد پر لائے۔ بادشاہ نے اس کی گردن مارنے کا حکم کیا اور وہ مارا گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

(۲۹) بادشاہ کا تاج العارفین کو قتل کرنا

شیخ شمس الدین ابن تاج العارفین کول شہر میں رہتے تھے۔ وہ تارک الدنیا اور زاہد تھے۔ جب بادشاہ کول میں گیا تو شیخ شمس الدین کو بلا بھیجا وہ نہ آئے تو بادشاہ خود ان کے پاس گیا اور جب ان کے گھر کے قریب پہنچا تو وہ کہیں چل دیے اور بادشاہ سے ملاقات نہ کی اس کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ ایک امیر نے بادشاہ کی بغاوت کی اور لوگوں نے اس کی بیعت کی۔ بادشاہ کو کسی نے جا کر کہا کہ ایک موقع پر جب شیخ شمس الدین کی مجلس میں اس امیر کا ذکر ہو رہا تھا۔ تو شیخ نے امیر کی تعریف کی اور کہا کہ وہ بادشاہی کے لائق ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا کہ شیخ شمس الدین کو قید کر لائے۔ اس نے شیخ کو اور شیخ کے بیٹوں کو اور کول کے قاضی اور محتسب کو قید کر لیا۔ کیونکہ وہ بھی اس مجلس میں حاضر تھے جس میں شیخ نے امیر کی تعریف کی تھی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان تینوں کو قید کیا جائے اور قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں سلائی پھیری جائے شیخ شمس الدین قید میں گئے اور قاضی اور محتسب کو ہر روز بھیک مانگنے کے واسطے باہر لاتے تھے اور پھر قید خانہ میں لے جاتے تھے۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی کہ شیخ شمس الدین کے بیٹے ہندوؤں سے نہایت اختلاط کرتے ہیں اور باغی ہندوؤں کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں جب شمس الدین مر گئے تو ان کے بیٹوں کو قید خانہ سے باہر لائے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ پھر ایسا نہ کرنا انہوں نے کہا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا ہے اس پر بادشاہ کو غصہ آیا اور ان سب کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی کو بلایا اور کہا کہ ان سب کے نام بتا دے جو ان مقتولوں کے ہمراہی تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے۔ اس نے بہت سے ہندوؤں کے نام بتلا دیے۔ بادشاہ نے جب وہ فہرست دیکھی تو کہا کہ یہ شخص میری رعیت کو اجاڑنا چاہتا ہے اس کی گردن مارو۔ چنانچہ اس کی گردن ماری گئی۔

(۳۰) بادشاہ کا شیخ حیدری کو قتل کرنا

شیخ علی حیدری (۳۳) کھمبایت کے شہر میں جو ہندوستان کی ایک بندرگاہ ہے رہتا تھا۔ اس کی بزرگی کا شہرہ دور دور تھا اور سوداگر لوگ سمندر میں اس کے نام کی نذریں مانتے تھے اور جب اس کے سامنے آتے تھے اور اس کو سلام کرتے تھے تو وہ مکاشفہ کے زور سے تمام باتیں ان کو بتلا دیا کرتا تھا۔ بعض وقت جب کوئی سوداگر بڑی نذر مانتا تھا اور پھر اس پر پشیمان ہوتا تھا تو شیخ حیدری اس کو بتلا دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ تو نے اس قدر نذر مانی تھی اور اب اس قدر دیتا ہے۔ کئی دفعہ جو ایسا اتفاق ہوا تو شیخ حیدری کی شہرت بہت ہو گئی۔ جب قاضی جلال افغانی نے کھمبایت کے ملک میں بغاوت کی۔ بادشاہ کو خبر پہنچی کہ شیخ حیدری نے قاضی جلال الدین کے لیے دعا کی ہے اور اپنے سر کی کلاہ اس کو بخشی ہے اور یہ بھی خبر پہنچی کہ شیخ حیدری نے قاضی جلال کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جب بادشاہ خود بہ نفس نفیس بغاوت کو فرو کرنے گیا اور قاضی جلال کو شکست ہوئی تو بادشاہ نے شرف الملک امیر بخت کو کھمبایت میں چھوڑا اور حکم دیا کہ کل باغیوں کی جستجو کرے اور اس کے ساتھ بعض فقیہ بھی چھوڑے اور اس کو کہا کہ ان کے فتوے کے موافق عمل کرتا رہے شیخ علی حیدری کو شرف الملک نے اپنے سامنے بلایا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ اس نے قاضی جلال الدین کو اپنی پگڑی دی تھی اور اس کے واسطے دعا بھی کی تھی۔ فقیہوں نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ لیکن جب جلاد نے اس پر تلوار چلائی تو

تلوار نے کچھ کام نہ کیا اور لوگوں کو نہایت تعجب ہوا۔ لوگوں کا گمان تھا کہ اب اس کو معاف کر دیں گے لیکن شرف الملک نے ایک دوسرے جلاد کو حکم دیا اور اس نے اس کی گردن جدا کی۔

طوفان اور اس کا بھائی فرغانہ کے رئیس تھے۔ وہ بادشاہ کے پاس آئے تھے اور بادشاہ نے ان سے اچھا سلوک کیا تھا۔ وہ بہت دیر تک بادشاہ کے پاس رہے اور جب ایک مدت گزر گئی تو انہوں نے اپنے وطن کی طرف واپس ہونے کا ارادہ کیا اور بھاگ جانے کا بندوبست کیا۔ ان کے کسی دوست نے بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں اور ان کا تمام مال اس شخص کو جس نے ان کی چغلی کھائی تھی اس ملک کے دستور کے موافق دے دیا۔

ملک اتجار کا بیٹا ایک نوجوان تھا جس کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ جب عین الملک نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی جس کا ذکر ہم آئندہ مفصل درج کریں گے تو ملک اتجار کا بیٹا اس کے قابو میں تھا۔ اس نے اس کو بھی اپنے ساتھ لیا جب عین الملک کو شکست ہوئی اور اس کو اور اس کے دوستوں کو پکڑ کر لائے' تو ان میں ملک اتجار کا بیٹا بھی تھا اور اس کا بہنوئی قطب الملک کا بیٹا بھی تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ لکڑی پر باندھ کر ان کو لٹکایا جائے اور امیروں کے بیٹوں کو حکم دیا کہ ان پر تیروں کا نشانہ لگائیں اور اس طرح ان کی جان نکل گئی جب وہ دونوں مر گئے' تو خواجہ امیر علی تبریزی حاجب نے قاضی کمال الدین سے ذکر کیا کہ یہ نوجوان قتل کا مستحق نہیں تھا۔ بادشاہ کو بھی یہ خبر پہنچی بادشاہ نے اس کو بلا کر کہا کہ تو نے اس کے مرنے سے پہلے یہ بات کیوں نہیں کی اور حکم دیا کہ دو سو درے اس کے لگائے جائیں وہ قید خانہ میں بھیجا گیا اور اس کا تمام مال جلادوں کے رئیس کو دیا گیا۔ میں نے دوسرے دن دیکھا کہ یہ شخص امیر علی تبریزی کے کپڑے اور اس کی کلاہ پہنے اس کے گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے دور سے خیال کیا کہ یہ امیر علی تبریزی ہے۔ امیر علی تبریزی کئی ماہ قید میں رہا۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور اس کے منصب پر بحال کر دیا۔ پھر دوسری دفعہ غصہ ہوا اور خراسان کی طرف نکال دیا وہ ہرات میں ٹھہر گیا اور بادشاہ کی طرف ایک عرضداشت بھیجی اور رحم کا طالب ہوا۔ بادشاہ نے اس کی پشت پر لکھ دیا کہ اگر "باز آمدی باز آئی" یعنی اگر توبہ کر لی ہے تو واپس چلا آ۔ چنانچہ امیر علی تبریزی واپس چلا آیا۔

دہلی کے خطیب الخطبا کو بادشاہ نے ایک دفعہ سفر میں حکم دیا کہ وہ جواہرات کے خزانہ کی نگرانی کرے۔ اتفاق سے ایک رات چور آئے اور اس خزانے پر آ پڑے اور اس میں سے کچھ لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ خطیب کو پیٹا جائے چنانچہ وہ پٹتے پٹتے مر گیا۔

(۳۱) بادشاہ کا شہر دہلی کو اجاڑنا

سب سے بڑی بات جس کے لیے بادشاہ کو ملامت کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے تمام دہلی (۳۲) کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ رقعہ لکھ کر ان پر مہر لگاتے تھے اور لفافہ پر لکھتے تھے کہ بادشاہ کے سر کی قسم ہے کہ سوائے بادشاہ کے اور کوئی نہ کھولے اور یہ رقعے رات کو دیوان خانے میں ڈال جایا کرتے تھے۔ جب بادشاہ ان کو کھولتا تھا تو بادشاہ کو گالیاں درج ہوتی تھیں۔ بادشاہ نے دہلی کے اجاڑنے کا ارادہ کیا۔ اور اس کے متوطنوں کے مکان خرید لیے اور ان سب کو گھروں کی پوری پوری قیمت دے دی۔ یہ بھی حکم دیا کہ سب دولت آباد چلے جائیں۔ لوگوں نے انکار کیا تو منادی کی گئی کہ تین دن کے بعد شہر میں کوئی شخص نہ رہے۔ بہت سے لوگ چل پڑے اور بعض اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ بادشاہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ شہر میں جا کر دیکھو کوئی شخص باقی تو نہیں رہا۔ انہوں نے دو آدمی ایک کوچہ میں پائے۔ ایک اندھا اور دوسرا لولا۔ ان دونوں کو بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے لولے کو منجنیق سے اڑا دیا اور اندھے کے واسطے حکم دیا کہ اس کو دلی سے دولت آباد تک جو چالیس دن کا راستہ ہے گھسیٹ کر لے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس کا ایک پیر دولت آباد پہنچا۔ جب لوگوں نے یہ حال دیکھا تو کل آدمی اپنے اسباب اور اموال چھوڑ کر نکل گئے اور شہر سنسان ہو گیا ایک معتبر آدمی نے مجھ سے ذکر کیا کہ بادشاہ ایک رات اپنے محل کی چھت پر چڑھا اور شہر کی طرف دیکھا تو اس کو آگ نہ دھواں اور نہ چراغ کچھ نظر نہ آیا۔ بادشاہ نے کہا اب میرا دل ٹھنڈا ہوا اور پھر اور شہروں کے باشندوں کو حکم دیا کہ دہلی میں آ کر رہیں چنانچہ اور شہر بھی خراب ہو گئے لیکن دلی آباد نہ ہوئی۔ جب ہم شہر میں داخل ہوئے تو اس وقت تک دلی بالکل غیر آباد تھی اور اس میں کوئی کوئی مکان آباد تھا۔ اب آئندہ ہم ان واقعات کا ذکر کریں گے جو اس وقت میں ہوئے۔

حوالہ جات

(۱) فرشتہ نے اس بادشاہ کے خصائل کا بہت عمدہ خاکہ کھینچا ہے اس کی سخاوت و خونریزی اور غربا پروری کی بابت فرشتہ سے نقل کر چکا ہوں۔ مسالک الابصار کے مصنف شہاب الدین دمشقی عمری کی تحریر سے بھی اس تمام بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس نے یہ زیادہ لکھا ہے کہ بادشاہ حافظ قرآن شریف تھا۔ اور ہدیہ کا کل تین بھی اس کو بر زبان تھا۔ اس بادشاہ کی خونریزی کی شہادت فیروز شاہ اپنی فتوحات میں ضمنا" دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "جماعتے راکہ خداوند من سلطان محمد تغلق شاہ مرحوم بجہت سیاست گرفتہ قطع اعضا نمودہ بودوارثان و فرزند و ورثہ آنہا ہر کرایا تحتم بانعام و وظیفہ خوشدل ساختم و خط ابرائے ذمہ سلطان مرحوم ازایشاں گرفتہ و بمہر اکابر و اشراف رسانیدہ در مقبرہ بادشاہ تغلق شاہ گزاشتم۔" بعض نسخوں میں "درودارالامان" کے الفاظ بھی ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی قبر بھی شاید دارالامان میں ہو۔ جہاں سلطان غیاث الدین بلبن کی قبر ہے اور سلطان غیاث الدین تغلق کے مقبرہ میں نہیں۔ اگر یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ دونوں عمارتوں کو دارالامان کہتے ہوں۔

(۲) ابن بطوطہ کے اس قول کی تصدیق اس کے ہم عصر ابن خلدون مشہور مورخ کی تحریر سے ہوتی ہے۔ وہ ابن بطوطہ کا ذکر کر کے کہتا ہے کہ میں نے فارس وزیر سلطان ابو عنان سے کہا کہ یہ بیانات میری سمجھ میں نہیں آتے کچھ مبالغہ آمیز معلوم ہوتے ہیں۔ وزیر نے ابن خلدون کو سمجھایا کہ تمہارا حال بعینہ اس وزیر کے بیٹے کے مشابہ ہے۔ جس نے اپنے باپ کے ساتھ جیل خانہ کی کوٹھڑی میں پرورش پائی تھی اور جس جانور کا ذکر اس کے سامنے کیا جاتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ کیا یہ جانور چوہے سے بڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے آنکھ کھول کر سوا چوہے کے کوئی اور جانور نہیں دیکھا تھا۔ جب اس قدر مستند مورخ کا یہ حال تھا تو بے شک اور لوگ ابن بطوطہ کی باتوں کو کہانیاں سمجھتے ہوں گے۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون۔

(۳) ہزار ستون سلطان ناصر الدین محمود نے رائے پتھورا کے قلعہ میں ایک محل بنوانا شروع کیا تھا اور غیاث الدین بلبن نے اس کو پورا کیا تھا۔ اس کا نام بھی ہزار ستون تھا لیکن یہ ہزار ستون جس کا ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے وہ ہے جو سلطان محمد بن تغلق نے جہاں پناہ میں بنوایا تھا۔ بدرچاچ اس محل کی تعریف میں کہتا ہے۔

اگر نہ خلد برین ست این ہزار ستون
چرا فضائے درش عرصہ گاہ روز جزاست

اثار الصنادید میں سید احمد خاں لکھتے ہیں کہ یہ ستون سنگ خارا کے تھے لیکن اس پرانے ہزار ستون کے ستون خارا کے ہوں گے۔ کیونکہ ابن بطوطہ چشم دید لکھتا ہے کہ اس ہزار ستون کے ستون لکڑی کے تھے۔

(۴) مسالک الابصار کے مصنف نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں امیروں کے کئی درجے ہیں سب سے اعلیٰ درجے کے امیر خان کہلاتے ہیں۔ دوسرے درجے کے ملک تیسرے درجے کے امیر چوتھے درجے کے سپہ سالار پانچویں درجے کے جند۔ بادشاہ کے دربار میں اسی (۸۰) خان ہیں۔ بادشاہ کے لشکر میں ۹ لاکھ سوار ہیں کچھ تو ان میں سے بادشاہ کے پاس رہتے ہیں اور اکثر امیروں کے پاس ملک کے مختلف حصوں میں۔ اس لشکر میں ترک اور ختائی اور ایرانی اور ہندوستانی ہر قوم کے لوگ موجود ہیں گھوڑے بہت عمدہ ہوتے ہیں اور وردی اور ہتھیار بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں مصر اور شام کی طرح یہ دستور نہیں ہے کہ امیر اور حاکم اپنے طور پر فوج رکھیں بلکہ کل فوج بادشاہ کے خزانہ سے تنخواہ پاتی ہے خان یا ملک یا امیر کی تنخواہ ذاتی ہوتی ہے خان کے ماتحت دس ہزار فوج ہوتی ہے اور ماتحت ایک ہزار امیر کے ماتحت سو آدمی اور سپہ سالاروں کے ماتحت اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ خان کو تنخواہ میں دو لاکھ ٹنکہ کی جاگیر دی جاتی ہے ایک ٹنکہ آٹھ درہم کا ہوتا ہے ملک کی جاگیر پچاس ہزار سے ساٹھ ہزار تک امیر کی تیس ہزار سے چالیس ہزار تک اور سپہ سالار کی بیس ہزار اس تنخواہ میں سے انہیں فوج کو کچھ دینا نہیں پڑتا۔ اس کے علاوہ کھانے اور کپڑے اور گھوڑے کے چارہ دانہ کا خرچ خزانہ شاہی سے ملتا ہے۔ سوا خان اور ملک اور امیر اور سپہ سالار کے باقی فوج کو نقد تنخواہ ملتی ہے۔

(۵) بارگہ - آئین اکبری جلد اول صفحہ ۴۳ پر بارگہ کی شکل بنائی ہوئی ہے۔ ابو الفضل لکھتا ہے کہ بڑی بارگاہ کے نیچے دس ہزار کے قریب آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور اس کو ایک ہزار فراش سات دن کے عرصے میں کھڑا کرتے ہیں۔ سادہ بارگہ کے بنانے میں کم سے کم دس ہزار روپیہ لاگت آتی ہے اگر زربفت و مخمل اور طلا لگا دیں تو کوئی حد نہیں۔

(۶) انگیٹھی - بدرچاچ نے اپنے ایک قصیدہ میں جو جشن کی تعریف میں لکھا ہے۔ اس طلائی انگیٹھی کا ذکر کیا ہے۔

زاں چہار گوشہ بحر زریں میانا صحن
کز بوے او مشام ملائک معطر است
وز دوش سوا دیدہ حوراں جنت است
عطرش عقار عالیہ حوض کوثر است

(۷) فرشتہ نے لکھا ہے کہ جب سلطان محمد بن تغلق اپنے باپ کے مرنے کے چالیس دن بعد تغلق آباد سے دہلی کے شہر میں داخل ہوا۔ "در شہر کوس شادی زدند قبا بستند و بازار ہا کوچہا آراستند و دراں روز تنکہ ہائے سرخ و سفید بر فیلاں بار کردہ در اثنائے عبور سلطان از پیش و پس در کوچہ و بازار و پشت بامہا بر مردم پاشیدند" سلطان علاء الدین حسن گانگوی بہمنی کے بیٹے کی شادی کے بیان کے وقت پر فرشتہ بیان کرتا ہے۔ "در حسن آباد گلبرگہ چند جا تختہ ہا نصب کردند و انواع شتاب و حبوبات کہ متعارف ہندوستان است بر آں گذاشتہ بر مردم شہرے پاشیدند۔"

(۸) مصنف مسالک الابصار شیخ مبارک کی زبانی لکھتا ہے کہ بادشاہ ہر روز دو وقت اجلاس کرتے ہیں۔ ایک صبح کو دوسرا شام کو اجلاس کے ختم ہونے کے بعد عام دستر خوان بچھاتے ہیں۔ اس پر بیس ہزار کے قریب آدمی کھانا کھاتے ہیں۔ بادشاہ کے ساتھ خاص دستر خوان پر دو سو آدمی جو عالم فاضل ہوتے ہیں کھانا کھاتے ہیں اور اس وقت علمی گفتگو ہوتی ہے شیخ ابوبکر بن خلال بزی کی زبانی اسی مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے بادشاہی میر سامان سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ باورچی خانہ کے لیے ڈھائی ہزار بیل اور دو ہزار بکری و بھیڑ ہر روز ذبح ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مادہ گاؤ کو ذبح کرنے کا دستور نہیں تھا تاکہ مویشی کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو۔

(۹) خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل ہو جانے کے تین برس بعد ۶۵۹ ہجری میں اس کا چچا امیر ناصر الدین ستا کے ساتھ مصر میں پہنچا۔ وہاں اس کی بیعت کی گئی اور مستنصر باللہ نام رکھا گیا۔ پھر ملک طاہر بیبرس نے اس کو لشکر دے کر بغداد فتح کرنے کے لیے بھیجا ۶۶۰ ہجری میں حشیشہ کی لڑائی میں وہ یا تو مارا گیا اور یا پکڑا گیا کچھ پتہ نہ لگا بھاگنے والوں میں ایک شخص تھا جو خلیفہ مسترشد باللہ کی پانچویں پشت میں تھا وہ مصر کو چلا گیا وہاں ۶۶۱ ہجری میں ملک طاہر نے مصلحتاً مغلوں کے حملات روکنے اور مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اس کو خلیفہ بنا کر اور الحاکم بامر اللہ ابو العباس احمد اس کا نام رکھ کر اس سے بیعت کی۔ ۷۰۱ ہجری تک وہ خلیفہ رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا المستکفی باللہ خلیفہ ہوا اور ۷۴۰ ہجری تک رہا۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا الواثق باللہ ابراہیم ایک سال تک رہا اور پھر ۷۴۲ء ہجری میں مستکفی کا بیٹا الحاکم بامر اللہ احمد ابو العباس خلیفہ ہوا اور ۷۵۳ء ہجری تک رہا۔ اگرچہ ۷۴۳ء ہجری تک ہندوستان کے سکوں میں خلیفہ المستکفی باللہ کا نام چلا آتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس وقت تک اس کے فوت ہونے کی خبر نہیں پہنچی ہوگی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ خلفائے عباسیہ کی اجازت کے بغیر سلطنت کا کوئی شخص مستحق نہیں ہوتا اس لیے غائبانہ خلیفہ کے نام پر بیعت کر کے سکہ خلیفہ کے نام کا شروع کردیا اور اگرچہ خلیفہ کا منشور ۷۴۴ء ہجری میں حاجی سعید صرصری کے ہاتھ پہنچا لیکن عملدر آمد پہلے ہی شروع ہوگیا تھا اور دو تین سال کے عرصے میں تیسرا خلیفہ خلافت پر متمکن ہوچکا تھا۔ یہ اجازت نامہ جو شیخ رکن الدین کی معرفت آیا تھا۔ دوسرا تھا۔

(۱۰) اس خیال سے کہ آل عباس کے خلفائے برحق ہیں اور جو کوئی شخص بغیر ان کی اجازت کے سلطنت کرتا ہے اس کی متابعت مسلمانوں پر فرض نہیں ہے اکثر بادشاہ ایران و ترکستان کے خلفائے بغداد سے سند حاصل کر لیتے تھے چنانچہ محمود غزنوی نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے یہ سند اور یمین الدولہ ولی امیر المومنین کا خطاب حاصل کیا ان دنوں میں خلفائے عباسیہ کی سلطنت برائے نام تھی اور وہ اسی کو غنیمت سمجھتے تھے اور یہ خیال کر کے کہ بغیر ان کی اجازت کے کوئی شخص مسلمانوں پر سلطنت نہ کرے اکثر اجازت دے دیتے تھے سلاطین غزنی و غور میں سے اکثر ایسا کرتے تھے کہ سکہ پر بھی ایک طرف خلیفہ وقت کا نام لکھواتے تھے اور ان میں سے اکثر اگرچہ کوئی باضابطہ اجازت حاصل نہیں کرتے تھے لیکن اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ ناصر امیر المومنین یا قسیم امیر المومنین یا ولی امیر المومنین کا جملہ ضرور تحریر کرتے تھے۔ امیر المومنین خلیفہ عباسی موجودہ وقت سے مراد ہوتی تھی چنانچہ قطب صاحب کی لاٹ پر "معظم کلمۃ اللہ العلیا ابو المظفر محمد بن سام قسیم امیر المومنین خلد اللہ ملکہ" اور جامع مسجد دہلی کے دروازے کے کتبہ پر "معز الدنیا و الدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین" اور سلطان معز الدین غوری کے دینار کے ایک طرف "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الناصر الدین امیر المومنین" اور التمش کے ایک تنکہ پر ایک رخ پر "فی عہد الامام المستنصر امیر المومنین" اور ناصر الدین محمود بن التمش کے ایک سکہ پر یہی عبارت اور رضیہ سلطان کے سکہ پر بھی ایک رخ پر یہ ہی عبارت درج ہے یہاں تک کہ بغداد کا آخری خلیفہ المستعصم باللہ ۶۵۶ ہجری میں قتل بھی ہوگیا اور خلافت کا خاتمہ ہوگیا تو بھی ۶۸۰ء کے سکوں میں جو غیاث الدین کے وقت میں مضروب ہوئے الامام المستعصم امیر

المومنین درج ہوتا رہا۔ یہ خوش اعتقادی سے ہوگا ورنہ خلیفہ کے مارے جانے کی خبر ایسی نہیں تھی کہ پوشیدہ رہ سکتی اور گڑھ کتیسر کی مسجد کے کتبہ میں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے وقت میں تیار ہوئی تھی "غیاث الدنیا و الدین ابو المظفر بلبن السلطان ناصر امیر المومنین ۶۸۲ ہجری" درج ہے بلکہ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے وقت میں جو سکے مضروب ہوئے یعنی ۶۹۱ ہجری تک ایک رخ پر "الامام المستعصم امیر المومنین" لکھتے رہے اور یہی حال ۶۹۵ ہجری تک رہا۔ علاء الدین خلجی کے سکوں پر "سکندر ثانی یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین ۷۰۹ ہجری" لکھا جاتا تھا لیکن اس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ خود ہی امام اور امیر المومنین بن بیٹھا چنانچہ اس کے سکے کے ایک طرف "الامام الاعظم خلیفہ رب العالمین قطب الدنیا و الدین ابو المظفر مبارک شاہ" اور دوسری طرف "السلطان ابن السلطان الواثق باللہ امیر المومنین ۷۱۸ ہجری" درج ہے۔ خسرو نو مسلم اپنے سکوں پر اپنے تئیں ولی امیر المومنین اور سلطان غیاث الدین تغلق ناصر امیر المومنین لکھتے رہے۔ اور بنگالہ کے بادشاہ ۷۱۸ ہجری تک "الامام المستعصم امیر المومنین" لکھتے رہے۔ سلطان محمد تغلق نے ۷۴۱ ہجری تک اپنے سکوں میں نہ تو کسی خلیفہ کا نام لکھا اور نہ اپنے تئیں ناصر امیر المومنین لکھا۔ سرگدواری کے قیام کے دنوں میں شاید خراسان و عراق و شام و مصر کے لوگوں کی صحبت کے اثر سے اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر بادشاہی کرنا تغلب میں داخل ہے۔ اس نے ۷۴۱ ہجری میں غائبانہ خلیفہ کے نام پر بیعت کر کے سکوں میں اس کا نام اپنے نام کی بجائے شروع کردیا اور خلیفہ کے پاس ایک عرضداشت بھیجی۔ ۷۴۱ ہجری میں بھی خلیفہ المستکفی باللہ مرچکا تھا لیکن ہندوستان میں اس کے مرنے کی خبر اس وقت تک نہیں پہنچی جب تک خلیفہ کا قاصد سعید صرصری ۷۴۴ ہجری میں خلیفہ کا اجازت نامہ لے کر نہ آیا۔ لیکن محمد تغلق ۷۴۲ و ۷۴۳ و ۷۴۴ ہجری کے سکوں میں المستکفی باللہ کا نام لکھتا رہا۔ جس وقت قاصد پہنچا تو المستکفی باللہ کے بعد ابراہیم واثق ایک سال خلیفہ رہ کر اس کی بجائے ابو العباس احمد الحاکم بامراللہ ۷۴۱ ہجری میں خلیفہ مقرر ہوچکا تھا لیکن ہندوستان میں اس کے تقرر کی خبر نہ پہنچی تھی۔ حاجی سعید کے آنے کے بعد بادشاہ نے حاجی رجب کو پھر خلیفہ کے پاس بھیجا۔ ضیاء برنی نے حاجی سعید کے آنے کی تاریخ ۷۴۴ ہجری لکھی ہے اور یہ لکھا ہے کہ دو سال کے بعد حاجی رجب اور شیخ رکن الدین آئے۔ بدر چاچ سے اس تاریخ کی صحت کی تائید ہوتی ہے وہ کہتا ہے۔

ہم بتاریخے کہ ماہ از سال ہفصد شد فزوں

دنیا ... کرم ... سلطان ... رحیم

فرشتہ نے حاجی سعید صرصری اور حاجی رجب کے آنے کا حال بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے لیکن ابن بطوطہ نے حاجی سعید کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا اور شیخ رکن الدین کا بہت مختصر ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حاجی سعید صرصری کے آنے کے وقت تو وہ جزائر مالدیپ میں تھا اور شیخ رکن الدین کا حال اس نے یا تو چین جانے سے پہلے معبر میں سنا ہوگا یا چین سے واپس آکر عرب یا شام میں سنا ہوگا۔ یہ دونوں واقعات اس کے سامنے کے ہرگز نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے بھی یہ اجازت حاصل کی تھی۔ چنانچہ فتوحات فیروز شاہی میں درج ہے کہ خلیفہ نے اس کو اجازت نامہ اور سید السلاطین کا خطاب اور ایک خلعت اور علم اور شمشیر اور انگشتری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کا نشان بھیجا تھا۔ یہ قدم اب شاہزادہ فتح خاں کی قبر کے اوپر لگا ہوا ہے اور اب تک موجودہ شہر کے باہر اجمیری دروازہ سے تھوڑی دور واقع ہے۔ ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں بارہ وفات کے موقع پر وہاں بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے۔ یہ قدم شریف ۷۷۵ ہجری میں آیا تھا۔

(۱۱) مقابر جزیرہ مکاسر کی طرف منسوب ہے جو جاوا اور بورنیو کے قریب ہے۔

(۱۲) تمیسندہ۔ اس لفت کا پتہ نہیں لگا۔ معلوم نہیں کہ تی سندہ کیا چیز ہے۔

(۱۳) تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیۃ الحرانی۔ حران واقع عراق میں ۶۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تاتاروں کے ظلم سے ان کا باپ ۶۶۷ ہجری میں دمشق میں چلا آیا تھا۔ یہاں آکر انہوں نے تعلیم پائی۔ ۱۱ سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا اور حساب اور فقہ اور نحو اور اصول فقہ سے فارغ ہوگئے اور سترہ سال کی عمر میں مناظرہ اور فتوے میں اچھے اچھے معتمد عالموں کو خاموش کر دیتے تھے۔ اس عمر میں تصنیف و تالیف شروع کی اور تمام علوم و متداولہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ ہر ایک فن میں اعلیٰ سمجھے جاتے تھے۔ حسن اخلاق اور چال چلن کی پاکیزگی اور عصمت اور عفت نے علم کی روشنی کو دوبالا کردیا۔ حق گوئی میں آپ کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے اور شمشیر برہنہ تھے۔ تمام اہل عصر و متاخرین اتفاق کرتے ہیں کہ اس جامعیت کا کوئی عالم کم ہوا ہوگا۔ چنانچہ ہر ایک فن میں ان کی تصنیف ہے۔ پانسو کتابیں (جو چار ہزار جزو میں ہیں) آپ کی تصنیف سے ہیں اور تصانیف بھی ایسی ہیں جو ہر ایک فن میں نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔ تیس سال کی عمر میں آپ کے علم اور زہد اور آزاد طبعی کا چرچا تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا تھا۔ ہر جمعہ کے دن صبح کلام اللہ کی تفسیر کا وعظ کرتے تھے۔

وہ ایسا صاحب تاثیر تھا کہ سینکڑوں گمراہ ہدایت پاتے تھے۔ علم کلام میں ایک کتاب العقل والنقل چار جلدوں میں آپ نے ایسی تصنیف کی ہے۔ جو اس فن میں لاثانی سمجھی جاتی ہے۔ تاتاریوں کے خلاف امیروں اور عوام کو برانگیختہ کرنے میں آپ نے بہت بڑا حصہ لیا تھا قبول عام کے سبب سے ان کے ہم عصر عالم دشمن ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے چند مسائل کے متعلق جو اس زمانے کے مذاق کے مخالف تھے۔ سلطان مصر کو ان کے خلاف کر دیا۔ بڑا بھاری مسئلہ ان میں زیارت قبور و مزارات کا تھا۔ مناظرہ میں آپ اپنے مخالفوں پر ہمیشہ غالب ہوتے تھے لیکن بادشاہی غیر محدود اختیارات کا کچھ جواب نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ مدت تک مختلف قلعوں میں قید رہے۔ لیکن اکثر موقعوں پر قید کچھ تکلیف دہ نہ تھی آپ کو تصنیف و تالیف و مطالعہ کرنے اور لوگوں کو آپ کے پاس آنے جانے کی اجازت ہوتی تھی۔ جب کتابیں بھی آپ کے پاس سے لے لی گئیں تو یہ صدمہ سخت تھا۔ اس کے بعد آپ چند ماہ زندہ رہے آپ نے قلعہ دمشق میں حالت قید میں ہی وفات پائی آپ کے سامنے کسی نے تھا کہ ایک حاکم کے ظلم کی شکایت کی آپ فوراً اس کے پاس چلے گئے اس نے مسخری سے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود حاضر ہوتا۔ آپ نے کہا کہ میں موسیٰ کے غلاموں کا رتبہ نہیں رکھتا اور تو ظلم و کفر میں فرعون کو نہیں پہنچتا لیکن موسیٰ علیہ السلام ہر روز تین دفعہ فرعون کے پاس آتے تھے اور اس کو ایمان کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ کے جنازہ کے ساتھ دو لاکھ مرد و عورت کا اندازہ کیا گیا تھا اور عوام کو آپ کے ساتھ اس قدر اعتقاد تھا کہ آپ کا ٹوپ پانسو درہم میں ایک شخص نے لیا اور اسی طرح سے اور چیزیں ہاتھوں ہاتھ لوگ لے گئے۔ آپ کی وفات ۷۲۸ ہجری میں ذیقعد کی ۲۲ تاریخ کو ہوئی۔ آپ حنبلی مذہب تھے لیکن مجتہد کا رتبہ رکھتے تھے اور آپ کا اس وقت پیدا کرنا مذہب اسلام کی بہتری کے لیے حکیم مطلق کی حکمت سے خالی نہ تھا۔ ابو حیان نحوی نے یہ شعر آپ کی تعریف میں کہے ہیں۔

قام ابن تیمیۃ فی نصر شرعتنا
مقام سید تیم از عصت مضر
فاظہر الحق از آثارہ درست
واخمد الشر او طارت لہ الشرر
کنا تحدث عن حبر یجی فہا
انت الامام الذی قد کان منتظر

(۱۴) قاضی مجد الدین۔ شیخ مجد الدین اسماعیل شیرازی شاہ ابو اسحاق بادشاہ شیراز کے وقت میں شیراز کے قاضی تھے ابن بطوطہ نے اول جلد میں ان سے اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے آپ خواجہ حافظ کے ہم عصر تھے چنانچہ خواجہ حافظ نے اپنے مشہور قطعہ میں آپ کی تعریف حسب ذیل کی ہے۔

دگر مربی اسلام شیخ مجد الدین
کہ قاضی بہ ازو آسماں ندارد یاد

آپ کی وفات ۱۹ رجب ۷۵۶ ہجری میں ہوئی۔ خواجہ حافظ نے آپ کی تاریخ وفات میں یہ قطعہ کہا ہے۔

مجددیں سرور قضات جہاں اسماعیل
کہ زدے کلک زباں آورش از شرع نطق
ناف ہفتہ بد از ماہ رجب ایزدہ روز
کہ بروں رفت ازیں منزل بے نظم و نسق
کنف رحمت حق منزل اودان ونگہ
سال تاریخ و فاتش بجواز رحمت حق

(۱۵) حاجی گاون۔ سلطان ابو سعید خان نے ۷۳۶ ہجری میں انتقال کیا۔ وہ لاولد تھا چونکہ ہلاکو خان کی اولاد میں سے کوئی شخص اس کی رائے میں بادشاہت کے قابل نہ تھا۔ اس لیے اس نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد اربا خان جو ہلاکو کے بھائی ارتق بوکا خان کی اولاد سے تھا تخت نشین ہو لیکن سلطان ابو سعید خان کے بعد سلاطین مغل کا کام اس طرح بگڑ گیا تھا جیسا کہ ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کا اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی وفات کے بعد کسی طرح اور کسی کے قابو کی بات نہ رہی۔ ہر ایک امیر اور شاہزادہ کے دل میں یہ ہی سمائی کہ میں خود مختار بن جاؤں۔ اربا خان نے ہلاکو کی اولاد کے شاہزادوں کو مارنا شروع کیا معلوم ہوتا ہے۔ اسی مصیبت سے بچنے کے لیے یہ حاجی گاون ہندوستان کو چلا آیا تھا لیکن اس کے بھائی موسیٰ اور طغا تیمور خاں تخت کے لیے کشمکش کرتے رہے۔ جب اربا خان مارا گیا اور حاجی گاون واپس پہنچا تو اس وقت عراق عرب میں ایک شخص سلیمان جو بشوت ابن ہلاکو خان کی اولاد سے تھا بادشاہ بن بیٹھا تھا اور خراسان میں حاجی گاون کا بھائی طغا تیمور خاں تھا۔ طغا تیمور نے کئی دفعہ عراق عرب پر حملہ کیا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ حاجی گاون نے اس کو ملامت کی اور خود ایک ہزار لشکر لے کر چلا لیکن ابہر کے مقام پر اس نے شکست

کھائی۔ یہ ۷۴۱ ہجری کا واقعہ ہے۔ تھوڑے دن کے بعد خراسان میں سرداروں نے زور پکڑا اور طغا تیمور خاں نے اپنے بھائی شیخ گاؤن کی ماتحتی میں ان کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر بھیجا لیکن آب گرگان کے قریب اس نے شکست کھائی اور شیخ گاؤن مارا گیا۔ یہ حال روضۃ الصفا میں درج ہے۔ ابن بطوطہ کی روایت سے مختلف ہے۔ ابن بطوطہ اس واقعہ کے بعد ہی ایران میں گیا ہے اور چونکہ وہ حاجی گاؤن کا واقف تھا اس لیے اس کے بیان پر روضۃ الصفا کے بیان سے زیادہ اعتبار ہونا چاہیے۔ روضۃ الصفا ڈیڑھ سو سال بعد لکھی گئی ہے۔

(۱۶) المستعصم باللہ۔ ۶۵۶ ہجری تک خلیفہ رہا۔ یہ خلیفہ لائق اور منتظم تھا۔ اس کے وقت میں کچھ امید ہوئی تھی کہ خلفائے بغداد پھر اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو حاصل کریں گے لیکن اس کا بیٹا مستعصم اچھا جانشین نہ نکلا اور اس پر خلفائے بغداد کی حکومت پانچ سو چوبیس برس کے بعد ختم ہوگئی۔ خلفائے مصر برائے نام ۶۵۹ ہجری سے لے کر ۹۲۳ ہجری تک رہے کل مدت خلفائے عباسیہ کی بغداد اور مصر میں ملا کر آٹھ سو پانچ سال ہوتی ہے۔ یہ مدت دنیا کی جدید تاریخ میں سب سے زیادہ دراز ہے۔ سلاطین عثمانیہ کی سلطنت کی بنیاد ۶۹۹ ہجری میں پڑی اور آج تک ان کو چھ سو چودہ سال ہوئے ہیں (خدا تعالیٰ اور زیادہ کرے) لیکن خلفائے بغداد کی سلطنت واقعی تو فقط ۹۲۳ ہجری تک رہی ہے اور اس کے بعد برائے نام تھی اور سلطنت عثمانیہ اگرچہ بیچ میں تھوڑے دن ضعیف ہوگئی تھی لیکن ان کی سلطنت ہمیشہ سلطنت واقعی رہی ہے۔

(۱۷) قثم بن عباس ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کا مزار سمرقند میں ہے ابن صالح مفسر لکھتا ہے کہ حضرت عباس کے بیٹوں کی قبریں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہیں قثم کی سمرقند میں۔ عبداللہ کی طائف میں فضل کی شام میں اور معبد کی افریقہ میں۔ یہ اس زمانے کی طوالت کی تفسیر ہے۔ حضرت قثم کی وفات امیر معاویہ کے ایام خلافت میں واقع ہوئی۔

(۱۸) فرشتہ سے ابن بطوطہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے "در ہماں آوان مخدوم زادہ بغدادی کہ ظاہرا از دودمان عباسی بود بہند آمد بادشاہ تا قصبہ پالم استقبال کردہ دو لک تنکہ ریگ بر گرد و کوشک سیری و تمام محصول زمین داخل حصار و باغات بانعام او مقرر فرمود و ہرگاہ مخدوم زادہ عزم ملاقات کردے سلطان از تخت فرود آمدہ گامے چند پیش رفتے و اورا در پہلوے خود بر تخت متمکن ساختے و بارہا تمام پیش او نشستے"۔ فرشتہ کی تحریر کے مطابق مخدوم زادہ

عباسی ۷۳۳ ہجری کے بعد آیا ہے لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کے آنے کے بہت دنوں بعد چین کے سفر کو چلا ہے اور اس لیے کم سے کم اس کے آنے کا سال ۷۴۳ ہجری ہونا چاہیے۔

(۱۹) اس محل کو محل سبز کہتے تھے سبز کہلانے کی وجہ ظاہراً یہی ہوگی کہ اس پر سبز رنگ کا کاشی کا کام ہوگا۔ بیری کے معنے آئین اکبری کے محشی نے گھر کے لکھے ہیں۔

(۲۰) مہنا۔ تاریخ جدولیہ میں درج ہے کہ خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل ہو جانے کے بعد اس کا چچا جو بغداد میں قید تھا اور بھاگ کر عراق کے عربوں میں پناہ گزیں ہوا تھا ۶۵۹ ہجری میں عرب سرداروں کے ہمراہ جن میں امیر ناصر الدین مہنا بھی تھا۔ ملک ظاہر بیبرس کے پاس مصر میں چلا گیا۔ ملک ظاہر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے ساتھ ایک لشکر کر دیا لیکن حدیثہ کے مقام پر اس نے تاتاریوں سے شکست کھائی اور خلیفہ کا کچھ پتہ نہ لگا۔ اس لڑائی میں ابو العباس احمد بھی تھا جو خلیفہ مسترشد باللہ کی اولاد سے تھا وہ میدان جنگ سے بھاگ کر امیر عیسیٰ بن مہنا کے پاس رحبہ میں چلا گیا۔ امیر عیسیٰ بن مہنا نے ملک ظاہر بادشاہ مصر سے خط و کتابت کی اور امیر عیسیٰ اس کو مصر میں لے گیا۔ ایک سال تو ملک ظاہر نے گم شدہ خلیفہ کا انتظار کیا لیکن ۶۶۱ ہجری میں ابو العباس احمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر سیف الدین بھی اسی امیر مہنا کا پوتا تھا اور چونکہ اس خاندان نے خلفائے عباسی کے بحال کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ اور سلطان محمد تغلق خاندان خلفائے عباس سے خاص عقیدت رکھتا تھا۔ اس لیے امیر سیف الدین کی اس قدر عزت بھی اس نے اسی باعث سے کی تھی۔

(۲۱) کوشک لعل۔ آثار الصنادید میں درج ہے کہ سلطان جلال الدین خلجی نے ۶۸۹ ہجری میں ایک محل بنایا اور کوشک لعل اس کا نام رکھا۔ اب اس محل کا پتہ نہیں ملتا کہ کہاں تھا اور کیا ہوا۔ سلطان نظام الدین اولیا کے مزار کے پاس ایک کھنڈر لال محل کے نام سے مشہور ہے۔ شاید کوشک لعل وہی ہو۔

(۲۲) یہ بینہ سہرا تھا جو فقط ہندوستان کی رسم ہے اور شادی کے دن دولہا کے سر پر باندھا جاتا ہے۔

(۲۳) ابن بطوطہ جو پہلے لکھ آیا ہے کہ قوم اور ارباب نشاط عموماً نماز پڑھتے تھے اور ان کی مسجدوں میں تراویح کی جماعت ہوتی تھی اس کا سبب غالباً یہی معلوم ہوگا ورنہ اس فرقے کو نماز اور تراویح سے کیا واسطہ۔

(۲۴) محاصل۔ غیر شرعی محاصل کی ایک فہرست فیروز شاہ نے دی ہے وہ اپنی فتوحات میں لکھتا ہے "دو بیست وجہات نامعقول کہ بعلم داخل مال واجبی کردہ ہر سال بز جزے گرفتند مثل چرائی و گل فروشی و نیل گری و ماہی فروشی و ندافی و ریسمان فروشی و نخود بریاں گری و دوکانہ و قمار خانہ و داد بیگی و کوتوالی و احتساب ہمہ را برطرف کردم" لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو سلطان محمد تغلق نے یہ محصول پھر عائد کر دیے ہوں گے یا اس کے مرنے کے بعد فیروز شاہ کی سلطنت کے شروع میں عائد ہو گئے ہوں گے۔

آئین اکبری میں ابو الفضل نے جو فہرست ایسے محصولات کی دی ہے جن کو اکبر بادشاہ نے موقوف کیا تھا وہ یہ ہے۔ جزیہ (جو سوا اہل اسلام کے فی کس ہر شخص سے لیا جاتا تھا) میر بحری۔ کر (بڑے بڑے معابد پر جانے کا محصول وصول کیا جاتا تھا) دگاو شماری۔ سر درختی۔ پیشکش۔ قرق۔ دارو غگانہ۔ تحصیلداری۔ فوطہ داری۔ سلامی۔ وجہ کرانہ۔ خرسد۔ صرافی۔ حاصل بازار۔ نخاس۔ سن۔ کتبہ۔ روغن۔ ادھوڑی۔ کیالی۔ وزانی۔ قصابی۔ دباغی۔ قمار بازی۔ کلفہ۔ ساوری۔ راہ داری۔ پگ۔ رسم خانہ۔ نمک۔ تیل کی۔ پتی لند۔ چونہ گری۔ خماری۔ دلالی۔ ماہی گیری۔ حاصل درخت آل۔ یہ فہرست محاصل کی اگرچہ مکمل نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کے ایام حکومت میں کسی وقت محاصل کی تعداد اور اقسام اس قدر ہرگز نہیں تھیں جو اب ہیں اگرچہ فہرست بہت بڑی معلوم ہوتی ہے مگر ان میں سے اکثر انکم ٹیکس اور چنگی میں شامل ہیں۔

(۲۵) فرشتہ لکھتا ہے۔ "در عہد اُو بادشاہ دو مرتبہ امساک باراں شدہ و برکت معدوم قریب سہ سال اوقات بعسرت گزرانیدند" فرشتہ اور بدائونی لکھتے ہیں کہ بادشاہ ۷۴۲ ہجری میں سید احسن شاہ حاکم معبر کی بغاوت رفع کرنے کے لیے دکھن کو گیا اور وہ چند منزل چلا تھا کہ قحط شروع ہو گیا اور جب واپس آیا تو تمام ملک کو قحط سے خراب پایا۔ گویا ان کے نزدیک اول دفعہ یہ قحط ۷۴۲ ہجری و ۷۴۳ ہجری و ۷۴۴ ہجری میں رہا۔ دوسری دفعہ بادشاہ طغی کی بغاوت رفع کرنے کے لیے گجرات کی طرف ۷۴۸ ہجری میں گیا اس وقت بھی قحط تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ۷۴۲ ہجری سے لے کر ۷۴۹ ہجری تک قحط تھا اور بیچ میں ایک سال ارزانی رہی۔ تاریخ مبارک شاہی میں درج ہے کہ "قحط عام و گرانی غلہ ہفت سال چناں شد کہ قطرہ از آسماں نبارید۔" لیکن باب ۶ فصل ۸ کے حاشیہ میں میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ بادشاہ سید احسن شاہ حاکم معبر کی بغاوت رفع کرنے کے لیے ۷۳۵ ہجری میں گیا تھا اور اس لیے اگر معبر جاتے ہی قحط شروع ہو گیا تو اول قحط ۷۳۸ ہجری سے لے کر ۷۴۰ ہجری تک ہونا چاہیے اور دوسرا ۷۴۵ و ۷۴۶ ہجری میں ہونا چاہیے کیونکہ بادشاہ جب ۷۴۸ ہجری میں گجرات کو گیا تو اس سے پہلے اہلکاروں کو تقاوی تقسیم کرنے کے لیے بہت بھاری رقم دے کر گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قحط ختم ہو گیا تھا چنانچہ برنی لکھتا ہے کہ اگر بادشاہ مہم گجرات سے واپس آتا اور ۷۵۲ ہجری کے محرم میں ٹھٹھہ میں نہ مر جاتا تو ان لوگوں سے یہ روپیہ جو وہ غبن کر گئے تھے۔ خوب اچھی طرح سے وصول کرتا مگر میری رائے میں فرشتہ اور بدائونی کا یہ لکھنا کہ بادشاہ کے معبر جاتے ہی قحط شروع ہو گیا تھا غلط ہے بلکہ صحیح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے واپس آتے ہی قحط شروع ہوا جیسا کہ دوسری جگہ برنی لکھتا ہے دیکھو حاشیہ باب ۶ فصل ۸ اور یہ قحط اول دفعہ [illegible] میں شروع ہوا اور جب تک بادشاہ سرگدواری میں رہا یعنی [illegible] تک رہا اور دوسری دفعہ اگر برنی کا لکھنا درست ہے [illegible] سے شروع ہو کر [illegible] تک ہونا چاہیے کیونکہ جب بادشاہ گجرات کی طرف گیا تو قحط ختم ہو چکا تھا اور تقاوی کی تقسیم کا وقت تھا۔ تقاوی قحط کے بعد بارش ہونے پر دی گئی ہوگی لیکن میں نے حاشیہ باب ۶ فصل ۸ میں ثابت کر دیا ہے کہ بادشاہ گجرات کی بغاوت ختم کرنے کے لیے [illegible] میں گیا ہے اور اس لیے دوسرا قحط [illegible] سے شروع ہوا اور [illegible] میں ختم ہو گیا۔ اس قحط کے نرخ کی بابت فرشتہ لکھتا ہے کہ "ایک سیر غلہ بہ ہفدہ درم یافت نمی شد و در دہلی قحط بمرتبہ بود کہ آدم آدم را مے خورد" ابن بطوطہ نے فی من چھ دینار نرخ لکھا ہے اور ایک دوسری جگہ ایک من غلہ کی قیمت ساٹھ درہم اور اس سے بھی زیادہ لکھی ہے یہ میں ثابت کر آیا ہوں کہ ابن بطوطہ کی مراد درہم سے ہشتگانی ہے اور وہ تنکہ کے آٹھویں حصے کو درہم کہتا ہے یہی مسالک الابصار کا مصنف لکھتا ہے فرشتہ نے جو ایک سیر کی قیمت سترہ درہم لکھی ہے یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی نے ایک سیر کی قیمت ۱۷ جیتل یا ۲۱ جیتل لکھے ہیں۔ برنی سے نقل کرتے ہوئے فرشتہ نے بجائے جیتل کے درہم لکھ دیے اور اس حساب سے فرشتہ اور برنی کے نزدیک ایک سیر کی قیمت دو درہم ہوئی۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس وقت سیر کس وزن کا تھا ابن بطوطہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کا رطل (اس کی من سے مراد ہے) مصر کے پچیس رطل کے برابر ہوتا ہے ابن بطوطہ کے فرانسیسی مترجموں نے اس حساب سے من کا وزن سوا اکتیس پونڈ قائم کیا ہے۔ یعنی چودہ سیر چند مسالک الابصار کا مصنف لکھتا ہے کہ دہلی کا سیر ستر مثقال کا ہوتا تھا اگر مثقال کو ساڑھے چار ماشہ کا سمجھیں تو سیر کا وزن ۲۶ تولہ دو ماشہ ہوا اور من کا ۱۳ سیر ۸ چھٹانک ہوا

الشائخ نظام الدین اولیا بود با حضرت شیخ بے اعتقادی داشت و برزعم حضرت او شیخ رکن الدین را از ملتان طلب نمود و شیخ زادہ جام راکہ از منکران شیخ بود بخود اختصاص داد"۔

فرشتہ نے ملک کافور کے ذکر میں شیخ زادہ جام کا نام شیخ نجم الدین لکھا ہے۔

(۲۷) فرشتہ نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے حال میں یہ تذکرہ کیا ہے۔ "محمد شاہ تغلق کہ بسبب بسیاری قتل و سیاست اور اخوانی می گشتند با درویشاں سوء مزاج بہم رسانید و حکم کرد کہ درویشاں بطریق خدمتگاران خدمت نمایند پس یکی مراسمیل خورانند و دیگرے دستار بہ بندد شیخ نصیر الدین چراغ دہلی را تکلیف جامہ پوشانیدن نمود۔ شیخ اول قبول نہ کرد۔ کار بخشونت کشید چنانچہ شیخ را محبوس ساخت بالآخر شیخ راحتی پیر خود یاد آمد و قبول خدمت کردہ از بند نجات یافت۔

(۲۸) وارنگل - یہ شہر پہلے تلنگانہ کی ہندو ریاست کا دارالخلافہ تھا۔ ملک کافور نے ۱۳۰۹ء میں اور سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۲ء میں اس کو فتح کیا لیکن ۱۳۴۴ء کے قریب وہ پھر شاہان دہلی کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ موجودہ شہر ریاست نظام میں حیدر آباد سے ۸۶ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ اب بھی شہر وارنگل خاص (آبادی ۳۰۰۰) کریم آباد (آبادی ۵۰۰۰) اور مٹواڑہ (آبادی ۹۰۰۰) بالکل قریب قریب ایک میل کے اندر اندر بستے ہیں۔ تینوں شہروں کی آبادی اٹھارہ ہزار کے قریب ہے۔

(۲۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایک بزرگ شیخ شہاب الدین حق گو کا حال اس طرح لکھا پسر شیخ معز الدین زاہدے ست حق گو ازاں لقب شد کہ سلطان محمد بن تغلق حکم کرد کہ مرا محمد عادل گویند او ازیں معنی بکشورا وا باکرد و گفت ظالمان را عادل تو انم گفت۔ سلطان محمد اورا از قلعہ دہلی در زیر انداخت قبر اوہم در زیر قلعہ ست۔

یہ قصہ تو شیخ زادہ جام شہاب الدین سے ملتا جلتا ہے اور نام بھی وہی ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ ایسے بڑے شیخ کا کہ بادشاہ جس کے در پر کھڑے رہتے تھے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کچھ حال نہیں لکھا۔

(۳۰) دوادار - یہ چند عہدے جن کا اس کتاب میں ذکر ہوا ہے بادشاہی محل اور ذات کے متعلق ہوتے تھے۔

دوادار - یعنی دوات دار بادشاہ کی دوات کا محافظ ہوتا تھا۔

مہردار - بادشاہ کی مہر رکھتا تھا۔

شربدار - بادشاہ کے استعمال کے پانی اور دیگر مشروبات کا منتظم ہوتا تھا۔

اور اگر مثقال ۵ ماشہ کا شمار کریں جیسا کہ بابر بادشاہ اپنی تزک میں لکھتا ہے تو من کا وزن ۴۰ سیر ۹ چھٹانک اور ۲ تولہ کا ہوا۔ اب بھی ہندوستان میں کچے من ساڑھے بارہ سیر پختہ سے لے کر ۱۸ سیر پختہ تک ہوتا ہے چنانچہ تقریباً ضلع ضلع کا سیر علیحدہ ہے۔ اکبری سیر ۵۲ تولہ دو ماشہ دو رتی کا ہوتا تھا یعنی موجودہ پختہ سیر کے وزن میں ڈھائی پاؤ ۵ تولہ ۳ ماشہ سے چھ رتی کم۔ عالمگیری سیر ۷۷ تولہ کا تھا یعنی موجودہ پختہ سیر سے تین تولہ کم الغرض محمد شاہ تغلق کے وقت کا من موجودہ پختہ من کے حساب سے ساڑھے ۱۳ سیر کا سمجھنا چاہیے۔ فرشتہ کی تحریر کے مطابق ایک سیر رائج الوقت کی قیمت ۱۴ جیتل یعنی دو درہم یعنی چار آنہ ہوئی۔ اس لیے ایک من کی قیمت دس روپیہ کے قریب ہوئی یعنی ایک روپیہ کے تقریباً ڈیڑھ سیر پختہ۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ نرخ ہوگیا تھا اس لیے اس کا اور برنی کا بیان بالکل مطابق ہے۔

(۳۱) شیخ شہاب الدین احمد جام - شیخ الاسلام احمد جام ژندہ پیل حضرات جریر بن عبداللہ بجلی کی اولاد سے تھے جن کو حضرت عمر اس امت کا یوسف کہا کرتے تھے۔ ان کی پیدائش موضع نامق میں ہوئی بائیس سال کی عمر تک آپ بالکل امی تھے۔ اس کے بعد ریاضت اور محنت سے سب علوم آپ پر کھل گئے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تین سو کے قریب ہے اور تصانیف بھی ایسی عمدہ کہ کسی کو ان پر اعتراض کی جرات نہ ہوئی۔ آپ کثیر الاولاد بھی تھے۔ اتالیس بیٹے اور تین بیٹیاں رکھتے تھے۔ باسٹھ سال کی عمر تک آپ کہتے تھے میرے ہاتھ پر ایک لاکھ اسی ہزار آدمیوں نے بیعت کی ہے اور شیخ ظہیر الدین عیسیٰ ان کے ایک فرزند کا قول ہے کہ میرے باپ کے ہاتھ پر کل چھ لاکھ آدمی تائب ہوئے خواجہ مودود چشتی آپ کے بہت معتقد تھے۔ آپ کی پیدائش ۴۴۰ ہجری میں ہوئی اور وفات ۵۳۶ ہجری میں چھیانوے سال کی عمر میں تربت جام میں وفات پائی۔ مولانا جامی کو آپ کی تصانیف سے ایک خاص الفت تھی اور اسی سبب سے آپ کہتے ہیں میں نے اپنا تخلص جامی رکھا ہے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کی والدہ حمیدہ بانو بیگم شیخ احمد جام کی اولاد سے تھی سفینۃ دارا شکوہ۔

یہ شیخ شہاب الدین جن کو بدایونی نے شیخ زادہ جامی لکھا ہے شیخ احمد جام کی اولاد سے تھے یہ بھی دہلی میں معتقد علیہ تھے چنانچہ جو بادشاہ سلطان نظام الدین اولیا سے ناراض رہے تھے جیسے کہ قطب الدین خلجی و غیاث الدین تغلق وہ شیخ شہاب الدین کے بڑے معتقد تھے چنانچہ بدایونی نے لکھا ہے۔ "و سلطان قطب الدین بسبب آنکہ خضر خاں مرید سلطان

خریطہ دار - قلمدان کا محافظ رکھتا تھا۔

چاشنگر - دسترخوان پر لانے سے پہلے ہر ایک کھانے کو خود چکھتا تھا اور اپنی محافظت میں بادشاہ کے روبرو لاتا تھا۔

(۳۱) استار۔ ایک وزن تھا جو ساڑھے چار مثقال کا ہوتا تھا اور مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اور اس لیے استار ۲۰ ماشہ ۲ رتی کا ہوا جو تقریباً ایک دام کے برابر تھا۔ پانچ استار کا وزن ۸ تولہ ۵ ماشہ ہوا لیکن اس جگہ ابن بطوطہ نے استارہ کے لفظ سے اس زمانے کا سیر مراد لی ہے کیونکہ وہ پانچ استار کا وزن مغرب کے ڈھائی رطل بتاتا ہے اور مغرب کا رطل معمولی رطل سے ایک ربع زیادہ ہوتا تھا۔ قاموس میں ان دونوں کا مقابلہ اس طرح کیا گیا ہے۔

۲ حبہ (گرین) کا ۱ حسہ	۲ حسہ کا ۱ قیراط
۲ قیراط کا ۱ وانق	۱۲ اوقیہ کا ۱ رطل
۶ وانق کا ۱ درہم	۲ رطل کا ۱ من

(۳۲) یہ بادشاہ باوجود اس قدر خونریزی کے فتوے ضرور حاصل کرلیتا تھا اس کے بعد قتل کرتا تھا چنانچہ بداونی لکھتا ہے۔ "در امور سیاسی چنداں اہتمام داشت کہ چہار مفتی را در درون خود جادادہ تا ہر کرا بہ تہمتے مے گرفت اولا در باب سیاست او مفتیاں رو بدل حسب مقدور مے کردو۔ گفتہ بود کہ شما در گفتن کلمۃ الحق از جانب خود بہ تقصیر راضی مباشید اگر کے بنا حق کشتہ شود و فروگذاشت از جانب شما خواہد بود خون آں کس در گردن شما ست و بعد از مباحثہ بسیار اگر ملزم مے شدند ہر چند نیم شب ہم مے بود حکم بہ کشتن مے کرد و اگر خود الزام مے یافت بہ مجلس دیگر مے انداخت و برائے رفع تحت ایشاں جو ابہا مے اندیشید و آمدہ تقریر مے کرد و بعد ازانکہ مفتیان را مجال حجت نماندے ہاں زماں اور ابہ قتل مے رسانید و الاور ساخت خلاص میداد۔

خدا ان مفتیوں پر بھی رحم کرے' ان کی حالت بھی قابل رحم تھی۔

(۳۳) حیدری - ابن بطوطہ نے جلد اول میں شہر ساوہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ فرقہ حیدری کے بانی شیخ قطب الدین حیدری اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ ان بزرگ کا کچھ اور حال کہیں سے نہیں ملا شیخ حیدر خراسانی کی بابت لکھا ہے کہ وہ درویشوں کے ایک فرقہ کے بانی ہیں اور بھنگ کے استعمال کے موجد ہیں اس نے شیخ حیدر کا نام الشیخ الحیدر الادیب محمد بن الاعمی الدمشقی لکھا ہے۔ یہ فرقے ان درویشوں میں سے ہیں جو اپنی نسبت ایک ایسے بزرگ کے ساتھ کرتے ہیں جن کو ان سے کچھ تعلق نہیں تھا جیسے کہ رفاعی یا احمدی شیخ احمد

رفاعی کی طرف منسوب ہیں۔ مداری شیخ بدیع الدین مدار کی جانب جلالیہ سید جلال بخاری کی جانب قلندر شیخ جمال مجرد کی جانب یہ کل فرقے جاہل اور غیر مہذب ہیں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جس شیخ کی جانب وہ منسوب ہیں ان کی تعلیم کے مقلد ہیں بلکہ ان پانچوں فرقوں میں نہ مذہب میں اور نہ اعمال میں ان بزرگوں کی تعلیم کا بالکل اثر نہیں کیونکہ یہ بزرگ نہایت خوش عقیدہ اور متشرع اور صوفی تھے۔ یہ ضرور ہے کہ ان فرقوں میں بعض مہذب اور عالم فقیر بھی ہوتے آئے ہیں جلالی اور حیدری بہت سی باتوں میں ملتے جلتے ہیں۔ لیکن جلتی ہوئی آگ میں داخل ہونا حیدریوں اور رفاعیوں کا خاصہ ہے۔

(۳۴) بداونی لکھتا ہے "در ۷۲۷ھ سلطان عزیمت دیوگر کرد او را دولت آباد نام نہاد و میانہ ولایات خود تصور کردہ آنرا دارالملک ساخت و مخدومہ جہاں والدہ خود را با جمیع اہل و عیال و امرا و ملوک و معارف حشم و خدم و خزائن و دفائن بدولت آباد برد و جمعیت مخدومہ جہاں سادات و مشائخ و علماء نیز ہمہ آنجا رفتہ و انعامات و ادرارات ہر یک اضعاف مضاعف شد۔ دریں ویرانی دہلی و انتقال ازاں مزاحمت بسیار بحال مردم راہ یافت و اکثرے از مستعداں بیوہ و عجزہ و مساکین در راہ تلف شدند۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ زبردستی نہیں کی گئی بلکہ دولت آباد جانا لوگوں کی خوشی پر چھوڑا گیا تھا لیکن ۷۲۹ھ کے واقعات میں بداونی لکھتا ہے "سلطان حکم فرمود کہ تابقیہ ساکنان دہلی و قصبات جوار قافلہ قافلہ روانہ سازند و بدولت آباد برند و خانہا را از متوطنان بخرند و بہائے آنرا از خزانہ دہند و انعامات وافر علیحدہ باشد دولت آباد برونق آباد شود و دہلی خراب چناں شد کہ سگ و گربہ ہم درآں نہ ماند۔" پھر ۷۳۳ ہجری کے واقعات میں وہی مورخ لکھتا ہے۔ "حکم داد اگر کسے ترک سکونت دولت آباد خواہد بدہلی بازگردد و تعرض باو نرسانند۔" ایک اور جگہ پر لکھا ہے کہ "بعد از تخریب دہلی مردم را از قصبات و مواضع دراں شہر آوردہ آباداں ساختند و بار دیگر کوچا بندہ بدولت آباد بردند و ضیاع و عقار و اسباب و اشیا ہمہ ضائع و تلف شد۔" پہلا فقرہ ۷۲۷ھ کے حکم سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا ۷۲۹ھ کے حکم سے۔

فرشتہ نے یہی واقعات لکھے ہیں لیکن بے ترتیب ہیں۔ ضیاء برنی نے دہلی کے چھوڑنے کا سبب یہی لکھا ہے کہ دولت آباد کو اپنی مقبوضات کا بیچ فرض کر کے بادشاہ نے وہاں دارالخلافہ مقرر کیا تھا۔ کسی مورخ نے دہلی کے اجاڑنے کا یہ سبب نہیں لکھا جو ابن بطوطہ نے لکھا ہے لیکن اور مورخوں کا ماخذ فقط ضیاء الدین برنی ہے اور ضیاء الدین برنی فیروز شاہ کی رعایت سے اس قسم کی پوری بات بہت کم لکھتا ہے۔

باب (۶)

مشہور واقعات

(۱) غیاث الدین بہادر بھنورا

جب بادشاہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی تو غیاث الدین (۱) بھنورے کو بھی سامنے لائے۔ سلطان تغلق نے اس کو قید میں ڈالا ہوا تھا اس بادشاہ نے اس پر احسان کیا اور قید سے نکال کر اس کو بہت سا مال اور ہاتھی اور گھوڑے دے کر رخصت کیا اور اس کے ساتھ اپنے بھتیجے ابراہیم خاں (۲) کو بھیجا اور اس سے یہ عہد لیا کہ دونوں شامل ہو کر بادشاہت کریں اور دونوں کا نام سکہ میں لکھا جائے۔ اور خطبہ میں پڑھا جائے۔ بادشاہ نے غیاث الدین سے یہ بھی شرط لی کہ وہ اپنے بیٹے محمد المشہور بہ برباط کو بادشاہ کے پاس بطور اول کے بھیج دے۔ غیاث الدین اپنے ملک میں چلا گیا اور سب شرطوں کی تعمیل کی لیکن اپنے بیٹے کو بادشاہ کے پاس نہ بھیجا اور عذر یہ کیا کہ وہ کہنا نہیں مانتا اور گستاخی کرتا ہے۔ بادشاہ نے ابراہیم خان کے پاس لشکر بھیجا اور دلجی تاتاری کو اس پر امیر مقرر کیا۔ انہوں نے غیاث الدین کا مقابلہ کیا اور اس کو مار ڈالا اور اس کی کھال کھچوا کر اور اس میں بھوسہ بھروا

کر تمام ملک میں پھروا دیا۔

(۲) بہاؤ الدین گشتاسپ کی بغاوت

سلطان تغلق کا ایک بھانجا تھا جس کا نام بہاء الدین گشتاسپ تھا۔ سلطان تغلق نے اس کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر کیا ہوا تھا۔ جب اس کا ماموں مر گیا تو اس نے بادشاہ کی بیعت سے انکار کیا۔ یہ شخص بڑا بہادر تھا۔ بادشاہ نے اس کی طرف لشکر بھیجا اور ملک مجیر اور خواجہ جہان کو لشکر کا سردار مقرر کیا۔ بڑی لڑائی کے بعد بہاء الدین رائے کمپلہ (۳) کے ملک میں بھاگ گیا اور رائے (۴) کا لفظ ہندی میں جیسا کہ فرنگی زبان میں ہے بادشاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کمپلہ اس ملک کا نام ہے جس کا وہ بادشاہ تھا۔ اس راجہ کا ملک دشوار گزار پہاڑوں میں ہے اور وہ ہندو راجاؤں میں بہت بڑا گنا جاتا ہے جب بہاء الدین اس کے پاس گیا تو بادشاہ کا لشکر بھی اس کے پیچھے گیا اور شہر کا محاصرہ کیا۔ جب رائے کے پاس کل ذخیرہ ختم ہو چکا اور اس کو خوف ہوا کہ اب پکڑا جاؤں گا تو راجہ نے بہاء الدین کو بلا کر کہا کہ جو حال ہے تو دیکھ رہا ہے میں نے اپنی جان اور خاندان کی ہلاکت کا ارادہ کر لیا ہے تو فلاں راجہ کے پاس چلا جا اور اس کو اس ملک میں پہنچا دیا۔ رائے کمپلہ نے ایک بڑی آگ جلوائی اور اپنا تمام مال و اسباب اس میں ڈلوا دیا اور اپنی بیٹیوں اور عورتوں سے کہا کہ میں جلنا چاہتا ہوں جس کو میری موافقت کرنی ہو کرے چنانچہ ایک عورت غسل کر کے اور صندل مل مل کے آتی تھی اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دے کر اپنے تئیں آگ میں ڈالتی تھیں اور ہلاک ہو جاتی تھی اس کے کل امیروں اور وزیروں اور عوام سے جس نے چاہا وہ بھی آگ میں جل کر مر گئے۔ پھر راجہ نے غسل کیا اور صندل ملا اور سوائے زرہ کے اور سب ہتھیار باندھے اور اپنے آدمیوں کو لے کر بادشاہ کے لشکر پر جا پڑے اور سب لڑ مرے۔ بادشاہ کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور باشندوں کو پکڑ لیا اور راجہ کے بیٹوں میں سے گیارہ بیٹے پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لائے گئے سب نے اسلام قبول کیا۔ بادشاہ نے ان کی اصالت اور ان کے باپ کی بہادری کے سبب ان کو امارت کا منصب دیا۔ ان میں سے تین کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ ایک کا نام ناصر تھا اور دوسرے کا نام بختیار اور تیسرے کو مہردار کہتے ہیں اس عہدہ دار کے پاس بادشاہ کی مہر رہتی تھی۔ وہ ہر ایک کھانے پینے کی چیز پر لگائی جاتی ہے۔ اس کی کنیت ابو مسلم تھی اور میری اس سے نہایت گہری دوستی

ہو گئی تھی جب کمپیلہ کا راجہ مارا گیا تو بادشاہی لشکر اس راجہ (۵) کے علاقوں میں گیا جہاں بہاء الدین نے پناہ لی تھی۔ اس راجہ نے بہاء الدین سے کہا کہ میں رائے کمپیلہ کی طرح نہیں کر سکتا اور بہاء الدین کو پکڑ کر بادشاہی لشکر کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اس کے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ جب بادشاہ کے پاس حاضر ہوا تو حکم دیا کہ اس کو حرم سرا میں لے جاؤ وہاں اس کی رشتہ دار عورتوں نے اس کو برا بھلا کہا اور اس کے منہ پر تھوکا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی زندہ کھال کھینچی جائے اور اس کا گوشت چاولوں میں پکوا کر اس کے گھر بھیجا گیا اور باقی کو ایک سینی میں رکھ کر ایک ہتھنی کو کھانے کو دیا۔ اس نے نہ کھایا۔ اس کی کھال میں بھوسہ بھروا کر بہادر بھتورے کی کھال کے ساتھ تمام ملک میں پھرایا۔

(۳) کشلو خان کی بغاوت

جب ملک سندھ میں یہ دونوں کھالیں پہنچیں تو اس وقت کشلو خان سلطان تغلق کا دوست سندھ کا حاکم تھا۔ بادشاہ اس کی نہایت تعظیم کیا کرتا تھا اور اس کو چچا کہا کرتا تھا اور جب وہ دارالخلافہ کو آتا تھا تو اس کا استقبال کیا کرتا تھا۔ کشلو خان نے حکم دیا کہ ان دونوں کھالوں کو دفن کر دو۔ بادشاہ کو خبر پہنچی تو اس کو ناگوار گزرا اور کشلو خان کے قتل کا ارادہ کیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ نے کشلو خان کو بلا بھیجا۔ کشلو خان کو یہ علم تھا کہ بادشاہ نے اس کی سزا کا ارادہ کیا ہے۔ اس نے جانے سے انکار کیا اور کھلم کھلا بغاوت کی اور ترکوں اور افغانوں اور اہل خراسان کی مدد طلب کی۔ وہ لوگ اس کی مدد کو آئے۔ اس کا لشکر بادشاہی لشکر کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ کثرت میں ہو گیا۔ بادشاہ نے اس روز یہ ہوشیاری کی کہ چتر کے نیچے اپنی جگہ شیخ عماد الدین کو جو شیخ رکن الدین ملتانی کا بھائی تھا کھڑا کر دیا۔ عماد الدین بادشاہ سے شکل میں بہت مشابہ تھا۔ جب لڑائی کا بازار گرم ہوا تو بادشاہ چار ہزار آدمی لے کر ایک طرف کو چلا گیا اور کشلو خان کے لشکر نے شاہی چتر کے پاس جا کر عماد الدین کو قتل کر دیا۔ تمام لشکر میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ بادشاہ قتل ہو گیا کشلو خان کا تمام لشکر لوٹ پر پڑ گیا اور اس کو اکیلا چھوڑ دیا۔ اور اس کے ساتھ تھوڑے آدمی رہ گئے۔ بادشاہ موقع دیکھ کر اپنے آدمیوں سمیت کشلو خان پر آ پڑا۔ اور اس کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ ڈالا۔ کشلو خان کا لشکر یہ معلوم کر کے بھاگ اٹھا۔ بادشاہ ملتان کے شہر میں داخل ہوا اور ملتان کے قاضی کریم الدین کو پکڑ

جب میں ملتان میں پہنچا اس وقت تک وہ سر وہیں لٹکا ہوا تھا۔ بادشاہ نے شیخ رکن الدین عماد الدین کے بھائی اور شیخ صدر الدین ان کے بیٹے کو سو گاؤں انعام میں دیے تاکہ وہ اس سے اپنا گزارہ کریں اور شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کی خانقاہ کا لنگر جاری رکھیں۔ یہ روایت مجھ سے شیخ رکن الدین نے خود بیان کی ہے۔ پھر بادشاہ نے اپنے وزیر خواجہ جہان کو حکم دیا کہ وہ کمال پور (۶) کے شہر کی طرف جائے۔ یہ ایک بڑا شہر سمندر کے کنارے پر تھا۔ وہاں کے باشندوں نے بھی بغاوت کی تھی۔ ایک فقیہ نے مجھ سے روایت کی ہے کہ اس وقت وہ شہر کمال پور میں تھا۔ شہر کا قاضی اور خطیب وزیر کے روبرو پیش کیے گئے اس نے حکم دیا کہ دونوں کی کھال کھچوائی جائے۔ انہوں نے وزیر سے کہا کہ آپ ہم کو کسی اور طرح کیوں نہیں مارتے۔ وزیر نے کہا کہ تم کیوں قتل کیے جاتے ہو انہوں نے کہا کہ بادشاہ کی نافرمانی کے سبب سے۔ وزیر نے کہا کہ پھر میں نافرمانی کس طرح کر سکتا ہوں۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ تم اسی طرح قتل کیے جاؤ۔ پھر وزیر نے کھال کھینچنے والوں کو حکم دیا کہ ان کے منہ کے نیچے دو گڑھے کھود دو تاکہ اس میں سانس لے سکیں کیونکہ جب کھال کھینچتے ہیں تو مجرموں کو منہ کے بل لٹاتے ہیں اس کے بعد سندھ میں امن و امان ہو گیا اور بادشاہ دارالخلافہ میں واپس آیا۔

(۴) کوہ قراجیل میں بادشاہ کا لشکر بھیجنا

کوہ قراجیل (۷) ایک بڑا پہاڑ ہے جس کا طول تین مہینے کے سفر کا ہے اور دلی سے دس منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کا راجہ بہت بڑے راجاؤں میں ہے۔ بادشاہ نے ملک نکبیہ کو ایک لاکھ سوار اور پیادہ دے کر اس پہاڑ میں لڑائی کے لیے بھیجا۔ اس نے شہر جدیہ پر جو پہاڑ کے نیچے واقع ہے قبضہ کر لیا اور ملک کو جلا کر برباد کر دیا۔ اور بہت سے کافروں کو قید کر لیا۔ یہ دیکھ کر ہندو پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ اس پہاڑ میں فقط ایک درہ تھا نیچے دریا بہتا تھا اور اوپر پہاڑ تھے اور ایک آدمی سے زیادہ ایک دفعہ اس پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ بادشاہی لشکر اسی طرح اوپر چڑھ گیا اور شہر ورنگل کو جو اس پہاڑ کے اوپر تھا قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو فتح کی مبارک باد بھیجی۔ بادشاہ نے ایک قاضی اور خطیب ان کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں ٹھہرے رہیں۔ جب برسات کا موسم آیا تو لشکر میں بیماری پھیل گئی اور اہل لشکر ضعیف ہو گئے اور گھوڑے مر گئے اور کمانیں نمی کے سبب

سے بے کار ہو گئیں۔ امیروں نے بادشاہ کو لکھا اور پہاڑ سے باہر آنے کی اجازت مانگی کہ دامن کوہ میں آ کر برسات تک ٹھہرے رہیں اور برسات ختم ہونے پر پھر پہاڑ پر چلے جائیں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ امیر نکبیہ نے تمام خزانہ اور جواہرات لوگوں پر تقسیم کر دیئے کہ ان کو اٹھا کر پہاڑ کے نیچے لے جائیں۔ ہندوؤں کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ غاروں میں اور تنگ جگہوں میں گھات میں بیٹھ گئے اور تنگ موقعوں کو روک لیا اور بڑے بڑے درخت کاٹ کر پہاڑ سے اوپر لٹکا دیئے تھے جو شخص ان درختوں کی لپیٹ میں آتا تھا ساتھ ہی گڑھوں میں چلا جاتا تھا۔ اسی طرح بہت سے آدمی مر گئے اور بہت سے ان لوگوں نے قید کر لیے اور کل اسباب اور ہتھیار اور گھوڑے لوٹ لیے۔ لشکر میں سے فقط تین آدمی باقی بچے ایک امیر نکبیہ اور دوسرا بدر الدین دولت شاہ اور تیسرے کا نام مجھے یاد نہیں اس سے شاہی لشکر کو سخت صدمہ پہنچا اور لشکر نہایت ضعیف ہو گیا۔ بادشاہ نے پہاڑیوں سے کچھ خراج لے کر صلح کر لی کیونکہ ان لوگوں کی زمینیں پہاڑ سے نیچے بھی تھیں اور وہ اس زمین کو بغیر بادشاہ کی اطاعت کے آباد نہیں کر سکتے تھے۔

(۵) شریف جلال الدین کی بغاوت ملک معبر میں

بادشاہ نے معبر (۸) کے ملک کا حاکم (جو دلی کے چھ مہینے کے راستے پر ہے) سید جلال الدین (۹) احسن شاہ کو مقرر کیا تھا۔ اس نے مخالفت کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور دینار کے ایک طرف یہ عبارت نقش کی "**سلالۃ طٰہٰ ویسین ابو الفقرا والمساکین جلال الدنیا والدین**" اور دوسری طرف یہ نقش کروایا "**الواثق بتائید الرحمن احسن شاہ السلطان**" بادشاہ نے جب اس کی بغاوت کا حال سنا تو خود لڑائی کے واسطے گیا اور ایک موضع میں جس کا نام کوشک زر تھا یعنی سونے کا محل آٹھ دن تک سامان اور حاجتوں کے پورا کرنے کے لیے ٹھہرا۔ انہی دنوں میں وزیر خواجہ جہان کا بھانجا اور چار پانچ امیر جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی ہوئی تھی بادشاہ کے سامنے حاضر کیے گئے۔ بادشاہ نے وزیر کو اپنے سے پہلے بھیج دیا تھا۔ جب وہ دھار کے شہر میں پہنچا جو دلی سے بیس منزل ہے اور وہاں جا کر اس نے قیام کیا تو اس کے بھانجے نے جو نہایت دل چلا اور بہادر آدمی تھا۔ چند امیروں کے ساتھ سازش کی کہ وزیر کو قتل کر کے کل مال اور خزانہ لے کر سید جلال الدین

کے پاس معبر کے ملک میں بھاگ جائے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وزیر کو اچانک جمعہ کی نماز کے وقت پکڑ لیں۔ ان میں سے ایک شخص نے جو ان کے مشورہ میں شامل تھا اور جس کا نام ملک نصرت حاجب تھا وزیر کو خبر دی اور یہ بھی بتلایا کہ وہ اس وقت اپنے کپڑوں کے نیچے آہنی زرہ پہنے ہوئے ہیں اور یہی ان کے ارادے کی پوری دلیل ہے۔ وزیر نے ان کو بلا بھیجا اور جیسا کہ ملک نصرت نے بیان کیا تھا وہ کپڑوں کے نیچے زرہ پہنے ہوئے تھے۔ وزیر نے ان کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو میں بھی وہیں تھا۔ ان میں سے ایک شخص کو میں نے دیکھا اس کی داڑھی لمبی تھی اور خوف سے کانپ رہا تھا اور سورہ یٰسین پڑھتا جاتا تھا۔ بادشاہ نے وزیر کے بھانجے کو تو وزیر کے پاس بھیج دیا اور حکم کیا کہ اس کو قتل کر ڈال اور باقی امیروں کو ہاتھی کے سامنے ڈلوا دیا۔ ان ہاتھیوں کے دانتوں پر جن سے آدمیوں کو مارنے کا کام لیا جاتا ہے لوہے کے دندانے دار خول چڑھے ہوئے ہوتے ہیں جو ہل کی پھالی کی شکل کے ہوتے ہیں جس کے دونوں طرف دھاریں ہوتی ہیں فیل بان ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اور جب کسی شخص کو ہاتھی کے سامنے ڈالا جاتا ہے تو ہاتھی اس کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر کی طرف پھینک دیتا ہے اور پھر اوپر کا اوپر اپنے دانتوں پر لے لیتا ہے اور اپنے سامنے زمین پر ڈال کر اگلا پاؤں اس کے سینے پر رکھتا ہے اگر فیل بان کہتا ہے کہ اس کے دو ٹکڑے کر دے تو دانتوں سے ٹکڑے کر دیتا ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ اس کو پڑا رہنے دے تو پڑا رہنے دیتا ہے جس کو ٹکڑے نہیں کیا جاتا ہے اس کی کھال کھچوائی جاتی ہے۔ ان امیروں کی بھی کھال کھینچی گئی اور جب میں بادشاہ کے محل سے مغرب کے بعد نکلا تو کتے ان کا گوشت کھا رہے تھے اور ان کی کھالوں میں بھوسہ بھرا جا رہا تھا۔ خدا پناہ میں رکھے جب بادشاہ نے معبر میں جانے کا ارادہ کیا تو مجھے دار الخلافہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور جب بادشاہ دولت آباد میں پہنچا تو امیر حلاجون نے بغاوت کی۔ وزیر خواجہ جہان دار الخلافہ میں لشکر جمع کرنے کے لیے ٹھہر گیا۔

(۶) امیر حلاجون کی بغاوت

جب بادشاہ دولت آباد میں پہنچا اور اپنے ملک سے بہت دور نکل گیا تو امیر حلاجون نے لاہور میں بغاوت کی (۱۰) اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ امیر کل چند نے اس کی مدد کی اور حلاجون نے اس کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ یہ خبر وزیر خواجہ جہاں کو پہنچی وہ اس

وقت دلی میں تھا۔ وزیر تمام خراسانیوں کو اور اس لشکر کو جو دلی میں اس وقت موجود تھا ساتھ لے کر لاہور کی طرف چلا۔ میرے همراہی بھی اس کے ساتھ گئے۔ بادشاہ نے اس کی مدد کے واسطے دو بڑے امیر بھیجے۔ ایک ملک قیران صفدار دوسرا ملک تمور شربدار یعنی ساقی۔ طاجون اپنے لشکر کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ اور ایک بڑے دریا کے کنارے مقابلہ ہوا۔ طاجون کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا اور اس کا بہت سا لشکر دریا میں ڈوب گیا۔ وزیر نے شہر میں داخل ہو کر بعض اہل شہر کی کھال کھچوائی اور بعض کو اور طرح قتل کیا اور یہ کام محمد بن نجیب نائب وزیر کے سپرد کیا۔ اس شخص کو اژدر ملک کہتے تھے اور سگ سلطان بھی اس کا خطاب تھا یہ شخص ظالم اور سنگدل تھا۔ بادشاہ اس کو بازاری شیر کہا کرتا تھا۔ یہ شخص اکثر مجرموں کو اپنے دانتوں سے کاٹا کرتا تھا۔ وزیر نے باغیوں کی عورتیں تین سو کے قریب گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیں جہاں وہ قید کر دی گئیں اور ان میں سے بعض کو میں نے وہاں دیکھا ہے۔ ایک فقیہ تھا اس کی عورت بھی انہیں عورتوں کے ساتھ گوالیار میں بھیجی گئی تھی۔ یہ فقیہ اپنی عورت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ قید خانہ میں اس کے بچہ بھی ہو گیا۔

(۷) بادشاہ کے لشکر میں وبا پڑنا

جب بادشاہ ملک تلنگانہ میں پہنچا جو معبر کے راستہ میں ہے تو شہر بدر کوٹ میں قیام کیا یہ شہر تلنگانہ (۱۱) کا دارالخلافہ ہے۔ اس میں سے معبر تین مہینے کے فاصلے پر اور پرے واقع ہے اس وقت بادشاہ کے لشکر میں وبا پڑ گئی اور بہت سے لشکر والے اور غلام اور امیر مر گئے ان میں سے ایک ملک دولت شاہ تھا جس کو بادشاہ چچا کہا کرتا تھا اور امیر عبداللہ ہروی بھی مر گیا جس کا ذکر ہم پہلی جلد میں کر آئے ہیں یہ وہی شخص تھا جس کو بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ خزانہ میں سے جس قدر مال اٹھا کر لے جا سکے اٹھا لے چنانچہ وہ تیرہ تھیلیاں اپنے بازوؤں پر باندھ کر ایک دفعہ اٹھا کر لے گیا۔ جب لشکر میں وبا پڑی تو بادشاہ دولت آباد کی طرف واپس چلا آیا اور تمام ملک میں بغاوت اور بے انتظامی پھیل گئی۔ اگر بادشاہ کی تقدیر میں دوسری طرح نہ ہوتا تو ملک اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا۔

(۸) ملک ہوشنگ کی بغاوت

جب بادشاہ دولت آباد کو واپس آ رہا تھا تو راستے میں بیمار ہو گیا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ بادشاہ مر گیا۔ تمام ملک میں فتنہ برپا ہو گیا۔ اس وقت ملک ہوشنگ ملک کمال الدین گرگ کا بیٹا دولت آباد میں حاکم تھا اور اس کے ساتھ بادشاہ نے عہد کیا ہوا تھا کہ وہ نہ تو بادشاہ کی زندگی میں اور نہ اس کی موت کے بعد کسی سے بیعت کرے گا۔ جب اس نے بادشاہ کی موت کی خبر سنی تو وہ ایک راجہ کے پاس جس کا نام بربرہ تھا اور جس کا علاقہ دولت آباد اور کوکن تھانہ (۱۲) کے بیچ میں تھا بھاگ گیا۔ بادشاہ کو اس کے بھاگنے کی خبر پہنچی اور اس اندیشہ سے کہ کہیں فتنہ نہ بڑھ جائے جلدی جلدی دولت آباد پہنچا اور پھر فوراً ہوشنگ کے پیچھے پیچھے جا کر اس راجہ کے شہر کا محاصرہ کیا اور اس کو کہلا بھیجا کہ ہوشنگ کو میرے حوالے کر دے۔ اس نے کہا کہ میں اپنے پناہ گزین کو نہیں دوں گا اگرچہ مجھے وہی کرنا پڑے جو رائے کمپیلہ نے کیا تھا۔ ہوشنگ کو خوف پیدا ہوا۔ اس نے بادشاہ سے خط و کتابت کی اور یہ بات ٹھہری کہ بادشاہ دولت آباد کی طرف واپس چلا جائے اور قتلو (قتلغ) خاں بادشاہ کا استاد پیچھے رہے اور اس کے پاس ہوشنگ چلا آئے۔ بادشاہ کوچ کر کے چلا گیا اور ہوشنگ قتلو خان کے پاس آ گیا۔ قتلو خان نے اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ نہ تو بادشاہ تجھے قتل کرے گا اور نہ تیرے مرتبہ میں کمی کرے گا۔ ہوشنگ اپنا مال اور عیال اور همراہیوں کو لے کر بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ اس کے آنے سے بہت خوش ہوا اور خلعت دے کر راضی کر لیا یہ قتلو خان بات کا بڑا پکا تھا اور لوگ اس پر بھروسہ رکھتے تھے۔ بادشاہ بھی اس کی نہایت تعظیم کرتا تھا اور اسی سبب سے وہ بادشاہ کے پاس بغیر بلائے کبھی نہ جاتا تھا تاکہ بادشاہ کو کھڑے ہونے کی تکلیف نہ ہو۔ یہ شخص خیرات بھی بہت کرتا تھا فقیروں اور مسکینوں کو بہت دیا کرتا تھا۔

(۹) سید ابراہیم کی بغاوت

سید ابراہیم جو خریطہ دار کے نام سے مشہور تھا یعنی بادشاہ کے قلم اور کاغذ اس کے پاس رہتے تھے۔ ہانسی اور سرسہ کا حاکم تھا جب بادشاہ معبر کی طرف گیا اور اس سید ابراہیم کا باپ معبر کے ملک میں باغی ہو بیٹھا اور بادشاہ کے مرنے کی خبر پہنچی تو سید ابراہیم نے بھی سلطنت کا لالچ کیا یہ شخص نہایت خوبصورت اور بہادر اور فیاض تھا۔ میرا نکاح اس کی بہن حور نسب سے ہوا تھا وہ نہایت نیک بخت بی بی تھی رات کو تہجد

پڑھتی تھی اور وہ وظیفہ میں مشغول رہتی تھی اس کے پیٹ سے میری ایک بچی بھی تھی۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں کا کیا حال ہوا۔ یہ بی بی پڑھنا جانتی تھی لیکن لکھ نہ سکتی تھی جب ابراہیم نے بغاوت کا ارادہ کیا تو ایک امیر اس کے علاقہ میں گزرا وہ دلی کی طرف سندھ سے خزانہ لے جاتا تھا۔ ابراہیم نے اس سے کہا کہ راستے میں چوروں کا خوف ہے امن امان ہونے تک میرے پاس ٹھہر جا اس کا ارادہ تھا کہ اتنے میں بادشاہ کی موت کی خبر تحقیق ہو جائے گی تو اس خزانے پر قبضہ کر لوں گا لیکن جب بادشاہ کی زندگی کی خبر تحقیق ہو گئی تو اس وقت اس نے اس امیر کو آگے جانے دیا۔ اس امیر کا نام ضیاء الملک بن شمس الملک تھا۔ اور جب بادشاہ اڑھائی برس کے بعد دارالخلافہ میں واپس آیا تو سید ابراہیم اس کے سلام کو آیا۔ اس کے ایک غلام نے بادشاہ کے پاس چغلی کھائی اور بادشاہ کو اس کے ارادے سے مطلع کیا۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ اس کو قتل کروا دے لیکن بادشاہ کو اس سے کچھ محبت تھی اس لیے اس ارادے کو ملتوی کر دیا ایک دفعہ یہ اتفاق ہوا کہ بادشاہ کے پاس ایک ہرن کا بچہ ذبح کیا ہوا لائے بادشاہ اس کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ ذبح درست طور سے نہیں ہوا اس کو پھینک دو۔ ابراہیم نے اس ہرن کے بچے کو دیکھ کر کہا کہ درست طور سے ذبح ہوا ہے اور میں اس کو کھا لیتا ہوں۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی وہ غصہ ہوا اور اس کو قید کر لینے کا حکم دیا پھر اس پر یہ الزام لگایا کہ تو اس خزانہ کو جو ضیاء الملک سندھ سے لا رہا تھا لینا چاہتا تھا ابراہیم کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اس کے باپ کی بغاوت کے سبب سے اس کو قتل کرنا چاہتا ہے اس لیے کوئی عذر مفید نہ ہو گا اور ناحق اس کو عذاب دیئے جائیں گے۔ پس اس نے عذاب سے موت کو سہل سمجھ کر اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں اس ملک میں دستور ہے کہ بادشاہ جس شخص کو قتل کرواتا ہے تو وہ تین دن تک اسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ تین دن کے بعد جو کافر اس کام پر مقرر ہوتے ہیں' اٹھاتے ہیں اور نعش کو شہر کی خندق کے باہر لے جا کر ڈال دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے گھر بھی خندق ہوتے ہیں تاکہ مقتولوں کے وارث اس کو اٹھا کر نہ لے جائیں۔ مقتولوں کے وارث ان لوگوں کو رشوت دے کر مقتولوں کو اٹھا لے جاتے ہیں اور اس کو دفن کر دیتے ہیں اسی طرح سید ابراہیم کو بھی دفن کیا گیا۔

(۱۰) نائب سلطان کی تلنگانہ میں بغاوت

جب بادشاہ تلنگانہ (۱۳) سے واپس آیا اور اس کی موت کی خبر مشہور ہوئی تو تاج الملک نصرت خاں ترک بادشاہ کی طرف سے تلنگانہ میں حاکم تھا۔ وہ بادشاہ کے پرانے مصاحبوں میں سے تھا۔ اس کو بادشاہ کے مرنے کی خبر پہنچی اس نے بادشاہ کی تعزیت کی رسم ادا کی اور لوگوں نے اس کے ساتھ بدر کوٹ (بیدر) تلنگانہ کے دارالخلافہ میں بیعت کی۔ بادشاہ کو جب خبر ہوئی تو اپنے استاد قتلو خان کو ایک بڑا لشکر دے کر بھیجا۔ قتلو خاں نے ایک سخت لڑائی کے بعد جس میں بہت سے لوگ مارے گئے بدر کوٹ کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر نہایت مضبوط تھا۔ اور قتلو خان نے اس میں سرنگ لگانی شروع کی لیکن نصرت خاں نے اپنی جان کی امان چاہی اور قتلو خان نے اس کو امان دے دی۔ اور وہ شہر سے باہر چلا آیا۔ اور بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا اور اس طرح سے تمام باشندگان شہر اور نصرت خاں کا لشکر بچ گیا۔

(۱۱) بادشاہ کا نہر گنگ کے کنارے قحط میں چلے جانا

جب ملک میں قحط پھیل گیا تو بادشاہ اپنا لشکر لے کر دریائے گنگ (۱۴) کے کنارے چلا گیا اس دریا کو ہندو بڑا متبرک سمجھتے ہیں اور ہر سال حج کے لیے اس پر جاتے ہیں یہ جگہ جہاں بادشاہ نے قیام کیا تھا دلی سے دس منزل تھی بادشاہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہاں مکان بنائیں پہلے پھونس کے چھپر بنائے تھے اور اس میں اکثر آگ لگتی رہتی تھی لوگوں کو نہایت تکلیف ہوتی تھی اس کا علاج لوگوں نے یہ کیا تھا کہ زمین کے نیچے تہ خانے بنا لیے تھے۔ جب کبھی آگ لگ جاتی تھی تو اس میں اپنا اسباب ڈال کر مٹی سے اس کا منہ بند کر دیتے تھے میں بھی بادشاہ کے کیمپ میں انہی دنوں میں پہنچا تھا۔ دریائے گنگ کے غربی طرف نہایت سخت قحط تھا لیکن مشرق کی طرف ارزانی تھی اور امیر عین الملک بادشاہ کی طرف سے عوض (اودھ) اور ظفر آباد (۱۵) اور لکھنؤ کا حاکم تھا یہ امیر ہر روز بادشاہ کے ڈیرہ میں پچاس ہزار من گیہوں اور چاول اور چنے مویشی کے واسطے بھیجتا تھا پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ کیمپ کے ہاتھی اور گھوڑے اور خچر دریا کے مشرق کی طرف چرائی کے لیے بھیج دیے جائیں عین الملک کو ان کی نگہبانی کے لیے مقرر کیا اس عین الملک کے چار بھائی اور تھے جن میں سے تین کا نام شہر اللہ' نصر اللہ اور فضل اللہ تھا چوتھے کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ انہوں نے اپنے بھائی عین الملک کے ساتھ سازش کر کے ارادہ کیا کہ بادشاہ کے ہاتھی اور مویشی ہنکا کر لے جائیں اور عین الملک کے ہاتھ

قلعہ نشین ہو جائے کیونکہ قنوج بہت مضبوط جگہ تھی لیکن قنوج اس جگہ سے تین منزل تھا جب اول منزل طے کر چکا تو اپنے لشکر کو لڑائی کے واسطے آمادہ کیا اور ان کو ایک صف میں کھڑا کیا۔ ہر ایک سپاہی کے ہتھیار اس کے بدن پر تھے اور اس کا گھوڑا برابر میں تھا اور بادشاہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا خیمہ تھا جس میں وہ کھانا کھاتا تھا اور غسل کرتا تھا بڑا کیمپ وہاں سے دور ہوتا تھا تین دن تک بادشاہ اپنے خیمہ میں نہ سویا اور نہ کبھی سایہ میں بیٹھا۔ ایک دن میں اپنے خیمے میں تھا میرے ایک نوکر نے جس کا نام سنبل تھا مجھے آواز دی اور کہا جلدی باہر آؤ میں باہر نکلا اس نے کہا بادشاہ نے ابھی حکم دیا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اس کی عورت یا لونڈی ہو اس کو قتل کیا جائے میرے ساتھ لونڈیاں تھیں یہ سنکر امیروں نے بادشاہ سے عرض کی تو اس نے حکم دیا کہ کوئی عورت کیمپ میں نہ رہے۔ ان سب کو ایک قلعہ میں جس کا نام کمپیل (۱۶) تھا اور تین کوس کے فاصلے پر تھا بھیج دیا۔ اس کے بعد کیمپ میں کوئی عورت باقی نہ رہی یہاں تک کہ بادشاہ کے ساتھ بھی کوئی عورت نہ تھی۔ وہ رات ہم نے تیاری میں گزاری جب دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے اپنے لشکر کو فوجوں میں مرتب کیا اور ہر ایک فوج کے ساتھ زرہ پوش ہونے والے ہاتھی تھے جن پر سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ تمام لشکر کو زرہ پوش ہونے کا حکم دیا اور سب لڑائی کے لیے تیار ہو گئے یہ دوسری رات بھی تیاری میں خرچ ہوئی جب تیسرا دن ہوا یہ خبر پہنچی کہ عین الملک دریا سے عبور کر آیا ہے بادشاہ کو یہ سنکر اندیشہ پیدا ہوا اور سمجھا کہ وہ دریا کے پار باقی امیروں کے ساتھ خط کتابت کر کے آیا ہے بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر ایک مصاحب کو ایک گھوڑا دے دیا جائے میرے پاس بھی کچھ گھوڑے بھیجے میرا ہمراہی ایک شخص میر میران کرمانی نام تھا یہ شخص بڑا بہادر شمار کیا جاتا تھا ایک گھوڑا سبزہ رنگ کا میں نے اس کو دیا جب وہ اس پر سوار ہوا تو گھوڑا بھاگ اٹھا اور اس سے نہ رکا۔ گھوڑے نے اس کو نیچے گرا دیا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ بادشاہ نے اس روز چلنے میں بہت جلدی کی اور عصر کے بعد وہ شہر قنوج میں پہنچ گیا بادشاہ کو خوف تھا کہ کہیں عین الملک اس سے پہلے قنوج پر قبضہ نہ کر لے اس رات بادشاہ خود لشکروں کی ترتیب کرتا رہا۔ ہم اس دن لشکر کے اگلے حصے میں تھے بادشاہ کے چچا زاد بھائی ملک فیروز کے ساتھی اور امیر غدا ابن مہنے اور سید ناصر الدین اور خراسان کے امیر بھی ہمارے ساتھ تھے بادشاہ نے ہم کو اپنے خواص میں شامل کیا اور کہا کہ تم لوگ میرے ساتھ رہو اور اس میں خیر ہوئی کیونکہ عین الملک نے پچھلی رات کو لشکر کے اگلے

بیعت کر کے اس کو بادشاہ بنائیں عین الملک بھی رات کو بھاگ گیا اور قریب تھا کہ ان لوگوں کا کام بن جائے اور بادشاہ کو خبر بھی نہ ہو لیکن بادشاہان ہندوستان کا دستور ہے کہ ہر ایک چھوٹے اور بڑے امیر کے پاس بادشاہ کا ایک غلام رہتا ہے جو بادشاہ کو اس امیر کے کل حال کی خبر دیتا رہتا ہے اور اسی طرح سے لونڈیاں اس کے گھر میں رہتی ہیں۔ یہ لونڈیاں جو کچھ اس امیر کے گھر میں ہوتا ہے اس کی خبر بھنگیوں کو دے دیتی ہیں اور یہ بھنگیں کل خبر مخبروں کے افسر کو پہنچا دیتی ہیں اور وہ بادشاہ تک خبر پہنچا دیتا ہے کہتے ہیں کہ ایک امیر اپنی عورت کے ساتھ سویا ہوا تھا کہ اس امیر نے اس کے ساتھ جماع کا ارادہ کیا تو عورت نے اس کو بادشاہ کے سر کی قسم دلائی کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اس امیر نے اس کی بات نہ سنی۔ صبح کو بادشاہ نے بلایا اور اس سے کہا کہ تو نے ایسا کیا اور اسی سبب سے وہ امیر قتل کیا گیا۔ بادشاہ کا ایک غلام ملک شاہ نامی عین الملک کے پاس رہا کرتا تھا اس نے بادشاہ کو عین الملک کے بھاگ جانے کی خبر دی۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس نے سمجھا کہ اب موت آ گئی کیونکہ اس کے گھوڑے اور ہاتھی اور غلہ کل چیزیں عین الملک کے پاس تھیں اور بادشاہی لشکر جگہ جگہ پراگندہ ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ وہ دار الخلافہ کو واپس چلا جائے اور وہاں سے لشکر جمع کر عین الملک کے مقابلہ کے واسطے واپس آئے لیکن اس نے اپنے امیروں سے مشورہ کیا اور چونکہ خراسانی اور پردیسی امیروں کو عین الملک سے بہت اندیشہ تھا کیونکہ وہ ہندی تھا اور اہل ہند پردیسیوں سے اس لیے ناراض رہتے تھے کہ بادشاہ ان پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ ان لوگوں نے بادشاہ کی صلاح کو منظور نہ کیا اور عرض کیا اے اخوند عالم اگر آپ دار الخلافہ کو چلے جائیں گے عین الملک کو خبر ہو جائے گی اور وہ اس عرصہ میں لشکر جمع کرے گا اور فتنہ جو آدمی چاروں طرف سے اس کے پاس آکر جمع ہو جائیں گے۔ بہتر صلاح یہ ہے کہ اس پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ یہ بات اول ہی اول ناصر الدین اوہری نے کہی اور باقیوں نے اس کی تائید کی۔ بادشاہ نے ان کے مشورہ پر کام کیا اور قریب جو امیر اور فوجیں تھیں ان کو اسی رات خط لکھ کر بلوا لیا وہ فوراً چلے آئے اور بادشاہ نے یہ حیلہ کیا کہ اگر سو آدمی آتے تھے تو بادشاہ ہزار آدمیوں کو ان کے استقبال کے واسطے بھیجتا تھا اور وہ کل گیارہ سو ہو کر بادشاہ کے ڈیرے میں داخل ہوتے تھے تاکہ دشمن کو ان کی تعداد بہت معلوم ہو۔ بادشاہ دریا کے کنارے کنارے بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ شہر قنوج کو اپنی پشت کے پیچھے کر لے اور اس میں

حصے پر چھاپہ مارا۔ وزیر خواجہ جہان بھی اس حصے میں شامل تھا اور لوگوں میں بڑا شور پڑا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے اور تلواروں سے لڑائی کی جائے تمام لشکر نے تلواریں کھینچ لیں اور دشمن کی طرف بڑھے لڑائی کا ہنگامہ خوب گرم ہوا بادشاہ نے اس رات اپنی علامت دہلی اور غزنی مقرر کی تھی جب ہمارے لشکر کا کوئی سوار دوسرے کو ملتا تھا تو دہلی کا لفظ کہتا تھا اگر دوسرے نے غزنی کا جواب دیا تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمارے لشکر کا ہے ورنہ حکم تھا کہ اس کو قتل کرو عین الملک کا ارادہ اسی جگہ چھاپا مارنے کا تھا جہاں بادشاہ کا ڈیرہ تھا لیکن اس کے رہبر نے اس کو دھوکا دیا اور وہ وزیر کی جگہ پر آپڑا۔ عین الملک نے رہبر کو مار ڈالا وزیر کے لشکر میں عجمی اور ترک اور خراسانی بہت تھے اور چونکہ وہ ہندیوں کے دشمن تھے اس لیے خوب ہی توڑ کر لڑے عین الملک کا لشکر پچاس ہزار کے قریب تھا صبح ہوتے تک وہ کل کے کل بھاگ گئے ملک ابراہیم تاتاری جو بنجی کر کے مشہور تھا اور سندیلہ (۱۶۸) کی طرف عین الملک کے ساتھ تھا عین الملک نے اس کو اپنا نائب مقرر کیا تھا قطب الملک کا بیٹا داؤد اور ملک انجار کا بیٹا جو بادشاہوں کے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر افسر تھے وہ بھی اس سے مل گئے اسی داؤد کو عین الملک نے اپنا حاجب مقرر کیا تھا جب عین الملک وزیر کے لشکر پر آپڑا تو داؤد پکار پکار کر بادشاہ کو نہایت گندی گالیاں دے رہا تھا بادشاہ سنتا تھا اور داؤد کی آواز کو پہچانتا تھا جب عین الملک کے لشکر کو شکست ہوئی تو اس نے اپنے نائب ابراہیم سے کہا کہ اے ابراہیم اب تیری کیا رائے ہے اکثر لشکر اور بڑے بڑے بہادر سردار بھاگ گئے اب تیری رائے ہو تو ہم بھاگ کر اپنی جان بچالیں ابراہیم نے اپنے ہمراہیوں سے اپنی زبان میں کہا کہ جب عین الملک بھاگنے کا ارادہ کرے گا تو میں اس کی زلفیں پکڑ لوں گا اور جس وقت میں اس کی زلفیں پکڑوں تو تم اس کے گھوڑے کے چابک مار کر اس کو نیچے گرا دینا اور پھر ہم اس کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جائیں گے شاید بادشاہ میرا قصور اس خدمت کے سبب معاف کر دے جب عین الملک نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو ابراہیم نے کہا کہ سلطان علاء الدین کہاں جاتے ہو عین الملک نے اپنا خطاب سلطان علاء الدین رکھ لیا تھا اور عین الملک کی زلفیں مضبوط پکڑ لیں اور اس کے ساتھیوں نے عین الملک کے گھوڑے کو چابک مار کر بھگا دیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ ابراہیم نے اس کو قابو میں کر لیا اور جب وزیر کے ہمراہی اس کو پکڑنے کو آئے ان کو روکا کہ میں خود وزیر کے پاس لے جاؤں گا یا لڑ کر مر جاؤں گا لیکن کسی اور شخص کو اس کے ہاتھ نہیں لگنے دوں گا۔ ابراہیم عین الملک کو وزیر کے پاس لے گیا میں اس وقت جبکہ صبح ہوئی تھی ہاتھیوں اور جھنڈوں کو جو سلطان کے سامنے پیش کیے جاتے تھے دیکھ رہا تھا کسی عراقی نے مجھ سے کہا کہ عین الملک پکڑا گیا اور اس کو وزیر کے پاس لے آئے ہیں مجھے یقین نہ آیا۔ میں تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ملک تیمور شربدار آیا اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا مبارک ہو عین الملک پکڑا گیا اور وزیر کے پاس ہے یہ سن کر بادشاہ مع ہمارے عین الملک کے کیمپ کی طرف گیا لشکر نے اس کے ڈیرے کو لوٹ لیا اور عین الملک کے بہت سے سپاہی دریا میں گھس گئے اور ڈوب گئے اور قطب الملک کا بیٹا اور ملک انجار کا بیٹا دونوں پکڑے گئے بادشاہ نے اس دن گھاٹ پر ڈیرہ کیا اور جب وزیر عین الملک کو لیکر آیا تو وہ بیل پر سوار تھا اور بدن سے ننگا تھا فقط ایک پرانے کپڑے کا لنگوٹ اس کی شرم گاہ پر باندھا ہوا تھا اور اسی کو گردن میں باندھ دیا تھا وزیر نے عین الملک کو ڈیرہ کے دروازہ پر کھڑا کیا اور آپ بادشاہ کے پاس گیا بادشاہ نے اس کو شربت پینے کے لیے دیا امیروں کے لڑکے عین الملک کے پاس آتے تھے اور اس کو گالیاں دیتے تھے اور اس کے چہرے پر تھوکتے تھے اور اس کے ہمراہیوں کو زدوکوب کرتے تھے بادشاہ نے اس کے پاس ملک کبیر کو بھیجا اور کہلا بھیجا کہ تو نے یہ کام کیا کیا لیکن اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو غریبوں جیسے کپڑے پہنائے جائیں اور پیروں میں چار بیڑیاں ڈالی جائیں اور اس کے دونوں ہاتھ گردن پر باندھ کر وزیر کے سپرد کیا جائے تو وزیر اس کی حفاظت کرے عین الملک کے بھائی دریا سے پار بھاگ گئے اور شہر اودھ میں پہنچ کر اپنے بال بچوں کو اور دولت اور اسباب جس قدر اٹھا سکے اپنے ساتھ لے گئے۔ انہوں نے اپنے بھائی عین الملک کی عورت سے کہا کہ تو بھی اپنے بال بچوں کو لے کر ہمارے ساتھ چل اس نے کہا کہ کیا میں ایک ہندو عورت سے بھی کم ہوں جو اپنے خاوند کے ساتھ جل جاتی ہے اگر میرا خاوند مرے گا تو مروں گی اگر زندہ رہے گا تو زندہ رہوں گی بادشاہ کو اس کے اس جواب کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا اور بادشاہ کو اس عورت پر رحم آگیا ایک شخص سہیل نے عین الملک کے بھائی نصراللہ کو پکڑ لیا اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے سر کو بادشاہ کے پاس لایا اور عین الملک کی عورت اور اس کی بہن کو بھی ساتھ لے آیا۔ بادشاہ نے ان کو بھی وزیر کے سپرد کیا اور ان کے لیے عین الملک کے خیمہ کے پاس ایک خیمہ لگا دیا عین الملک ان کے پاس آتا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھتا تھا اور پھر قید خانہ میں چلا جاتا تھا فتح کے روز عصر کے وقت بادشاہ نے حکم دیا

کہ بازاری اور غلام اور کمینے لوگ جو ان کے ساتھ پکڑے گئے ہیں چھوڑ دیے جائیں ملک ابراہیم بنجی کو بھی بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا پہ سالار ملک بجرا نے کہا کہ اے اخوند عالم اس کو قتل کر دینا چاہئے اس نے بھی بغاوت کی تھی وزیر نے کہا کہ عین الملک کو گرفتار کرنے سے اس کا قصور معاف کر دیا گیا بادشاہ نے بھی اس کا قصور معاف کر دیا اور حکم دیا کہ اپنی جاگیر میں چلا جائے مغرب کے بعد بادشاہ چوبی برج میں بیٹھا اور عین الملک کے ہمراہیوں میں سے باسٹھ بڑے بڑے آدمی اس کے روبرو پیش کیے گئے اور ہاتھیوں کے سامنے ڈالے گئے بعض کو اوپر اچھال اچھال کر مار ڈالا اور اس وقت نوبت نقارے اور نفیری بجائی جاتی تھیں عین الملک کھڑا دیکھ رہا تھا اور ان کے ٹکڑے اس کی طرف پھینکے جاتے تھے پھر اس کو اس کے قید خانہ میں لے گئے۔ بادشاہ دریا کے کنارے آدمیوں کی کثرت اور کشتیوں کی قلت کے سبب ٹھہرا رہا اور بادشاہی اسباب اور خزانہ ہاتھیوں پر پار اتارا گیا اور کچھ ہاتھی بادشاہ کے خاص خاص امیروں میں تقسیم کیے گئے کہ اپنا اسباب ہاتھیوں کی پشت پر دریا کے پار لے جائیں میرے پاس بھی ایک ہاتھی بھیجا گیا تو میں نے اپنا اسباب اس ہاتھی پر لاد کر دریا کے پار پہنچایا۔(۱۸)

(۱۲) بہرائچ سفر

پھر بادشاہ نے بہرائچ(۱۹) کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک خوبصورت شہر دریائے سرجو (۲۰) کے کنارے واقع ہے سرجو ایک بڑا دریا ہے جو اکثر اپنے کنارے گراتا رہتا ہے بادشاہ شیخ سالار مسعود کی قبر کی زیارت کے لیے دریا پار گیا شیخ سالار نے اس نواح کے اکثر ملک فتح کیے تھے اور ان کی بابت عجیب عجیب باتیں مشہور ہیں لوگوں کے دریا سے پار ہونے کے وقت بڑی بھیڑ ہوئی چنانچہ ایک بڑی کشتی جس میں تین سو آدمی تھے ڈوب گئی اور ان میں سے ایک عرب جو امیر غدا کا ہمراہی تھا بچ گیا ہم ایک چھوٹی کشتی میں تھے اس سبب سے اللہ نے ہمیں بچا لیا۔ اس عرب کا نام جو ڈوبنے سے بچ گیا تھا سالم تھا اور یہ ایک عجیب اتفاق تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں بیٹھے لیکن ہماری کشتی ذرا آگے بڑھ آئی تھی اس سبب سے وہ بڑی کشتی میں بیٹھ گیا تھا جو ڈوب گئی جب وہ دریا سے نکلا تو لوگوں نے گمان کیا کہ وہ ہماری کشتی میں تھا اس لیے ہمارے ساتھیوں میں شور مچ گیا سب لوگوں نے خیال کیا کہ ہم بھی ڈوب گئے لیکن جب انہوں نے ہمیں صحیح و سالم دیکھا تو ہم کو مبارکباد دی پھر ہم نے شیخ سالار (۲۱) کی قبر کی زیارت کی ان کا مزار ایک برج میں ہے لیکن میں اژدحام کے سبب سے اس کے اندر داخل نہ ہو سکا پھر اس نواح میں ہم بانس کے جنگل میں داخل ہوئے تو ہم نے گینڈا دیکھا لوگوں نے اس کو مارا اور اس کا سر لائے وہ ہاتھی سے چھوٹا تھا لیکن سر اس کا چند در چند ہاتھی کے سر سے بڑا تھا۔ جب بادشاہ نے عین الملک (۲۲) پر فتح پائی تو ڈھائی برس کے بعد دارالخلافہ میں آیا عین الملک کا قصور معاف کیا گیا اور نصرت خاں کو بھی جس نے تلنگانہ کے ملک میں بغاوت کی تھی معاف کر دیا گیا اور بادشاہ نے ان دونوں کو اپنے باغوں کا ناظر مقرر کر دیا اور ان کو خلعت اور سواری عطاء ہوئی اور آٹا اور گوشت یومیہ ان کے واسطے سرکاری گودام سے مقرر ہوا۔

(۱۳) بادشاہ کا دارالخلافہ میں واپس آنا اور علی شاہ بہرہ کی بغاوت

پھر یہ خبر پہنچی کہ قتلو خاں کا ایک ہمراہی علی شاہ کر (یعنی بہرہ) بادشاہ سے باغی ہو گیا یہ شخص بڑا خوبصورت اور بہادر اور اچھی خصلت کا آدمی تھا اس نے بدر کوٹ پر قبضہ کر لیا اور اس کو اپنے ملک کا دارالخلافہ مقرر کیا بادشاہ نے اپنے استاد کو حکم دیا کہ اس سے لڑنے جائے قتلو خاں نے ایک بڑا لشکر اپنے ہمراہ لیا اور بدر کوٹ کا محاصرہ کیا اور برجوں پر سرنگ لگائی۔ جب علی شاہ بہت تنگ ہوا تو اس نے اماں طلب کی۔ قتلو نے اس کو اماں دے دی اور بادشاہ کے پاس قید کر کے بھیج دیا بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور اس کو شہر غزنی کی طرف جلا وطن کر دیا وہاں وہ کچھ مدت تک رہا پھر اس کو وطن میں آنے کا شوق ہوا اور جب اس کی قضا آئی تو اس نے واپسی کا ارادہ کیا سندھ کے ملک میں اس کو پکڑ لیا اور بادشاہ کے پاس لائے بادشاہ نے کہا کہ تو میرے ملک میں پھر فساد کرنے کے لیے آیا ہے اور حکم دیا کہ اس کو مار دیا جائے۔

(۱۴) امیر بخت کا بھاگ جانا اور پکڑا جانا

بادشاہ امیر بخت شرف الملک پر خفا ہوا۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جو ہمارے ساتھ بادشاہ کے پاس آئے تھے بادشاہ نے اس کا مرتبہ چہل ہزاری سے ایک ہزاری کر دیا اور اس کو وزیر کے پاس دلی میں بھیج دیا اتفاق سے امیر عبداللہ ہراتی وبا سے تلنگانہ میں مر گیا اس کا مال اس کے ہمراہیوں کے پاس دلی میں تھا انہوں نے امیر بخت کے ساتھ بھاگنے کی سازش کی جب وزیر دلی سے بادشاہ کے استقبال کے لیے نکلا تو یہ

لوگ امیر بخت کے ساتھ بھاگ گئے اور چالیس دن کا راستہ سات دن میں طے کر کے سندھ کے ملک میں پہنچے۔ ان کے پاس بہت عمدہ گھوڑے تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ نہر سندھ سے تیر کر عبور کر جائیں۔ امیر بخت اور اس کا بیٹا اور وہ لوگ جو اچھی طرح تیرنا نہیں جانتے تھے انہوں نے نرسل کے ٹوکرے میں جو اسی غرض کے لیے بنائے جاتے ہیں پار ہونے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ریشم کی رسیاں اس غرض کے واسطے تیار کرلی تھیں جب وہ دریا پر پہنچے تو تیر کر عبور کرنے سے ڈر گئے اور انہوں نے دو شخص جلال الدین حاکم اوچ کے پاس بھیجے ان دونوں نے جاکر جلال الدین سے کہا کہ بعض سوداگر دریا کو عبور کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے یہ زین تیرے پاس بطور نذر کے بھیجا ہے تاکہ ان کو عبور کرنے کی اجازت دے دی جائے امیر نے فوراً پہچان لیا کہ ایسا زین تاجروں کے پاس نہیں ہو سکتا اور اس نے حکم دیا کہ ان دونوں شخصوں کو پکڑ لو ان میں سے ایک شخص بھاگ کر شرف الملک کے پاس آیا وہ تکان اور پے در پے جاگنے کے سبب سو گئے تھے اس نے ان کو خبر کی اور وہ فوراً سوار ہو گئے اور بھاگ اٹھے جلال الدین نے حکم دیا کہ جو شخص پکڑا گیا ہے اس کو خوب زدوکوب کیا جائے چنانچہ اس نے شرف الملک کا حال بتا دیا جلال الدین نے اپنے نائب کو حکم دیا کہ وہ لشکر کے ساتھ شرف الملک اور اس کے ہمراہیوں کی طرف جائے جب وہ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ سوار ہو گئے اور ڈر کر بھاگ گئے لیکن وہ ان کے سراغ پر چلا گیا اور ان کو جا لیا لشکر نے تیر برسانے شروع کیے اور شرف الملک کے بیٹے طاہر کے بازو پر نائب کا تیر لگ گیا اور نائب نے اس کو پہچان کر پکڑ لیا وہ سب جلال الدین کے سامنے لائے گئے اور اس نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور ان کے ہاتھ باندھ دیے اور وزیر کی طرف لکھا کہ ان کا کیا کیا جائے وزیر نے حکم دیا کہ ان کو دارالخلافہ کی طرف بھیج دیا جائے جلال الدین نے ان کو دارالخلافہ کی طرف بھیج دیا اور وہ وہاں قید کر دیے گئے طاہر قید میں مر گیا اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ شرف الملک کو سو درے ہر روز مارے جائیں۔ وہ اس مار پر بھی زندہ رہا۔ پھر بادشاہ نے اس کی خطا معاف کر دی اور اس کو امیر نظام الدین کے ساتھ چندیری کی طرف بھیجا پھر اس کی حالت ایسی ابتر ہو گئی کہ اس کے پاس سواری کے واسطے گھوڑا بھی نہ رہا اور وہ بیل پر سوار ہوتا تھا مدت تک یہی حال رہا پھر امیر نظام الدین نے بادشاہ کے پاس کچھ آدمی بھیجے اور وہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ بادشاہ نے اس کو اپنا چاشنی گیر مقرر کیا۔ اس عہدیدار کا کام ہوتا تھا کہ وہ گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بادشاہ کے دسترخوان پر رکھتا جاتا تھا اور کھانا لے کر بادشاہ کے حضور میں جاتا تھا پھر بادشاہ نے اس پر مہربانی کی اور اس کا رتبہ یہاں تک بڑھایا کہ جب وہ بیمار ہوا تو بادشاہ اس کی عیادت کے لیے گیا اور اس کے برابر سونا تول کر اس کو دے دیا ہم نے یہ حکایت پہلی جلد میں بیان کی ہے پھر اس کی شادی اپنی بہن سے کر دی اور اس کو چندیری کا حاکم مقرر کر دیا جس جگہ وہ پہلے امیر نظام الدین کی ملازمت میں بیل پر سوار ہوا کرتا تھا خدا بڑا مقلب القلوب ہے کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔

(۱۵) شاہ افغان کی بغاوت

شاہ افغان (۲۳) نے ملتان کے ملک میں بغاوت کی اور وہاں کے امیر بہزاد کو مار ڈالا اور خود سلطنت کا دعویٰ کیا۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا ارادہ کیا لیکن وہ بھاگ کر اپنی قوم کے پٹھانوں میں جو دشوار گزار پہاڑوں میں رہتے ہیں چلا گیا بادشاہ کو نہایت غصہ آیا اور اس نے اپنے اہلکاروں کو لکھا کہ اس کے ملک میں جس جگہ کوئی پٹھان ہو پکڑ لیا جائے اور یہی قاضی جلال الدین کی بغاوت کا سبب ہوا۔

(۱۶) گجرات کا فساد

قاضی جلال اور پٹھانوں کی ایک جماعت شہر کھمبایت اور بلودرہ (۲۴) کے پاس رہتی تھی جبکہ بادشاہ نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ پٹھانوں کو پکڑ لو تو ملک مقبل (۲۵) کے نام بھی جو وزیر کی طرف سے گجرات اور نہروالہ میں نائب تھا یہ حکم بھیجا کہ کسی حیلہ سے قاضی جلال اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر لیا جائے بلودرہ کا علاقہ ملک الحکما کی جاگیر میں تھا اور ملک الحکما کی شادی بادشاہ کے باپ کی بیوہ کی بیٹی سے ہوئی تھی جس کو بادشاہ نے پرورش کیا تھا اس عورت کے ایک دوسری بیٹی بادشاہ کے باپ کے نطفہ سے ہوئی تھی اس کا نکاح بادشاہ نے امیر غدا کے ساتھ کیا یہ ملک الحکما ان دنوں ملک مقبل کے ہمراہ تھا کیونکہ اس کی جاگیر ملک مقبل کے علاقہ میں تھی جب یہ گجرات کے ملک میں پہنچے تو ملک مقبل نے ملک الحکما کو حکم دیا کہ وہ قاضی جلال اور اس کے ہمراہیوں کو اس کے پاس لے آئے جب ملک الحکما ان کے علاقہ میں پہنچا تو پوشیدہ طور سے ان کو خبر کر دی کیونکہ وہ اس کے ہم وطن تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ ملک مقبل نے تمہیں گرفتار کرنے کے واسطے بلایا ہے سو اس کے پاس تم ہتھیار باندھ کر جانا قاضی

جلال تین سو زرہ پوش جوانوں کو لے کر آیا اور کہا کہ ہم سب ایک ہی دفعہ اندر آئیں گے ملک مقبل سمجھ گیا کہ ان کا گرفتار کرنا مشکل ہے اور ان سے ڈر کر حکم دیا کہ تم واپس چلے جاؤ اور یہ بھی کہا کہ تمہیں کچھ ڈر نہیں انہوں نے بغاوت کی اور شہر کھمبایت میں داخل ہو کر بادشاہ کا خزانہ اور لوگوں کے مال لوٹ لیے اور ابن الکولمی تاجر کا مال بھی لوٹ لیا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے سکندریہ میں ایک بہت اچھا مدرسہ بنایا ہے جس کا ذکر اب میں آگے چل کر بیان کروں گا ملک مقبل ان کے مقابلہ کے لیے آیا اس کو انہوں نے شکست دی۔ اس کے بعد ملک عزیز خمار اور ملک جہاں مقبل سات ہزار فوج لے کر آیا اس کو بھی شکست دی مفسد اور جرائم پیشہ لوگوں نے سن کر ان کے پاس آنا شروع کیا قاضی جلال نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور اس کے ہمراہیوں نے اس کی بیعت کی بادشاہ نے اس کی طرف کئی لشکر بھیجے ان کو بھی شکست دی دولت آباد میں پٹھانوں کا ایک گروہ رہتا تھا انہوں نے بھی بغاوت کی ملک مل دولت آباد میں ان پٹھانوں کے درمیان رہتا تھا بادشاہ نے اپنے نائب نظام الدین کو جو اس کے استاد قتلو خاں کا بھائی تھا ان کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا اور اس کے ساتھ بیڑیاں اور زنجیریں بھی بھیجیں اور موسم سرما کے خلعت بھی روانہ کیے ہندوستان کا دستور ہے کہ بادشاہ جاڑے میں ہر ایک شہر کے حاکم کے پاس اور فوج کے افسروں کے لیے سال میں دو دفعہ خلعت(۳۶) بھیجتا ہے۔ ایک گرمی کا اور ایک جاڑے کا اور جب خلعت آتا ہے تو وہ حاکم اور کل لشکر اس کے استقبال کے لیے باہر آتا ہے اور جب وہ خلعت لانے والے کے قریب پہنچتے ہیں تو اپنی سواریوں سے اتر پڑتے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا خلعت لے لیتا ہے اور کندھے پر رکھ لیتا ہے اور بادشاہ کی طرف منہ کر کے تعظیم کرتا ہے بادشاہ نے نظام الدین کو یہ لکھا تھا کہ جب پٹھان شہر سے باہر آئیں اور خلعت لینے کے لیے سواریوں سے اتر پڑیں تو اس وقت ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ خلعت لانے والوں میں ایک سوار تھا اس نے یہ خبر پٹھانوں کو بھی دے دی اور اس لیے نظام الدین کی تدبیر الٹی پڑ گئی جب وہ اور پٹھان سوار ہو کر شہر سے باہر آئے اور خلعت لانے والوں کے قریب پہنچے تو نظام الدین اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ پٹھانوں نے اس پر حملہ کیا اور اس کو گرفتار کر لیا اور اس کے ہمراہیوں میں سے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے اور شہر میں داخل ہو کر خزانوں پر قبضہ کر لیا اور ناصر الدین (۳۷) ملک مل کے بیٹے کو اپنا حاکم مقرر کیا اور ان کے ساتھ اور بھی مفسد آملے اور ان کی بھیڑ بھاڑ اور بھی زیادہ ہوئی جب

بادشاہ کو کھمبایت اور دوسرے پٹھانوں کی بغاوت کی خبر پہنچی تو اس نے خود کھمبایت کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور ملک اعظم بایزیدی کو جو بادشاہ کا داماد تھا چار ہزار سوار دے کر اپنے آگے بھیجا قاضی جلال کے لشکر میں ایک شخص جلول نام تھا وہ بڑا بہادر تھا وہ لشکر پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو قتل کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ سے مقابلہ کرنے والا اگر کوئی شخص ہو تو باہر آئے کوئی شخص اس کے مقابلہ کی جرأت نہ کرتا تھا ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا وہ اس کو لیکر ایک غار میں جا پڑا اور جلول گھوڑے سے نیچے گر پڑا اور اس کو کسی نے قتل کر ڈالا۔ اس کے بدن پر معلوم ہوا دو زرہیں تھیں اس کا سر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور بدن کو شہر بلوزرہ کی فصیل پر لٹکا دیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اور علاقوں میں بھیج دیے اتنے میں بادشاہ بھی اپنا لشکر لے کر آ گیا۔ قاضی جلال کا پاؤں نہ جم سکا اور وہ مع اپنے ہمراہیوں کے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لشکر نے ان سب کو لوٹ لیا اور شہر میں داخل ہوئے بادشاہ وہاں کئی دن تک ٹھہرا اور پھر وہاں سے کوچ کر کے اپنے داماد شرف الملک امیر بخت کو جس کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں وہاں چھوڑ گیا اور اس کو حکم دیا کہ جس جس آدمی نے قاضی جلال کی بیعت کی تھی ان کی تلاش کرے اور کئی فقیہ بھی اس کے پاس چھوڑے کہ ان کے فتوے کے مطابق عمل کرے شیخ علی حیدری کا قتل جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اسی موقع پر واقع ہوا تھا قاضی جلال بھاگ کر ناصر الدین بن ملک مل کے پاس دولت آباد میں آ گیا اور اس کے ہمراہیوں میں داخل ہو گیا بادشاہ خود وہاں پہنچا باغیوں نے چالیس ہزار افغان اور ترک اور ہندو اور غلاموں کا لشکر جمع کیا اور سب نے حلف اٹھایا کہ ہم بھاگیں گے نہیں اور بادشاہ کا مقابلہ کریں گے جب بادشاہ ان کے مقابلہ کے لیے آیا تو پہلے اپنے اوپر چھتر نہ لگایا وہ سمجھے کہ بادشاہ موجود نہیں جب لڑائی کا ہنگامہ گرم ہوا تو یکایک چھتر اٹھایا گیا۔ وہ چھتر کو دیکھ کر متحیر ہو گئے اور بھاگ گئے۔ ناصر الدین اور قاضی جلال اور چار سو آدمی جو ان کے خواصوں میں سے تھے قلعہ دیوگیر میں چلے گئے یہ قلعہ دنیا کے نہایت مضبوط قلعوں سے گنا جاتا ہے۔ بادشاہ دولت آباد کے شہر میں جا ٹھہرا دیوگیر(۳۸) قلعہ کا نام ہے اور دولت آباد شہر کا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ تم قلعہ سے باہر چلے آؤ۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہمیں جان کی امان نہ دی جائے گی ہم قلعہ سے نیچے نہ اتریں گے بادشاہ نے امان دینے سے انکار کیا لیکن ان کو نرمی دکھلانے کے واسطے کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور آپ وہاں قیام کیا یہاں تک کہ

نرخ یہاں تک مہنگا ہو گیا کہ ایک من کی قیمت ساٹھ درہم ہو گئی پھر اس سے بھی زیادہ گرانی ہوئی اور لوگوں کا حال نہایت تنگ ہوا ایک دفعہ میں وزیر کے ملنے کو جاتا تھا تو میں نے دیکھا کہ تین عورتیں ایک مرے ہوئے گھوڑے کی کھال کاٹ کاٹ کر کھاتی تھیں۔ یہ گھوڑا مہینوں کا مرا ہوا تھا اور لوگ چمڑوں کو پکا کر بازار میں بیچتے تھے اور گایوں کے ذبح کرنے کے وقت جو خون نکلتا تھا وہ کھا جاتے تھے بعض خراسانی طالب علموں نے مجھ سے ذکر کیا کہ وہ اگروہہ (۳۰) کے شہر میں جو ہانسی اور سرسہ کے بیچ میں ہے داخل ہوئے تو تمام شہر خالی پڑا ہوا تھا وہ ایک گھر میں داخل ہوئے تاکہ شب گزاری کریں مکان کے ایک حصے میں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے آگ جلائی ہوئی تھی اور آدمی کی ٹانگ بھون بھون کر کھا رہا تھا جب لوگوں کو نہایت سخت تکلیف ہوئی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام دہلی کے باشندوں کو چھ مہینے کے گزارے کا غلہ دیا جائے چنانچہ قاضی اور منشی اور امیر کوچہ کوچہ اور محلہ محلہ پھرتے تھے اور لوگوں کے نام لکھتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو چھ مہینے کا خرچ ڈیڑھ رطل یومیہ کے حساب سے دیئے جاتے تھے میں بھی اس زمانے میں لوگوں کو سلطان قطب الدین کے مقبرہ کے لنگر سے کھانا تقسیم کیا کرتا تھا لوگ سنبھلتے جاتے تھے خدا تعالیٰ نے مجھے میری محنت اور نیت کا اجر دے دیا۔



حال میرے سامنے (۲۸) کا ہے۔

(۱۷) مقبل اور ابن الکولمی کی لڑائی

یہ لڑائی قاضی جلال الدین کی بغاوت سے پہلے ہوئی تھی تاج الدین ابن الکولمی ایک بڑا سوداگر تھا۔ وہ ترکستان سے بہت تحفے لایا تھا جن میں غلام اور اونٹ اور کپڑے اور ہتھیار وغیرہ شامل تھے بادشاہ کے لیے لے کر آیا بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس کو بارہ لاکھ دینار عطاء کیے کہتے ہیں کہ اس کے تحفوں کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ نہیں تھی بادشاہ نے اس کو کھمبایت کا حاکم مقرر کیا وہ علاقہ ملک مقبل نائب وزیر کے ماتحت تھا ابن الکولمی کھمبایت میں پہنچا اور وہاں سے معبر اور جزیرہ سیلان میں جہاز بھیجنے شروع کیے اور اس کے پاس عجیب عجیب چیزیں جہازوں میں آتی تھیں وہ بہت مالدار ہو گیا جب اس نے اپنے علاقہ کا سرکاری مال دارالخلافہ میں نہ بھیجا تو ملک مقبل نے اس کو کہلا بھیجا کہ وہ حسب دستور اپنے تحفے اس علاقہ کے مال کے ساتھ دارالخلافہ میں بھیجے۔ ابن الکولمی نے انکار کیا اور کہا کہ میں خود لے جاؤں گا یا اپنے نوکروں کے ساتھ بھیجوں گا اور یہ بھی کہا کہ میں نائب وزیر یا وزیر کا ماتحت نہیں ہوں اور بادشاہ کی عنایت پر مغرور ہو گیا مقبل نے وزیر کو لکھا وزیر نے اس کے خط کی پشت پر لکھ دیا کہ اگر تجھ سے میرے علاقہ کا بندوبست نہیں ہو سکتا تو چھوڑ کر چلا آ۔ اس نے اسی وقت سے لڑائی کا سامان کیا اور اپنے غلام اور لشکر جمع کر کے ابن الکولمی کے ساتھ مقابلہ کیا ابن الکولمی کو شکست ہوئی اور فریقین میں سے بہت سے آدمی مارے گئے ابن الکولمی کے لشکر کے امیروں کو مروا ڈالا اور اس کو کہلا بھیجا کہ اگر تو بادشاہ کا خراج اور تحفے بھیج دے تو میں تجھے امان دیتا ہوں اس نے منظور کر لیا مقبل نے یہ کل مال بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور ابن الکولمی کی شکایت لکھی ابن الکولمی نے بھی اس کی شکایت کا خط بادشاہ کے پاس لکھا بادشاہ نے ملک الحکماء کو بھیجا کہ ان کے تنازعہ کا فیصلہ کرے اس کے بعد قاضی جلال کی بغاوت ہو گئی اور اس نے ابن الکولمی کا مال لوٹ لیا ابن الکولمی اپنے علاقہ میں بھاگ گیا اور وہاں سے بادشاہ کے پاس جا پہنچا۔

(۱۸) ہندوستان میں قحط

جب بادشاہ دارالخلافہ معبر کی طرف گیا تو ہندوستان میں بڑا سخت قحط (۲۹) پڑا اور

حوالہ جات

(۱) غیاث الدین بھنورا۔ ناصر الدین محمود بغرا بن سلطان غیاث الدین بلبن کا پوتا۔ شاہان دہلی کے کسی مورخ نے اس خاندان کا حال نہیں لکھا۔ ابن بطوطہ کے بیان سے اس خاندان کے حالات پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ (دیکھو باب ۳ فصل ۷) ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ۷۱۱ھ میں بعض امیروار بگو سے بھاگ کر سلطان شمس الدین کے پاس لکھنوتی میں چلے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین فیروز ۷۱۱ھ میں حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ کے سکے جن کے ایک رخ پر "السلطان الاعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر فیروز شاہ السلطان" اور دوسری طرف "الامام المستعصم امیر المومنین" اور حاشیہ پر ضرب ہذا الفضۃ بحضرت لکھنوتی سنہ عشرین و سبعمائۃ درج ہے اور بعضوں پر ۷۲۲ھ بھی درج پائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۷۲۲ھ کے بعد تک رہا۔ ۷۲۳ھ میں ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس کے بیٹے ناصر الدین اور شہاب الدین بھاگ کر غیاث الدین تغلق کے پاس آئے اور غیاث الدین بھنورا کی شکایت کی۔ غیاث الدین تغلق بنگالہ کو گیا اور غیاث الدین بھنورا کو قید کر کے دہلی میں لے آیا لیکن ۷۲۴ھ میں تغلق کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے غیاث الدین کو چھوڑ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین فیروز شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین لکھنوتی میں حاکم ہوا اور غیاث الدین بہادر شاہ سنار گاؤں میں۔ فرشتہ یہ زیادہ لکھتا ہے کہ جب تغلق شاہ غیاث الدین کو پکڑلایا تو سنار گاؤں و گورو بنگالہ سب ناصر الدین کے سپرد کر دیا۔ ضیاء الدین برنی بھی یہی لکھتا ہے۔ فرشتہ اور اکثر مورخوں نے ایک سخت غلطی کی ہے کہ انہوں نے اس ناصر الدین کو ناصر الدین بغرا یعنی غیاث الدین بلبن کا بیٹا سمجھا ہے حالانکہ وہ ۶۹۱ھ میں مر چکا تھا۔ اس خاندان شاہان بنگال کے متعلق ایک نہایت مشکل تاریخی سوال یہ ہے کہ غیاث الدین بہادر شاہ کی سلطنت کا عہد کب شروع ہوا اور کب ختم ہوا۔ شاہان دہلی کی تاریخوں سے فقط یہی پتہ لگ سکتا ہے جو اوپر لکھا گیا مسٹر ایڈورڈ طامس نے جو سکے جمع کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ غیاث الدین بہادر شاہ کے بعض سکے ۷۱۰ھ اور ۷۱۱ھ کے ہیں اور ۷۲۸ھ کے سکے پر اس نے سلطان محمد تغلق کا نام بھی زیادہ کیا ہے لیکن ۷۳۰ھ کے سکوں پر پھر فقط اپنا نام لکھا ہے اور ۷۳۳ھ کے سکے سلطان محمد تغلق کے نام ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے وقت میں ہی خود سر ہو بیٹھا تھا اور چونکہ یہ عام قاعدہ ہو گیا تھا کہ شاہان دہلی جن امیروں کو بنگالہ کا حاکم بنا کر بھیجتے تھے وہ وہاں جاتے ہی خود سر ہو بیٹھتے تھے اور جن لوگوں کو وہ امیر اپنی طرف سے مشرقی بنگالہ یعنی سنار گاؤں (ڈھاکہ کے قریب تھا) نائب بنا کر بھیجتے تھے وہ بنگالہ کے امیر سے پھر بیٹھتا تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ غیاث الدین نے بھی ایسا ہی کیا ہو اور یہ بات اوروں سے بڑھ کر کی ہو کہ سکہ بھی اپنے نام سے لکھنوتی کا جاری کر دیا ہو جس سے یہ مطلب تھا کہ وہ اپنے تئیں کل بنگالہ کا حاکم سمجھتا ہے ورنہ اور کسی طرح سے ان واقعات کی توجیہ نہیں ہو سکتی کہ غیاث الدین نے اپنے باپ کی زندگی میں کس طرح یہ سکے جاری کیے کیونکہ اس کے باپ کے نام کے بھی سکے ۷۲۲ھ تک کے پائے جاتے ہیں ان سکوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ غیاث الدین بھنورا نے دہلی سے جانے کے بعد کئی سال تک بادشاہ کی متابعت کی ہے اور ۷۳۰ھ میں اس نے بغاوت کی ہے اور ۷۳۳ھ سے پہلے وہ شکست کھا کر پکڑا جا چکا تھا سلطان محمد تغلق نے اس کو ۷۲۷ھ یا ۷۲۸ھ میں قتل نہیں کروایا جیسا کہ ابن بطوطہ کے لکھنے سے ظاہر ہوتا ہے اور اس لیے اس کی نعش بہاء الدین گشتاسپ کی نعش کے ساتھ کسی طرح نہیں پھر سکتی تھی کیونکہ بہاء الدین کا قتل ضرور ۷۲۷ھ میں ہوا ہے اور کشلو خان کی بغاوت ۷۲۸ھ میں۔ ایک سکہ سر ایڈورڈ طامس نے بغیر کسی تاریخ کے شمس الدین بغرا شاہ کے نام کا دیا ہے وہ بھی میری رائے میں شہاب الدین بغرا شاہ کا نہیں ہے بلکہ اس کے باپ شمس الدین کے نام کا ہے جس کو اور سکوں میں شمس الدین فیروز شاہ لکھا ہے اور شہاب الدین کبھی بادشاہ نہیں ہوا۔

(۲) فرشتہ اور بدایونی نے اس امیر کا نام بہرام خاں لکھا ہے۔ وہ غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بیٹا تھا۔ تاتار خاں بھی اسی کا خطاب تھا۔

(۳) کمپلہ یا کمپلی۔ ایک ریاست بیجانگر کے پاس بلاری احاطہ مدراس کے ضلع میں تھی بعض مورخوں نے اس کو کمپیل سمجھا ہے قنوج کے پاس ایک شہر تھا۔

(۴) رائے' ہندی میں راجہ کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں لفظ ایک ہی اصل سے مشتق ہیں۔ لاطینی اور فرانسیسی میں اس کے مقابل کے لفظ رے جس اور رائے ہیں لفظ وائسرائے میں جو ہندوستان کے گورنر جنرل کا خطاب ہے یہ لفظ شامل ہے۔ وائس کے معنے بجائے اور قائم مقام کے ہیں اور رائے کے معنی بادشاہ کے۔

(۵) رابرٹ سول لکھتا ہے کہ یہ راجہ آنور کا تھا جو میسور کے پاس ہے اس کا نام بلال دیو تھا وہ ہوسیا خاندان سے تھا۔ ۷۳۳ھ میں اس کے پاس گشتاسپ گیا تھا لیکن بدایونی نے ملک بہاء الدین گرشاسپ کا واقعہ ۷۲۷ھ میں لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ یہ بہاء الدین

گرشاسپ بخشی فوج ان دنوں دہلی میں تھا اور جب بادشاہ دولت آباد گیا ہوا تھا تو اس نے دہلی میں بغاوت کی مگر فرشتہ سے ابن بطوطہ کی تصدیق ہوتی ہے وہ لکھتا ہے کہ بہاء الدین گرشاسپ بادشاہ کا عم زاد بھائی تھا اور ساگر کا صوبہ دار تھا۔ اس نے بغاوت کی تو بادشاہ نے دہلی سے خواجہ جہاں کو اس کے زیر کرنے کے لیے بھیجا۔ دولت آباد میں لڑائی ہوئی اور وہ دفعہ خواجہ جہاں نے شکست کھائی۔ یہ حال سنکر بادشاہ خود دولت آباد کی طرف گیا لیکن بادشاہ کے جانے سے پہلے ہی خواجہ جہاں نے راستے کمپیلہ اور بہاء الدین کو شکست دے کر اس کو بلال دیو کے ملک میں بھگا دیا تھا۔ بلال دیو نے اس کو بادشاہی لشکر کے سپرد کردیا۔ خواجہ جہاں نے اس کو قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور بادشاہ نے حکم دیا۔ "تا پوست کندہ پر کاہ ساختہ دور شہر گردانیدند۔" اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے دولت آباد کو دارالخلافہ بنانے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۲۷ھ صحیح نہیں ہے تعجب ہے کہ ضیاء برنی نے اس بغاوت کا ذکر تک نہیں کیا لیکن وہ بہاء الدین کو ایک جگہ تغلق شاہ کی بہن کا بیٹا لکھتا ہے اور اس لیے فرشتہ نے اس کو عمہ زاد بھائی لکھا ہوگا کاتب کی غلطی سے عم زاد ہو گیا۔

(۹) ابن بطوطہ نے کشلو خاں یعنی بہرام ایبہ کی بغاوت کا سبب یہ لکھا ہے کہ وہ بادشاہ کے اس فعل سے ناراض ہوا کہ اس نے غیاث الدین بھتورا (جو سلطان غیاث الدین بلبن کا پڑپوتا تھا) اور بہاء الدین گرشاسپ (جو سلطان غیاث الدین تغلق کا بھانجا تھا) کی نعشوں میں بھوسہ بھروا کر شہر بہ شہر پھروایا۔

لیکن فرشتہ نے یہ سبب لکھا ہے کہ بادشاہ کا ایک محصل علی نام ملتان میں گیا اور کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ تم اپنے اہل و عیال کو دولت آباد میں بھیجو۔ اس نے تقاضا کیا اور کشلو خاں کے داماد کو حرامزادہ کہا تو اس نے اس محصل کو مار ڈالا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ علی خلجی کو بادشاہ نے بہرام ایبہ یعنی کشلو خاں کے طلب کرنے کے لیے ملتان بھیجا اور کشلو خاں نے اس کو مار ڈالا ضیاء برنی نے اس بغاوت کا کچھ سبب نہیں لکھا ان چاروں کے مقابلہ کرنے سے یہ واقعات درست معلوم ہوتے ہیں کہ کشلو خاں جس کو بادشاہ چچا کہا کرتا تھا اس کے اس فعل سے کہ اس نے ان دونوں نعشوں کو شہر بہ شہر پھرایا ناراض ہوا اور نعشیں دفن کروا دیں۔ اس پر بادشاہ ناراض ہوا ہوگا اور اس کو بلوا بھیجا ہوگا یا اس کو حکم دیا ہوگا کہ اپنے اہل و عیال کو دولت آباد بھیج دے۔ اس کی تعمیل کے اثناء میں علی محصل اور کشلو خاں کے داماد کے درمیان فساد ہوا اور علی مارا گیا۔ اس صورت میں کشلو خاں کو

سوا صریح باغی ہو جانے کے اور کچھ چارہ نہ تھا۔ غیاث الدین بھتورا پر جو میں نے حاشیہ لکھا ہے اس میں ثابت کر دیا ہے کہ غیاث الدین کا قتل ۷۳۳ھ کے قریب ہوا ہے اور بہاء الدین کے قتل کے پانچ چھ سال بعد اور اس لیے غیاث الدین کی نعش بہاء الدین کے ساتھ نہیں پھرائی جا سکتی تھی۔

کمال پور - شاید اس سے وہ کمال پور مراد ہو جو کاٹھیا واڑ میں بھاؤنگر اور گونڈل ریلوے کے اسٹیشن لری سے ۱۸ میل مشرق کی جانب واقع ہے۔ مترجم

(۷) قراجیل۔ اس میں شک نہیں کہ قراجیل سے کوہ ہمالیہ مراد ہے کیونکہ فرشتہ نے قراجیل کی بابت لکھا ہے۔ "کہ آنرا ہماچل نیز گویند۔" ابن بطوطہ نے کوہ قراجیل کی لمبائی تین مہینے کا رستہ لکھا ہے بیس میل فی روز کے حساب سے اٹھارہ سو میل کے قریب ہوتا ہے جو تقریباً درست ہے اس مہم کا حال فرشتہ و بدایونی و ضیاء الدین برنی اور تقریباً کل مورخوں نے لکھا ہے لیکن کسی تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ لشکر کونسی جگہ پہاڑ میں داخل ہوا تھا۔ مسلمانوں کی ہمالیہ میں سے ہو کر چین پر جانے کی یہ دوسری کوشش تھی۔ اس سے پہلے ۶۰۳ھ میں محمد بختیار خلجی نے آسام کے رستہ سے چین میں جانے کی کوشش کی تھی لیکن چونکہ ۷۳۸ھ میں یعنی اس سے پہلے سلطان فخرالدین بنگالہ میں خود سر ہو بیٹھا تھا اس لیے آسام کے رستے سے اس مہم کا جانا ممکن نہ تھا۔ ابن بطوطہ نے ہمارے دیگر مورخوں کی نسبت کچھ زیادہ حالات لکھے ہیں اور دو شہروں کے نام بھی دیے ہیں یعنی جدید اور وارنگل۔ وارنگل کا کچھ پتہ نہیں لگ سکتا لیکن جدید یا جدیہ نام کا محال ایک محال آئین اکبری میں سرکار کماؤں میں درج ہے اور چونکہ ابن بطوطہ نے دہلی سے اس پہاڑ کا فاصلہ دس منزل دیا ہے اس لیے اغلباً یہ لشکر ترائی اور کماؤں و گڑھوال کے رستہ پہاڑ میں داخل ہوا تھا گڑھوال اور کماؤں سے دو دروں سے جن کو درہ نیتی اور درہ مانا کہتے ہیں چین کو راستہ جاتا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ یہ لشکر ان دونوں دروں میں سے کسی درہ میں آگے بڑھا ہوگا۔ ابن بطوطہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس راجہ کا علاقہ پہاڑ کے نیچے بھی تھا۔ یہ بیان بھی کماؤں پر صادق ہوتا ہے۔ ہنٹر صاحب کماؤں کے حال میں لکھتے ہیں کہ یہ علاقہ اچھی طرح سے بادشاہان دہلی کا ماتحت کبھی نہیں ہوا لیکن چونکہ راجہ کا علاقہ میدان میں بھی تھا اس لیے اس کو شاہان دہلی کی متابعت کرنی پڑتی تھی۔ علاوہ ازیں ایک اور شہادت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی علاقہ سے محمد تغلق کا لشکر پہاڑ میں گھسا ہوگا۔ علی محمد خان روہیلوں کے سردار نے ۱۷۴۳ء میں کماؤں پر حملہ کیا۔ راجہ کماؤں کچھ مقابلہ نہ کر سکا۔

رہیلوں نے الموڑہ لے لیا اور وہ سات مہینے تک پہاڑ میں رہے لیکن پھر موسم کی ناگواری اور تکلیفات کی تاب نہ لا کر وہ تین لاکھ نقد روپیہ لے کر پہاڑ سے واپس چلے آئے مگر نواب علی محمد خان نے اپنے سرداروں کا واپس آنا پسند نہ کیا اور ۱۱۵۷ھ میں دوسری دفعہ لشکر بھیجا لیکن بار اکیری میں پہاڑ کے اندر داخل ہوتے ہی ان کو شکست ہوئی۔ تقریباً یہ ہی حال محمد تغلق کے لشکر کا ہوا تھا۔

فرشتہ نے اس امیر کا نام جس کی ماتحتی میں یہ لشکر بھیجا گیا تھا خسرو ملک لکھا ہے اور ابن بطوطہ نے اس جگہ ملک نکبہ اور ایک دوسری جگہ ملک بخرا لکھا ہے لشکر کی تعداد ابن بطوطہ کے مطابق فرشتہ ایک لاکھ لکھتا ہے اور بدائونی اسی ہزار۔ اس مہم کا سال بدائونی نے ۷۳۸ھ لکھا ہے۔ اگر یہ سال درست ہے تو گویا اس کے بعد اس بادشاہ کے تمام علاقے رفتہ رفتہ خود سر ہوگئے اور شاید اسی لشکر کی بربادی سے سلطنت میں ضعف آگیا ہو۔ کیونکہ اسی زمانہ سے معبر اور دکن اور گجرات کا فساد شروع ہوگیا جو تیرہ سال تک رہا اور بادشاہ ان ہی فسادوں کے فرو کرنے میں مرگیا۔

(۸) معبر کے معنی عربی میں گھاٹ کے ہیں۔ عرب دکھن کے مشرقی ساحل کو معبر اور مغربی ساحل کو مليبار کہتے ہیں ہندوستان کے بعض مورخوں نے مليبار اور معبر میں کچھ تمیز نہیں کی اور دونوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ معبر کے لفظ پر میں آئندہ مفصل حاشیہ لکھوں گا اس موقع پر جہاں ابن بطوطہ نے مالدیپ و سیلان سے واپس آنے کے بعد معبر میں قیام کیا۔ دیکھو باب ۲ فصل ۱ کا حاشیہ

(۹) اس سید جلال الدین احسن کی بغاوت کا مفصل حال ہندوستان کے مورخوں نے نہیں لکھا۔ بدائونی کو اس میں سخت مغالطہ واقع ہوا ہے اور اس کی پیروی بعض اور مورخوں نے بھی کی ہے اس نے سید جلال الدین احسن شاہ اور حسن کانگو بہمنی کو جو گلبرگہ کا اول بادشاہ ہوا ہے ایک ہی شخص سمجھا ہے اس کے نزدیک یہی سید جلال الدین احسن جو کیتھل کے سادات سے تھا اور سید ابراہیم خریطہ دار کا باپ تھا آخر میں گلبرگہ کا بادشاہ ہوا ہے۔ سید جلال الدین احسن کیتھل کا رہنے والا تھا اور حسن کانگو دہلی کا رہنے والا تھا اور قوم کا سید نہ تھا حسن کانگو کی بغاوت تلنگانہ میں ہوئی اور جلال الدین احسن شاہ کی معبر کے ملک میں یعنی کرناٹک میں سید جلال الدین کی بغاوت بدائونی اور فرشتہ کی تحریر کے مطابق ۷۴۲ھ میں اور میری تحقیق کے مطابق ۷۳۷ھ یا ۷۳۸ھ میں شروع ہوئی (دیکھو اسی باب کی فصل ۸) اور حسن کانگو کی بغاوت ۷۴۸ھ میں واقع ہوئی۔

(۱۰) بدائونی نے بجائے گکھڑ کے کھوکر غلط لکھا ہے کیونکہ کھوکروں کی قوم کو پنجاب میں اس قدر طاقت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور گکھڑوں کا زور سلطان شہاب الدین غوری کے وقت سے اکبر بادشاہ کے وقت تک چار سو سال کے قریب شمال پنجاب میں اس قدر رہا کہ کئی صدی تک خراسان کا رستہ ان کی لوٹ مار کے سبب سے ملتان اور دیپالپور میں سے رہا اور لاہور کی جانب سے بالکل متروک ہوگیا تھا ایک بات قابل غور ہے کہ ابن بطوطہ اور بدائونی دونوں گکھڑوں کے سردار کا نام کل چند لکھتے ہیں فرشتہ نے ہندو یا چندو لکھا ہے چونکہ ابن بطوطہ اور بدائونی کا اتفاق بہت عمدہ شہادت ہے کہ نام کلچند تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ گکھڑ اس وقت تک اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کا آغاز ان میں بیشک سلطان شہاب الدین محمد غوری کے وقت سے شروع ہوگیا تھا کننگھم صاحب کی تحقیقات کے مطابق یہ قوم ترکی الاصل ہے۔ سکندر کے مورخوں نے لکھا ہے کہ سوہان کا دریا سبی سا کے ملک سے نکلتا ہے راجا ترنجنی میں درج ہے کہ مری اور مارگلہ کے درمیان کا ملک ابھی سارا کا ملک تھا چونکہ گکھڑ اس علاقہ میں سکندر کے زمانہ کے پہلے سے رہتے ہیں اور یونانی مورخوں نے لکھا کہ ابھی سارا کے بھائی کے پاس دو بڑے بڑے سانپ تھے جن کی وہ پرستش کرتا تھا اس لیے قیاس کیا گیا ہے کہ وہ ٹاک کی قوم سے تھا۔ گکھڑوں میں بھی ایک روایت چلی آتی ہے کہ ان کو افراسیاب نے کید کی ماتحتی میں ہندوستان کی طرف نکال دیا۔ دار سے مراد دارا پور لیتے ہیں جو دریائے جہلم پر جلالپور کے متصل واقع ہے اور اب وہاں گکھڑ نہیں رہتے بلکہ جنجوعہ ہوں کا مسکن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قوم ہندی الاصل نہیں ہے بلکہ کسی زمانے میں خراسان یا خوارزم کی طرف سے ہندوستان میں آئی تھی یہ رسم اب بھی گکھڑوں میں ہے کہ وہ اپنی قوم کے سوا دوسری قوم میں رشتہ داری نہیں کرتے حالانکہ راجپوتوں کی مختلف قومیں بالکل اس کے برعکس کرتی ہیں بابر نے جو تاتار خاں اور ہاتھی گکھڑوں کے سرداروں کا ذکر کیا ہے ان میں پہلا نام بیشک مسلمانوں کا سا ہے اور دوسرا مشترک۔ ۷۴۳ھ کے صحیح ہونے میں بھی شک ہے دیکھو باب ۶ فصل ۱۱ اس حساب سے یہ بغاوت ۷۳۷ھ یا ۷۳۸ھ میں ہوئی چاہیے۔

(۹) بیدر و تلنگانہ۔ دکن میں شامل ہے۔ اصطلاح میں دکن اس علاقہ کو کہتے ہیں جو نربدا کے جنوب اور کشتا ندی کے شمال میں واقع ہے۔ کشتا ندی ریاست نظام کی جنوبی حد ہے۔ تلنگانہ موجودہ ریاست نظام کا مشرقی اور جنوبی حصہ ہے۔ قدیم کتابوں میں اس ملک کا نام کالنگا اور اندھرا درج ہے۔ بطلیموس کالنگا نام لکھتا ہے اور پلینی نے دونوں نام لکھے

ہیں۔ اس ملک کا قدیم دارالخلافہ ورنگل تھا۔ حیدر آباد بھی تلنگانہ میں ہے۔ بدرکوٹ سے مراد بیدر کا قلعہ ہے جو اب بھی ایک بڑا شہر ریاست نظام میں حیدر آباد سے ۷۵ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ جگہ بیدری کام کے لیے مشہور ہے تانبا، سیسا، جست اور رنگ کو ملا کر ایک دھات تیار کرتے ہیں اور اس کے برتن بنا کر اس پر چاندی اور سونے کی پتا کاری کرتے ہیں۔

(۱۲) کوکن تھانہ۔ ہندوستان کے مغربی ساحل کا وہ حصہ جو سمندر اور پہاڑ کے درمیان ہے دو حصوں پر منقسم ہے جنوبی حصہ کو مالابار کہتے ہیں اور شمالی حصہ کو کوکن۔ تھانہ اور رتناگری اور کولابہ کے اضلاع اور ساونت واڑی اور جنجیرہ کی ریاستیں اور گوا اور بمبئی کا شہر اس میں شامل ہیں۔ اس علاقہ کا طول ۳۳۰ میل ہے اور عرض ۵۰ میل سے ۲۵ تک۔ تھانہ کا شہر بمبئی سے ۲۰ میل کے فاصلے پر جزیرہ سالسٹ پر واقع ہے۔ ابو ریحان بیرونی نے جو محمود غزنوی کی مصاحبت میں اس کے ساتھ ہندوستان کو آیا کرتا تھا اس کو ملک کوکن کا دارالخلافہ لکھا ہے۔ رشید الدین نے اس کو کونکن تھانہ لکھا ہے۔ ابو الفدا نے لکھا ہے کہ یہ ایک بہت بڑا شہر ہے اور ایک قسم کا کپڑا جس کو تناسی کہتے ہیں وہاں سے آتا ہے مارکو پولو کے وقت میں وہاں ایک ہندو راجہ رہتا تھا لیکن اس کے جانے کے کچھ دنوں بعد یعنی ۱۳۱۸ء میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے اس کو فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کرلیا۔ باربوزا ایک پرتگیزی سیاح نے اس کا نام تھانہ مبہ لکھا ہے۔ مبہ سے اس کی مراد بمبئی ہے ۱۵۳۲ء میں اس پر پرتگیزوں نے قبضہ کرلیا اور ۱۷۳۹ء میں مرہٹوں نے پرتگیزوں سے چھین لیا اور ۱۷۷۴ء میں سلطنت انگلیشیہ کے قبضہ میں آیا۔ موجودہ آبادی پندرہ ہزار کے قریب ہے۔

(۱۳) ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق بادشاہ معبر کی طرف چلا تھا۔ تلنگانہ کے دارالخلافہ بیدر سے وبا کے سبب سے واپس ہوگیا۔ ابھی دولت آباد اور بیدر کے رستے میں تھا کہ وہ بیمار ہوگیا اور اس کے فوت ہو جانے کی افواہ پھیل گئی۔ یہ افواہ سن کر ملک ہوشنگ تو دولت آباد میں اور نصرت خاں بیدر میں باغی ہوگئے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو ملک ہوشنگ کو اطاعت پر بادشاہ کے استاد قتلغ خاں نے راضی کیا اور اس سے فارغ ہو کر نصرت کو۔ لیکن بداونی بیدر کے حاکم کا نام شہاب الدین سلطانی لکھتا ہے اور اس کی بغاوت ۷۴۵ھ میں بتلاتا ہے جب کہ بادشاہ سرگدوارے میں رہتا تھا۔ اور فرشتہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ تلنگانہ سے واپس آیا اور پٹن (واقع گجرات) میں پہنچا تو شہاب الدین سلطانی کو نصرت خاں کا خطاب دیکر تلنگانہ بھیجا اور ایک کروڑ تنکہ کے عوض وہ ملک اس کو ٹھیکہ پر دے دیا اور دولت آباد کا حاکم اپنے استاد قتلغ خاں کو مقرر کیا نصرت خاں نے ٹھیکہ تو لے لیا لیکن روپیہ وصول نہ کر سکا اور اس لیے باغی ہوگیا۔ فرشتہ نے بھی یہ واقعہ ۷۴۵ھ کا لکھا ہے اور اس لیے ابن بطوطہ کا یہ بیان کہ نصرت خاں بادشاہ کی موت کی خبر سن کر باغی ہوا تھا غلط ہے۔ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ شہاب الدین نصرت خاں نے تلنگ کا علاقہ ایک کروڑ تنکہ سفید پر ٹھیکہ پر لے لیا لیکن تین سال کا زر ٹھیکہ ادا نہ کیا اور خود کھا گیا۔ بادشاہ نے اس کا تقرر ضرور ۷۴۳ھ میں کیا اس لیے اس کی بغاوت ۷۴۰ھ میں ہوئی ہوگی۔ دیکھو فصل ۸۔

(۱۴) دریائے گنگ۔ یہ دریا ریاست گڑھوال میں کوہ ہمالیہ سے نکلا ہے اور پندرہ سو ستاون میل بہہ کر خلیج بنگالہ میں جا گرتا ہے۔ گنگوتری کی چوٹی جہاں سے ایک چشمہ بھاگیرتی نام نکلتا ہے۔ جب جاہنوی اور الک نندا بھاگیرتی کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں تو دریا کا نام گنگا ہو جاتا ہے۔ دیو پریاگ میں یہ الک نندا بھاگیرتی سے ملتی ہے اور ہردوار میں پہاڑ سے نکلتی ہے اور پریاگ یعنی الہ آباد میں اس میں جمنا آملتی ہے۔ الغرض یہ دریا منبع سے لے کر دہانہ تک متبرک سمجھا جاتا ہے۔ ویدوں کے زمانہ میں گنگا کے تقدس کا کچھ ذکر نہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ رتبہ اس نے دو ہزار برس کے اندر اندر حاصل کیا ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے دریاؤں میں سے سندھ اور برہم پترا گنگا سے بھی لمبے ہیں لیکن جس قدر بڑا حصہ اس دریا کا میدان میں سے گزرتا ہے اور قابل زراعت زمین کو جس قدر فائدہ پہنچاتا ہے اس قدر اور کوئی دریا نہیں پہنچاتا۔ سمندر میں داخل ہونے سے ۲۲۰ میل ورے اس دریا کی بیشمار شاخیں ہو جاتی ہیں سب سے بڑی مشرقی شاخ کو میگنا کہتے ہیں اور مغربی کو ہوگلی ان دونوں کے درمیان اور بے شمار شاخیں ہیں۔ ہمالیہ اور وندھیا چل پہاڑوں کے درمیان کا تمام پانی اس دریا میں آتا ہے۔ ماہ مئی سے طغیانی شروع ہوتی ہے ستمبر میں طغیانی عروج پر ہوتی ہے اگرچہ اس دریا سے بڑے بڑے دریا دنیا میں ہیں لیکن جس قدر پانی اس کے قعر میں ہے کہ سمندر میں داخل ہوتا ہے اس قدر پانی اور کسی دریا کے ذریعہ سے سمندر میں نہیں پہنچتا۔ بداونی لکھتا ہے کہ جب ۷۴۴ھ میں بادشاہ دولت آباد اور دکن سے واپس آیا تو دیکھا کہ شمالی ہندوستان میں نہایت سخت قحط ہے اور ملک ویران ہو گیا ہے جب دہلی میں غلہ اور چارہ کی کمی ہوئی تو بادشاہ نے پہلے تو شہر کے غرباء کو غلہ وغیرہ کی مدد دی لیکن جب قحط کی سختی زیادہ ہوتی گئی تو سب کو اجازت دے دی کہ جس کا جی چاہے پورب کے ملک میں چلا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ تین سال کے قریب سرگدواری میں رہا ہے

کیونکہ فرشتہ لکھتا ہے کہ جس عرصے میں بادشاہ سرگدواری میں رہا تو چار امیروں نے بغاوت کی ۱- نصرت خان نے ۲- علی شاہ نے ۳- نظام مائیں نے کڑہ میں اور ۴- عین الملک نے اودھ میں۔ بداؤنی نے ان چاروں بغاوتوں کے سال لکھے ہیں نظام مائیں ۷۳۵ھ، نصرت خان ۷۳۵ھ، علی شاہ ۷۳۶ھ، عین الملک ۷۳۷ھ ابن بطوطہ نے (فصل ۲۵ باب ۵ میں) صاف لکھا ہے کہ بادشاہ اڑھائی سال تک سرگدواری میں رہا۔ یہ بادشاہ ایک زبردست عالم اور معقول اور منقول سے واقف تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہندوؤں کے علوم سے بھی کچھ شوق تھا کیونکہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہ اکثر جوگیوں کے ساتھ خلوت کیا کرتا تھا اور دولت آباد تک بھی دریائے گنگ کا پانی پیا کرتا تھا اور اپنے کیمپ کا یہ نام ہردوار کے وزن پر رکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہندوستان کی زبان اور علوم سے کچھ انس تھا۔ چونکہ یہ جگہ فقط عارضی چھاؤنی تھی اس لیے اب اس کا نام و نشان نہیں ہے شمس آباد کا شہر ضلع فرخ آباد میں ہے۔ سرگدواری میں جا کر ٹھہرنے کی تاریخ اور قحط کی تاریخ بھی جو بداؤنی اور فرشتہ کے مطابق ۷۴۴ تا ۷۴۶ھ ہونی چاہیے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے ثابت کیا ہے کہ ۷۳۹ھ و ۷۴۰ھ و ۷۴۱ھ میں بادشاہ سرگدواری میں رہا۔

(۱۵) ظفر آباد۔ ابو الفضل کے وقت میں سرکار جونپور میں ایک محال تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ظفر خان نے سلطان علاء الدین خلجی کے وقت میں آباد کیا تھا اس وقت وہ حاکم نشین جگہ تھی۔

(۱۶) کمپل۔ سرکار قنوج میں ایک محال تھا۔ آئین اکبری۔ ابن بطوطہ کے لکھنے کے مطابق سرگدوارہ اسی کے نواح میں واقع تھا۔ اب یہ ایک گاؤں تحصیل قائم گنج ضلع فرخ آباد میں ہے تین ہزار کے قریب آبادی ہے۔ کہتے ہیں کہ پانڈوں کی رانی دروپدی یہاں کے راجہ کی بیٹی تھی۔ اب تک وہاں ایک ٹیلے کو راجہ دروپد کا قلعہ بتلاتے ہیں۔ غیاث الدین بلبن کے وقت میں یہاں ڈاکوؤں کی جائے پناہ تھی اس نے ڈاکوؤں کو نیست و نابود کر کے وہاں ایک قلعہ تیار کیا تھا اور اس میں شاہی فوج رہتی تھی۔ مغلوں کے زمانہ میں اس شہر کا نام تاریخوں میں بہت کم آتا ہے۔ ہنٹر۔

(۱۷) سندیلہ۔ یہ شہر ضلع ہردوئی ملک اودھ میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے لکھنؤ سے ۳۲ میل کے فاصلے پر شمال غرب کی طرف واقع ہے شہر کی آبادی چودہ سولہ ہزار کے قریب ہے پان اور گھی کی تجارت کثرت سے ہوتی ہے۔

(۱۸) اس جگہ بہت مشکل سوال پیدا ہوتا ہے۔ فرشتہ اور بداؤنی سے جنھوں نے اپنی

اپنی تحریر کو تاریخ الفی پر جو شہنشاہ اکبر بادشاہ غازی کے عہد میں سنہ وار مرتب کی گئی تھی مبنی کیا ہے دونوں نے اپنی تاریخوں کا سلسلہ اس طرح قائم کیا ہے۔

۷۴۲ھ میں سید جلال الدین احسن نے معبر میں بغاوت کی اور بادشاہ دہلی سے اس کے فرو کرنے کے لیے چلا۔

۷۴۲ھ میں قحط شروع ہوا کیونکہ بادشاہ چند حصول کیا تھا کہ نرخ بڑھنا شروع ہوا۔

۷۴۳ھ میں جب بادشاہ دکھن میں گیا ہوا تھا کل چند کھکر اور امیر ہلاجوں نے لاہور میں بغاوت کی جن کو خواجہ جہان وزیر نے مغلوب کیا۔

۷۴۳ھ میں بادشاہ بیمار پڑ کر دکھن سے گجرات میں واپس آیا اور وہاں سے شاہو افغان کی بغاوت کی خبر سن کر واپس آیا تو دہلی میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔

۷۴۳ھ میں بادشاہ کی والدہ کا انتقال ہوا۔

۷۴۳ھ میں بادشاہ نے سرگدوارہ میں رہنا اختیار کیا کیونکہ دہلی میں غلہ اور چارہ نہ مل سکتا تھا۔

۷۴۴ھ میں حاجی سعید صرصری بادشاہ کے واسطے خلیفہ کا منشور لایا۔

۷۴۵ھ میں نظام الملک حاکم کڑہ نے بغاوت کی۔

۷۴۶ھ میں علی شاہ نے بیدر اور گلبرگہ میں بغاوت کی۔

۷۴۷ھ میں عین الملک کی بغاوت ہوئی۔

۷۴۸ھ میں امیران صدہ نے گجرات میں بغاوت شروع کی۔ بادشاہ گجرات میں گیا اور امیران صدہ کو دولت آباد سے طلب کیا انھوں نے بادشاہ کے ایلچیوں کو مار کر ایک پٹھان اسماعیل مخ کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ بادشاہ دولت آباد گیا اور عماد الملک سرتیز کو بیدر میں بھیجا۔ امیران صدہ نے عماد الملک کو شکست دی اور مار ڈالا۔ امیران صدہ نے حسن کانگو کو اپنا بادشاہ بنایا جو علاء الدین حسن بہمنی خاندان بہمنی دکھن کا پہلا بادشاہ ہوا۔

اس کے برخلاف ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں علاء الدین بہمنی کے سوا باقی ان تمام واقعات کا بہت مفصل ذکر کیا ہے گویا وہ چشم دید حالات لکھ رہا ہے۔ خصوصاً عین الملک کی بغاوت میں جس کا سال فرشتہ اور بداؤنی دونوں ۷۴۷ھ بتلاتے ہیں وہ صاف لکھتا ہے کہ میں اس وقت بادشاہ کے ساتھ تھا اور اس کے بعد بادشاہ کے ساتھ بہرائچ میں سلطان مسعود سالار غازی کے مزار کی زیارت کو گیا۔ اور سرگدوارہ میں اپنا رہنا بیان کرتا ہے۔ اور قحط کا بھی مفصل حال لکھتا ہے کہ وہ اس [illegible] دہلی میں تھا اور چونکہ سلطان

قطب الدین کے مقبرہ کے اوقاف اس کی تولیت میں تھے وہ غریبوں کو کھانا تقسیم کیا کرتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لکھتا ہے کہ ماہ جمادی الاول میں (سنہ نہیں لکھا) بادشاہ معبر کی طرف سید جلال الدین احسن کی بغاوت رفع کرنے کے لیے چلا گیا اور اس کو دہلی میں سلطان قطب الدین کے مقبرہ کے انتظام کے لیے چھوڑ گیا اڑھائی سال کے بعد بادشاہ وبا کے سبب سے واپس چلا آیا۔ اور دریائے گنگ پر اڑھائی سال تک (دیکھو فصل ۲۵ باب ۵) سرگدواری میں مقیم رہا تو وہ بھی بادشاہ کے کیمپ میں چلا گیا اور وہاں عین الملک کی بغاوت کے وقت میں موجود تھا اور عین الملک کے پکڑے جانے کے وقت بھی موجود تھا اور بادشاہ کے ساتھ دہلی میں واپس آیا اور پھر کچھ مدت کے بعد جب بادشاہ سندھ کے ملک میں گیا تو اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ بادشاہ نے اسے جمادی الثانی ۷۴۲ھ بمقام سیوان واقع سندھ میں طلب کیا اور اس کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آیا لیکن اس نے حج پر جانے کی اجازت طلب کی مگر ۱۰ رجب ۷۴۲ھ کو اسے بادشاہ نے طلب کر کے کہا کہ میں تجھے چین میں بطور سفیر کے بھیجنا چاہتا ہوں اور جب سفارت کا سامان مہیا ہو چکا تو صفر ۷۴۳ھ میں وہ چین کی سفارت پر دہلی سے روانہ ہوا اور گندھار کے بندر سے جہاز میں بیٹھ کر کالی کٹ واقع مالا بار میں پہنچا اور چین کے جہازوں پر سوار ہوا جہاز ٹوٹ گئے اور کل شاہی اسباب و سامان سفارت غرق ہو گیا۔ وہ تنہا ساحل پر رہ گیا۔ بادشاہ کے خوف سے واپس دہلی نہ آیا اور جزائر مالدیپ کو چلا گیا۔ دو سال وہاں ٹھہر کر ربیع الثانی ۷۴۵ھ میں وہاں سے رخصت ہو کر سیلان میں گیا اور بابا آدم کے قدم کی زیارت کر کے معبر میں آیا۔ وہاں اس وقت غیاث الدین دامغانی بادشاہ تھا اور اس سے پہلے بغاوت کے پانچ سال تک اس کا خسر جلال الدین احسن اور اس کے بعد اس کا ایک امیر علاء الدین دو سال تک اور اس کے بعد قطب الدین چالیس دن تک بادشاہ رہ چکے تھے (یعنی اس وقت سلطان جلال الدین احسن کی بغاوت کو سات سال ہو چکے تھے) وہاں سے ابن بطوطہ کہتا ہے کہ وہ مالدیپ میں پھر گیا اور وہاں سے بنگالہ اور وہاں سے ساٹرا اور جاوا دیکھتا ہوا چین میں پہنچا اور وہاں سے واپس ہو کر کالی کٹ آیا۔ محرم ۷۴۸ھ میں ظفار واقع عرب میں پہنچ گیا۔

اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یا تو تاریخی واقعات کے جو سال بدایونی اور فرشتہ نے لکھے ہیں اور جن کی تفصیل میں اوپر لکھ آیا ہوں غلط ہیں اور یا ابن بطوطہ نے سنے سنائے حال بطور چشم دید کے لکھ دیئے ہیں؟

ابن بطوطہ ان واقعات کا اس ترتیب سے ذکر کرتا ہے۔

۱۔ جلال الدین احسن کی معبر میں بغاوت اور بادشاہ کا تلنگانہ کی طرف سے چلنا اور ابن بطوطہ کو دہلی میں چھوڑ جانا۔

۲۔ بادشاہ کی غیبت میں کل چند گکھڑ اور امیرہلاجوں کی بغاوت

۳۔ بادشاہ کے لشکر میں بیدر میں وبا پڑنا اور دولت آباد کو واپس آنا اور رستے میں اسکی وفات کی خبر مشہور ہو جانا۔

۴۔ یہ سن کر ملک ہوشنگ کا دولت آباد میں باغی ہو جانا اور نصرت خاں کا بیدر میں باغی ہونا اور دہلی میں سید ابراہیم بن سید جلال الدین احسن کا سرسہ میں بغاوت کا ارادہ کرنا۔

۵۔ قحط۔

۶۔ بادشاہ کا قحط کے سبب سے سرگدواری میں جا کر قیام کرنا۔ ابن بطوطہ کا بھی بادشاہ کے کیمپ میں چلا جانا۔

۷۔ عین الملک کی بغاوت اور اس کا مغلوب ہو کر اسیر ہونا اور بادشاہ کا بہرائچ جانا۔

۸۔ بادشاہ کا دہلی میں واپس آنا اور علی شاہ کی بغاوت گلبرگہ میں۔

۹۔ شاہو افغان کی بغاوت۔ اور بادشاہ کا افغانوں پر ناراض ہونا اور ملک مقبل نائب گجرات کو لکھنا کہ اس نواح میں سب افغانوں کو قید کر لے۔

۱۰۔ قاضی جلال افغان کی بغاوت اور اس کا ملک مقبل اور عزیز خمار کو شکست دینا اور شیخ الشیوخ رکن الدین کو جو خلیفہ کا جواب لے کر جاتا تھا لوٹنا۔

۱۱۔ ابن ملک مل کا دولت آباد میں افغانوں کی مدد سے بغاوت کرنا اور ابن ملک مل کا ناصر الدین کا خطاب اختیار کرنا اور بادشاہ بن جانا۔

۱۲۔ بادشاہ کا اس بغاوت کے رفع کرنے کے لیے کھمبایت اور دولت آباد کی طرف جانا اور قاضی جلال اور ناصر الدین کا قلعہ دولت آباد میں محصور ہونا۔

یعنی ابن بطوطہ کے مطابق یہ سب واقعات صفر ۷۴۲ یا ۷۴۳ ہجری کے اخیر تک کے ہیں دولت آباد کے محاصرے کا ذکر کر کے وہ کہتا ہے مجھے خبر نہیں پھر کیا ہوا۔

سب سے معتبر سند اس بارہ میں ضیاء الدین برنی کی تاریخ ہو سکتی تھی جس نے اپنی تاریخ سلطان محمد تغلق کے مرنے کے تھوڑی مدت کے بعد لکھی اور جو اس وقت بادشاہی ملازمت میں تھا لیکن بدقسمتی سے اس مورخ نے کسی واقعہ کا سنہ نہیں لکھا۔ فقط ملک عزیز خمار اور ملک مقبل کی شکست کا سال جو انہوں نے گجرات کے امیران صدہ یعنی قاضی جلال

دکھیو سے پائی تھی رمضان ۷۳۵ھ لکھا ہے یہ تاریخ ضرور صحیح ہے اور اس لیے یہ کہنا چاہیے کہ امیران صدہ گجرات کی لڑائی کا حال ابن بطوطہ نے مالدیپ سے واپس آنے کے بعد معبر میں سنا ہوگا جہاں وہ ۷۴۵ھ کے وسط میں تھا لیکن اس واقعہ کے سوا باقی واقعات یعنی شاہو افغان کی بغاوت تک سب ابن بطوطہ کے سامنے ہوئے ہیں اور چونکہ رجب ۷۴۲ھ کے وسط میں تھا لیکن اس واقعہ کے سوا باقی واقعات یعنی شاہو افغان کی بغاوت تک سب ابن بطوطہ کے سامنے ہوئے ہیں اور چونکہ رجب ۷۴۲ھ میں بادشاہ سندھ (سیوان) میں تھا تو یہ موقع ضرور وہ تھا جب شاہو افغان کی بغاوت کے فرو کرنے کے لیے بادشاہ ملتان گیا تھا۔

برنی لکھتا ہے کہ سرگدواری سے آکر بادشاہ تین چار سال دہلی میں رہا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بادشاہ کو پورے چار سال گجرات اور دولت آباد اور ٹھٹی کی بغاوتوں کے فرو کرنے میں لگے اگر عین الملک کی بغاوت کو بقول فرشتہ و بداونی ۷۴۷ھ میں سمجھیں تو بادشاہ کی وفات تک جو محرم ۷۵۲ھ میں ہوئی فقط چار سال باقی بچتے ہیں اور اس لیے عین الملک کی بغاوت کی تاریخ برنی کے بیان کے حساب سے بھی غلط معلوم ہوتی ہے۔ دوسری جگہ برنی لکھتا ہے کہ سرگدواری سے آنے کے بعد بادشاہ نے اپنا نام سکہ سے نکال کر خلیفہ کا نام لکھنا شروع کیا۔ مسٹر ایڈورڈ طامس نے جو سکے جمع کیے ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا سکہ اس قسم کا جس میں بادشاہ کا نام نہیں ہے اور بجائے اس کے خلیفہ کا ہے ۷۴۱ھ کا ہے اور اس لیے معلوم ہوا کہ ۷۴۱ھ میں بادشاہ سرگدواری سے واپس آگیا تھا اور اس حساب سے عین الملک کی بغاوت ۷۴۰ھ یا ۷۴۱ھ میں ہوئی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۷۴۱ھ میں بادشاہ سرگدواری سے واپس چلا آیا۔

ایک اور جگہ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ فخرا نے قدر خاں حاکم لکھنوتی کو مار ڈالا اور لکھنوتی اور ساتگام اور سنار گاؤں پر قبضہ کرلیا اور یہ کل علاقہ بادشاہ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس وقت بادشاہ نے ڈلمو اور قنوج کی طرف کوچ کیا اور وہاں کی باغی رعیت کو خوب سزا دی۔ جب بادشاہ قنوج میں یہ انتظام کر رہا تھا تو سید حسن نے معبر میں بغاوت کی۔ فخرا کی بغاوت اور خود سر ہو جانے کی تاریخ بداونی نے ۷۳۹ھ لکھی ہے لیکن یہ سنہ بدایونی نے بھی غلط لکھا ہے کیونکہ مسٹر ایڈورڈ طامس نے جو سکے فخر الدین کے جمع کیے ہیں ان میں سے سب سے پہلا سکہ ۷۳۷ھ کا ہے جس کے ایک رخ پر "السلطان الاعظم فخر الدنیا و الدین ابو المظفر مبارک شاہ السلطان" اور دوسرے رخ پر "یمین خلیفۃ اللہ ناصر امیر المؤمنین"

اور حاشیہ پر "ضرب بلدۃ الملکۃ حضرۃ جلال سنار گاؤں سنہ سبع و ثلثین سبع مائۃ" درج ہے۔ اس بیرونی شہادت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بداونی اور فرشتہ کی تاریخیں غلط ہیں اور معبر کی بغاوت ۷۳۴ھ میں ہوئی اور حساب سے ابن بطوطہ کے کل سنہ اور واقعات کی ترتیب درست ثابت ہوتی ہے اگر معبر کی بغاوت کا سال جمادی الاول ۷۳۴ھ قرار دیں تو بادشاہ کا دکن سے واپس آنا ۷۳۹ھ میں ہوگا اور ۷۳۹ و ۷۴۰ و ۷۴۱ھ میں بادشاہ کا سرگدواری میں رہنا ثابت ہوتا ہے اس حساب سے عین الملک کی بغاوت ۷۴۱ھ میں سمجھنی چاہیے اور شاہو افغان کی ۷۴۲ھ میں اور چونکہ قحط کا ہونا فرشتہ کے نزدیک دو دفعہ تین تین سال تک اور تاریخ مبارک شاہی کے مطابق برابر سات سال تک ہونا ثابت ہے اس لیے اول قحط گویا ۷۳۹ھ سے لے کر ۷۴۶ تک ہونا چاہیے ایک اور شہادت ہے کہ بادشاہ ۷۳۵ھ میں دولت آباد گیا تھا جیسا کہ برنی نے لکھا ہے نہ کہ ۷۳۸ھ میں اور وہ یہ ہے کہ بدر الدین چاچی نے اس واقعہ کی تقریب میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔

بسال دولت شہ بود غرہ شعبان
کہ سوئے مملکت دیو گیر شد فرماں

اس قصیدہ کی سرخی ہے "در کیفیت رفتن بمقدم دیو گیر و اول ساختن بادشاہ آں بقعہ را" دولت شیر کے عدد ابجد کے حساب سے ۷۳۵ھ ہوتے ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ پہنچا تو امیران صدہ نے یہ صلاح کی کہ وہ پراگندہ ہو جائیں اور اسماعیل فتح دھارا گڑ کے قلعہ میں بیٹھ جائے۔ جب بادشاہ چلا جائے گا تو اپنا کام شروع کریں گے یہ حال دیکھ کر بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک فتح نامہ دہلی میں منبر پر پڑھا جائے اور خوشی کی جائے میری رائے میں اس قدر ثبوت اس امر کے ثابت ہونے کے لیے کہ بداونی اور فرشتہ کے سال غلط ہیں اور ابن بطوطہ کا بیان صحیح ہے کافی ہے لیکن اگر کہیں سے سید جلال الدین احسن شاہ سلطان معبر کا سب سے پہلا سکہ دستیاب ہو جائے تو وہ قطعی ثبوت سمجھا جا سکتا ہے مگر برنی اور ابن بطوطہ کے سال مقابلہ کرنے سے یہ ضرور معلوم ہوگا کہ شاہو افغان کی بغاوت ابن بطوطہ کے دہلی سے روانہ ہونے سے پہلے کے ہیں اور نمبر ۱۰ و نمبر ۱۱ و نمبر ۱۲ اس نے چین جانے سے پہلے اور مالدیپ سے آنے کے بعد سنے ہیں۔

(۱۹) بہرائچ۔ ابو الفضل لکھتا ہے کہ یہ شہر دریائے سرجو کے کنارے بستا ہے۔ شہر بہت بڑا ہے۔ نواح دلکشا ہے اور باغات بکثرت ہیں۔ سالار مسعود اور سالار رجب (فیروز شاہ کے باپ) کے اس جگہ مزار ہیں۔ فی الحال ملک اودھ میں یہ شہر ایک ضلع کا صدر مقام

ہے۔ آبادی چوبیس ہزار کے قریب ہے۔ دریائے گھگر کے کنارے پر واقع ہے۔

(۴۰) سرجو۔ یہ دریا نیپال کے پہاڑ سے نکل کر اور ۶۰ میل بہہ کر آج کل کٹائی گھاٹ کے قریب دریائے گھاگرا میں جا ملتا ہے۔ سو برس پہلے یہ دریا گونڈا کے ضلع میں سے ہو کر بہتا تھا اور آگے جا کر گھاگرا میں گرتا تھا۔ ایک یورپین سوداگر نے' جو پہاڑ سے کاٹ لایا کرتا تھا' اس کو کاٹ کے جلدی پہنچانے کے لیے اس رستے پر ڈال دیا۔ لیکن عہد اسلام کی تاریخوں میں سرجو بجائے گھاگرا کے استعمال کیا گیا ہے۔

(۴۱) ابن بطوطہ کی مراد یقیناً سلطان مسعود سالار غازی سے ہے' جن کا مزار بہرائچ واقع ملک اودھ میں ہے۔ مشہور ہے کہ آپ سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے۔ ایک شخص عبدالرحیم چشتی نے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں ایک تاریخ مراۃ مسعودی تصنیف کی ہے۔ اس نے آپ کے باپ کا نام ملک ساہو اور ماں کا نام ستر معلے لکھا ہے اور سال ولادت ۴۰۵ھ اور جائے ولادت اجمیر اور سال وفات ۴۲۴ھ لکھا ہے' لیکن یہ کتاب ایک قصہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مستند تاریخ ہونے میں بہت کلام ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کچھ تو سنی سنائی باتیں کچھ دل سے بنا کر تاریخی واقعات کے ساتھ گانٹھ کر ایک معجون بنا دیا ہے۔ ابوالفضل نے سالار مسعود کی بابت یہ لکھا ہے کہ "خویشاوند سلطان محمود غزنوی ست"۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "از اقارب سلطان محمود غزنوی بود کہ در عہد اولاد سلطان محمود غزنوی در ۵۵۷ھ بدست کفار مقتول گردید"۔ دارا شکوہ نے شیخ عبدالحق کے حوالہ سے اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں یہ لکھا ہے کہ "از سرداران و غازیان لشکر سلطان محمود غزنوی اند۔ در اوائل اسلام در ہندوستان فتوحات بسیار نمودہ اند و بدرجہ شہادت رسیدہ۔ شہادت ایشاں در چہار صد و نوزدہ ہجری بود"۔ لیکن شیخ کی کتاب اخبار الاخیار میں مجھے کہیں سالار مسعود کا حال نہیں ملا۔ میری رائے میں فرشتہ کی تحریر درست ہے کہ وہ سلطان محمود کی اولاد میں سے کسی کے عہد میں ہندوستان میں آئے تھے' لیکن فرشتہ نے جو سال لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ ۵۵۷ھ میں سلاطین غزنوی میں اس قدر طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ ہندوستان میں اتنی دور لشکر بھیجتے۔ یہ زمانہ اغلباً بہرام کا تھا۔ دیکھو باب ۸' فصل سوم بیانہ۔ جیٹھ کے مہینے میں جو پہلا اتوار ہوتا ہے' اس روز ہر شہر سے سالار غازی کے جھنڈے اور علم چلتے ہیں اور ان کے مزار پر ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہندو اور مسلمان جمع ہو جاتے ہیں۔ مصنف طبقات اکبری لکھتا ہے کہ شہنشاہ اکبر ذکر کرتے تھے کہ ایک دن میں اکبر آباد میں شاہ سالار غازی کی چھڑیاں دیکھنے گیا۔ ایک شخص نے مجھے پہچان کر دوسرے سے کہا کہ بادشاہ جاتا ہے۔ میں نے فوراً اپنی آنکھوں کے کوئے باہر نکال لیے اور کچھ برا ساحلہ بنا لیا۔ جب دوسرا شخص مجھے دیکھ کر گیا تو کہنے لگا کہ بادشاہ کی ایسی آنکھیں نہیں ہیں۔ مصباح التواریخ کا مصنف مراۃ مسعودی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ سالار مسعود محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ محمد بن حنفیہ بن علی کے دو بیٹے تھے عبدالفتاح اور عبدالمنان۔ خواجہ احمد یسوی پیر ترکستان عبدالفتاح کی اولاد سے ہیں اور سالار مسعود غازی عبدالمنان کی اولاد ہے' لیکن ابن قتیبہ نے محمد بن حنفیہ کے بیٹوں کے یہ نام لکھے ہیں: حسن' عبداللہ' ابو ہاشم' جعفر' حمزہ' علی' جعفر اصغر' عون اور مصنف عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ سوا جعفر بن محمد اور علی بن محمد کے محمد بن حنفیہ کے اور کسی بیٹے کی اولاد موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ سالار مسعود علوی ہوں لیکن محمد بن حنفیہ کے بیٹوں کے یہ دو نام گھڑے ہوئے ہیں۔

(۴۲) فرشتہ نے لکھا ہے "سلطان فرمود کہ در ذات عین الملک ہیچ شرارت نیست۔ مردم اور ابریں داشتہ اند۔ پس اور اپیش طلبیدہ اسپ و خلعت دادہ عمل ہائے بزرگ حوالہ نمود"۔ ابن بطوطہ نے بغاوت کی وجہ نہیں لکھی لیکن بدایونی لکھتا ہے کہ بادشاہ عین الملک کی لیاقت سے جو اس نے بادشاہ کے کیمپ کو اس قدر عرصہ تک غلہ اور چارہ پہنچانے میں ظاہر کی تھی' بہت خوش ہوا اور چونکہ دولت آباد اور دکن کی طرف شورش مچی ہوئی تھی' اس لیے ارادہ ظاہر کیا کہ اپنے استاد قتلغ خاں کو وہاں سے طلب کر کے عین الملک کو دکن میں بھیج دے۔ عین الملک کو کچھ شبہ ہو گیا اور وہ بادشاہ کے کیمپ سے بھاگ پڑا۔ یہ بغاوت ۷۴۱ھ میں ہوئی تھی۔ اس عین الملک کا نام اصل میں عین ماہرو تھا۔ وہ ہندوستان کے کسی ملا کا بیٹا تھا۔ شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ کتاب عین الملکی اس کی تصنیف سے ہے۔ فیروز شاہ نے اس کی لیاقت کی یہاں تک قدردانی کی کہ اس کو شرف الممالک کا خطاب دے کر وزیر خواجہ جہان کا نائب مقرر کیا' لیکن وزیر کی اور اس کی بن نہ سکی تو بادشاہ نے اس کو ملتان اور بھکر اور سیوستان کا صوبہ دار مقرر کر کے بھیج دیا۔ اس نے بادشاہ سے وعدہ لے لیا کہ وہ اپنے علاقہ کا حساب براہ راست بادشاہ کو دے گا۔ وزیر خواجہ جہان سے اس کا کچھ تعلق نہ ہو گا۔ یہ دیکھ کر اور امیروں کو فکر پڑی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ خان جہان کی خاطر سے بادشاہ نے جب ایسے لائق اہلکار کو اس کے کام سے علیحدہ کر دیا تو تمہارا کیا ذکر ہے۔ انہوں نے خان جہان کی طرف سے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کیے۔ بادشاہ کو بھی شبہ پڑ گیا۔ ابھی عین الملک ایک ہی منزل گیا تھا۔ بادشاہ نے اس کو واپس

بلا بھیجا اور خان جہاں کے بارہ میں اس سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے ایمانداری سے اپنے بعض رقیبوں کو علیحدہ کر کے بادشاہ کے سامنے خان جہاں کی وفاداری اور ایمانداری کی تصدیق کی اور کہا کہ اس کو علیحدہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات خان جہاں کو بھی معلوم ہوئی۔ اس نے عین الملک سے معافی طلب کی اور اس کو اپنے گھر لے جانا چاہا' لیکن عین الملک نے انکار کیا اور یہ کہا کہ میں نے جو سچ بولا ہے' وہ تمہارے واسطے نہیں بولا' بلکہ اپنے بادشاہ اور اس کے خاندان کی بھلائی کی غرض سے کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اسی لائق تھا کہ سلطان محمد تغلق جیسے خونخوار بادشاہ نے بغاوت اور لڑائی کے بعد اس کو پھر اپنے عہدہ پر قائم کر دیا۔

(۲۳) بداؤنی اور فرشتہ نے اس کا نام شاہو افغان لکھا ہے۔ فرشتہ نے اس بغاوت کا وقت وہ لکھا ہے جب بادشاہ ۷۴۴ھ میں دکن سے واپس آتا ہوا گجرات میں بیمار تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ بادشاہ یہ خبر سن کر پٹن (دیو) سے پالکی میں سوار ہو کر بیماری کی حالت میں چلا گیا۔ ابن بطوطہ نے اس بغاوت کو سب سے آخر لکھا ہے اور اس بغاوت کو سب پٹھانوں سے ناراض ہونے کی وجہ قرار دے کر گجرات اور دکن کے امیران صدی سے بدظن ہونے کی وجہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ لوگ اکثر افغان تھے۔ افغانوں پر سختی کرنے کے سبب سے گجرات میں ان امیروں کی بغاوت عام ہوگئی۔ رفتہ رفتہ دکن میں پہنچ کر حسن کانگو اور خاندان بہمنی کی سلطنت قائم ہونے پر ختم ہوئی۔ فصل ۸ کے حاشیہ سے معلوم ہوگا کہ میرے نزدیک یہ بغاوت ۷۴۵ھ میں ہوئی اور جمادی الثانی ۷۵۲ھ میں بادشاہ سندھ میں اسی موقع پر گیا تھا۔

(۲۴) بلو درہ۔ اور تاریخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بلو درہ سے ابن بطوطہ کی مراد غالباً بیدرہ ہے۔ کچھ کچھ شبہ بھڑوچ کا بھی ہوتا ہے۔

(۲۵) ملک مقبل۔ اس کا صحیح نام ملک مقبول تھا۔ یہ شخص دراصل تلنگانہ کا رہنے والا تھا اور وہاں کے راجہ کا کوئی بڑا اہلکار تھا۔ شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے اس کا نام کٹو تھا۔ جب وہ راجہ تلنگانہ کے ساتھ دہلی میں آیا تو مسلمان ہوگیا۔ بادشاہ نے اس کا نام مقبول رکھا۔ یہ شخص فارسی پڑھا ہوا نہیں تھا لیکن بہت ہوشیار اور منتظم آدمی تھا۔ سلطان محمد تغلق نے اس کو قوام الملک کا خطاب دے کر ملتان کا حاکم مقرر کر دیا۔ وہاں اس کے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام بادشاہ نے اپنے نام پر جونا شاہ رکھا۔ فیروز شاہ نے احمد ایاز خواجہ جہان کے مرنے کے بعد اس کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اس کو بھی خان جہان کا خطاب عطا کیا اور کل کاروبار سلطنت اس کے سپرد کر دیا۔ وہ ۷۷۲ھ میں ۸۰ سال سے زیادہ عمر کا ہو کر مر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا جونا شاہ خواجہ جہان اور وزیر اعظم بنا۔ یہ بھی بیس سال تک وزیر اعظم رہا۔ اخیر میں اس کی فیروز شاہ کے بیٹے سلطان محمد کے ساتھ ان بن ہوگئی اور ان کی عداوت کے سبب سے سلطنت کا کل کاروبار درہم برہم ہوگیا۔ شاہجہاں آباد کے ترکمان دروازہ کے اندر جو کالی (کلاں) مسجد ہے' وہ جونا شاہ خواجہ جہاں کی بنائی ہوئی ہے۔ اس مسجد کا سنہ تعمیر ۷۸۹ھ ہے جو اس کے دروازہ کے کتبہ پر درج ہے اور بانی کا نام "بندہ زادہ درگاہ جونا شہ مقبول الخاطب خان جہان" لکھا ہوا ہے۔ لیکن میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ملک مقبل اور ملک مقبول اور ملک قبولہ ایک ہی آدمی تھا۔ اگرچہ برنی نے اس کو کسی جگہ ملک قبول اور کسی جگہ مقبول اور کسی جگہ مقبل لکھا ہے۔ ملک قبولہ وہی شخص ہے جس کی معرفت سلطان محمد تغلق نے پاک پٹن میں شیخ علاء الدین موج دریا کا مقبرہ بنوایا تھا اور اس نواح میں ایک قصبہ قبولہ نام اس کا آباد کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے اس کی آمدنی ۳۶ لاکھ دینار سالانہ لکھی ہے۔ ابن بطوطہ ملک قبولہ کو ایک موقع پر لاہوری لکھتا ہے' شاید ملک مقبول ملک مقبل ایک ہی شخص ہو' لیکن ملک قبولہ ایک علیحدہ شخص تھا۔

(۲۶) مسالک الابصار کا مصنف لکھتا ہے کہ خلعت بادشاہ کے کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں۔ جو کپڑا ریشمی' داوئی' چین اور عراق اور سکندریہ سے آتا ہے' اس کے علاوہ چار سو آدمی ہمیشہ بادشاہ کے کارخانہ میں ریشمی کپڑا تیار کرتے ہیں۔ یہ بادشاہ ہر سال دو لاکھ خلعتیں تقسیم کرتا ہے۔ ایک لاکھ موسم بہار میں اور ایک لاکھ موسم سرما کے شروع۔ گرمی کا کپڑا اکثر سکندریہ سے لاتے ہیں اور جاڑے کا یا تو دہلی میں تیار کرتے ہیں اور یا عراق اور چین سے آتا ہے۔ خانقاہوں اور مسجدوں کے شیوخ کو بھی خلعت دیے جاتے ہیں۔ پانچ سو آدمی زر دوزی کا کام تیار کرتے ہیں۔

(۲۷) ناصر الدین۔ کل اہل تاریخ متفق ہیں کہ جس شخص کو دولت آباد میں باغیوں نے بادشاہ بنایا' وہ اسمٰعیل مخ افغان تھا اور اس نے اپنا نام نصیر الدین رکھ لیا تھا' لیکن ابن بطوطہ اس کو ملک مل کا بیٹا لکھتا ہے اور کہتا ہے اس کا لقب ناصر الدین رکھا گیا۔ ملک مل دولت آباد کے راجہ کا نومسلم بیٹا تھا۔ یہ حقیقت میں ابن بطوطہ کی غلطی ہے۔ کسی ہم عصر کا یہ شعر اس کے مخالف ہے۔

سامگیل ج را دراں وار و گیر   بشاہی   خواندند   شاہ   نصیر

(۲۸) میں فصل ۸ کے حاشیہ میں بیان کر آیا ہوں کہ "سامنے سے" مراد ابن بطوطہ کی اس جگہ یہ ہے کہ اس نے مالدیپ سے واپس آ کر یہ حال ہندوستان میں سنے ہیں۔ اغلباً" ان دنوں میں جب وہ معبر میں تھا' ورنہ ۷۴۳ھ - ۷۴۴ھ کے شروع میں تو وہ ہندوستان سے مالدیپ کو چلا گیا تھا۔

(۲۹) قحط اور نرخ کی بابت میں باب ۵ میں حاشیہ لکھ گیا ہوں۔

(۳۰) اگروہہ - یہ شہر حصار سے ۱۳ میل کے فاصلے پر حصار اور فتح آباد کی سڑک پر واقع تھا۔ اب محض ایک گاؤں ہے۔ گاؤں کے مغرب کی طرف پرانے شہر کے کھنڈرات واقع ہیں۔ ان کا رقبہ چھ سو ایکڑ ہے۔ کسی زمانے میں یہ شہر تجارت کی بڑی جگہ تھی۔ قوم اگروال کے بنئے اپنا نکاس اسی شہر سے بتاتے ہیں اور اسی لیے اگروال کہلاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ شہر اسی قحط ۷۳۵ھ میں اجڑ گیا ہو۔ اگروال بنیوں میں ایک روایت چلی آتی ہے کہ جب کوئی ان کی قوم کا آدمی اس شہر میں نیا آتا تھا تو اس کے ہم قوم ایک ایک اینٹ اور ایک پیسہ اس کو دے دیتے تھے اور وہ اس کو مکان بنانے اور لکھ پتی ہو جانے کے لیے کافی ہوتا تھا۔ کھنڈرات کے اوپر ایک ٹوٹا پھوٹا قلعہ موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ مہاراجہ پٹیالہ کے کسی اہلکار نے تعمیر کرایا تھا۔ کھنڈرات کے رقبہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر شہر کی آبادی ساٹھ ہزار کے قریب ہوگی۔

باب (۷)

اپنے حالات

۱۔ ہمارا شاہی محل میں پہنچنا

میں نے یہاں تک بادشاہ کے زمانے کے واقعات کا ذکر کیا۔ اب میں اپنا خاص ذکر کروں گا اور اپنے دارالخلافہ میں پہنچنے کی کیفیت اور بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہونے اور ملازمت کو چھوڑنے اور بادشاہ کی طرف سے چین میں سفیر ہو کر جانے اور پھر چین سے اپنے ملک میں واپس ہونے کا بیان کروں گا جب ہم دارالخلافہ دہلی میں داخل ہوئے تو شاہی محل کی طرف چلے پہلے اول دروازہ میں داخل ہوئے پھر دوسرے میں پھر تیسرے میں تیسرے دروازہ میں نقیب لوگ موجود تھے جن کا مفصل حال میں پہلے بیان کر آیا ہوں جب ہم نقیبوں کے پاس پہنچے تو ان میں سے ایک نقیب ہمیں ایک وسیع صحن میں لے گیا۔ وہاں وزیر خواجہ جہاں ہمارا انتظار کر رہا تھا سب سے آگے خداوند زادہ ضیاء الدین۔ اس کے پیچھے اس کا بھائی قوام الدین اس کے پیچھے اس کا بھائی عماد الدین پھر میں اور میرے پیچھے ان کا بھائی برہان الدین پھر امیر مبارک سمرقندی اس کے پیچھے ارنی

بخارا کی پھر ملک زادہ خداوند زادہ کا بھانجا پھر بدر الدین قفال۔ اس ترتیب سے ہم داخل ہوئے جب ہم تیسرے دروازے کے اندر داخل ہوئے تو ہمیں ایک بڑا دیوان خانہ جس کا نام ہزار ستون تھا دکھائی دیا اس میں بادشاہ جلوس عام کرتے ہیں یہاں پہنچ کر وزیر نے تعظیم ادا کی اور وہ اس قدر جھکا کہ اس کا سر زمین کے قریب ہوگیا اور ہم نے بھی تعظیم ادا کی لیکن ہم رکوع کے موافق جھکے مگر ہماری انگلیاں بھی زمین تک پہنچ گئیں یہ تعظیم بادشاہ کے تخت کی تھی اور لوگ جو ہمارے ساتھ تھے انہوں نے بھی تعظیم کی جبکہ ہم تعظیم سے فارغ ہوئے تو چوبدار نے اونچی آواز سے بسم اللہ کہا اور ہم باہر نکل آئے۔

(۲) بادشاہ کی والدہ کے محل میں پہنچنا

بادشاہ کی والدہ کو مخدومہ جہاں (۱) کہتے ہیں اور وہ ایک نہایت بزرگ عورت ہے' خیرات بہت کرتی ہے اور بہت سی خانقاہیں اس نے تعمیر کرائی ہیں جہاں مسافر کو کھانا ملتا ہے۔ وہ آنکھوں سے نابینا ہے اور اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب اس کا بیٹا بادشاہ ہوا تو اس کے پاس تمام بیگمیں اور امیروں کی بیٹیاں زرق و برق کپڑے اور زیورات پہن کر آئیں اور وہ ایک سونے کے تخت پر جس میں جواہر جڑے ہوئے تھے بیٹھی ہوئی تھی چمک کی چکا چوند سے اسی وقت اس کی بینائی جاتی رہی۔ پھر طرح طرح کے علاج کیے لیکن فائدہ نہ ہوا۔ بادشاہ اس کی تعظیم اور اطاعت بدرجہ غایت کرتا ہے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ سفر میں بادشاہ کے ساتھ گئی اور بادشاہ کچھ دنوں پہلے آیا جب وہ دارالخلافہ میں داخل ہوئی تو بادشاہ نے اس کا استقبال کیا اور گھوڑے سے اتر پڑا جب وہ پالکی میں سوار تھی تو اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اس وقت سب لوگ دیکھ رہے تھے۔ اب میں اصل مطلب پر آتا ہوں جب ہم بادشاہ کے محل سے واپس ہوئے تو وزیر اور ہم سب حرم سرا کے دروازہ کی طرف گئے مخدومہ جہاں اس مکان میں رہتی ہے جب ہم اس کے دروازہ پر پہنچے تو ہم سب سواریوں سے اتر پڑے اور ہم میں سے ہر ایک مخدومہ جہاں کے واسطے اپنی وسعت کے موافق تحفے لایا تھا۔ ہمارے ساتھ قاضی القضاۃ کمال الدین ابن برہان الدین گئے وزیر نے اور قاضی نے مخدومہ جہان کے دروازہ کے پاس جا کر تعظیم کی اور ہم نے بھی اسی طرح تعظیم کی ایک منشی نے جو دروازے پر تھا ہمارے تحفے قلم بند کر لیے پھر کچھ جوان لڑکے نکلے اور ان میں سے جو بڑا تھا وہ وزیر کی طرف بڑھا اور اس کے ساتھ چپکے سے کچھ بات کر کے محل کی طرف واپس چلا گیا۔ وہ غلام وزیر کے پاس آئے اور پھر محل میں چلے گئے اور ہم اتنی دیر کھڑے رہے پھر ہمیں ایک دالان میں بیٹھنے کا حکم ہوا اس کے بعد کھانا لائے اور اس کے بعد طلائی مٹکے جن کو سین (سبوے (۲)) کہتے ہیں لائے یہ مٹکے دیگوں کی مانند تھے اور ان کی گھڑونچیاں جن کو سبک (سبوک) کہتے ہیں طلائی تھیں پھر پیالے اور رکابیاں اور لوٹے لائے یہ سب سونے کے بنے ہوئے تھے اور دستر خوان بچھائے گئے اور ہر ایک دستر خوان پر دو دو صفیں تھیں۔ صف میں سب سے اول وہ شخص بیٹھتا ہے جو مہمانوں سے درجہ میں سب سے بڑا ہوتا ہے جب ہم کھانے کے واسطے آگے بڑھے تو حاجیوں اور نقیبوں نے تعظیم کی اور ہم نے بھی تعظیم کی پہلے شربت لائے جب ہم شربت پی چکے تو حاجیوں نے بسم اللہ کہا اس وقت ہم نے کھانا شروع کیا جب کھانا کھا چکے نبیذ لائے اس کے بعد پان' پھر حاجیوں نے بسم اللہ کہا ہم سب نے تعظیم کی۔ اس کے بعد ہم کو ایک جگہ بلا کر لے گئے اور ہمیں زربفت کے خلعت دیے گئے پھر ہم محل کے دروازے پر آئے وہاں پہنچ کر سب نے تعظیم کی حاجیوں نے بسم اللہ کہا اور وزیر ٹھہر گیا اور ہم سب بھی ٹھہر گئے۔ پھر محل کے اندر سے ریشم اور کتان اور روئی کے تھان بغیر سلے ہوئے لائے اور ہم میں سے ہر ایک کو حصہ دیا گیا اور اس کے بعد ایک طلائی سینی لائے۔ اس میں سوکھے میوہ جات تھے اور دوسری سینی میں گلاب اور تیسرے میں پان تھے۔ اس ملک میں دستور ہے کہ جس کے واسطے یہ چیزیں لائی جاتی ہیں وہ سینی کو ہاتھ میں لیتا ہے اور اس کو اپنے ایک ہاتھ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے زمین کو چھوتا ہے۔ وزیر نے سینی کو اپنے ہاتھ میں لیا تاکہ مجھے بتلائے کہ میں کس طرح کروں پھر میں نے بھی اسی طرح کیا۔ اس کے بعد ہم اس گھر میں جو ہمارے ٹھہرنے کے واسطے مقرر کیا گیا تھا شہر میں گئے یہ مکان پالم دروازے کے قریب تھا جب میں اس گھر میں پہنچا تو میں نے اس میں ہر ایک چیز جس کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً فرش' بوریا' برتن' چارپائی' بچھونا' موجود پائی ہندوستان میں چارپائیاں ہلکی ہوتی ہیں ایسی کہ ایک آدمی اٹھا سکتا ہے اور ہر ایک شخص سفر میں چارپائی اپنے ساتھ رکھتا ہے جو اس کا غلام اٹھا کر لے جاتا ہے مخروطی شکل کے چارپائے ہوتے ہیں جن میں چار لکڑیاں عرضاً" و طولاً" کسی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کو ریشم یا روئی کی رسیوں سے بنتے ہیں۔ جب آدمی ان پر سوتا ہے تو ان کو تر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی ذات سے ٹھنڈی ہوتی ہیں چارپائی کے ساتھ دو

گدیلے اور دو تکیے ایک لحاف لائے۔ یہ سب ریشم کے بنے ہوئے تھے۔ اس ملک میں دستور ہے کہ گدیلوں اور لحاف پر کتان یا روئی کے سفید غلاف چڑھا دیتے ہیں اور جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو ان کو دھو ڈالتے ہیں اور اندر سے لحاف اور گدیلے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی رات دو آدمیوں کو لائے ایک آٹے والا تھا جس کو خراس کہتے ہیں اور دوسرا گوشت والا جس کو قصاب کہتے ہیں اور ہم کو کہا کہ تم ان دونوں سے اس قدر آٹا اور اس قدر گوشت لے لیا کرو اور اس کی تعداد اب مجھے یاد نہیں رہی اس ملک میں دستور ہے کہ آٹا اور گوشت ہم وزن دیتے ہیں یہ ضیافت بادشاہ کی والدہ کی طرف سے تھی اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ضیافت آنی شروع ہوئی جس کا ذکر ہم آگے بیان کریں گے۔

(۳) بادشاہی محل میں جانا

اس کے بعد ہم بادشاہ کے محل میں گئے اور وزیر کو سلام کیا۔ وزیر نے مجھے دو تھیلیاں ہزار ہزار دینار کی دیں اور کہا کہ یہ تمہاری سرشستی کے واسطے ہیں یعنی سر دھونے کے لیے اس کے بعد مجھے ایک خلعت ریشمی دیا۔ پھر وزیر نے میرے تمام ہمراہیوں اور غلاموں اور خادموں کے نام لکھے اور ان کے چار درجے مقرر کیے اول درجہ والوں کو دو دو سو دینار دیے اور دوسرے درجہ والوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو اور تیسرے درجہ والوں کو سو سو دینار اور چوتھے درجہ والوں کو پچھتر پچھتر دینار دیے۔ میرے ساتھ کل چالیس آدمی تھے اور ان سب کو چار ہزار دینار کے قریب دیا گیا اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ضیافت کا حکم ہوا۔ ایک ہزار رطل آٹا اور ایک ہزار رطل گوشت آیا اس میں سے ایک ثلث تو میدا تھا اور باقی دو ثلث بن چھنا آٹا اور چینی اور گھی اور فوفل (۳) (چھالیہ) بھی کئی کئی رطل آئی جس کی گنتی مجھے یاد نہیں اور ہزار ورق تنبول (۴) (پان) آئے ہندی (۵) رطل مغرب کے بیس رطل کے برابر اور مصر کے پچیس رطل کے برابر ہوتا ہے خداوند زادہ کی ضیافت میں چار ہزار رطل آٹا اور چار ہزار رطل گوشت مع اور مناسب چیزوں کے ملا۔

(۴) میری دختر کا انتقال اور تجہیز و تکفین کی رسومات

جب مجھے آئے ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہو گیا تو میری ایک بیٹی جس کی عمر سال بھر سے کم تھی مر گئی اس کے مرنے کی خبر وزیر کو پہنچی۔ وزیر نے حکم دیا کہ وہ اس خانقاہ میں جو اس نے پالم دروازہ کے باہر شیخ ابراہیم قونوی کی خانقاہ کے پاس بنائی تھی دفن کی جائے۔ وزیر نے بادشاہ کو لکھا۔ بادشاہ کا جواب دوسرے دن شام کو آ گیا اگرچہ بادشاہ وہاں سے دس منزل تھا اس ملک میں یہ دستور ہے کہ تیسرے دن صبح ہی صبح میت کی قبر پر جاتے ہیں اور قبر کے گرداگرد ریشمی کپڑے اور گدیلے بچھاتے ہیں اور قبر پر پھول رکھتے ہیں یہ پھول ہر موسم میں دستیاب ہو جاتے ہیں مثلاً چمپا اور گل یاسمین گل شیو (جو زرد پھول ہوتا ہے) اور رائے چنبیلی (جو سفید پھول ہوتا ہے) اور چنبیلی (جو دو قسم کی ہوتی ہے زرد اور سفید) نارنج اور لیموں کی ٹہنیاں بھی مع پھلوں کے قبر پر رکھتے ہیں اور اگر اس میں پھل موجود نہ ہوں تو دھاگہ کے ذریعہ سے میووں کے دانے ان میں لگا دیتے ہیں اور اپنے اپنے کلام اللہ لاتے ہیں اور وہاں پڑھتے ہیں جب ختم کر چکتے ہیں لوگوں کو گلاب پلایا جاتا ہے اور گلاب ان پر چھڑکا جاتا ہے اور پان بھی دیے جاتے ہیں اس کے بعد لوگ چلے جاتے ہیں جب تیسرے دن کی صبح ہوئی تو میں حسب دستور باہر نکلا اور جو کچھ مجھے میسر تھا تیار کیا مگر معلوم ہوا کہ وزیر نے سب کچھ تیار کرا رکھا ہے اور قبر کے اوپر ڈیرہ لگایا ہوا ہے حاجب شمس الدین فوشنجی جس نے ہمارا استقبال سندھ میں کیا تھا اور قاضی نظام الدین کروانی اور شہر کے بڑے بڑے آدمی سب وہاں موجود تھے۔ میرے آنے سے پہلے یہ سب لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور حاجب ان کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور وہ قرآن پڑھ رہے تھے میں بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قبر پر بیٹھ گیا جب وہ پڑھ چکے تو قاریوں نے بہت اچھی آواز سے کلام اللہ پڑھنا شروع کیا اس کے بعد قاضی کھڑا ہوا اور اس نے مرثیہ پڑھا اور بادشاہ کی تعظیم ادا کی۔ جب بادشاہ کا نام لیا گیا تو سب کھڑے ہو گئے سب نے تعظیم ادا کی اور اس کے بعد حاضرین بیٹھ گئے۔ اس کے بعد قاضی نے دعا مانگی اور حاجب اور اس کے ہمراہیوں نے گلاب کے شیشے لے کر لوگوں پر چھڑکا اور پھر مصری کا شربت سب کو پلایا اور پان تقسیم کیے اس کے بعد مجھے اور میرے ہمراہیوں کو گیارہ خلعت دیے گئے اور حاجب سوار ہو کر بادشاہ کے محل کی طرف گیا اور ہم بھی ساتھ گئے تخت شاہی کے پاس پہنچ کر حسب دستور تعظیم ادا کی۔ پھر میں اپنے گھر چلا آیا یہاں آ کر معلوم ہوا کہ اس روز کا کھانا بادشاہ کی والدہ کے محل سے آیا ہے ان سب نے وہ کھانا کھایا اور غریبوں کو تقسیم کیا پھر بھی بہت سی روٹیاں اور حلوا اور شکر اور مصری بچ گئی جو کئی دن تک پڑی رہی یہ سب بادشاہ کے حکم سے کیا گیا تھا

کچھ دنوں کے بعد مخدومہ جہان یعنی بادشاہ کی والدہ کے گھر سے ڈولہ (پالکی) آیا۔ عورتیں اس ملک میں ڈولیوں میں آتی جاتی ہیں اور بعض وقت مرد بھی اس میں بیٹھتے ہیں یہ چارپائی کے مشابہ ہوتا ہے اور ریشم یا روئی کی رسیوں سے بنا جاتا ہے اور اس کے اوپر ایک لکڑی ہوتی ہے جو ایک ٹھوس بانس کو ٹیڑھا کر کے بناتے ہیں آٹھ آدمی باری باری اس کو اٹھاتے ہیں چار آدمی اٹھاتے ہیں اور چار آرام کرتے ہیں یہ ڈولیاں ہندوستان میں وہی کام دیتی ہیں جو مصر میں گدھے اکثر لوگوں کی روزی اس پر منحصر ہے جس کے غلام ہوتے ہیں تو وہ ڈولی کو اٹھاتے ہیں اگر غلام نہ ہوں تو کرایہ کے آدمی جو شہر میں بہت ہیں اور بازاروں میں بادشاہی محل کے دروازہ کے پاس یا لوگوں کے دروازوں کے پاس کھڑے رہتے ہیں کہ کوئی شخص ان کو ڈولی اٹھوانے کے واسطے اجرت پر لے جائے۔ عورتوں کی ڈولیوں پر ریشم کے پردے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی طرح اس ڈولے پر بھی جو بادشاہ کی والدہ کے گھر سے اس کے غلام لائے تھے ریشمی پردہ پڑا ہوا تھا اس میں میری کنیز کو جو متوفی لڑکی کی ماں تھی بٹھایا میں نے اس کے ساتھ ایک ترکی لونڈی بطور تحفہ کے بھیجی رات کو میری کنیز بادشاہ کی والدہ کے پاس رہی اور دوسرے دن واپس آگئی اس کو بادشاہ کی والدہ نے ایک ہزار روپیہ اور سونے کے جڑاؤ کڑے اور سونے کا جڑاؤ ہار اور زردوزی کتان کا کرتہ اور زردوزی ریشم کا خلعت اور کپڑے کے کئی تھان دیے جب وہ یہ سب کچھ لائی تو میں نے اپنے دوستوں اور ان سوداگروں کو جن کا میں مقروض تھا اپنی آبرو کے قائم رکھنے کے واسطے دے دیا کیونکہ مخبر میرا ذرا ذرا سا حال بادشاہ کو لکھتے تھے بادشاہ نے حکم بھیجا کہ میرے واسطے جاگیر میں کچھ گاؤں مقرر کیے جائیں جن کی آمدنی پانچ ہزار دینار سالانہ کی ہو وزیر اور اہل دیوان نے میرے واسطے ایک موضع بادلی اور ایک موضع بسی اور نصف موضع بالڑے کا مقرر کیا یہ سب گاؤں دارالخلافہ سے سولہ کوس کے فاصلے پر واقع تھے اور سب کے سب ہندبت (٦) کی صدی میں شامل تھے اور صدی اس ملک میں سو گاؤں کے مجموعہ کو کہتے ہیں ہر ایک صدی پر ایک چوطری (چودھری) ہوتا ہے اور وہ ہندوؤں میں سے بڑا آدمی ہوتا ہے اور ایک متصرف ہوتا ہے جو خراج جمع کرتا ہے اسی عرصہ میں بہت سی کافر عورتیں لوٹ میں آئیں ان میں سے دس لونڈیاں وزیر نے میرے پاس بھیج دیں۔ میں نے ان میں سے ایک لانے والے کو دیدی اور وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ میرے ہمراہیوں نے ان میں سے تین چھوٹی چھوٹی لونڈیاں لے لیں اور باقی کی بابت میں نہیں جانتا کیا

ہوا۔ لوٹ میں جو لونڈیاں وہاں آتی تھیں وہ اس ملک میں بہت سستی ہوتی ہیں اس لیے کوئی لوٹ کی لونڈیوں کو نہیں خریدتا۔ ہندوستان میں ہندو تمام ملک میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں اور مسلمان ان پر غالب ہیں بہت سے ہندو دشوار گزار پہاڑوں اور بانسوں کے جنگلوں میں پناہ گزیں ہیں۔ بانس اس ملک میں کھوکھلا نہیں ہوتا اور بہت لمبا ہو جاتا ہے اور اس کی شاخیں اس قدر پیچ در پیچ ہوتی ہیں کہ آگ بھی اثر نہیں کرتی یہ ہندو لوگ بانسوں کے جنگلوں میں داخل ہو کر سکونت اختیار کر لیتے ہیں یہ بانس فصیل کا کام دیتے ہیں اور اس کے اندر ان کے مویشی اور کھیت ہوتے ہیں اور بارش کا پانی جمع کیا ہوا ہوتا ہے اور کوئی شخص ان بانسوں کو مناسب اوزاروں کے ساتھ کاٹنے کے بغیر ان پر غالب نہیں ہو سکتا۔

(۵)۔ بادشاہ کے آنے سے پہلے جو عید ہوئی اس کا ذکر

عید الفطر آئی اور بادشاہ اب تک دارالخلافہ میں واپس نہ آیا تھا جب عید کا دن ہوا تو خطیب ہاتھی پر سوار ہوا اور اس ہاتھی کی پشت پر ایک چیز تخت کے مشابہ بچھائی گئی اور چار علم اس کے چاروں کونوں میں لگائے گئے۔ خطیب کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا موذن ہاتھیوں پر سوار خطیب کے آگے تکبیر پڑھتے جاتے تھے۔ شہر کے مولوی اور قاضی بھی سوار تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ صدقہ آیا جو وہ عیدگاہ کے راستہ میں تقسیم کرتا جاتا تھا۔ عیدگاہ پر روئی کے کپڑے کا سائبان لگایا گیا تھا اور فرش بچھایا گیا تھا جب سب نمازی جمع ہو گئے تو خطیب نے نماز پڑھائی اور خطبہ پڑھا اور لوگ سب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ہم بادشاہ کے محل کی طرف گئے اور وہاں امیروں اور پردیسیوں نے کھانا کھایا اور پھر اپنے گھروں کو واپس آئے۔

(۶) بادشاہ کا استقبال

شوال کی چوتھی تاریخ تھی کہ بادشاہ نے ایک محل میں جس کا نام تل پت تھا اور جو دارالخلافہ سے سات میل کے فاصلہ پر ہے قیام کیا۔ وزیر نے ہمیں حکم دیا کہ بادشاہ کے استقبال کے لیے باہر جاؤ ہم سب استقبال کے لیے باہر گئے اور ہر ایک کے پاس نذر کے واسطے گھوڑے اور اونٹ اور خراسانی میوے اور مصری اور تلواریں اور غلام اور ترکستانی لڑکے تھے جب ہم محل کے دروازے کے پاس پہنچے اور سب آنے والے جمع

اور ارن بجاتری کو اور ملک زادہ ترمذی کو اور شہاب الدین گازرونی سوداگر کو جو تبریز سے بادشاہ کے لیے تحفے لایا تھا اور راستے میں لٹ گیا تھا۔

(۷) بادشاہ کا دارالخلافہ میں داخل ہونا

دوسرے دن بادشاہ نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک گھوڑا اپنے خاص گھوڑوں میں سے عطاء کیا اور ان کے ساتھ زین اور لگام بھی دیے جن پر سونے چاندی کا کام تھا دارالخلافہ میں داخل ہونے کے لیے بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا اور ہم بھی آگے آگے صدر جہاں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے بادشاہ کی سواری کے آگے آگے سولہ ہاتھی تھے جن کو آراستہ کیا گیا تھا اور ان ہاتھیوں پر نشان یعنی علم بلند کیے گئے تھے اور ہر ایک ہاتھی پر ایک ایک چھتر لگا ہوا تھا بعضے چھتر جڑاؤ تھے اور بعض طلائی اور ایک چھتر بادشاہ کے سر پر لگایا گیا تھا اور آگے آگے جڑاؤ زین پوش اٹھا لیے جاتے تھے اور بادشاہ کے آگے آگے جو ہزار ہا پیدل سپاہی اور عوام الناس تھے وہ ان کو اٹھاتے تھے محل میں پہنچنے تک یہ نچھاور ہوتے رہے راستے میں جگہ جگہ لکڑی کے برج ریشمی کپڑوں سے منڈھے ہوئے رکھے تھے جن میں گانے والی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انکا مفصل ذکر میں کر آیا ہوں۔

(۸) بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونا

دوسرے دن جمعہ تھا ہم دیوان خانہ کے دروازہ میں داخل ہو کر تیسرے دروازہ کی گھچیوں میں بیٹھ گئے اب تک ہمارے اندر جانے کی اجازت نہ آئی تھی شمس الدین فوشنجی حاجب آیا اور اس نے منشیوں کو حکم دیا کہ ہم سب کے نام لکھ لو اور یہ بھی کہا کہ ان سب کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ اول ہمراہیوں کی تعداد معین کی گئی جن کو اندر آنے کی اجازت دی گئی تھی چنانچہ مجھے اجازت دی گئی کہ میں آٹھ آدمی اپنے ساتھ لے جاؤں ہم سب مع ہمراہیوں کے داخل ہوئے اتنے میں دیناروں کی تھیلیاں اور ترازو لائے اور قاضی القضاۃ اور منشی لوگ بیٹھ گئے وہ دروازہ سے پردیسیوں کو بلاتے جاتے تھے اور ہر ایک کے لیے ایک حصہ مقرر کرنا تھا وہ اس کو بلا کر دیتے جاتے تھے میرے حصہ میں پانچ ہزار دینار آئے کل روپیہ ان کے پاس اس وقت ایک لاکھ تھا یہ مال بادشاہ کی والدہ نے اپنے بیٹے کے

ہو گئے تو اپنے اپنے مرتبہ کے موافق داخل ہوتے گئے ان میں سے ہر ایک کو کتان کے زردوز کپڑے کے خلعت ملتے جاتے تھے جب میری باری آئی تو میں نے بادشاہ کو کرسی پر بیٹھے ہوئے پایا۔ میں نے گمان کیا کہ وہ کوئی حاجب ہے لیکن جب میں نے اس کے پاس ملک الندما ناصر الدین کافی ہروی کو کھڑے ہوئے دیکھا جس کو میں پہچانتا تھا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ یہی ہے حاجب نے تعظیم ادا کی اور میں نے بھی تعظیم ادا کی امیر حاجب نے جو بادشاہ کا چچا زاد بھائی فیروز تھا۔ میرا استقبال کیا پھر میں نے دوسری دفعہ تعظیم ادا کی پھر ملک الندما نے کہا کہ بسم اللہ مولانا بدرالدین۔ مجھے ہندوستان میں بدرالدین کہتے تھے اور ہر ایک عرب عالم کو مولانا کہتے ہیں میں بادشاہ کے قریب ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نہایت نرم الفاظ میں اور فارسی زبان میں کہا تمہارا آنا مبارک ہو خاطر جمع رکھو میں تم پر نہایت مہربانی کروں گا اور اس قدر انعام دوں گا کہ تمہارے اور ہم وطن سن کر تمہارے پاس آئیں گے۔ پھر پوچھا کہ تمہارا ملک کونسا ہے میں نے کہا کہ مغرب۔ بادشاہ نے کہا کہ امیر المومنین(۸) کا ملک میں نے کہا ہاں اور جب وہ کوئی بات کہتا تھا میں اس کا ہاتھ چومتا تھا یہاں تک کہ سات دفعہ میں نے اس کا ہاتھ چوما مجھے خلعت دیا گیا اور میں واپس آیا سب نو وارد جمع ہو گئے تھے ان کے لیے دستر خوان بچھایا گیا اور ان کے سروں پر قاضی القضاۃ صدر جہاں ناصر الدین خوارزمی (ایک بڑا فقیہ تھا) اور قاضی القضاۃ صدر(۹) جہاں کمال الدین غزنوی اور عماد الملک جشی اور جلال الدین کیجی بہت سے حاجب اور امیر کھڑے ہوئے تھے اس دستر خوان پر خداوند زادہ غیاث الدین بھی موجود تھا جو خداوند زادہ قاضی قوام الدین قاضی ترمذ کا چچا زاد بھائی تھا بادشاہ اس کی نہایت عزت کرتا تھا اور اس کو بھائی کہہ کر پکارتا تھا اور وہ اپنے ملک سے کئی دفعہ بادشاہ کے پاس آیا اور گیا تھا اس روز مسافروں میں سے مندرجہ ذیل صاحبوں کو خلعت دیے گئے خداوند زادہ قوام الدین اور اس کے بھائی ضیاء الدین عماد الدین اور برہان الدین کو اور ان کے بھانجے امیر بخت بن سید تاج الدین کو جس کا دادا وجیہ الدین خراسان میں وزیر تھا اور جس کا ماموں علاء الدین ہندوستان میں امیر اور وزیر بھی تھا اور امیر ہبۃ اللہ ابن الفلکی تبریزی کو جس کا باپ عراق میں نائب وزیر تھا اور جس نے مدرسہ فلکیہ بنایا تھا اور ملک کرائے کو جو بہرام چوبیں صاحب نوشیرواں کی اولاد میں سے تھا اور وہ بدخشاں کے پہاڑوں کا رہنے والا تھا جہاں سے لعل بلخش (بدخشی) اور لاجورد لاتے ہیں اور امیر مبارک سمرقندی کو

بخیروعافیت واپس آنے کی تقریب میں صدقہ کے لیے نکالا تھا اس روز ہم واپس چلے گئے اس کے بعد بادشاہ نے کئی دفعہ ہم کو اپنے دسترخوان پر کھانا کھلانے کے لیے بلایا اور نہایت نرمی سے ہمارا حال دریافت کیا ایک دن کا ذکر ہے کہ بادشاہ ہم سے کہنے لگا کہ تم جو میرے ملک میں تشریف لائے مجھ پر نہایت مہربانی کی میں تمہاری تکلیف کا صلہ کافی تم کو نہیں دے سکتا تم میں سے جو پیر سال ہے وہ مجھے باپ کی جگہ ہے اور میرا ہم عمر میرا بھائی ہے اور جو مجھ سے چھوٹا ہے وہ میرا بیٹا ہے میرے ملک میں کوئی شہر اس شہر سے بڑا نہیں یہ شہر تمہاری ملک ہے ہم نے یہ سن کر بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے حق میں دعا کی اس کے بعد ہماری تنخواہیں اور عہدے مقرر کیے میری تنخواہ بارہ ہزار دینار سالانہ مقرر کی اور تین گاؤں میری جاگیر میں پہلے تھے اب دو اور زیادہ کر دیے ان گاؤں کے نام جوزہ (۱۰) اور ملک پور تھے ایک دن ہمارے پاس خداوند زادہ غیاث الدین اور قطب الملک حاکم سندھ کو بھیجا انہوں نے آکر کہا کہ اخوند عالم فرماتے ہیں کہ تم میں سے جس کو جس کام کرنے کی لیاقت ہو اور رغبت ہو وہ کام اس کے سپرد کیا جائے جس کسی کو وزیر بننا ہو اس کے لیے وزارت اور جس کو مدرس بننا ہو اس کے لیے مدرسی اور جس کو منشی بننا ہو اس کے لیے منشی گری جس کو امیر بننا ہو اس کے لیے امارت اور جس کو شیخ بننا ہو اس کے لیے شیخیت کا عہدہ موجود ہے یہ سن کر ہم سب خاموش ہو رہے کیونکہ ہم سب کا ارادہ تھا کہ ہمیں جو انعام ملے گا وہ لیکر اپنے گھر واپس چلے جائیں گے آخر امیر بخت بن سید تاج الدین نے جس کا ذکر میں کر آیا ہوں نے کہا کہ میرے بزرگ وزیر تھے اور میں خود کاتب ہوں۔ ان دو کاموں کے علاوہ تیسرا کام نہیں جانتا اور ہبۃ اللہ فلکی نے بھی کچھ ایسا ہی کہا خداوند زادہ نے میری طرف مخاطب ہو کر عربی زبان میں کہا کہ سیدنا آپ کیا فرماتے ہیں۔ اس ملک کے آدمی سب عربوں کو سید کے لفظ سے پکارتے ہیں کیونکہ بادشاہ تعظیماً ان کو اسی طرح خطاب کرتا ہے میں نے کہا کہ وزارت اور کتابت تو میرا کام نہیں میرا پیشہ قضا اور شیخیت کا ہے اور یہی میرے باپ دادا کا پیشہ تھا اور امارت یعنی فوج کی افسری اس کی بابت آپ خوب جانتے ہیں کہ عرب کی تلوار کے ڈر سے کل عجم مسلمان ہوا ہے مطلب یہ کہ یہ سپاہ گری اور شمشیرزنی ہمارا قدیم پیشہ ہے۔ بادشاہ نے جب یہ جواب سنا تو نہایت خوش ہوا۔ اس وقت بادشاہ محل ہزار ستون میں تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ ہم سب کو بلا بھیجا ہم سب نے بھی بادشاہ کے ساتھ کھانا کھایا پھر ہم محل سے باہر آگئے میرے ساتھی سب

وہاں بیٹھ گئے میرے دنبل نکلا ہوا تھا اور میں بیٹھ نہیں سکتا تھا اس لیے واپس اپنے مکان کو چلا آیا۔ بادشاہ نے دوسری بار ہم سب کو بلایا باقی سب گئے اور میری طرف سے عذر بیان کیا تھا میں بھی عصر کی نماز پڑھ کر گیا اور دیوان خانہ میں مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اتنے میں حاجب باہر آیا اور ہم سب سے کہا کہ بادشاہ یاد کرتے ہیں پہلے خداوند زادہ ضیاء الدین جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اندر گیا بادشاہ نے اس کو میرداد مقرر کیا۔ اس عہدہ پر بڑا آدمی ہوا کرتا ہے اس کا کام ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ بیٹھتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی امیر یا بڑے آدمی پر نالش کرتا ہے تو وہ اس کو قاضی کے روبرو حاضر کرتا ہے اس کی تنخواہ پچاس ہزار سالانہ مقرر تھی اور اس کے لیے (ایجاش) جاگیر مقرر کی جس کا فائدہ اس مقدار کے برابر ہوتا تھا حکم دیا کہ اس کو پچاس ہزار دینار فوراً دیے جائیں اور ریشم کا زریں خلعت جس کو شیر صورت کہتے ہیں اس کو پہنائی گئی اس خلعت کی پشت اور سینہ پر شیر کی تصویر ہوتی ہے اور خلعت کے اندر ایک پرچہ لپیٹ کر سی دیتے ہیں اس میں درج ہوتا ہے کہ اس خلعت میں اس قدر سونا ہے اور ایک گھوڑا بھی اول درجہ کا اس کو عطا ہوا۔ گھوڑے کے چار درجے اس ملک میں مقرر ہیں اور گھوڑے کی زین مصری زینوں کی مانند ہوتے ہیں اور ان کے اکثر حصے پر چاندی منڈھی ہوئی ہوتی ہے اور چاندی پر سونے کا ملمع ہوتا ہے اس کے بعد امیر بخت اندر گیا اس کے واسطے حکم ہوا کہ وزیر کے ساتھ مسند پر بیٹھا کرے اور دیوانوں کے حساب کی پڑتال اس کے ذمہ کی اور اس کی تنخواہ چالیس ہزار دینار سالانہ مقرر کی اور اسی قدر جاگیر مقرر کی جس میں سے چالیس ہزار دینار فائدہ حاصل ہونگے۔ چالیس ہزار دینار اسی وقت دیے گئے اور ایک گھوڑا اور خلعت ویسا ہی جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے اس کو بھی ملا۔ شرف الملک اس کو خطاب دیا گیا اس کے بعد ہبۃ اللہ فلکی اندر گیا اس کو بادشاہ نے رسول دار مقرر کیا یعنی حاجب الارسال اس کی تنخواہ چوبیس ہزار دینار مقرر ہوئی اسی مقدار کی جاگیر مقرر ہوئی اور چوبیس ہزار دینار اسی وقت دیے گئے اور اس کو بہاء الملک کا خطاب ملا۔ اس کے بعد میں اندر گیا۔ بادشاہ محل کی چھت پر تخت کا تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور وزیر خواجہ سامنے بیٹھا ہوا تھا اور ملک قبولہ کھڑا تھا جب میں نے سلام کیا تو ملک کبیر نے کہا کہ تعظیم کر کیونکہ اخوند عالم نے تجھے دارالخلافہ دہلی کا قاضی مقرر کیا اور تیری تنخواہ بارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کی اور اسی قدر جاگیر تجھے دی جائے گی اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ تجھ کو بارہ ہزار دینار کل کے روز خزانہ سے دیے جائیں

اور ایک گھوڑا بھی مع زین اور لگام کے تجھ کو عطا ہوا ہے اور ایک عراقی خلعت تجھے ملے گا اس خلعت کی پشت اور سینہ پر محراب کی شکل بنی ہوئی ہوتی ہے۔ میں تعظیم بجا لایا اور ملک کبیر میرا ہاتھ پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گیا بادشاہ نے کہا کہ دہلی کی قضا کا عہدہ کوئی چھوٹا عہدہ نہیں ہے ہم اس کو بہت بڑا عہدہ سمجھتے ہیں۔ میں فارسی سمجھتا تھا لیکن اس میں جواب نہ دے سکتا تھا اور بادشاہ عربی سمجھتا تھا لیکن اس میں جواب نہ دے سکتا تھا۔ میں نے کہا کہ یا مولانا میں تو امام مالک کے مذہب پر ہوں اور اہل شہر کل حنفی ہیں اور علاوہ ازیں میں زبان سے ناواقف ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میں نے بہاء الدین ملتانی اور کمال الدین بجنوری کو تیری نیابت میں مقرر کیا وہ تجھ سے مشورہ لیں گے اور کل دستاویزات پر تیری مہر ہوگی۔ یہ بھی کہا کہ تو مجھے بہ منزلہ بیٹے کے ہے میں نے کہا کہ میں حضور کا غلام اور خادم ہوں بلکہ تواضعاً" بادشاہ نے عربی زبان میں کہا انت سیدنا و مخدومنا اس کے بعد شرف الملک سے فرمایا کہ اس کی تنخواہ کافی نہ ہوگی کیونکہ یہ خرچ والا آدمی ہے اس لیے میری صلاح یہ ہے کہ ایک خانقاہ بھی اس کے سپرد کردوں اگر وہ فقیروں کے حال کی خبرگیری کر سکے۔ شرف الملک سے کہا کہ یہ بات اس سے عربی میں کہو۔ بادشاہ سمجھتے تھے کہ شرف الملک عربی اچھی بول سکتا ہے حالانکہ وہ بول سکتا تھا بادشاہ سمجھ گیا اور کہا کہ برو یکجا بخسپی و آں حکایت برو بگوئی و تفہیم کنی۔ تا فردا انشاء اللہ پیش من بیائی و جواب او بگوئی۔ یعنی جاؤ اور دونوں رات کو ایک ہی جگہ سوؤ اور اس کو کل بات سمجھا دینا اور کل انشاء اللہ میرے پاس حاضر ہو کر بتلانا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ ہم واپس چلے آئے اور ایک ثلث رات گزر چکی تھی اور نوبت بج چکی تھی نوبت بجنے کے بعد کوئی شخص باہر نہیں نکل سکتا اس لیے ہم نے وزیر کا انتظار کیا اور اس کے ساتھ باہر آئے شہر کے دروازے بند ہو گئے تھے اس لیے ہم رات کو سید ابو الحسن عبادی عراقی کے گھر سراپور خاں کے کوچہ میں سو گئے یہ شخص بادشاہ کے مال سے تجارت کیا کرتا تھا اور عراق اور خراسان سے بادشاہ کے لیے ہتھیار اور اسباب خرید کر لایا کرتا تھا۔ دوسرے دن ہم سب کو بلایا گیا اور نقدی اور گھوڑے اور خلعت دیے گئے ہم میں سے ہر ایک نے اس ملک کے دستور کے موافق خلعت کو کندھے پر رکھا اور اس طرح بادشاہ کے حضور میں داخل ہو کر تعظیم بجا لائے گھوڑوں کے کھروں پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا ہم نے ان کو بوسہ دیا اور پھر لگام پکڑ کر ہم خود ان کو بادشاہ کے محل کے دروازہ پر لے گئے اور وہاں اس پر سوار ہوئے اور گھروں کو واپس آئے۔ بادشاہ نے

میرے ہمراہیوں کو بھی دو ہزار دینار اور دس خلعت دیے اور کسی کے ہمراہی کو کچھ نہیں ملا کیونکہ میرے ہمراہی ذرا دیکھنے میں صاف اور چہرہ مہرہ والے تھے۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر خوش ہوا۔ وہ بھی بادشاہ کی تعظیم بجا لائے اور بادشاہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

(۹) بادشاہ کا دوسرا عطیہ

قاضی مقرر ہونے کے بہت دنوں بعد ایک روز میں دیوان خانہ کے صحن میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور میرے برابر مولانا ناصر الدین ترمذی واعظ بیٹھے تھے۔ مولانا ناصر الدین طلب ہوئے وہ اندر گئے اور بادشاہ نے ان کو خلعت دیا اور ایک کلام اللہ بھی جس پر موتی جڑے ہوئے تھے ان کو عنایت ہوا۔ اتنے میں ایک حاجب دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا کہ بادشاہ نے تیرے واسطے بارہ ہزار دینار کے انعام کا حکم دیا ہے اگر مجھے کچھ دلواؤ تو میں خط خورد لے آتا ہوں۔ میں نے سمجھا کہ وہ ہنسی کرتا ہے اور مجھ سے اس حیلہ سے کچھ لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ درست کہہ رہا تھا میرے ایک دوست نے کہا دو دینار دیتا ہوں جاؤ خط خورد لے آؤ چنانچہ وہ لے آیا۔ اس چٹھی میں یہ درج ہوتا ہے کہ اخوند عالم کا حکم ہے کہ خزانہ موفورہ سے فلاں شخص کو فلاں حاجب کی شناخت پر اس قدر روپیہ دے دو۔ پہلے اس چٹھی پر چٹھی لانے والا جس کی شناخت پر روپیہ دیا جاتا ہے اپنے دستخط کرتا ہے اس کے بعد تین امیروں کے دستخط ہوتے ہیں یعنی خان اعظم قتلو خان معلم سلطان کے اور خریطہ دار کے جس کے پاس بادشاہ کا قلمدان ہے اور امیر نکبیہ دوادار کے جس کے پاس بادشاہ کی دوات رہتی ہے جب یہ سب اپنے دستخط کر چکتے ہیں تو دیوان وزارت کے پاس لے جاتے ہیں اس کی متصدی نقل لے لیتے ہیں اس کے بعد اس کی نقلیں دیوان اشراف میں ہوتی ہیں اس کے بعد دیوان النظر میں اس کے بعد پروانہ لکھا جاتا ہے جس میں وزیر خزانچی کو حکم دیتا ہے کہ روپیہ دے دو پھر خزانچی اس کو اپنے حساب میں درج کرتا ہے اور ہر روز کے پروانوں کا ایک چٹھا بنا کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے جس کے لیے بادشاہ کا حکم ہوتا ہے کہ فوراً" دے دو اس کو اسی وقت دے دیا جاتا ہے اور جس کے لیے حکم ہوتا ہے کہ دیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں اس کو دیر سے تو ملتا ہے مگر ملتا ضرور ہے خواہ کتنے ہی دن ہو جائیں چنانچہ یہ انعام مجھے چھ مہینے کے بعد دوسرے انعام کے ساتھ ملا جس کا ذکر میں آئندہ کروں گا۔

ہندوستان میں دستور ہے کہ جس قدر انعام کا حکم دیا جائے اس کا دسواں حصہ وضع ہو

کرتا ہے یعنی اگر لاکھ کا حکم ہو تو نوے ہزار ملتے ہیں اور دس ہزار کا حکم ہو تو نو ہزار۔

(۱۰) قرض خواہوں کا تقاضا کرنا اور بادشاہ کا حکم دینا کہ قرضہ ادا کیا جائے

میں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ جو کچھ میرا راستے میں خرچ ہوتا رہا اور جو کچھ میں نے بادشاہ کے حضور میں ہدیہ یعنی نذر گزارنی اور جو کچھ اس کے بعد خرچ ہوتا رہا یہ سب میں نے سوداگروں سے قرضہ لیا تھا۔ جب یہ سوداگر اپنے گھر جانے لگے تو تقاضا کرنے لگے میں نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع اور شروع کے چند ابیات درج کرتا ہوں۔

الیک امیر المومنین المبجلا
اتینا نجد السیر نحوک فی الفلا
محیت محلا من علاتک زائرا
و مغناک کہف للزیادہ اہلا
فلو ان فوق الشمس للمجد رتبہ
لکنت لاعلاھا اماما مو ہلا
فانت الامام الماجد الا وحد الذی
سجایاہ حتما ان یقول و یفعلا
ولی حاجتہ من فیض جودات ارتجی
قضایا وقصدے عند مجدک سہلا
الذکرھا ام قد کفا فی حیاو کم
فان حیا کم ذکرہ کان اجملا
فعجل لمن واو فی محلک زائرا
قضا دینہ ان العزیم تعجلا

ایک روز بادشاہ کرسی پر بیٹھے تھے میں نے یہ قصیدہ پیش کیا بادشاہ نے اس کو اپنے زانو پر رکھ لیا اور اس کا ایک کنارہ پکڑ لیا دوسرا کنارہ میرے ہاتھ میں رہا میں ایک ایک شعر پڑھتا جاتا تھا اور قاضی القضاۃ کمال الدین اس کے معنی بیان کرتا جاتا تھا بادشاہ بہت خوش ہوتا تھا۔ ہندی شعر عربی سے بہت محبت رکھتے ہیں جب میں نے سالا اس

شعر پڑھا تو بادشاہ نے فرمایا مرحمت جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے تجھ پر رحم کیا اس وقت حاجب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے کھڑے ہونے کے مقام پر لے گئے تاکہ میں تعظیم بجا لاؤں۔ بادشاہ نے فرمایا چھوڑ دو اس کو قصیدہ پورا کرنے دو۔ میں نے قصیدہ پورا پڑھ کر سنایا اور پھر تعظیم بجا لایا۔ لوگوں نے مجھے مبارک باد دی لیکن مدت تک کچھ پتہ نہ لگا آخر میں نے ایک عرضداشت لکھی اور قطب الملک حاکم سندھ کو دی وہ اس نے بادشاہ کے سامنے پیش کی بادشاہ نے اس کو کہا کہ خواجہ جہان کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس کا قرضہ ادا کر دے قطب الملک نے جا کر کہہ دیا خواجہ جہان نے کہا اچھا لیکن پھر کچھ نتیجہ نہ نکلا اسی اثنا میں بادشاہ نے دولت آباد کے سفر کا حکم دیا اور کچھ دنوں کے لئے بادشاہ شکار کے لئے باہر چلا گیا اور وزیر بھی ساتھ گیا اور اس لیے مجھے بہت دن میں یہ انعام ملا دیر کا سبب میں مفصل بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب میرے قرض خواہوں نے سفر کا ارادہ کیا تو میں نے ان کو کہا کہ جب میں شاہی محل کے دروازہ میں جاؤں تو تم اس ملک کے دستور کے موافق بادشاہ کی دروہی (دہائی) دینا شاید بادشاہ کو خبر پہنچے اور وہ تمہارا قرضہ ادا کر دے اس (۱۱) ملک کا دستور ہے کہ جب کسی کا قرضہ کسی بڑے آدمی پر ہوتا ہے اور وہ ادا کرنے سے لاچار ہوتا ہے تو اس کے قرض خواہ بادشاہ کے دروازہ پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب وہ شاہی محل میں داخل ہونے لگتا ہے تو وہ پکار پکار کر بادشاہ کی دہائی دیتے ہیں اور بادشاہ کے سر کی قسم دلاتے ہیں کہ جب تک ہمارا قرضہ ادا نہ کر دے اندر نہ جائے اس وقت مقروض کے لئے سوا اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہوتا کہ یا تو اس کا قرضہ ادا کر دے اور یا ان کی خوشامد کر کے کچھ مہلت لے لے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ اپنے باپ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہاں ایک محل میں ٹھہرے ہوئے تھے میں نے اپنے قرض خواہوں سے کہا کہ اس وقت موقع ہے جب میں محل میں داخل ہونے لگا تو انہوں نے بادشاہ کی دہائی دی کہ تو جب تک قرضہ ادا نہ کر دے اندر نہ جا۔ متصدیوں نے یہ خبر فورا بادشاہ کو لکھی۔ حاجب شمس الدین جو ایک بڑا فقیہ تھا۔ باہر نکلا۔ اور ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم دہائی کیوں دیتے ہو انہوں نے کہا کہ اس شخص پر ہمارا قرضہ ہے وہ واپس اندر گیا اور بادشاہ کو جا کر خبر کی بادشاہ نے دریافت کیا کہ کس قدر قرضہ ہے انہوں نے کہا پچپن ہزار دینار اس نے جا کر بادشاہ سے عرض کر دی اور پھر باہر آ کر کہا کہ بادشاہ فرماتے ہیں کہ ہم ذمہ دار ہیں تمہارا قرضہ ہم چکا دیں

گے اس سے مطالبہ نہ کرو بادشاہ نے عماد الدین سمنانی اور خداوند زادہ غیاث الدین کو حکم دیا کہ دونوں ہزار ستون میں بیٹھ کر دستاویزات کا معائنہ کرو اور تحقیقات کرو کہ یہ قرضہ برحق ہے یا نہیں۔ وہ دونوں بیٹھ گئے اور قرض خواہ ان کے پاس اپنی دستاویزات لاتے جاتے تھے اور وہ دیکھتے جاتے تھے۔ ان دونوں نے جا کر عرض کی کہ دستاویزات بالکل درست ہیں بادشاہ ہنسا اور ہنس کر کہا کہ میں جانتا ہوں وہ قاضی ہے اور اپنا کام خوب جانتا ہے پھر خداوند زادہ کو حکم دیا کہ یہ قرضہ خزانہ سے ادا کرے اس نے رشوت کا لالچ کیا اور خط خود لکھنے میں دیر کی میں نے اس کے پاس دو سو تنکہ بھیجے اس نے نہ لیے واپس کر دیے لیکن اس کے ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ پانچ سو تنکے مانگتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نہیں دیتا۔ میں نے عبدالملک بن عماد الدین سمنانی سے یہ حال کہہ دیا اس نے اپنے باپ سے ذکر کیا اور اس نے وزیر سے۔ وزیر اور خداوند زادہ کے درمیان عداوت تھی اس نے بادشاہ سے عرض کر دی اور اس کے ساتھ اور بھی شکایتیں کیں چنانچہ بادشاہ خداوند زادہ سے ناراض ہو گیا اور اس کو شہر میں نظر بند کر دیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ فلاں شخص اس کو یہ رشوت کیوں دیتا تھا اور حکم دیا کہ اس بات کی تحقیقات کی جائے کہ آیا وہ رشوت دیتا تھا اور خداوند زادہ نے انکار کیا یا خداوند زادہ رشوت مانگتا تھا اس نے دینے سے انکار کیا اور اس سبب سے میرے قرضے کی ادائگی میں دیر ہو گئی۔

(۱۱) بادشاہ کا شکار کے لیے باہر جانا

جب بادشاہ (۱۲) شکار کے لیے دارالخلافہ سے باہر گئے میں بھی ساتھ گیا میں نے تمام ضروری اشیا اس سفر کے لیے خرید لی تھیں۔ ایک سراچہ (ڈیرہ) خرید لیا تھا۔ اس ملک میں ڈیرہ ہر شخص رکھ سکتا ہے اور امیروں کے لیے تو وہ ایک ضروری چیز ہے فرق فقط یہ ہوتا ہے کہ شاہی ڈیرہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور باقی امیروں کا سفید جس پر نیلے رنگ کے نقش ہوتے ہیں۔ میں نے ایک سیوان (سائبان) بھی خرید لیا تھا۔ یہ ڈیرہ کے اندر سایہ کے لیے لگایا جاتا ہے اور دو بڑے بانسوں پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ یہ بانس لوگ گردنوں پر لے جاتے ہیں ان لوگوں کو کیوائی (۱۳) کہتے ہیں ہندوستان میں دستور ہے کہ مسافر کیوانوں کو کرایہ پہ نوکر رکھ لیتا ہے اور اسی طرح وہ شخص بھی جو چوپایوں کے لیے گھاس لاتے ہیں نوکر رکھے جاتے ہیں کیونکہ اس ملک میں بعض گھوڑوں کو نہیں کھلاتے اور کہار بھی نوکر رکھے جاتے ہیں۔ یہ لوگ باورچی خانہ کے برتن اٹھا کر لے جاتے ہیں ڈولہ اٹھانے والے بھی نوکر رکھے جاتے ہیں۔ یہ لوگ خیمے (سراچہ) لگاتے ہیں اور اس میں فرش بچھاتے ہیں اور اسباب کو اونٹوں پر لادتے ہیں اور دوادوی بھی نوکر رکھے جاتے ہیں یہ لوگ آگے آگے دوڑتے ہیں اور رات کو مشعل لے کر چلتے ہیں میں نے بھی یہ تمام لوگ یومیہ اجرت پر اپنے ساتھ لیے اور بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ چلا میں تو اسی روز شہر سے باہر نکل آیا جس روز بادشاہ کی سواری باہر نکلی تھی اور میرے سوا اور آدمی دو دو تین تین دن بعد آئے۔ بادشاہ نے سواری نکلنے کے دن عصر کے بعد ارادہ کیا کہ ہاتھی پر سوار ہو کر دیکھتے جائیں کہ کون کون تیار ہیں اور کس کس نے جلدی تیاری کی اور کس کس نے دیر کی اس وقت بادشاہ اپنے ڈیرہ (سراچہ) کے باہر کرسی پر بیٹھے تھے۔ میں نے آ کر سلام کیا اور دائیں ہاتھ پر اپنی مقررہ جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے میرے پاس ملک قبولہ سرجاندار کو بھیجا جس کا یہ کام ہے کہ وہ بادشاہ پر سے مکھیاں ہٹاتا ہے (یعنی چنور ہلاتا ہے) اس نے کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ بیٹھ جاؤ اور یہ بادشاہ کی مہربانی تھی ورنہ اور کسی کو اس روز بیٹھنے کی اجازت نہ تھی اتنے میں ہاتھی آ پہنچا اور سیڑھی لگائی گئی بادشاہ اس پر سوار ہوئے اور چھتر لگایا گیا اور بادشاہ کے خواص بھی سوار ہو گئے تھوڑی دیر پھر کر بادشاہ ڈیرہ کی طرف واپس آ گئے۔ دستور یہ ہے کہ جب بادشاہ سوار ہوتے ہیں تو ہر ایک امیر اپنی اپنی فوج اور علم اور طبل اور نفیری اور سرنا (ان سب چیزوں کو مراتب کہتے ہیں) لے کر سوار ہو جاتا ہے بادشاہ کے آگے آگے فقط پردہ دار یعنی حاجب اور اہل طرب یعنی طوائف اور طبلی گلے میں طبلے لٹکائے ہوئے اور سرنا بجانے والے ہوتے ہیں اور دائیں طرف پندرہ آدمی ہوتے ہیں اور بائیں طرف بھی اسی قدر آدمی ہوتے ہیں اس جماعت میں وزیر اور بڑے بڑے امیر اور بعض پردیسی شرفا شامل ہوتے ہیں اور میں بھی اہل راست میں سے تھا۔ بادشاہ کے سامنے پیدل اور راہبر ہوتے ہیں اور پیچھے ریشمی اور زریں علم ہوتے ہیں اور اونٹوں پر طبل رکھے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے شاہی غلام اور خادم ہوتے ہیں اور ان کے بعد امیر ہوتے ہیں اور ان کے بعد عوام الناس۔ کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ کس جگہ قیام ہو گا جب کوئی جگہ نہر کے کنارے یا درختوں کے جھنڈ میں بادشاہ کو اچھی معلوم ہوتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اس جگہ اتر جاؤ جب تک بادشاہ کا ڈیرہ نہ لگ جائے کوئی شخص ڈیرہ نہیں لگا سکتا پھر ناظر آتے ہیں ہر ایک شخص کو اس کی جگہ بتلاتے ہیں

اور بیچ میں شاہی ڈیرہ لگتا ہے بکری کا گوشت اور موٹی موٹی مرغیاں اور (کراکی) وغیرہ شکار پہلے ہی آگے آگے روانہ کر دیا جاتا ہے امیروں کے لوگ فوراً حاضر ہو جاتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں سیخ ہوتی ہے وہ آگ روشن کرتے ہیں اور گوشت کو بھونتے ہیں ایک چھوٹا سا ڈیرہ لگایا جاتا ہے اس کے باہر بادشاہ مع خاص خاص امیروں کے بیٹھ جاتا ہے دستر خوان آتا ہے اور بادشاہ جس کو چاہتا ہے اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بلا لیتا ہے۔ ایک دن بادشاہ ڈیرہ کے اندر تھے بادشاہ نے دریافت فرمایا کہ باہر کون ہے سید ناصرالدین مطہر اوہری نے جو بادشاہ کے ندیم تھے کہا کہ فلاں شخص مغربی کھڑا ہے اور بہت تنگ حال ہے بادشاہ نے فرمایا کہ کیوں۔ سید نے فرمایا کہ اس کے قرض خواہ اس پر سخت تقاضا کرتے ہیں۔ اخوند عالم نے وزیر کو حکم دیا تھا کہ قرض ادا کر دیا جائے وزیر اس سے پہلے ہی سفر کو چلا گیا یا تو حضور قرض خواہوں کو حکم دے دیں کہ وزیر کے آنے تک جبر نہ کریں یا ان کا قرضہ چکا دیں اس وقت ملک دولت شاہ بھی موجود تھا بادشاہ اس کو چچا کہا کرتے تھے اس نے کہا اخوند عالم یہ شخص ہر روز مجھ سے کچھ عربی میں کہا کرتا ہے اور میں سمجھتا نہیں سید ناصرالدین سمجھتا ہو گا کہ کیا کہتا ہے اس کا مقصد تھا کہ سید ناصرالدین پھر قرضہ کی ادائیگی کا ذکر کرے۔ سید ناصرالدین نے کہا کہ وہ اسی قرضہ کی بابت کہا کرتا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ جب ہم دارالخلافہ میں واپس جائیں تو تم چچا خزانہ میں جا کر اس کو یہ روپیہ دلوا دو۔ خداوند زادہ بھی حاضر تھا اس نے کہا کہ اخوند عالم یہ شخص بڑا فراخ ہے اور یہی حال اس کا سلطان طرمشیریں بادشاہ ماوراالنہر کے دربار میں تھا جہاں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ بات ہو چکی تھی کہ مجھے بادشاہ نے دستر خوان پر طلب کیا مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری بابت کیا گفتگو ہو چکی ہے جب میں باہر آیا تو سید ناصرالدین نے کہا کہ ملک دولت شاہ کا شکرانہ ادا کرو اور ملک دولت شاہ نے کہا کہ خداوند زادہ کا شکریہ کرو ان ہی دنوں میں جب میں بادشاہ کے ساتھ شکار میں تھا بادشاہ کیمپ میں سوار ہونے کو جاتے تھے ان کا گزر میرے ڈیرے پر ہوا بادشاہ کے ساتھ دائیں ہاتھ پر تھا اور میرے ہمراہی خیمہ میں تھے جب بادشاہ وہاں سے گزرے تو میرے ہمراہیوں نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ بادشاہ نے عماد الملک اور ملک دولت شاہ کو بھیجا کہ ان لوگوں سے دریافت کرو کہ کس کا خیمہ اور ڈیرہ ہے۔ انہوں نے آ کر جواب دیا کہ فلاں شخص کا ہے۔ بادشاہ سن کر مسکرائے دوسرے دن مجھے اور سید ناصرالدین اور ابن قاضی مصر اور ملک صبیح کو خلعت دیے گئے اور

اجازت دی گئی کہ دارالخلافہ کو واپس چلے جائیں چنانچہ ہم واپس چلے آئے۔

(۱۲) میں نے بادشاہ کو ایک اونٹ نذر دیا

ان ہی دنوں میں بادشاہ نے ایک روز مجھ سے دریافت فرمایا تھا کہ ملک (۱۴) ناصر اونٹ پر سوار ہوتا ہے کہ نہیں۔ میں نے عرض کی کہ حضور حج کے دنوں میں سانڈنی پر سوار ہو کر مصر سے مکہ شریف میں دس دن میں یہ پہنچ جاتا ہے۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اونٹ ایسے نہیں ہوتے جیسے اس ملک کے ہوتے ہیں اور عرض کی تھی کہ میرے پاس اس ملک کا ایک اونٹ ہے جب میں دارالخلافہ میں واپس آیا تو میں نے ایک مصری عرب کو بلوایا اس نے میرے لیے سانڈنی کی کاٹھی کا کالبو دقیر (۱۵) کا بنوایا۔ وہ میں نے ایک بڑھئی (نجار) کو دکھلایا اس نے ایک بہت عمدہ پالان اس نمونہ کے مطابق تیار کر دیا۔ میں نے اس کو بانات سے منڈھوایا اور کاٹھیں بنوائیں اور اونٹ کے اوپر ایک نہایت عمدہ جھول ڈالا اور اس کی مہار ریشم کی تیار کرائی میرے پاس ایک یمن کا باشندہ تھا اور وہ حلوا بنانے میں کاریگر تھا اس نے حلوا تیار کیا جس میں سے بعض قسم کا حلوا تو کھجوروں کے مشابہ تھا اور بعض اور قسموں کا اور یہ سانڈنی اور حلوا میں نے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے اور لے جانے والے کو ہدایت کی کہ یہ دونوں چیزیں ملک دولت شاہ کے سپرد کر دینا اور میں نے اس کے واسطے بھی ایک گھوڑا اور دو اونٹ بھیجے۔ جب وہ شخص پہنچا تو ملک دولت شاہ ان کو بادشاہ کے پاس لے گیا اور جا کر عرض کی کہ اخوند عالم میں نے ایک عجیب چیز دیکھی بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا ہے اس نے کہا کہ اونٹ پر زین۔ بادشاہ نے کہا کہ ہمارے سامنے لاؤ چنانچہ اونٹ کو ڈیرہ کے اندر لے گئے بادشاہ بہت خوش ہوا اور میرے آدمی سے کہا کہ اس پر سوار ہو کر دکھلاؤ۔ وہ سوار ہوا اور اونٹ کو بادشاہ کے سامنے چلایا۔ بادشاہ نے اس کو دو سو درہم اور خلعت انعام میں دیے اور وہ آدمی واپس آیا اور اس نے تمام حال مجھ سے بیان کیا میں سن کر نہایت خوش ہوا اور میں نے اس شخص کو دو اونٹ دیے۔

(۱۳) دو اونٹ پھر نذر کرنا اور قرضہ کی ادائیگی کا حکم ہونا

جب میرا آدمی اونٹ نذر کر کے واپس آیا تو میں نے دو پالان تیار کرائے اور ان کے اگلے اور پچھلے حصوں کو چاندی کے پتروں سے منڈھوایا جن پر سونے کا ملمع تھا اور

پالان کو بانات سے منڈھا اور اس پر چاندی کے پترے چڑھائے اور دونوں اونٹوں پر زردوخانہ کا جھول جس کے کم خواب کا استر تھا ڈلوایا اور ملمع شدہ چاندی کی جھانجھیں اونٹوں کے پیروں میں پہنائیں اور گیارہ طباق حلوے کے تیار کرائے۔ ہر ایک طباق پر ریشم کا رومال ڈالا جب بادشاہ شکار سے واپس آئے اور دوسرے دن دربار عام میں بیٹھے تو میں اونٹوں کو لے گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو چلاؤ۔ میں نے سوار ہو کر دوڑا کر دکھلائے۔ ان میں سے ایک کی جھانجھ گر پڑی۔ بادشاہ نے بہاء الدین فلو کو حکم دیا کہ پائل برداری یعنی جھانجھ اٹھا لو۔ اس نے جھانجھ اٹھا لی پھر بادشاہ نے طباقوں کی طرف دیکھا تو پوچھا کہ چہ داری دراں جیتا طوات یعنی تیرے پاس کیا ہے کیا طباقوں میں حلوا ہے میں نے کہا حضور! بادشاہ نے فقیہ ناصر الدین ترمذی واعظ کو کہا کہ میں نے ایسا حلوہ جو فلاں شخص نے لشکر میں ہمارے پاس بھیجا تھا کبھی نہیں کھایا اور حکم دیا کہ طباق بادشاہ کی خاص مجلس میں اٹھا کر لے جائیں۔ بادشاہ دربار عام سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اندر بلایا اور کھانا منگوایا میں نے بھی کھانا کھایا بادشاہ نے پوچھا جو حلوا تم نے ہمارے لیے بھیجا تھا اس کا کیا نام ہے میں نے عرض کیا کہ اخوند عالم وہ حلوہ کئی طرح کا تھا معلوم نہیں کہ حضور کی مراد کون سے حلوے سے ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ طباق لاؤ اس ملک میں طیفور کو طباق کہتے ہیں۔ طباق پیش ہوئے اور رومال اٹھائے گئے بادشاہ نے ایک حلوے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کا کیا نام ہے میں نے عرض کی کہ اس کو لقمات القاضی کہتے ہیں اس وقت ایک بغداد کا سوداگر جس کو سامری کہتے تھے اور اپنے تئیں آل عباس میں سے بتلاتا تھا اور بہت مالدار تھا اور جس کو بادشاہ باپ کہا کرتے تھے حسد کے سبب سے اور مجھے شرمندہ کرنے کی غرض سے بولا کہ یہ لقمات القاضی نہیں ہے اس نے ایک دوسرے حلوے کو جس کا نام جلد الفرس تھا اٹھا کر کہا کہ اس کو لقمات القاضی کہتے ہیں اس کے مقابل ناصر الدین کافی ہروی جو بادشاہ کا ندیم تھا اور اس شیخ کے ساتھ بادشاہ کے روبرو اکثر ہنسی کیا کرتا تھا بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ خواجہ صاحب آپ جھوٹ بولتے ہیں اور قاضی سچا ہے بادشاہ نے کہا کہ کس طرح۔ اس نے کہا اخوند عالم یہ شخص قاضی ہے اور اپنے لقموں کو اوروں کی بہ نسبت بہتر جان سکتا ہے بادشاہ نے ہنس کر کہا کہ سچ ہے جب ہم کھانا کھا چکے تو حلوہ کھایا اور پھر فقاع پی اور پان لے کر ہم باہر چلے آئے۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ میرے پاس خزانچی آیا اور کہا کہ اپنے آدمیوں کو بھیج دو کہ روپیہ لے آئیں میں نے اپنے آدمی اس کے

ساتھ کر دیے جب میں شام کو گھر واپس آیا تو تین تھیلیوں میں چھ ہزار دو سو تینتیس تنکے (۱۶) میرے گھر میں رکھے ہوئے تھے پچپن ہزار دینار تو مجھے قرض میں دیے تھے اور بارہ ہزار دینار کے انعام کا حکم ہو چکا تھا۔ یہ رقم عشر وضع کرنے کے بعد ہوئی تھی۔

تنکہ مغرب کے ڈھائی دینار طلائی کے برابر ہوتا ہے۔

(۱۳) بادشاہ کا معبر کو جانا اور مجھے دار الخلافہ میں چھوڑنا

۹ جمادی الاول کو بادشاہ ملک معبر کی طرف روانہ ہوا کیونکہ وہاں سید حسن شاہ باغی ہو گیا تھا میں اپنا تمام قرضہ ادا کر چکا تھا اور سفر کا پختہ ارادہ کیا ہوا تھا اور کہاروں اور فراشوں اور دوڑوں کی نو مہینے کی تنخواہ بھی دے چکا تھا مجھے حکم ملا کہ میں دار الخلافہ میں رہوں حاجب نے مجھ سے اس مضمون کا خط لے لیا کہ مجھے اطلاع ہو گئی یہ اس ملک کا دستور ہے تاکہ جس کو خبر دی گئی ہے انکار نہ کر جائے۔ بادشاہ نے میرے لیے چھ ہزار دو بھی دینار دینے کا حکم دیا اور قاضی مصر کو دس ہزار دینار کا اور اسی طرح سے ہر ایک پردیسی کو جس کو ٹھہرنے کا حکم ملا انعام دیا گیا ہندیوں کو کچھ نہیں ملا مجھے بادشاہ نے حکم دیا کہ تو سلطان قطب الدین کے مقبرے کا متولی مقرر کیا گیا ہے اس کی نگرانی رکھ بادشاہ اس مقبرے کی نہایت تعظیم کرتے تھے کیونکہ وہ کسی زمانے میں سلطان قطب الدین کے نوکروں میں رہ چکا تھا میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب بادشاہ اس مقبرہ میں آتے تھے تو سلطان قطب الدین کی پاپوش اٹھا کر چومتے تھے اور سر پر رکھتے تھے اس ملک میں دستور ہے کہ میت کی پاپوش اس کی قبر کے پاس ایک چوکی پر رکھ دیتے ہیں بادشاہ جب مقبرہ میں داخل ہوتے تھے تو تعظیم کیا کرتے تھے جیسے کہ بادشاہ کی زندگی میں اس کی تعظیم بجا لاتے تھے اور اس کی بیوہ کی بدرجہ غایت تعظیم کرتے تھے اور اس کو بہن کہہ کر پکارتے تھے اور اس کو اپنے حرم میں جگہ دی ہوئی تھی بعد میں اس کا نکاح قاضی مصر کے ساتھ کر دیا تھا اور اسی کے سبب سے قاضی کی بھی بڑی خاطر ہوتی تھی بادشاہ ہر جمعہ کو اس کے پاس جایا کرتے تھے جب بادشاہ روانہ ہونے لگے تو ہمیں رخصت کے واسطے بلایا ابن قاضی مصر نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ میں حضور سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اچھا جا سفر کا سامان کر لے یہ اس کے واسطے اچھا ہوا۔ اس کے بعد میں آگے بڑھا میں شہر میں ٹھہرنا چاہتا تھا لیکن اس کا انجام اچھا (۱۷) نہ ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کچھ عرض کرتا ہے میں نے اپنی یادداشت کا پرچہ نکالا بادشاہ

نے فرمایا اپنی زبان میں کہو میں نے عرض کی کہ اخوند عالم حضور نے مجھے قاضی مقرر کیا اب تک میں نے یہ کام نہ کیا تھا اور قضا سے میری مراد فقط اس عہدہ کی بزرگی قائم رکھنا ہے بادشاہ نے مہربانی سے میرے دو نائب مقرر کر دیے لیکن میں سلطان قطب الدین کے روضہ کیا کروں اس میں چار سو ساٹھ آدمیوں کا روزینہ میں نے مقرر کیا ہے اور اس کے اوقاف کی آمدنی خرچ کے واسطے کافی نہیں۔ بادشاہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اس کی آمدنی پچاس ہزار ہے پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بیشک اور وزیر سے کہا کہ لک من غلہ دو اور مجھ سے کہا کہ جب تک روضہ کا غلہ آئے تو اس غلہ کو خرچ کر غلہ سے مراد گیہوں اور چاول ہیں اور اس ملک کا من بیس مغربی رطل کے برابر ہوتا ہے پھر بادشاہ نے فرمایا اور کیا عرض ہے میں نے عرض کیا کہ میرے ہمراہی اس سبب سے قید میں ہیں کہ انہوں نے ان دیہات سے جن کے عوض بادشاہ نے مجھے اور دیہات دے دیے ہیں کچھ وصول کر لیا تھا اب اہل دیوان کہتے ہیں کہ جو کچھ تمہیں آمدنی ہوئی ہے وہ سرکار کے خزانہ میں داخل کرو ورنہ بادشاہ کا حکم لاؤ کہ وہ مطالبہ معاف کیا جائے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تجھے کس قدر آمدنی ہوئی ہے میں نے کہا کہ پانچ ہزار دینار بادشاہ نے فرمایا وہ تجھ کو ہم نے انعام میں دیے پھر میں نے عرض کی کہ جو گھر بادشاہ نے مجھے دیا ہے بالکل شکستہ اور ریختہ ہو گیا ہے بادشاہ نے حکم دیا کہ عمارت کیند پھر بادشاہ نے فرمایا وصیت دیگر است میں نے کہا حضور۔ بادشاہ نے فرمایا تو قرض نہ کیا کر ممکن ہے کہ ہمیں خبر نہ پہنچے اور تجھے قرض خواہ تکلیف پہنچائیں اور جس قدر میں دیا کروں اس سے زیادہ خرچ نہ کیا کر کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فلا تجعل يد ک مغلولته ولا تبسطها کل البسط - وا کلوا
واشربوا ولا تسرفوہ والذین اذا انفقو الم یسرفوا و کان بین ذ
الک قواما

میں نے ارادہ کیا کہ باشاہ کے قدم لوں بادشاہ نے میرا سر پکڑ لیا اور مجھے روک دیا میں نے بادشاہ کے ہاتھ کو چوما اور باہر نکلا شہر میں آ کر میں نے اپنے گھر کی تعمیر شروع کی اور اس پر چار ہزار دینار خرچ کیے چھ سو دینار تو مجھے سرکاری خزانہ سے ملے اور باقی میں نے اپنے پاس سے خرچ کیے اور اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بھی بنوائی۔

(۱۵) مقبرہ کا انتظام

اس کے بعد میں سلطان قطب الدین کے مقبرہ کے انتظام میں مصروف ہوا بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ اس پر ایک گنبد بنایا جائے جس کی بلندی سو ہاتھ کی ہو یعنی غازان (۱۸) شاہ عراق کے مقبرہ کے گنبد سے بھی بیس ہاتھ زیادہ ہو اور یہ بھی حکم دیا کہ بیس گاؤں خریدے جائیں اور مقبرہ کے لیے وقف کیے جائیں اور خریدنے کا حکم بھی مجھے دیا تھا تاکہ اس کے عشر کا فائدہ مجھے ہو۔ اہل ہند کا دستور ہے کہ مردوں کی قبروں پر کل اشیا جو ان کی حیات میں ضروری ہوتی ہیں موجود رکھتے ہیں چنانچہ ہاتھی اور گھوڑے بھی قبروں پر باندھتے ہیں اور قبر کی نہایت آرائش کرتے ہیں میں نے بھی اسی طرح کیا اور ڈیڑھ سو قرآن پڑھنے والے جن کو اس ملک میں ختمی کہتے ہیں نوکر رکھے اور اسی طالب علموں کی خورد و نوش کا انتظام کیا اور آٹھ مکرر (۱۹) رکھے اور ایک مدرس نوکر رکھا۔ اسی صوفیوں کے کھانے کا انتظام کیا اور ایک امام اور کئی موذن خوش آواز اور قاری اور مدح خواں اور حاضری نویس اور معرف بھی نوکر رکھے ان سب کو اس ملک میں ارباب کہتے ہیں اور فراش اور طباخ اور دوڑی اور آبدار یعنی سقے اور شربت پلانے والے اور تنبولی اور سلحدار اور نیزہ دار اور چھتر دار اور طشت دار اور حاجب اور نقیب یعنی پردہ دار اور چوبدار بھی نوکر رکھے۔ ان لوگوں کو حاشیہ کہتے ہیں۔ یہ سب تعداد میں چار سو ساٹھ آدمی تھے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر روز بارہ من آٹا اور بارہ من گوشت پکایا جائے مگر میں نے دیکھا کہ یہ کافی نہ ہوگا اور زمین بہت تھی میں نے حکم دیا کہ ۳۵ من آٹا اور ۳۵ من گوشت ہر روز پکایا جائے اور اس کے مطابق شکر اور مصری اور گھی اور پان خرچ ہوتے تھے میں کل اہل مقبرہ کو اور مسافروں کو کھانا کھلاتا تھا۔ قحط کا زمانہ تھا لوگوں کو بڑی مدد پہنچی اور میری شہرت ہو گئی چنانچہ جب ملک صبیح دولت آباد میں گیا اور بادشاہ نے اس سے دہلی کے نوکروں کا حال دریافت کیا تو اس نے عرض کی کہ اگر دہلی میں فلاں شخص کی مانند دو تین اور آدمی ہوتے تو غریبوں کو کچھ بھی تکلیف نہ ہوتی۔ بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا اور مجھے اپنی خاص پوشش کا خلعت روانہ کیا اور میں دونوں عیدوں کے دن اور مولد نبی کے روز اور یوم عاشورہ اور شبرات اور سلطان قطب الدین کی وفات کے دن سو من آٹا اور گوشت پکواتا تھا اور مساکین اور فقرا کو کھانا کھلواتا تھا اور جن لوگوں کے گھر خوان بھیجنے پڑتے تھے وہ اس سے علیحدہ تھے اس دستور کا ذکر میں ابھی کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ملک ہند اور سرائے

(قچان) کا دستور ہے کہ جب ولیمہ کا کھانا کھاتے ہیں تو ہر ایک شریف (سید) اور فقیہ اور مشائخ اور قاضی کے سامنے ایک خوان گہوارہ کی شکل کا ہوتا ہے اور جس کے نیچے چارپائے ہوتے ہیں اور کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہوتا ہے لا کر رکھتے ہیں اول اس میں چپاتیاں رکھتے ہیں اور اس کے اوپر بکرے کی بھنی ہوئی سری اور چار ٹکیاں جن کے اندر حلوہ صابونیہ بھرا ہوا ہوتا ہے اور ان کے اوپر چار خشت حلوے کی رکھی جاتی ہے اور ایک چمڑے کے چھوٹے سے طباق میں سموسہ اور حلوا ہوتا ہے یہ سب چیزیں اس میں رکھ کر اوپر ایک روئی کے کپڑے کا رومال ڈھک دیتے ہیں اور جو لوگ درجہ میں کم ہوتے ہیں اس کے واسطے تعداد کم کرتے جاتے ہیں اور ہر ایک شخص جس کے سامنے خوان لا کر رکھا جاتا ہے اس کو اٹھا لے کر لے جاتا ہے اول میں نے یہ رسم شہر سرائے میں سلطان ازبک کے دارالخلافہ میں دیکھی تھی میں نے اپنے آدمیوں کو بھی منع کیا کہ نہ اٹھاؤ کیونکہ یہ ہماری عادت کے خلاف تھا بڑے بڑے آدمیوں کے گھر اسی طرح خوان بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔

(۱۲) امروہہ کا سفر

بادشاہ کے حکم پر وزیر نے مجھے دس ہزار من غلہ تو دے دیا اور باقی کی بابت حکم لکھ دیا کہ ہزار امروہہ (۲۰) کے علاقہ سے دیا جائے۔ اس وقت وہاں کا حاکم عزیز خمار تھا اور وہاں کا امیر شمس الدین بدخشانی تھا میں نے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کچھ تو جاتے ہوئے غلہ میں سے وصول کر لیا اور امیر خمار کی سختی کی شکایت میرے پاس آ کر کی۔ باقی غلہ لینے کے واسطے میں خود گیا یہ علاقہ دہلی سے تین دن کی مسافت پر ہے برسات کا موسم تھا میں ۳۳ آدمی اپنے ہمراہ لے کر گیا اور دو ڈوم میں نے اپنے ساتھ لئے وہ دونوں بھائی تھے اور گانا بہت اچھا جانتے تھے ہم بجنور (۲۱) میں پہنچے وہاں تین ڈوم اور میں نے لے لیے یہ بھی تینوں بھائی تھے کبھی تو ان دونوں بھائیوں سے گانا سنتا اور کبھی ان تینوں بھائیوں سے پھر ہم امروہہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے اس کے اہل کار استقبال کے لیے باہر آئے شہر کا قاضی شریف علی اور خانقاہ کا شیخ دونوں آئے اور دونوں نے مل کر میری ضیافت بہت اچھی طرح کی۔ عزیز خمار اس وقت افغان پور میں تھا جو دریائے سرجو کے کنارے ہے اور یہ دریا ہمارے اور افغان پور کے درمیان حائل تھا اور کوئی کشتی نہ تھی آخر ہم نے لکڑی اور گھاس کی کشتی بنا کر

اور اس میں اسباب رکھ کر پار اتارا اور ہم خود دوسرے دن دریا کے پار گئے عزیز خمار کا بھائی نجیب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہمارے استقبال کو آیا اور ہمارے لیے انہوں نے ایک ڈیرہ لگایا پھر اس کا بھائی والی آیا یہ شخص ظالم مشہور تھا اور ڈیڑھ ہزار گاؤں اس کے ماتحت ہے جن کا محاصل ساٹھ لاکھ تھا جس میں سے بیسواں حصہ اس کو ملتا تھا اس دریا کی خاصیت عجیب ہے برسات کے موسم میں کوئی شخص اس کا پانی نہیں پیتا اور نہ کسی جانور کو پلاتا ہے ہم تین دن اس کے کنارے پر ٹھہرے ہم نے اس کا پانی بالکل نہ پیا اور نہ اس کے قریب گئے یہ دریا کوہ ہمالیہ سے نکلتا ہے۔ اس پہاڑ میں سونے کی کان ہے اور یہ دریا زہریلی بوٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے اس لیے جو شخص اس کا پانی پیتا ہے مرجاتا ہے یہ پہاڑ تین مہینے کی مسافت تک برابر چلا جاتا ہے اس کے دوسری طرف تبت کا ملک ہے جہاں مشک کا ہرن (۲۲) ہوتا ہے۔ اس پہاڑ میں جو مسلمانوں کے لشکر کی درگت ہوئی وہ ہم بیان کر آئے ہیں اس شہر میں میرے پاس حیدری فقیروں کی ایک جماعت آئی انہوں نے پہلے تو سماع سنا اور پھر آگ جلوائی اور آگ میں گھس گئے اور ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا اس کا بیان میں پیچھے کر آیا ہوں۔ اس علاقہ کے امیر شمس الدین بدخشانی اور اس کے والی عزیز خمار کے درمیان کچھ تنازعہ ہو گیا تھا۔ شمس الدین اس کے ساتھ لڑنے کے لیے آیا تو عزیز خمار اپنے گھر میں گھس کر بیٹھ گیا۔ ہر ایک نے وزیر کے پاس شکایت کی۔ وزیر نے مجھے اور ملک شاہ امیر الممالک کو جس کے ماتحت چار ہزار شاہی غلام تھے اور شہاب الدین رومی کو کہلا بھیجا کہ ان دونوں کے تنازع کا فیصلہ کر دو اور جو جھوٹا ہو اس کو باندھ کر دارالخلافہ کو روانہ کر دو۔ سب کے سب میرے گھر میں جمع ہوئے اور عزیز خمار نے شمس الدین پر کئی دعوے کیے' جن میں سے ایک یہ تھا کہ اس کے ایک ملازم رضی ملتانی نے' جو عزیز خمار کے خزانچی کے گھر آ کر اترا' شراب پی اور خزانچی کے مال میں سے پانچ ہزار دینار چرا لیے۔ میں نے رضی سے دریافت کیا کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں جب سے آٹھ سال ہوئے ملتان سے آیا ہوں میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ میں نے پوچھا کہ ملتان میں تو نے شراب پی تھی اس نے کہا ہاں۔ میں نے اس کے ۸۰ درے لگوائے اور عزیز خمار کے مقدمہ میں اس کو قید کیا۔ میں امروہہ سے واپس آیا اور وہاں میں دو مہینے تک رہا۔ ہر روز اپنے ہمراہیوں کے لیے ایک گائے ذبح کرتا تھا اور اپنے ہمراہیوں کو پیچھے چھوڑ آیا کہ عزیز سے غلہ لے کر آئیں اس نے گاؤں والوں کو لکھ دیا کہ میں

ہزار من غلہ تین ہزار بیلوں پر لاد کر پہنچا آئیں۔ اہل ہند بیلوں پر بوجھ لادتے ہیں اور سفر میں اسباب بھی اسی پر لادا کرتے ہیں۔ گدھے پر سواری کرنے کو بڑا عیب سمجھتے ہیں۔ گدھے اس ملک میں چھوٹے ہوتے ہیں اور ان کو لاشہ (۴۳) کہتے ہیں۔ اگر کسی شخص کی تشہیر کرنی ہوتی ہے تو اس کو درے مار کر گدھے پر سوار کرتے ہیں۔

(۱۷) بعضے دوستوں کی مہربانی

سید ناصر الدین اوہری جب وہ سفر کو گئے میرے پاس دو سو ساٹھ تنکے چھوڑ گئے تھے وہ میں نے خرچ کر لئے تھے جب میں امروہہ سے دہلی واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ناصر الدین نے وہ روپیہ خداوند زادہ قوام الدین کو بتا دیا ہے وہ وزیر کا نائب ہو کر آیا تھا مجھے یہ کہتے تو شرم آئی کہ میں نے وہ روپیہ خرچ کر لیا۔ میں نے ایک تہائی تو اس کو دے دیا اور میں کچھ دن اپنے گھر سے باہر نہ نکلا مشہور ہو گیا کہ میں بیمار ہوں۔ ناصر الدین خوارزمی صدر جہاں میری ملاقات کو آیا اور مجھے دیکھ کر کہا کہ تو بیمار تو نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے کہا کہ باطنی بیماری ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ میں نے کہا کہ تم اپنے نائب شیخ الاسلام کو بھیجنا اس کو بتا دوں گا جب وہ آیا تو میں نے کل حال بتا دیا اس نے میرے پاس ایک ہزار دینار بھیجے اس سے پہلے اس کے ایک ہزار دینار میرے ذمہ اور تھے جب خداوند زادہ نے باقی روپیہ مانگا تو میں نے سوچا کہ صدر جہاں مالدار آدمی ہے وہی اس موقع پر مجھے مدد دے سکتا ہے۔ میں نے اس کے ایک گھوڑا مع زین کے جس کی قیمت سولہ سو دینار تھی اور ایک دوسرا گھوڑا مع زین کے جس کی قیمت آٹھ سو دینار تھی اور دو خچر جن کی قیمت بارہ سو دینار تھی اور ایک چاندی کا ترکش اور دو تلواریں جن کے میانوں پر چاندی چڑھی ہوئی تھی بھیجے اور کہلا بھیجا کہ ان کی قیمت کر کے جو کچھ ہو میرے پاس بھیج دیں۔ اس نے تین ہزار قیمت ڈالی اور میرے پاس ایک ہزار دینار بھیج دیے اور اپنے دو ہزار دینار وضع کر لئے۔ میں نہایت رنجیدہ ہوا اور مجھے فکر کے سبب سے بخار چڑھ گیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر وزیر کے پاس شکایت کرتا ہوں تو فضیحت ہوتا ہوں پھر میں نے پانچ گھوڑے اور دو لونڈیاں اور دو غلام مغیث الدین محمد بن عماد الدین سمنانی کے پاس بھیجے اس نوجوان نے وہ میرے پاس واپس کر دیے اور دو سو تنکے میرے پاس بھیج دیے اور دو چند مہربانی کی میں نے وہ روپیہ ادا کر دیا۔

(۱۸) شاہی کیمپ میں جانا

جب بادشاہ معبر گیا تھا تو تلنگانہ کے ملک میں سے گزرا اور وہاں اس کے لشکر میں وبا پھیل گئی' اس لیے واپس دولت آباد کو چلا آیا اور پھر وہاں سے دریائے گنگ کے کنارے آ کر ٹھہرا لوگوں کو حکم دیا کہ وہیں گھر بنائیں میں بھی ان دنوں میں وہاں گیا ان ہی دنوں میں اتفاق سے عین الملک کی بغاوت واقع ہوئی میں بادشاہ کی خدمت میں رہا اور بادشاہ نے مجھے اپنے خاصہ کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا دیا اور مجھے خواص میں داخل فرمایا پھر بادشاہ کے ساتھ میں عین الملک کی لڑائی میں شامل ہوا اور دریائے گنگ کو عبور کیا بعد ازاں دریائے سرجو کے پار سالار مسعود غازی کی قبر کی زیارت کو گیا اور جب بادشاہ دہلی کی طرف واپس آیا تو میں بھی ہمرکاب تھا۔

(۱۹) بادشاہ کی خفگی' میرا دنیا کو ترک کرنا

میں ایک روز شیخ شہاب الدین شیخ جام کی زیارت کو اس غار میں جو اس نے دہلی سے باہر بنایا تھا گیا میرا مطلب زیادہ تر غار کے دیکھنے کا تھا جب بادشاہ نے اس کو گرفتار کیا اور اس کے بیٹوں سے پوچھا کہ تمہارے باپ سے ملنے کون کون آتے تھے تو انہوں نے میرا بھی نام لیا بادشاہ نے حکم دیا کہ چار غلاموں کا پہرہ میرے دیوان خانہ پر رہے جب ایسا ہوتا ہے تو اس شخص کا جس پر پہرہ قائم ہوتا ہے بچنا مشکل ہوتا ہے مجھ پر جمعہ کے دن پہرہ لگا۔ میں نے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** پڑھنا شروع کیا اور اس روز میں نے ۳۳ ہزار دفعہ یہ پڑھا رات کو میں دیوان خانہ میں رہا اور پانچ روز کا ایک روزہ رکھا ہر روز ایک کلام اللہ ختم کرتا تھا اور پانی سے افطار کرتا تھا۔ پانچ دن کے بعد میں نے روزہ کھولا اور چار دن کا پھر روزہ رکھا شیخ کے قتل کے بعد میری رہائی ہوئی الحمد اللہ تعالیٰ اس کے بعد میرا دل ملازمت سے کھٹا ہو گیا اور میں شیخ امام عالم عابد زاہد خاشع فرید الدہر وحید العصر شیخ کمال الدین عبداللہ غاری کی خدمت میں جا رہا۔ یہ بزرگ اولیا اللہ میں سے تھے اور ان کی کرامتیں مشہور تھیں جن میں سے بعض کا ذکر میں کر آیا ہوں۔ میں نے دنیا ترک کر کے اور اپنا سب مال فقرا و مساکین کو تقسیم کر کے شیخ کی خدمت اختیار کی شیخ دس دن اور بعض وقت بیس دن کا روزہ رکھتے تھے میرا دل بھی چاہتا تھا کہ میں بھی اسی طرح روزے رکھوں مجھے شیخ روک دیتے

تھے اور کہا کرتے تھے کہ عبادت میں اپنے نفس پر بہت سختی نہ کیا کرو اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ دل سے توبہ کرنے والے کے واسطے سفر کرنے یا پیادہ چلنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ میرے پاس کچھ مال باقی تھا اس جب سے میرے دل میں قبض رہا کرتا تھا پھر میں نے جو کچھ میرے پاس تھا سب دے دیا اور اپنے کپڑے بھی ایک فقیر کو دے دیئے اور اس کے کپڑے آپ پہن لیے اور پانچ مہینے تک اسی شیخ کے پاس رہا بادشاہ ان دنوں ملک سندھ کو گیا ہوا تھا۔ جب بادشاہ کو خبر پہنچی کہ میں تارک الدنیا ہو گیا تو اس نے مجھے بلوایا اور اس وقت بادشاہ سیوستان (سیوان) میں تھا۔ میں فقیروں کے لباس میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا مجھ سے نہایت ملاطفت کے ساتھ گفتگو کی اور فرمایا کہ پھر ملازمت اختیار کر لے۔ میں نے انکار کیا اور حج کے لیے اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ میں بادشاہ کے پاس سے واپس باہر چلا آیا اور ایک خانقاہ میں جو ملک بشیر کے نام سے مشہور تھی ٹھہر گیا۔ اب ماہ جمادی الثانی کا اخیر اور ۷۴۲ھ تھا۔ میں نے رجب کے مہینے میں شعبان کی دسویں تاریخ تک وہاں ایک چلہ کھینچا اور رفتہ رفتہ پانچ پانچ دن کا روزہ رکھنے لگا پانچویں دن تھوڑے سے چاول بغیر سالن کے کھاتا تھا اور دن بھر قرآن پڑھتا رہتا تھا اور رات کو جس قدر اللہ نے چاہا تہجد پڑھتا تھا جب کھانا کھاتا تھا تو مجھے گرانی معلوم ہوتی تھی اور جب تک قے نہ کر دیتا تھا تو آرام نہیں ہوتا تھا اسی طرح سے میں نے چالیس روز پورے کیے۔ جب چالیس دن ہو چکے تو بادشاہ نے میرے پاس ایک گھوڑا مع زین کے اور لونڈیاں اور غلام، کپڑے اور خرچ بھیجا۔ میں نے کپڑے پہن لیے۔ میرے پاس ایک روئی کا استر دار جبہ نیلے رنگ کا تھا اور وہ میں چلے کے دنوں میں پہنا کرتا تھا۔ جب میں نے وہ اتارا اور بادشاہی خلعت پہنا تو مجھے وہ بری چیز معلوم ہوئی اور جب میں جبہ کی طرف دیکھتا تھا تو اپنے دل میں نور پاتا تھا۔ یہ جبہ اس وقت تک میرے پاس رہا جب کافروں نے سمندر میں میرے کپڑے اتار لیے اور مجھے لوٹ لیا تو وہ بھی جاتا رہا۔



حوالہ جات

(۱) فرشتہ بھی اس بیگم کی لیاقت کی تصدیق کرتا ہے۔ "والدہ اور مخدومہ جہان کہ نظام و اہتمام تمام خاندان تعلق شاہ باو وابستہ بود در دہلی برحمت حق پیوست۔ سلطان متالم و محزون شدہ بغز مود تا در شہر بروح او طعام و صدقات دادند"۔ فرشتہ نے اس بیگم کی وفات ۷۴۲ھ کے قریب لکھی ہے۔ جب ابن بطوطہ جزائر مالدیپ میں تھا اور اسی لیے اس نے اس کی وفات کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

(۲) اس لفظ میں کچھ تصحیف واقع ہوئی ہے۔ میری رائے میں یہ لفظ سیو اور سیوک معلوم ہوتے ہیں۔

(۳) فوفل - ہندی میں چھالیہ اور سپاری کو کہتے ہیں۔ اس کا درخت ناریل کی مانند سیدھا ہوتا ہے اور چھتری دار۔ موٹا بہت کم ہوتا ہے اور بلندی میں بھی کھجور اور ناریل سے چھوٹا ہوتا ہے۔ لچک دار اس قدر ہوتا ہے کہ ہوا کے صدمے سے زمین کے ساتھ لگ جاتا ہے اور پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ کچی سپاری کا مزہ بادام کی مانند ہوتا ہے۔ پختہ ہو کر سخت ہو جاتی ہے۔ اس کا درخت دکن اور بنگالہ میں ہوتا ہے۔ کھجور کی طرح لگتے ہیں۔ جب پک جاتے ہیں تو توڑ کر جوش دیا جاتا ہے اور اس کے چھلکے کو علیحدہ کر لیتے ہیں۔ چھلکا علیحدہ کرنے کے بعد اس کو چھالیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد سکھا لیتے ہیں۔ بنگالہ میں زیادہ تر ڈھاکہ کے قریب ہوتی ہے۔ چکنی چھالیہ دکن میں ہوتی ہے۔ جب کچی ہوتی ہے تو اس کو دو دفعہ جوش دیتے ہیں اور جوش دینے کے بعد کاٹ کر ذرا چوڑی کر لیتے ہیں۔ پھر عرض میں دو ٹکڑے کر کے چند مرتبہ دودھ میں جوش دیتے ہیں۔

(۴) ورق تنبول - صاحب مخزن اس کو تانبول لکھتا ہے۔ انگور کی مانند بیل ہوتی ہے جو تیلوں پر چڑھائی جاتی ہے۔ امیر خسرو نے اس کو ہندوستان کے میوہ جات میں شمار کیا ہے۔

ؔ

نادرہ برگے چو گل بوستان　　خوب ترین میوۂ ہندوستان
گرسنہ را گر بچشی کم شود　　سیر خورد گرسنہ در دم شود

ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس کی حسب ذیل اقسام لکھی ہیں:

بلہری - رنگ میں سفید۔ کھانے سے زبان میں تلخی پیدا نہیں ہوتی۔ مزہ میں سب اقسام کی بہ نسبت اچھا ہے۔

کاکیر۔ رنگ میں سفید لیکن اس پر خال ہوتے ہیں۔ رگیں موٹی اور سخت ہوتی ہیں۔ زیادہ کھانے سے زبان میں تلخی لاتا ہے۔

بیسوار۔ سفید نہیں ہو سکتا۔ ادنیٰ قسم ہوتی ہے۔

کپوری۔ رنگ میں زرد ہوتا ہے۔ رگیں سخت ہوتی ہیں لیکن مزہ دار اور خوشبودار ہوتا ہے۔

کپور کانت۔ رنگ میں سبز مائل بزردی۔ مزہ میں کالی مرچ کی مانند تیز۔ بو میں کافور کے مشابہ۔ بہار کے سوا اور کہیں نہیں ہوتا۔

بنگلہ۔ اس کا پتہ چوڑا اور موٹا اور سخت ہوتا ہے۔ تاثیر میں گرم اور مزہ میں تیز بھی ہوتا ہے۔

صاحب مخزن نے اس کی اقسام حسب ذیل لکھی ہیں۔ مگہی، سنگلدیپی، کافوری، سانچی، بنگلہ، پان کا پتہ شروع میں سفید نہیں ہوتا لیکن سفید بنایا جاتا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلاتے ہیں اور پھر اس کو صاف کر لیتے ہیں۔ جب وہ گرم ہو جاتا ہے تو اس میں پان کے ٹوکرے کو، جس پر گیہوں یا چاول کی پرال ڈال دیتے ہیں، رکھ دیتے ہیں اور گڑھے کو بند کر دیتے ہیں اور ایک رات دن رہنے دیتے ہیں۔ اوپر کوئی بھاری چیز رکھ دیتے ہیں، پھر نکال کر گرمی ہو تو رات کو شبنم میں رکھتے ہیں اور جاڑا ہو تو کسی گرم جگہ میں رکھتے ہیں۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ چیت کے مہینے میں اس کی کاشت کرتے ہیں۔ بیل کا چار پانچ انگل کا ٹکڑا، جس میں پان لگا ہوا ہوتا ہے، زمین میں دبا دیتے ہیں۔ پتہ اور گرہ باہر رہتی ہے۔ پندرہ بیس روز کے بعد گرہ میں سے دوسری بیل اگنی شروع ہوتی ہے۔ سات مہینے میں بیل اور پتے اچھی طرح سے لگ جاتے ہیں۔ ایک بیل میں تیس سے زیادہ نہیں لگتے۔ بیل کو تیلیوں پر چڑھا دیتے ہیں اور اس کے اوپر اور جوانب کو خس اور لکڑی سے ڈھک دیتے ہیں اور پتوں کی پرورش سایہ میں کرتے ہیں۔ بارش کے موسم کے سوا ہمیشہ پانی ڈالتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی دودھ اور تیل اور کھل بھی ڈالتے ہیں۔ دو سو پان کو ڈھولی کہتے ہیں۔ پہلے گیارہ ہزار پان کو لہاسہ کہتے تھے، اب چودہ ہزار کو کہتے ہیں۔ جب پانچ سے لے کر پچیس پان کو اوپر نیچے رکھ کر اور اس میں چھالیہ اور کتھہ اور چونہ ملا کر لپیٹ دیتے ہیں اور ریشم کے دھاگے سے باندھ دیتے ہیں تو اس کو بیڑا کہتے ہیں۔ بعض لوگ کافور اور مشک بھی ڈالتے ہیں۔

(۵) ہندی رطل سے ابن بطوطہ نے ہندوستان کا من، جو اس وقت رائج تھا، مراد لی ہے۔ اس کا وزن موجودہ پختہ من کے لحاظ سے میں نے فصل ۲۲، باب ۵ میں ساڑھے چودہ سیر قائم کیا ہے، لیکن فرشتہ کے لکھنے کے مطابق بارہ سیر پختہ کا من ہوتا تھا، اگر فرشتہ کا تولہ اسی قدر وزن کا ہو، جو اب رائج ہے۔ علاء الدین خلجی کے ذکر میں فرشتہ لکھتا ہے "من آن وقت چہل سیر بود و ہر سیر بست و چہار تولہ"۔

(۶) ہند پت۔ شاید سندپت یعنی سنپت ہو کیونکہ باولی یعنی سرائے باولی کا گاؤں سنپت اور دہلی کی سڑک پر موجودہ دہلی سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ باولہ بھی اس کے پاس ہے۔ ابن بطوطہ نے اس کو بانہ لکھا ہے۔

(۷) مسالک الابصار کا مصنف، جو ابن بطوطہ کا ہم عصر تھا، شہادت دیتا ہے کہ معمولی خادمہ لونڈی کی قیمت اس ملک میں آٹھ تنکہ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی اور ایسی لونڈیاں، جن کو حرم کے طور پر رکھتے ہیں، پندرہ تنکہ کو آتی تھی۔ ابو صفا عمر بن اسحاق شبلی کی زبانی وہی مصنف لکھتا ہے کہ اس نے ایک نوجوان غلام دو تنگے میں خریدا۔ لیکن تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ کنیزوں کی قیمت خوبصورتی اور تعلیم پر منحصر تھی اور ایک ایک ایسی کنیز دو دو لاکھ تنکہ کی بھی بکتی تھی۔ بدر چاچ کسی کنیز گل چہرہ نام پر عاشق ہو گیا تھا۔ اس کی قیمت نو سو تنکہ تھی، لیکن اس کے پاس اس قدر رقم نہ تھی، اس لیے اس نے ایک قصیدہ میں اپنا مطلب عرض کیا جس کا ایک شعر یہ بھی ہے۔

قرار بیع بعد حیلہ بست بر نہ صد　　اگرچہ قیمت آن ماہ صد ہزار آمد

(۸) امیر المومنین کا ملک۔ اس سے مراد مراکو ہے۔ امیر المومنین سے اس جگہ عبدالمومن بن علی کومی قیسی بادشاہ مراکو سے مراد ہے، جس کو محمد بن تومرت مہدی نے اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اس کا خطاب اپنی وصیت میں امیر المومنین لکھا۔ اس وقت سے وہ اس کی اولاد کے تمام بادشاہ امیر المومنین کہلاتے تھے۔ ۵۲۴ھ سے لے کر چودہ اشخاص نے ۶۶۸ھ تک مغرب اور اندلس میں حکومت کی ہے۔ تاریخ نفح الطیب میں اس خاندان کا مفصل حال درج ہے۔ اس خاندان کو موحدین کا خاندان بھی کہتے تھے، اگرچہ ان دنوں میں مراکو میں ایک اور خاندان حکومت کرتا تھا لیکن عبدالمومن اور اس کی اولاد کی شہرت کے باعث سے سلطان محمد تغلق نے مراکو کو امیر المومنین کا ملک کہا۔

(۹) صدر جہاں اور قاضی القضات ایک ہی عہدہ دار ہوتا تھا۔ مسالک الابصار کے مصنف کا راوی لکھتا ہے کہ جب وہ ہندوستان میں گیا تو اس عہدہ پر قاضی کمال الدین بن برہان الدین ممتاز تھا۔ اس کی جاگیر میں دس قصبے ہیں، جن کی آمدنی ساٹھ ہزار تنکہ سالانہ ہیں۔

اس عہدہ دار کو صدر الاسلام بھی کہتے ہیں۔ کل جو افضل عہدہ دار اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ فقرا کا افسر شیخ الاسلام کہلاتا ہے۔ یہ عہدہ ہمارے ملک کے شیخ الشیوخ کے مساوی ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام کی جاگیر بھی ساٹھ ہزار تنکہ سالانہ ہوتی ہے۔

(۱۰) جوڑہ اور ملک پور۔ ملک پور کا گاؤں قطب کے مغرب کی طرف دو تین میل کے فاصلے پر پہاڑی کے دوسری طرف ہے۔

(۱۱) مارکو پولو نے معبر کے ذکر میں یہ لکھا ہے کہ اس ملک کا دستور ہے کہ جب مقروض باوجود کئی تقاضوں کے قرضہ ادا نہیں کرتا تو قرض خواہ اس کے گرد ایک لکیر کھینچ دیتا ہے۔ اس لکیر سے باہر مقروض نہیں نکل سکتا جب تک کہ وہ قرضہ ادا نہ کر دے یا قرض خواہ اس کو مہلت نہ دے۔ قزوینی نے سیلان کا ذکر کرتے ہوئے اس دستور کا ذکر کیا ہے کہ جب کوئی قرض خواہ کسی مقروض کی شکایت بادشاہ سے کرتا ہے تو بادشاہ اپنا ایک ملازم اس کے ساتھ کر دیتا ہے اور وہ ملازم جس جگہ مقروض اس کو ملتا ہے' اس کے گرد لکیر کھینچ دیتا ہے۔ اگر مقروض اس جگہ سے بغیر قرضہ ادا کرنے کے چلا جائے تو راجہ اس پر سہ چند جرمانہ کرتا ہے' دو حصے آپ رکھ لیتا ہے اور تیسرا حصہ قرض خواہ کو دیتا ہے۔ راجپوتانہ میں اب بھی یہی دستور ہے کہ راج کی دہائی دینے کے بعد اگر مقروض چلا جائے تو راج کا گنہگار ہو جاتا ہے۔

(۱۲) مسالک الابصار کا مصنف لکھتا ہے کہ جب بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ایک لاکھ سوار اور دو سو ہاتھی ہوتے ہیں۔ دو چوبی خیمے دو منزلہ دو سو اونٹوں پر لاد کر لے جاتے ہیں اور خیمے ان کے علاوہ ہوتے ہیں۔ جب بادشاہ فقط سیر کے لیے جاتا ہے تو تیس ہزار سوار اور دو سو ہاتھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور ایک ہزار کوتل گھوڑے بھی طلائی زین اور لگام اور مرصع زیورات سے سجے ہوئے ساتھ ہوتے ہیں۔

(۱۳) کیوانی۔ اس لفظ کا پتہ نہیں لگ سکا کہ ہندی یا فارسی کا کیا لفظ ہے۔

(۱۴) ملک ناصر۔ عمرو بن العاص نے مصر کو حضرت عمر کی خلافت میں فتح کیا۔ ۲۵۴ھ تک خلفائے بنی امیہ و خلفائے بنی عباس کی طرف سے مصر پر والی حکومت کرتے رہے۔ ۲۵۴ھ میں ایک شخص طولون جو پہلے نوح بن اسد سامانی کا ترکی غلام تھا اور بعد میں خلیفہ مامون کا غلام بنا' وہ معتز باللہ خلیفہ المتوکل باللہ کی طرف سے مصر کا حاکم تھا۔ خود سر ہو بیٹھا اور چالیس سال تک اس کی اولاد خود مختار رہی۔ اس کے بعد پھر خلفائے بنی عباس کی طرف سے متفرق والی حکومت کرتے رہے۔ خلیفہ راضی باللہ کے وقت میں اخشید خود سر ہو بیٹھا۔ ۳۵۵ھ تک اس کی اولاد حکومت کرتی رہی۔ پھر اس کا غلام کافور بادشاہ بن بیٹھا اور مصر اور شام اور حجاز پر حکومت کرتا رہا۔ ۳۵۸ھ میں فاطمی خلفاء کا دور شروع ہوا۔ ۵۶۷ھ میں صلاح الدین یوسف خاندان فاطمی کو علیحدہ کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ وہی صلاح الدین ہے جس نے بیت المقدس کو اہل فرنگ کے قبضہ سے خلاص کیا اور تمام یورپ کے بادشاہوں اور جماعتوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ ۶۴۸ھ تک اس کی اولاد حکومت کرتی رہی۔ اس کے بعد ان کے غلام' جن کو ممالیک بحریہ کہتے تھے' بادشاہ بن بیٹھے۔ ان میں سب سے اول اعز الدین ایبک تھا۔ ۶۷۸ھ میں ملک منصور قلاوون' جو ملک صلاح ایوبی کا ترکی غلام تھا' بادشاہ ہوا۔ اس نے ۶۸۸ھ میں طرابلس کو اہل فرنگ کے قبضہ سے چھڑا لیا۔ ملک ناصر قلاوون اس کا بیٹا ۶۹۳ھ میں اپنے بھائی ملک اشرف کے بعد بادشاہ ہوا۔ اس نے ۴۳ سال تک حکومت کی۔ جب ابن بطوطہ مصر میں پہنچا تھا تو یہی بادشاہ تھا۔ اس نے تاتاریوں کے حملے روکنے میں نہایت درجہ کی لیاقت ظاہر کی تھی۔ خلیفہ المستکفی باللہ کو' جس سے سلطان محمد تغلق نے اجازت نامہ طلب کیا تھا' اس بادشاہ نے قوص کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس کی اولاد ۷۸۴ھ تک مصر پر حکومت کرتی رہی۔ ۷۸۴ھ میں چراکسہ مملوکوں کی حکومت شروع ہوئی۔ ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم نے مصر کو فتح کیا اور اس وقت سے محمد علی پاشا کے زمانہ تک سلاطین عثمانیہ کے نائب حکومت کرتے رہے۔ محمد علی پاشا ۱۲۲۰ھ میں نیم مختار ہو بیٹھا۔ اب اس کی اولاد مصر پر حکومت کرتی ہے اور سلاطین عثمانیہ کی باجگذار ہے۔

(۱۵) قیر۔ اصل لغت قار ہے۔ رال سے علیحدہ ایک چیز ہوتی ہے۔ جو لوگ قیر اور رال کو ایک سمجھتے ہیں' وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رال تو ایک درخت کا گوند ہے اور قار گرم پانی کے ساتھ فرات کے کنارہ پر ہیت کے شہر کے پاس زمین سے نکلتی ہے۔ اس کا رنگ سیاہ مائل بہ سرخی ہوتا ہے۔ جب تازہ ہوتی ہے تو سیال ہوتی ہے لیکن تھوڑی دیر کے بعد سخت ہو جاتی ہے۔ بغداد اور بصرہ کے باشندے اس میں مٹی ملا کر اس کے ساتھ مکانوں کی دیواروں اور کشتیوں اور تختوں کو لیپتے ہیں۔ اس کو انگریزی معدنی تار بھی کہتے ہیں۔ معدنی تار جس سے ریلوے سٹیشن کی دیواروں اور شہتیروں کے سروں کو مٹی کے اثر سے بچانے کے لیے رنگتے ہیں۔ چیڑ کے درخت سے اس کو آگ میں ایسی جگہ جلانے سے حاصل کرتے ہیں جہاں ہوا بہت کم پہنچ سکے۔ اس کو عربی میں قطران کہتے ہیں۔ یہ گویا نباتاتی تار ہوتا ہے۔ معدنی تار یا تو پہاڑ میں سے یا زمین کی تہہ میں سے' جس میں پتھر کا

کو نکلا ہوتا ہے' پانی کے ساتھ یا تحا اٹل کر نکلا ہے۔ اس کی کسی قسم کو لفظا' کسی کو وقت' کسی کو نہر الیسود کہتے ہیں کیونکہ وہ بحیرہ یہودیہ کے کناروں پر' جو فلسطین میں تلخ پانی کی ایک جھیل ہے' چشموں میں سے ابل کر نکلتی ہے۔

(۱۶) تنکہ - اس لفظ کی بابت مفصل حاشیہ باب ۱ کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس موقع پر یہ لکھنا باقی رہ گیا تھا کہ شیر شاہ کے وقت سے روپیہ کے لفظ کا استعمال شروع ہوا ہے اور اس بادشاہ نے تانبے کے خالص سکے بنائے تھے ورنہ پہلے کل تانبے کے سکوں میں کچھ نہ کچھ چاندی ضرور ہوتی تھی۔ بابر اور سکندر لودھی کے وقت کا تنکہ سیاہ تغلقی تنکہ کا بیسواں حصہ ہوتا تھا یعنی دو بہلولیوں کی برابر بہلولی کا وزن ایک تولہ' ۸ ماشہ اور ۷ رتی تھا۔ ایک تنکہ سفید کے چالیس بہلولی آتے تھے۔ اسی بہلولی کو اکبر کے وقت میں دام کہنے لگے' چنانچہ ابوالفضل لکھتا ہے "دام مسی نقریست وزن پنج ٹانک کہ یک تولچہ و ہشت ماشہ و ہفت سرخ باشد۔ چہلم بخش روپیہ نخست آنرا پیسہ گفتے و بہلولی نیز خواندے و امروز بدام اشتہار دارد۔ یک سو ضرب فلاں جائے و دیگر جانب سال دہد"۔

اس جگہ معلوم نہیں ابن بطوطہ نے کیا حساب کیا ہے۔ تنکہ سے اس کی مراد تنکہ سرخ یعنی اشرفی ہے اور دینار سے نقرہ سفید یعنی روپیہ۔ ۶۷ ہزار دینار کا عشر ۶۷۰۰ دینار ہوئے۔ عشر وضع کرنے کے بعد ۶۰۳۰۰ دینار ملنے چاہئیں تھے۔ اگر تنکہ سرخ و سفید کا نرخ ایک اور دس ہوتا' جیسا کہ وہ لکھتا ہے تو چھ ہزار تیس تنکے ملنے چاہئیں تھے' لیکن دو سو تیس تنکے زیادہ آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دنوں میں نرخ ایک اور دس سے کچھ کم تھا۔ یہ ممکن ہے کہ قرضہ کی مقدار کچھ زیادہ ہو لیکن پھر بھی حساب درست نہیں بیٹھتا۔

(۱۷) انجام اچھا نہ ہوا۔ پتہ نہیں لگ سکتا کہ اس سے ابن بطوطہ کی کیا مراد ہے۔ میرے قیاس میں ابن بطوطہ نے جو بادشاہ کی ناراضی کی وجہ فقط شیخ زادہ جام کے پاس اپنی آمد و رفت بتائی ہے' یہ درست نہیں ہے اور اس مقبرہ کے انتظام کے متعلق ضرور کوئی اور بات ہے جس کا ظاہر کرنا اس نے مناسب نہیں سمجھا۔

(۱۸) غازان خاں - چنگیز خاں کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑا تولے خاں تھا' دوسرا اوکتائی قاآن' تیسرا چغتائی' چوتھا جوجی۔ چنگیز خاں کے بعد اوکتائی قاآن اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کیوک قاآن۔ کیوک قاآن کے بعد تولے خاں کا بیٹا منگو قاآن اور منگو قاآن کے بعد قوبلا قاآن چین میں بڑا قاآن ہوا۔ اس نے اپنے بھائی ہلاکو کو ایران کا ا-سلاں (بادشاہ ماتحت) بنا دیا۔ اس کے بعد ہلاکو کی اولاد ایران میں حکومت کرتی رہی اور قوبلا قاآن کی چین میں اور ہرا ئے نام ماتحتی کے سوا بہت کم تعلق ان کے درمیان باقی رہ گیا۔ ہلاکو خاں کی اولاد' جو چین میں بادشاہ ہوئی' اس کا شجرۂ نسب میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

چنگیز خاں ۶۲۴ھ میں فوت ہوا
|
تولے خاں ۶۳۰ھ میں فوت ہوا
|
(۱) ہلاکو خاں ۶۶۳ھ میں فوت ہوا

- (۲) اباقا خاں ۶۶۳ تا نہایت ۶۸۰ھ
  - (۴) ارغون خاں سنہ ۶۸۳ نہایت ۶۹۰ھ
    - (۶) غازان خاں سلطان محمود سنہ ۶۹۴ نہایت ۷۰۳ھ
    - (۸) اولجائیتو سلطان خدا بندہ سنہ ۷۰۳ نہایت سنہ ۷۱۶ھ
      - (۹) سلطان ابو سعید سنہ ۷۱۶ تا ۷۳۶ھ
  - (۵) کیخاتو خاں سنہ ۶۹۰ نہایت ۶۹۴
- طرغائی
  - (۷) بائدو خاں
- (۳) نکودار (احمد) سنہ ۶۸۰ نہایت ۶۸۳ھ

غازان کا مقبرہ تبریز میں تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا۔ لب التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ تابوت اورا بہ تبریز بردند و در گنبد کہ خوابگاہ خود ساختہ بود و بہ شنب غازان مشہور است دفن کردند و در تحت پادشاہان مغل پیش از وے ہیچ را گور آشکار نبود۔ لیکن بلندی اور عمارت کی خوبی کے لیے غازان خاں کے بھائی سلطان خدا بندہ کا مقبرہ' جو سلطانیہ میں واقع ہے' بہت مشہور ہے۔ ایران کے سلاطین مغل میں غازان اول بادشاہ تھا جو مسلمان ہوا تھا کیونکہ نکودار (احمد) اپنے اسلام کو اچھی طرح سے ظاہر نہیں کر سکا تھا۔

لب التواریخ کے مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ غازان سے پہلے کسی مغل بادشاہ کا مقبرہ آشکارا نہیں' اس کی وجہ مارکوپولو کے بیان سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے پہلے چنگیز خاں کی اولاد کی نعشیں کوہ التائی میں لے جاتے تھے۔ یہ کوہ التائی وہ پہاڑ نہیں ہے جو سائبیریا کے جنوب میں ایک بہت بڑا کوہستانی سلسلہ ہے' بلکہ تاتار چینی میں ایک پہاڑ ہے' جس کو خان اولاد (یعنی خان کا پہاڑ) کہتے ہیں۔ وہاں چنگیز خاں کی وصیت کے مطابق ایک

خوشنما درخت کے نیچے اس کی نعش دفن کی گئی تھی اور وہیں اس کی اولاد میں سے ہر ایک شخص کو' خواہ وہ چین میں مرتا تھا یا روس میں یا عراق میں' لے جا کر دفن کرتے تھے اور مشکل یہ تھی کہ مغلوں کا دستور تھا کہ اس قدر فاصلے میں جو کوئی شخص نعش کے سامنے آ جاتا تھا' وہ مار دیا جاتا تھا۔ یہ واقعہ مارکوپولو اور خواجہ رشید الدین جامع رشیدی کا مصنف دونوں لکھتے ہیں' چنانچہ کہتے ہیں کہ منگو قاآن چین میں کسی جگہ مرا تھا۔ اس کی نعش کے رستے میں بیس ہزار آدمی' جو سامنے آ گئے' قتل کیے گئے۔ مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں چنگیز خاں کا جانشین کیک قاآن کو بیان کیا ہے اور اس کا جانشین باتو خان کو اور اس کا جانشین ہلاکو خان کو اور اس کا جانشین منگو قاآن کو اور اس کا جانشین قبلا قاآن کو۔ وہ اوکتائی قاآن کا نام بالکل چھوڑ گیا اور باتو خاں اور ہلاکو خاں قاآن کبھی نہیں ہوئے۔ باتو خاں روس میں اور ہلاکو خاں ایران میں قاآن کی طرف سے حاکم تھے۔

(۱۹) کرو۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرو ان اشخاص کو کہتے ہیں جو فقط ایک ہی سورت کو کئی کئی دفعہ پڑھا کرتے تھے۔

(۲۰) امروہہ۔ مراد آباد کے ضلع میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ شہر کی آبادی چالیس ہزار کے قریب ہے۔ مراد آباد سے ۲۳ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ جس دریا کا ابن بطوطہ نے ذکر کیا ہے' معلوم نہیں اس کی مراد رام گنگا سے ہے یا سوت کی ندی (جس کو یار وفادار بھی کہتے ہیں) سوت کی ندی ایک دلدل میں سے جو' امروہہ کے قریب واقع ہے' نکلتی ہے۔ اس کا پانی اس سبب سے شاید اچھا نہ ہو لیکن چونکہ ابن بطوطہ صاف کہتا ہے کہ وہ ندی ہمالیہ کے پہاڑ سے آتی ہے' تو اغلب ہے اس کی مراد رام گنگا سے ہے۔ سرو یعنی سرجو تو وہاں سے بہت فاصلے پر ہے۔ اس شہر میں شیخ سدو کی خانقاہ ہے۔ یہ بزرگوار عورتوں میں خصوصاً اپنا عمل کرتے ہیں اور جیسے کہ پنجاب میں مکار یا بیمار عورتوں میں پری اور کئی سوور آ جاتے ہیں' اسی طرح وہاں شیخ سدو بدنام ہیں۔

(۲۱) یہ شہر بہت پرانا ہے۔ ہوان تسنگ چینی سیاح' جو چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان میں آیا تھا' اس کا اور سنڈاور کا ذکر کرتا ہے۔ اکبر بادشاہ کے وقت میں بجنور سرکار سنبھل میں ایک محال تھا۔ حال میں اس شہر کی آبادی سترہ ہزار کے قریب ہے۔ دریائے گنگ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر بہتا ہے۔

(۲۲) مشک کا ہرن۔ ایک جانور ہے جس کے پاؤں اور دم ہرن کے مشابہ ہوتی ہیں۔ ہرن کے بچے سے بڑا نہیں ہوتا ہے۔ کھال کے بال بارہ سنگے کے مانند موٹے ہوتے ہیں۔ سینگ نہیں ہوتے' رنگ زرد اور سرخی مائل ہوتا ہے' گردن کے نیچے حلق پر دو سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔ اس کی ناف میں کھال اور گوشت کے بیچ میں ایک تھوڑا غدود سا ہوتا ہے' جس میں خون بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس خون میں خوشبو ہوتی ہے۔ چڑھتے چاند میں یہ غدود پر ہو جاتا ہے۔ اس وقت شکاریوں کو اس کی تلاش ہوتی ہے۔ اس کے منہ میں فقط اوپر کے جبڑے میں دو کچلیاں ہوتی ہیں' جو تین انچ لمبی تیز اور باریک اور آگے کو نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ بات کہ چار کچلیاں ہوتی ہیں' جیسا کہ مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے' غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے جیسا کہ صاحب مخزن نے لکھا ہے کہ اس کے پیر کی ہڈی میں اوپر سے نیچے تک کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ سب سے عمدہ قسم خطا اور تبت میں ہوتی ہے۔ نیپال اور بھوٹان اور لداخ اور رنگ پور میں ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ سنے ورنیر ایک فرانسیسی سیاح شاہ جہاں کے وقت میں ہندوستان میں آیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے پٹنہ میں ۷۶۳۳ نافہ خریدے' لیکن اب بہت مدت سے اس کثرت سے اس کی آمد ہندوستان میں نہیں ہوتی۔ چین کی طرف اب بھی ہندوستان کی بہ نسبت کثرت سے جاتا ہے۔ روسی اور چینی اور تاتاری اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ نر کے گوشت میں مشک کی خوشبو آتی ہے۔

(۲۳) لاشہ۔ لاغر حیوان اور لاغر انسان اور حیوان میں خصوصاً گھوڑا۔ جامع اللغات۔

باب (۸)

دہلی سے مالا بار کا سفر

(۱) چین کے سفر کا سامان

جب میں بادشاہ کے پاس پہنچا میری پہلے سے بھی زیادہ تعظیم کی اور فرمایا کہ میں تجھے اپنی طرف سے سفیر بنا کر بادشاہ چین کے پاس بھیجتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تجھے سفر اور گردش کا بہت شوق ہے۔ بادشاہ نے سفر کا تمام سامان مہیا کر دیا اور میرے ہمراہ جانے کے لیے آدمی مقرر کیے۔ بادشاہ چین نے بادشاہ کے پاس سو غلام اور لونڈیاں اور پانسو تھان کم خواب کے جن میں سو شہر زیتون کے بنے ہوئے تھے اور سو شہر خنسان کے اور پانچ من مشک اور پانچ خلعت جن میں جواہر جڑے تھے اور پانچ ترکش طلا کار اور پانچ تلواریں بھیجیں اور یہ بھی درخواست کی کہ کوہ ہمالیہ میں جو بت خانے ہیں ان کو بنانے کی پھر اجازت دی جائے۔ اس پہاڑ میں ایک جگہ ہے جس کو سمھل کہتے ہیں وہاں چین کے لوگ جاترا کو آتے ہیں۔ جب بادشاہ نے پہاڑ پر حملہ کیا تو اس شہر اور بت خانہ کو برباد کر دیا تھا۔ اب بادشاہ چین نے سلطان کو لکھا اور سلطان نے اس کو یہ جواب بھیجا کہ ملک اسلام میں سوا اس شخص کے جو جزیہ دے بت خانہ بنانے کی کسی اور شخص کو اجازت نہیں ہو سکتی اگر بادشاہ چین جزیہ دینا منظور کرے تو اجازت ہو سکتی ہے اور نذر بادشاہ چین کی نذر سے بھی بڑھ کر بھیجی۔ سو ہندو غلام اور سو لونڈیاں ہونا چنا اور گانا جانتی تھیں اور سو تھان بیرمیہ (۱) کپڑے کے جو روئی کا بنا ہوا ہوتا ہے اور خوبصورتی میں بے نظیر ہوتا ہے جن میں سے ایک ایک تھان کی قیمت سو سو دینار ہوتی ہے اور سو تھان ریشمی کپڑے کے جس کو جز کہتے ہیں جس میں پانچ رنگوں کا ریشم استعمال کیا جاتا ہے اور ایک سو چار تھان صلاحیہ کے اور سو تھان شیریں باف کے اور پانچ سو تھان مرغز کے (جو ایک اونی کپڑا مارو ین سے بن کر آتا ہے) جس میں سے سو تھان سیاہ رنگ کے اور سو تھان سفید رنگ کے اور سو سرخ رنگ کے اور سو سبز رنگ کے اور سو نیلے رنگ کے اور سو تھان کتان رومی کے اور سو چغے (بے آستین) قراقند کے اور ایک ایرہ اور چھ خیمے اور چار شمعدان سونے کے اور چار شمعدان چاندی کے جن پر مینا کاری کا کام تھا اور چار سونے کے طشت مع لوٹوں کے اور چھ چاندی کے طشت اور دس خلعت بادشاہ کی پوشش کے زردوز اور دس شاشیہ (۲) کلاہ جس میں سے ایک پر جواہر لگے ہوئے تھے اور دس ترکش طلا کار جس میں سے ایک پر موتی جڑے ہوئے تھے اور دس تلواریں جن میں سے ایک کے نیام پر موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور دس دست بان یعنی دستانے جن میں موتی جڑے ہوئے تھے اور پندرہ نوجوان غلام یہ سب چیزیں بادشاہ نے روانہ کیں اور میرے ساتھ جانے کے لیے امیر ظہیر الدین زنجانی کو حکم دیا یہ شخص بڑا عالم فاضل تھا اور یہ سب چیزیں اپنے غلام کافور شربدار کی تحویل میں روانہ کیں اور ہمیں سمندر تک پہنچانے کے لیے ہمارے ساتھ امیر محمد ہروی اور ہزار سوار بھیجے اور بادشاہ چین کی سفارت جس میں پندرہ آدمی تھے اور سفیر کا نام ترسی تھا اور سو خادم اس کے ہمراہ تھے یہ سب بھی ہمارے ساتھ چلے اس طرح سے ہمارے ساتھ ایک بڑی جماعت ہو گئی بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام رستے میں ہماری ضیافت سرکار کی طرف سے ہوتی رہے۔

(۲) تلپت

صفر ۷۴۳ھ کی سترھویں تاریخ کو ہم روانہ ہوئے۔ اس ملک میں اکثر دوسرے، ساتویں بارھویں، سترھویں، بائیسویں یا ستائیسویں کو سفر کرتے ہیں۔ اول دن ہم نے موضع تلپت (۳) میں قیام کیا دہلی سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کے بعد آو (۴) میں اور اس کے بعد بیانہ میں پہنچے۔

(۳) بیانہ

بیانہ (۵) ایک بہت بڑا اور خوشنما شہر ہے۔ اس کے بازار بہت خوبصورت ہیں اور جامع مسجد بھی نادر بنی ہوئی ہے اس کی دیواریں اور چھت پتھر کی بنی ہوئی ہے اور مظفر بادشاہ کی دایہ کا بیٹا وہاں کا حاکم ہے۔ اس سے پہلے ملک مجیر ابن ابی رجا وہاں کا حاکم تھا اس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں اپنے تئیں قریشی بتلاتا تھا لیکن ظالم اور بے رحم پرلے درجہ کا تھا اس نے اس شہر کے بہت سے باشندوں کو قتل کر ڈالا اور بہت لوگوں کے ہاتھ پیر کٹوا دیے۔ اس شہر میں' میں نے ایک شخص کو دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا اور اپنے گھر کی دہلیز میں بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ کا گزر اس شہر سے ہوا تو وہاں کے باشندوں نے ملک مجیر کی شکایت کی بادشاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا اور اس کی گردن میں طوق ڈلوا دیا وہ وزیر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور شہر کے آدمی آتے تھے اور جو ظلم اور زیادتی اس نے ہر ایک شخص پر کی تھی وہ حاضر ہو کر لکھواتا جاتا تھا بادشاہ نے حکم دیا کہ ان سب کو راضی کرو جب اس نے سب کو مال دے کر راضی کر لیا تو اس کو قتل کروا ڈالا۔ اس شہر کے عالموں میں سے امام عزالدین زبیری تھے جو حضرت زبیر بن العوام صحابی رسول خدا کی اولاد میں سے تھے۔ میری ملاقات ان سے گوالیار میں ملک عزالدین بنتانی المشہور باعظم ملک کے مکان پر ہوئی تھی۔

(۴) کول

پھر ہم بیانہ سے چل کر شہر کول میں پہنچے اس شہر میں باغ بہت ہیں اور اکثر باغ آم کے ہیں۔ ہم شہر کے باہر میدان میں ٹھہرے تھے وہاں میں نے شیخ صالح عابد شمس الدین کی' جو تاج العارفین کے لقب سے مشہور تھے' زیارت کی۔ وہ نابینا تھے اور عمر بھی بہت زیادہ تھی اس کے بعد ان کو بادشاہ نے قید کر دیا تھا اور وہ قید خانہ ہی میں مر گئے تھے یہ ذکر میں کر چکا ہوں جب ہم کول کے شہر میں پہنچے تو خبر آئی کہ ہندوؤں نے شہر جلالی کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ یہ شہر کول سے ۷ میل کے فاصلے پر تھا ہم نے وہاں جانے کا ارادہ کیا اس شہر کے باشندے ہندوؤں سے لڑ رہے تھے اور ہلاک ہونے کے قریب تھے ہندوؤں کو ہمارے آنے کی خبر نہیں تھی ہم نے ان پر حملہ کیا وہ ایک ہزار سوار اور تین ہزار

پیادے تھے ہم نے ان سب کو مار ڈالا اور ان کے گھروں اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ ہمارے بھی ۳۳ (تینتیس) سوار اور پچاس پیادے شہید ہوئے اور کافور ساقی یعنی شربدار جس کی تحویل میں شاہ چین کی نذر تھی لڑائی میں شہید ہو گیا۔ ہم نے بادشاہ کو اس کی شہادت کی خبر بھیجی اور جواب کے انتظار میں اسی شہر میں ٹھہر گئے ہندو پہاڑوں سے نکل نکل جلالی (۶) کے شہر پر حملہ کرتے تھے اور ہمارا امیر ہر روز ہم کو لے کر ان کے مقابلہ کے لیے جاتا تھا ایک دن میں ایک جماعت کے ساتھ سوار ہو کر باہر گیا اور ہم سب ایک باغ میں داخل ہوئے گرمی کا موسم تھا ہم نے شور کی آواز سنی اور ہم سوار ہو کر ایک گاؤں کی طرف گئے جس پر ہندو آ پڑے تھے ہم نے ان کا تعاقب کیا وہ پراگندہ ہو گئے اور میرے ہمراہی بھی ان کے تعاقب میں مختلف سمتوں میں چلے گئے۔ میرے ساتھ فقط پانچ آدمی رہ گئے ناگاہ ایک جھاڑی میں سے کچھ سوار اور پیادے نکلے اور انہوں نے ہم پر حملہ کیا۔ ہم تعداد میں تھوڑے تھے بھاگ نکلے۔ ان میں سے دس آدمیوں نے ہمارا تعاقب کیا اور فقط ہم تین آدمی رہ گئے تھے۔ زمین پتھریلی تھی اور کوئی رستہ ظاہر نظر نہ آتا تھا۔ میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں پتھروں میں پھنس گئے تھے۔ میں نیچے اترا اور اس کے پاؤں نکالے' پھر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس ملک میں دو تلواریں رکھتے ہیں' ایک تو زین میں لگی ہوئی ہوتی ہے' اس کو رکابی کہتے ہیں اور دوسری ترکش میں ہوتی ہے۔ میری رکابی تلوار نیام سے نکل کر گر پڑی۔ اس کا دستہ سونے کا تھا۔ میں اس کو اٹھانے کے لئے گھوڑے سے اترا اور اس کو اٹھا کر پھر زین میں لٹکا لیا اور سوار ہو کر چلا۔ دشمن میرے پیچھے آتے تھے۔ میں ایک خندق کے کنارے پہنچا اور خندق میں اتر گیا پھر ان کی نظر سے غائب ہو گیا۔ خندق میں سے ایک پانی کا رستہ تھا جس پر دونوں طرف درخت جھکے ہوئے تھے۔ اس کے وسط میں راستہ جاتا تھا۔ میں اس رستے پڑ لیا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ کہاں پہنچوں گا۔ ناگاہ تقریباً چالیس آدمی نظر آئے۔ ان کے پاس تیر تھے۔ انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں بھاگوں تو ان میں سے کوئی تیر نہ مارے کیونکہ اس وقت میرے بدن پر زرہ نہ تھی۔ اس لئے میں زمین پر لیٹ گیا اور اشارہ سے کہا کہ میں تمہارا قیدی ہوں۔ جب کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کو یہ لوگ قتل نہیں کرتے۔ انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا اور میرے کپڑے اتار لئے اور فقط ایک جبہ اور پاجامہ اور قمیص میرے بدن پر چھوڑ دیا اور مجھے جھاڑی کے اندر لے گئے یہ لوگ ایک حوض کے کنارے اترے ہوئے تھے۔ مجھے بھی

وہاں لے گئے۔ یہ حوض درختوں کے درمیان تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے مجھے ماش کی روٹی دی میں نے وہ روٹی کھائی اور پانی پیا ان کے ساتھ دو مسلمان بھی تھے۔ انہوں نے مجھ سے فارسی میں دریافت کیا کہ میں کون ہوں؟ میں نے ان کو اپنا حال بتایا اور یہ نہ کہا کہ میں بادشاہ کا ملازم ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ تجھے ضرور قتل کر ڈالیں گے لیکن ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص ان کا سردار ہے میں نے ان دونوں مسلمانوں کی معرفت اس سے گفتگو کی اور نرمی اور خوشامد کی باتیں کیں۔ اس نے مجھے تین آدمیوں کے سپرد کیا ایک ان میں سے بوڑھا آدمی تھا' دوسرا اس کا بیٹا تھا اور تیسرا ایک کالا خبیث تھا۔ اس نے کچھ بات ان لوگوں سے کی میں سمجھ نہ سکا کہ اس نے ان کو مجھے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ وہ مجھے اٹھا کر ایک غار کی طرف لے گئے بوڑھا اور اس کالے آدمی کو بخار اور لرزہ ہو گیا۔ اس نے میرے اوپر اپنے دونوں پاؤں رکھ لئے۔ بوڑھا اور اس کا بیٹا سو گئے جب صبح ہوئی تو بات چیت کرنے لگے اور میری طرف اشارہ کیا کہ ہمارے ساتھ حوض میں چل۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے بوڑھے کی خوشامد کی۔ اس کو رحم آ گیا۔ میں نے اپنی قمیص کی دونوں آستینیں پھاڑ کر اس کو دے دیں تاکہ وہ اپنے ہمراہیوں کو دکھلا کر کہہ سکے کہ قیدی زبردستی بھاگ گیا۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو ہم نے سنا کہ کچھ شخص حوض کے کنارے باتیں کر رہے ہیں بوڑھے نے جانا کہ اس کے ساتھی آن پہنچے اس لئے اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میرے ساتھ چلا آ جب ہم حوض پر پہنچے تو وہاں اور بہت سے آدمی موجود تھے۔ انہوں نے بوڑھے کو کہا کہ ہمارے ساتھ چل۔ بوڑھے نے اور اس کے ساتھیوں نے ان کے ہمراہ جانے سے انکار کیا اور وہ تینوں میرے سامنے بیٹھ گئے اور بھنگ کے درخت کی رسی کو جو ان کے ہاتھ میں تھی زمین پر رکھ دیا۔ میں دیکھتا جاتا تھا اور اپنے دل میں کہتا جاتا تھا کہ اب یہ مجھے رسی سے باندھ کر قتل کریں گے پھر تین آدمی اور ان کے پاس آئے میں یہ سمجھا کہ انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے اس شخص کو قتل کیوں نہیں کیا؟ تو بوڑھے نے کالے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص بیمار تھا اس لئے ابھی قتل نہیں کیا۔ ان تینوں شخصوں میں سے ایک نوجوان شکل میں خوبصورت تھا اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے میں چھوڑ دوں۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کہ جا چلا جا۔ میں نے اپنا جبہ اس کو دے دیا اور اس نے مجھے اپنی پرانی گدڑی دے دی اور مجھے کہا کہ وہ رستہ ہے اس رستے چلا جا۔ میں چل دیا اور ڈرتا جاتا تھا کہ کہیں اور

آدمی دیکھ نہ لیں۔ میں بانس کے جنگل میں داخل ہو گیا اور وہاں سورج کے غروب ہونے تک چھپا رہا اس کے بعد وہاں سے نکل کر اس رستے چل پڑا جو مجھے اس نوجوان نے دکھایا تھا پھر ایک پانی پر پہنچا اور وہاں میں نے پانی پیا اور ایک تہائی رات تک چلتا رہا ایک پہاڑ پر پہنچا اور اس کے نیچے سو گیا صبح ہوتے ہی پھر چلنا شروع کیا۔ دوپہر کے وقت ایک بلند پہاڑی پر پہنچا اس پر کیکر اور بیری کے درخت تھے میں نے وہاں بیر کھائے اور میرے پاؤں کانٹوں سے زخمی ہو گئے اس کے نشان اب تک موجود ہیں پھر میں پہاڑ سے اتر کر ایک گھاس کے کھیت میں داخل ہوا اس میں ارنڈ کے درخت تھے اور وہاں ایک بائیں (۲) (باؤلی) تھی بائیں ایک بڑے کنویں کو جس میں نیچے اترنے کے واسطے سیڑھیاں ہوتی ہیں کہتے ہیں اور بعض سیڑھیاں پانی کے اندر بھی ہوتی ہیں اس کے چاروں طرف گنبد دار مکان بنے ہوئے تھے اور دالان بھی تھے۔ اس ملک کے امیر ایسے مکانات اور کنویں بنانے میں فخر ظاہر کرتے ہیں اور یہ کنویں اکثر ایسے ملکوں میں ہوتے ہیں جہاں پانی کمیاب ہوتا ہو۔ جب میں پانی پر پہنچا تو میں نے پانی پیا اور وہاں کچھ سرسوں کے پتے اور شاخیں پڑی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے بیٹھ کر وہاں سرسوں دھوئی تھی میں نے کچھ سرسوں کی شاخیں تو کھالیں اور باقی اپنے پاس باندھ لیں اور ارنڈ کے درخت کے نیچے سو گیا اتنے میں چالیس سوار بائیں پر آ پہنچے۔ یہ کل زرہ پوش تھے ان میں سے بعض تو کھیت میں داخل ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اندھا کر دیا کہ کسی نے مجھے نہ دیکھا ان کے بعد پچاس آدمی اور بائیں پر آ کر ٹھہرے اور ان میں سے ایک میرے مقابل کے درخت پر آ کھڑا ہوا اس نے بھی مجھے نہ دیکھا۔ میں گھاس کے کھیت میں چلا گیا اور باقی دن وہیں چھپا رہا۔ وہ لوگ بائیں پر ٹھہرے رہے اور غسل کر کر کھیلتے کودتے رہے جب رات ہوئی تو ان کی آواز آنی بند ہو گئی۔ میں نے جانا کہ وہ چلے گئے یا سو گئے اس وقت میں باہر آیا اور گھوڑوں کے کھوج پر چل پڑا۔ رات چاندنی تھی چلتے چلتے میں دوسری بائیں پر پہنچا جس پر ایک گنبد تھا میں بائیں میں اترا اور پانی پیا اور سرسوں کے پتے جو میرے پاس تھے وہ میں نے کھائے پھر میں گنبد میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ اس میں گھاس پڑی ہوئی ہے۔ یہ گھاس کے تنکے پرندوں نے لا لا کر جمع کئے تھے۔ میں اس پر سو گیا رات کو معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جانور اس گھاس میں سرسرا رہا ہے شاید کہ سانپ ہو لیکن میں نے تکان کے سبب سے کچھ پروا نہ کی۔ صبح ہو گئی تو میں ایک وسیع سڑک پر چل دیا آگے چل کر ایک اونچا گاؤں آیا پھر میں دوسرے گاؤں کی طرف

چلا وہ بھی ویران تھا کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن میں ایک درختوں کے جھنڈ کی طرف گیا ان کے بیچ میں پانی کا ایک حوض تھا اس کے اندر ایک گھر سا تھا اور اس کے اوپر کھجور کے درخت کھڑے تھے میں نے ارادہ کیا کہ وہاں بیٹھ جاؤں اور اگر خدا کسی شخص کو بھیج دے تو اس سے آبادی کا رستہ دریافت کروں۔ میرے جسم میں کچھ طاقت آ گئی تو میں پھر چلا رستے پر مجھے بیلوں کے کھروں کے نشان معلوم ہوئے اور ایک بیل دکھائی دیا اس پر ایک کمبل اور درانتی رکھی ہوئی تھی چونکہ یہ رستہ کفار کے علاقے کی جانب جاتا تھا میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ایک ویران گاؤں میں پہنچا وہاں مجھے دو آدمی رنگ کے کالے اور مجھے دھڑکے لگے میں ڈر گیا اور درخت کے نیچے بیٹھ گیا جب رات ہوئی تو گاؤں کے اندر گیا اور ایک ویران گھر میں ایک مٹی کی کوٹھی دیکھی جو غلہ بھرنے کے کام میں لائی جاتی ہے اس کے نیچے ایک سوراخ تھا اتنا چوڑا کہ ایک آدمی اس میں داخل ہو سکتا تھا میں اس کے اندر گھس گیا اندر تو ڑی کا فرش تھا اور ایک پتھر وہاں پڑا ہوا تھا اس کا تکیہ لگا کر سو گیا۔ اس کے اوپر تمام رات ایک جانور کی پھڑ پھڑ کی آواز آتی رہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ جانور مجھ سے ڈرتا تھا اور اس طرف میں اس سے ڈر رہا تھا اس روز مجھے سات روز ہو گئے تھے ہفتہ کا دن تھا ساتویں دن میں ہندوؤں کے ایک گاؤں میں پہنچا اس میں ایک پانی کا حوض تھا اور سبزی بھی نظر آتی تھی۔ میں نے وہاں کے لوگوں سے کچھ کھانے کے لیے مانگا انہوں نے نہ دیا وہاں کنوئیں کے ارد گرد مولی کے پتے پڑے ہوئے تھے وہ میں نے کھائے۔ میں گاؤں میں آیا تو وہاں کافروں کا ایک گروہ تھا ان کا ایک کمپٹ بھی تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کچھ جواب نہ دیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک شخص تلوار کھینچ کر میری طرف بڑھا اور اس نے میرے مارنے کے لئے تلوار اٹھائی۔ میں نے اس کی طرف نہ دیکھا کیونکہ میں بالکل تھکا ہوا تھا اس نے میری تلاشی لی اور جب میرے پاس کچھ نہ ملا تو میں نے اس کو اپنا قمیض دیا جس کی آستینیں میں بوڑھے کو دے آیا تھا۔ دوسرا دن ہوا تو مجھے پیاس نے تنگ کیا اور پانی نہ ملا۔ میں ایک ویران گاؤں کی طرف گیا وہاں کوئی تالاب نہ تھا۔ اس ملک میں بارش کا پانی تالابوں میں جمع کر لیتے ہیں اور تالابوں سے پیتے رہتے ہیں میں ایک رستے پر پڑ لیا۔ آگے ایک کچا کنواں آیا اس پر مونج کی رسی پڑی ہوئی تھی لیکن ڈول نہ تھا۔ میں نے رسی میں اپنی دستار باندھی اس میں جو کچھ پانی لگ گیا وہ چوسنے لگا لیکن پیاس نہ بجھی پھر میں نے اپنا موزہ رسی سے باندھا رسی

ٹوٹ گئی اور موزہ کنوئیں میں جا پڑا۔ پھر میں نے دوسرا موزہ باندھا اور پیٹ بھر کر پانی پیا پھر میں نے موزہ کاٹ کر اس کے اوپر کا حصہ کنوئیں کی رسی اور ایک دھجی کے ذریعہ سے پاؤں پر باندھ لیا جب میں اسے پاؤں پر باندھ رہا تھا مجھے ایک شخص نظر آیا۔ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو یہ شخص کالے رنگ کا تھا اور اس کے ہاتھ میں لوٹا اور عصا تھا اور اس کے کندھے پر جھولی تھی۔ اس نے مجھ سے سلام علیکم کی۔ میں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب دیا اس نے مجھ کو فارسی میں دریافت کیا چہ کسی۔ میں نے کہا کہ میں رستہ بھول گیا ہوں اس نے کہا میں بھی رستہ بھولا ہوا ہوں۔ پھر اس نے اپنا لوٹا رسی میں باندھا جو اس کے پاس تھی اور پانی کھینچا میں نے ارادہ کیا کہ پانی پیوں اس نے کہا صبر کر۔ اور اپنی جھولی میں سے بھنے ہوئے چنے اور چاول نکالے میں نے وہ کھائے اور پانی پیا۔ اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی میں نے بھی وضو کیا اور نماز پڑھی۔ مجھ سے اس نے نام پوچھا میں نے کہا محمد میرا نام ہے۔ پھر میں نے اس سے اس کا نام دریافت کیا تو اس نے کہا قلب فارح (خوش دل) میں نے کہا فال تو اچھی ہے اور میں چل دیا اس نے کہا کہ میرے ساتھ چل۔ میں نے کہا اچھا۔ تھوڑی دور میں اس کے ساتھ گیا کہ میرے اعضا نے جواب دے دیا اور میں کھڑا نہ رہ سکا اور بیٹھ گیا اس نے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ میں نے کہا کہ تیرے ملنے سے پہلے میں چل سکتا تھا اب چلا نہیں جاتا۔ اس نے کہا سبحان اللہ آ میری گردن پر سوار ہو لے۔ میں نے کہا تو ضعیف آدمی ہے مجھے اٹھا نہیں سکے گا۔ اس نے کہا تجھے سوار ہونا پڑے گا خدا مجھے طاقت بخشے گا۔ میں اس کی گردن پر سوار ہو لیا اس نے مجھ سے کہا کہ تو **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** پڑھتا چلا جا میں نے اس کا ذکر شروع کیا اور مجھے نیند آ گئی جب اس نے مجھے زمین پر لٹایا تو اس وقت میری آنکھ کھل میں بیدار ہوا اور اس آدمی کا پتہ نہ لگا میں نے اپنے تئیں ایک آباد گاؤں میں پایا۔ میں اس میں داخل ہوا تو اس میں ہندو رہتے تھے مگر وہ بادشاہ کی رعیت تھی اور ان کا حاکم مسلمان تھا اس کو لوگوں نے خبر کی تو وہ میرے پاس آیا اس سے میں نے دریافت کیا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے۔ اس نے کہا تاج پورہ اور یہاں سے کول دو فرسخ ہے وہ حاکم مجھے اپنے گھر لے گیا اور مجھے گرم گرم کھانا کھلایا اور غسل دلایا اور کہا کہ میرے پاس ایک گھوڑا اور ایک عمامہ ہے جو ایک شخص مصری کول کے کیمپ سے آ کر میرے پاس رکھ گیا تھا میں نے کہا کہ لاؤ میں ان کو کیمپ جانے تک پہن لوں۔ جب وہ لایا تو معلوم ہوا کہ میرے ہی کپڑے ہیں یہ کپڑے

میں نے اس مصری کو دیئے تھے جب میں کول میں تھا میں نہایت متعجب ہوا اور سوچ رہا تھا کہ وہ شخص جو مجھے اپنی گردن پر سوار کر کے لایا' کون تھا؟ مجھے یاد آیا کہ مجھے ولی اللہ ابو عبداللہ مرشدی نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ تو ہندوستان جائے گا اور وہاں میرا بھائی تجھے ملے گا اور وہ تجھے ایک سختی سے رہائی دے گا اب مجھے یاد آیا کہ میں نے اس کا نام دریافت کیا تھا تو انہوں نے دلشاد نام بتلایا تھا اور قطب فارح کا بھی یہی ترجمہ ہے اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی شخص تھا جس کی خبر مجھے شیخ ابو عبداللہ مرشدی نے دی تھی اور وہ ضرور ولی اللہ تھا۔ میں نے افسوس کیا کہ مجھے اس کی صحبت زیادہ دیر تک نصیب نہ ہوئی۔ اسی رات میں چل کر کیمپ میں آیا اور ان کو اپنے سلامتی سے واپس آنے کی خبر دی۔ وہ میرے پاس گھوڑا اور کپڑا لائے اور میرے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ اس عرصہ میں بادشاہ کا جواب بھی آ گیا تھا اس نے ایک اور غلام سنبل نام کو بجائے کافور شہید کے روانہ کیا تھا اور ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم آگے بڑھیں اور سفر جاری رکھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے میرا حال بھی بادشاہ کو لکھ دیا تھا اور کافور کے مرنے اور میرے قید ہو جانے کو فال بد سمجھ کر بادشاہ سے واپس آنے کی درخواست کی تھی جب بادشاہ نے سفر جاری رکھنے کی تاکید کی تو میں نے بھی تاکید کر کے اپنے ارادے کو مضبوط کیا انہوں نے کہا کہ شروع سفر میں ہم پر یہ مصیبت عاید ہوئی ہے یا تو ہمیں واپس جانا چاہئے اور یا بادشاہ کے جواب آنے تک ٹھہرنا چاہئے میں نے کہا کہ ٹھہرنا مناسب نہیں جواب ہمارے پاس رستے میں آ جائے گا۔

(۵) برج پورہ

ہم نے کول سے کوچ کیا دوسرے دن برج پورہ (۸) میں منزل کی اور وہاں ایک نہایت عمدہ خانقاہ تھی اور اس میں ایک شیخ کی جو صورت اور سیرت دونوں میں اچھا تھا اور جس کا نام محمد عریاں تھا' زیارت کی۔ یہ شیخ فقط ایک تہ بند بدن پر باندھے ہوئے تھے اور باقی تمام بدن ننگا رکھتے تھے اور وہ شیخ صالح ولی اللہ محمد عریاں ساکن قرافہ مصر کے شاگرد تھے۔ یہ شیخ اولیا اللہ میں سے تھے اور مجرد رہتے تھے اور فقط ایک تہ بند ناف سے لے کر پاؤں تک باندھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ عشا کی نماز کے بعد جو کچھ ان کی خانقاہ میں کھانا یا غلہ یا پانی وغیرہ ہوتا تھا' اس کو نکال کر غریب لوگوں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور چراغ کی بتی بھی پھینک دیتے تھے اور صبح کے وقت نیا توکل شروع کرتے تھے۔ ان

کا دستور تھا کہ صبح ہی صبح اپنے خادموں کو روٹی اور باقلا کھلایا کرتے تھے۔ صبح ہی صبح روٹی والے اور باقلا فروش' خانقاہ میں آ جاتے تھے اور جس قدر ضرورت ہوتی تھی شیخ ان سے خرید لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم بیٹھے رہو۔ پہلے جو کچھ کوئی شخص نذر لائے گا تھوڑی ہو یا بہت وہ تم کو دے دی جائے گی۔ جب بادشاہ غازان تاتاری (۹) اپنے لشکر سمیت شام کے ملک میں پہنچا اور دمشق پر قبضہ کر لیا اور قلعہ اس کے ہاتھ نہ آیا' تو ملک ناصر اس کے مقابلہ کے لئے باہر نکلا اور دمشق کے درے ایک جگہ جس کا نام قشحب ہے لڑائی ہوئی۔ ملک ناصر اس وقت نوجوان تھا پہلے کبھی اس کو لڑائی کا کام نہ پڑا تھا۔ شیخ محمد عریاں بھی اس کے لشکر میں تھے۔ انہوں نے ملک ناصر کے گھوڑے کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی تاکہ گھوڑا بھاگ نہ سکے اور ملک الناصر کے بھاگنے سے مسلمان نہ بھاگ جائیں۔ چونکہ ملک ناصر اپنی جگہ پر قائم رہا اس لئے تاتاریوں کے لشکر کو فاش شکست ہوئی۔ بہت سے تاتاری مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب گئے اور پھر کبھی تاتاریوں نے شام اور مصر کا رخ نہ کیا یہ شیخ محمد عریاں جو ہندوستان میں مجھے ملے' کہتے تھے کہ میں بھی اس لڑائی میں موجود تھا اور اس وقت نوجوان تھا۔

(۶) کالی ندی اور قنوج

برج پورہ سے چل کر ہم ایک دریا پر جس کو آب سیاہ (کالی ندی (۱۰)) کہتے تھے پہنچے پھر قنوج (۱۱) پہنچے یہ بہت بڑا شہر ہے قلعہ بڑا مضبوط ہے اور شہر کی ارزانی اور پیداوار کے لئے مشہور ہے۔ شکر یہاں سے دہلی لے جاتے ہیں اس کی فصیل بھی بہت اونچی ہے۔ اس شہر کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اس شہر میں شیخ معین الدین باخرزی رہتے تھے۔ انہوں نے ہماری دعوت کی اور اس شہر کا حاکم فیروز بدخشانی بہرام چوبین صاحب کسریٰ کی اولاد سے ہے۔ اس شہر میں بہت سے نیک مرد اور عالم جو شرف جہاں کی اولاد میں سے ہیں' سکونت رکھتے ہیں۔ ان کا دادا دولت آباد میں قاضی القضاۃ تھا اور وہ نیکوکاری اور خیرات میں بہت مشہور تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ قاضی صاحب معزول ہو گئے ان کے دشمن بہت تھے ان میں سے ایک نے اس قاضی کے بعد جو ان کی جگہ مقرر ہوا یہ دعویٰ کیا کہ میرے دس ہزار دینار قاضی صاحب کے پاس ہیں لیکن میرا گواہ کوئی نہیں ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ قاضی صاحب حلف اٹھا لیں۔ قاضی نے ان کو بلوایا۔ انہوں نے پوچھا کہ اس شخص کا کیا دعویٰ ہے۔ اس نے کہا کہ دس

ہزار دینار کا دعویٰ کرتا ہے۔ قاضی شرف جہاں نے دس ہزار قاضی کے پاس بھیج دیئے کہ مدعی کو دے دو۔ سلطان علاء الدین کو بھی خبر ہو گئی کہ یہ دعویٰ جھوٹا تھا۔ اس نے قاضی شرف جہاں کو بحال کر دیا اور اس کے پاس دس ہزار دینار بھیج دیئے ہم قوج میں تین دن ٹھہرے بادشاہ کا جواب بھی آ پہنچا۔ اس میں لکھا تھا کہ اگر شیخ ابن بطوطہ کا پتہ نہ معلوم ہو تو وجیہ الملک قاضی دولت آباد سفارت کے ساتھ جائے۔

(۷) ہنول۔ وزیر پور۔ بجالسہ۔ موری

قوج سے چل کر ہم ہنول پہنچے وہاں سے وزیر پور (۱۲) پھر بجالسہ (۱۳) پھر موری (۱۴) یہ چھوٹا سا شہر ہے، لیکن بازار اچھے ہیں۔ وہاں میں نے شیخ قطب الدین حیدر غازی کی زیارت کی۔ وہ بیمار تھے انہوں نے میرے لئے دعا کی اور ایک جو کی روٹی مجھے عنایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ میری عمر ڈیڑھ سو سال کی ہے۔ ان کے دوست کہتے تھے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور بعضے وقت کئی کئی دن کے بعد افطار کرتے ہیں اور اکثر اعتکاف اور چلہ میں بیٹھتے ہیں اور چالیس دن میں فقط چالیس کھجوریں۔ ایک کھجور ہر روز کھاتے ہیں۔ دہلی میں شیخ برقی کو میں نے دیکھا کہ وہ چالیس کھجوریں لے کر چلہ میں بیٹھے اور جب چلہ سے نکلے تو تیرہ کھجوریں باقی تھیں۔ اس کے بعد ہم شہر مرو (۱۵) میں پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے اور اکثر باشندے ذمی ہندو ہیں۔ اس میں قلعہ بھی ہے، گیہوں اس جگہ بہت اچھا ہوتا ہے، دہلی میں لے جاتے ہیں۔ ایسا گیہوں میں نے چین کے سوا کہیں نہیں دیکھا۔ دانہ لمبا اور زرد اور موٹا ہوتا ہے۔ یہ شہر قوم مالوہ (۱۶) کی طرف منسوب ہے یہ ہندوؤں کا ایک قبیلہ ہے جو ڈیل ڈول میں بڑے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی حسن اور خوش خلقی اور لذۃ میں مشہور ہیں۔ جیسے کہ مرہٹہ عورتیں اور مالدیپ کی عورتیں۔

(۸) علاپور

پھر ہم شہر علاپور (۱۷) پہنچے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے اکثر ہندو باشندے ہیں، جو سلطان کی رعیت ہیں۔ اس شہر سے ایک دن کی مسافت پر ایک ہندو راجہ کا علاقہ ہے جس کا نام کٹھم ہے اس کی راجدھانی کا نام جنبل (۱۸) ہے۔ اس راجہ نے گوالیار کا محاصرہ کیا تھا اور اس کے بعد قتل کیا گیا تھا، اس راجہ نے رابری (۱۹) کا بھی محاصرہ کیا تھا۔ یہ شہر دریائے جمنا کے کنارے پر ہے۔ بہت سے دیہات اور مزرعے اس کے متعلق ہیں۔ وہاں کا حاکم خطاب افغان تھا۔ یہ شخص بڑے بہادروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے بادشاہ سے مدد طلب کی اور راجہ کٹھم نے راجہ رجو سے مدد طلب کی، جس کی راجدھانی سلطان پور (۲۰) میں ہے۔ دونوں نے مل کر رابری کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ نے مدد بھیجنے میں دیر کی کیونکہ یہ جگہ دارالخلافہ سے چالیس منزل ہے۔ خطاب افغان نے خوف کیا کہ کہیں ہندو غالب نہ ہو جائیں۔ اس نے تین سو پٹھان اور تین سو غلام اور چار سو کے قریب اور لوگ جمع کئے اور سب نے اپنے عمامے گھوڑوں کے گلوں میں باندھ دیے۔ اس ملک کا دستور ہے کہ جب مرنا مارنا منظور ہوتا ہے تو ایسا کرتے ہیں اور اپنے لوگوں کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور ہندوؤں پر حملہ کر کے پندرہ ہزار آدمیوں کو شکست دی اور دونوں راجہ بھی مارے گئے اور ان کے سر سلطان کے پاس دہلی بھیجے گئے اور ہندوؤں کے لشکر میں سے وہی بچا جو بھاگ گیا۔

علاپور کا حاکم بدر حبشی تھا۔ یہ شخص بادشاہ کے غلاموں میں سے تھا اور بہادری اور جرات میں ضرب المثل تھا وہ ہمیشہ اکیلا جا کر ہندوؤں کے علاقہ پر تاخت و تاراج کرتا تھا اور بہت سے آدمیوں کو قتل کرتا تھا اور بہت سے قید کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا شہرہ تمام ملک میں پڑ گیا اور ہندو اس کے نام سے ڈرنے لگے۔ یہ شخص قد کا لانبا اور موٹا تھا یہاں تک کہ ایک پوری بکری ایک جگہ بیٹھ کر کھا جایا کرتا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ کھانے کے بعد تین پاؤ گھی حبشیوں کے دستور کے موافق پی جایا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا بھی ایسا ہی شجاع تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے ہندوؤں کے کسی گاؤں پر حملہ کیا۔ اس کے غلام بھی اس کے ساتھ تھے اس کے گھوڑے کا پاؤں کسی گڑھے میں گھس گیا۔ گاؤں والے اس پر آن پہنچے اور ان میں سے ایک نے اس کو قتارہ (۲۱) (کٹارہ) سے قتل کر ڈالا۔ اس کے غلام خوب لڑے اور گاؤں کے باشندوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں کو پکڑ لائے اور گھوڑے کو بھی صحیح و سالم اس کے بیٹے کے پاس لے آئے۔ لیکن عجیب اتفاق یہ ہوا کہ اس کا بیٹا بھی اسی گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی کی طرف جاتا تھا۔ رستے میں کافروں نے اس پر حملہ کیا اس نے ان کا مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ گھوڑا بھاگ کر اس کے آدمیوں کے پاس آ گیا۔ وہ پھر اس کے گھر لے آئے پھر اس کا داماد اس پر سوار ہوا۔ وہ بھی اسی گھوڑے پر کافروں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

(۹) گوالیار

پھر ہم (گالی پور) گوالیار (۲۲) کی طرف چلے اس شہر کو گوالیر بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اور اس کا قلعہ ایک علیحدہ چٹان پر نہایت مضبوط بنا ہوا ہے جس کے دروازے پر ہاتھی اور فیل بان کا بت کھڑا ہوا ہے۔ اس شہر کا حاکم احمد بن شیر خان فاضل ہے۔ اس سفر سے پہلے میں اس کے پاس ٹھہرا تھا اس نے میری بہت مدارات کی تھی۔ ایک روز اس کے پاس گیا اور وہ ایک کافر مجرم کے دو ٹکڑے کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کو قسم دلائی کہ ایسا نہ کر کیونکہ میں نے اپنے سامنے آج تک کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھا۔ اس نے میری خاطر اس کو قید کرنے کا حکم دیا اور اس طرح سے اس کا چھٹکارا ہوا۔

(۱۰) بروان

گوالیار سے چل کر ہم بروان (۲۳) گئے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ہندوؤں کے درمیان یہ شہر مسلمانوں کا ہے۔ اس کا حاکم محمد بن بیرم ترکی ہے۔ اس شہر میں درندے بکثرت ہیں وہاں کا ایک باشندہ مجھ سے ذکر کرتا تھا کہ دروازہ بند ہونے کے بعد ایک شیر اس شہر میں داخل ہو جاتا تھا اور بہت سے آدمیوں کو مار جایا کرتا تھا اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ شہر میں کس طرح داخل ہوتا تھا۔ محمد توفیری اس شہر کے ایک باشندہ نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرا ایک ہمسایہ تھا' شیر اس کے گھر میں داخل ہوا اور اس کے بچے کو چارپائی پر سے اٹھا کر لے گیا۔ ایک شخص ذکر کرتا تھا کہ ہم ایک دفعہ شادی میں جمع تھے ایک شخص کسی کام کے واسطے باہر گیا۔ شیر نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اس کے ہمراہی جو تلاش میں نکلے تو اس کو بازار میں پڑا ہوا پایا شیر نے اس کا خون پی لیا تھا اور گوشت کو بالکل نہ چھیڑا تھا کہتے ہیں کہ شیر اسی طرح کیا کرتا ہے۔

(۱۱) جوگی اور ڈائن

بعض شخص یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شیر نہیں ہوتا بلکہ آدمی ہوتا ہے جس کو جوگی (۲۴) کہتے ہیں' جو شیر کی صورت میں بن کر آجاتا ہے۔ مجھے اس بات کا یقین نہ آیا

جوگی عجیب عجیب کام کرتے ہیں۔ بعض مہینوں تک نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور بعض ایک غار زمین میں کھود کر اس پر عمارت بنا دیتے ہیں اور فقط ہوا کے لئے ایک سوراخ رکھتے ہیں اور اس میں مہینوں تک رہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ برس دن تک اسی طرح رہ سکتے ہیں۔ منجرور (منگلور) کے شہر میں' میں نے ایک مسلمان کو دیکھا جو جوگیوں کی شاگردی کرتا تھا اور ایک بلند ڈھول میں بیٹھا تھا اور وہاں بغیر کھانے پینے کے رہتا تھا۔ پچیس دن تو اسے ہو چکے تھے پھر میں چلا آیا۔ معلوم نہیں کہ وہ کتنے دن تک اس طرح رہا لوگ کہتے ہیں کہ یہ جوگی ایک قسم کی گولیاں تیار کرتے ہیں اور ایک گولی (اقلیا" چ پشہ کے چاول کی گولی ہوگی) ہر روز کھا لیتے ہیں اور اس لئے ان کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ غیب کی باتوں کی بھی خبر دیتے ہیں۔ بادشاہ ان لوگوں کی بہت تعظیم کرتا ہے اور ان کو اپنی صحبت میں رکھتا ہے۔ بعض فقط ترکاری کھاتے ہیں اور بعض گوشت بھی کھاتے ہیں مگر اکثر گوشت نہ کھانے والے ہوتے ہیں۔ ظاہر سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریاضت سے اپنے نفس کو عادی کر لیتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت سے ان کو سروکار نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر کسی کی طرف نظر بھر کر دیکھ لیں تو وہ آدمی فوراً مرجاتا ہے۔ عوام الناس کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی نظر سے مرجاتا ہے اگر اس کا سینہ چیرا جائے تو اس میں دل نہیں ہوتا۔ نظر والا آدمی اس کا دل کھا لیتا ہے۔ یہ کام اکثر عورتیں کرتی ہیں اور ایسی عورتوں کو کفتار (۲۵) کہتے ہیں۔ جب ہندوستان میں قحط عظیم (۲۶) پڑا' بادشاہ اس وقت تلنگانہ میں تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ دہلی کے ہر ایک باشندے کو ڈیڑھ رطل یومیہ کے حساب سے کھانے کے لئے دیا جائے۔ وزیر نے ان کو جمع کر کے امیروں اور قاضیوں کی ایک ایک جماعت سپرد کر دی کہ وہ ان کو کھانا کھلائیں۔ میری سپردگی میں پانچ سو آدمی تھے۔ میں نے ان کے لئے اپنے گھر میں دالان بنوا دیئے تھے اور وہ وہاں رہتے تھے اور پانچ پانچ دن کا غلہ ان کو ایک دفعہ تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ ایک روز میرے پاس ایک عورت کو لائے اور کہا کہ یہ ڈائن ہے۔ اس نے اپنے برابر کے گھر والے کے لڑکے کا دل کھا لیا ہے اور لڑکا مرگیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کو نائب السلطان کے پاس (۲۷) لے جائیں۔ اس نے آزمائش کا حکم دیا اور وہ اس طرح کرتے ہیں کہ چار مٹکے پانی کے بھر کر اس کے چاروں ہاتھوں اور پاؤں پر باندھ دیتے ہیں اور اس کو دریائے جمنا میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر وہ نہیں ڈوبتی تو جانتے ہیں کہ وہ ڈائن ہے اور اگر ڈوب جاتی ہے

تو ڈائن نہیں۔ نائب نے حکم دیا کہ اس کو جلا دیا جائے۔ لوگ' عورت' مرد اس کی راکھ لے گئے۔ ان کا گمان ہے کہ جو شخص اس راکھ کی دھونی لے لیتا ہے تو وہ اس سال تک ڈائن کی نظر سے محفوظ رہتا ہے۔ ایک روز بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ میں ان دنوں دار الخلافہ میں تھا' میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اس وقت خلوت میں تھے اور خاص خاص امیر موجود تھے اور دو جوگی بھی موجود تھے۔ یہ جوگی رضائی اوڑھے رہتے ہیں اور سر کو بھی ڈھکا رکھتے ہیں کیونکہ وہ راکھ سے سر کے بالوں کو نوچ لیتے ہیں۔ جیسا کہ اور لوگ بغلوں کے بالوں کو نوچتے ہیں۔ بادشاہ نے مجھے بیٹھنے کی اجازت دی۔ میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ شخص بڑے دور دراز کے ملک سے آیا ہے اس کو کوئی ایسی چیز دکھاؤ جو اس نے پہلے نہ دیکھی ہو۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ ان میں سے ایک جوگی آسن مار کر چوکڑی بیٹھ گیا۔ زمین سے بلند ہوا اور اسی طرح ہمارے اوپر ہوا میں ادھر ہو گیا۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور وہم غالب ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے مجھے دوا پلائی مجھے افاقہ ہوا۔ میں بیٹھ گیا اور وہ شخص اسی طرح ہوا میں اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے جوگی نے اپنی کھڑاویں ہاتھ میں لیں اور غصے میں آ کر کئی دفعہ ان کو زمین پر دے مارا۔ وہ کھڑاویں ہوا میں چڑھ گئیں اور جو جوگی ہوا میں بیٹھا ہوا تھا' اس کی گردن میں لگنے لگیں۔ وہ تھوڑا تھوڑا اترتا جاتا تھا اور آخر کار ہمارے پاس آ بیٹھا۔ بادشاہ نے مجھے بتلایا کہ کھڑاؤں کے پھینکنے والا استاد ہے اور ہوا میں اڑنے والا شاگرد ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر تیری عقل سلب ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا' تو ہم تجھ کو اس سے زیادہ تماشہ دکھلاتے۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ مجھے خفقان ہو گیا اور بیمار ہو گیا۔ بادشاہ نے ایک شربت بھیجا' اس کے پینے سے میں اچھا ہوا۔

(۱۲) امواری --- کچراو

شہر بردن سے ہم امواری (۲۸) گئے وہاں سے کچراو (۲۹) اس جگہ ایک بڑا حوض ہے' جس کی لمبائی ایک میل کی ہے اور اس کے کنارے پر مندر اور بت خانے ہیں جن کے آنکھ' ناک' کان سب مسلمانوں نے کاٹ ڈالے ہیں۔ تالاب کے وسط میں سرخ پتھر کے تین گنبد ہوتے ہیں اور چاروں کونوں پر چار گنبد ہیں اور ان گنبدوں میں جوگی رہتے ہیں۔ انہوں نے بالوں پر بھبوت ملا ہوا ہے اور اپنے قدموں تک بال لمبے کئے ہوئے ہیں۔ ریاضت کے سبب سے ان کا رنگ زردی مائل ہو گیا ہے۔ بہت سے

مسلمان بھی ان کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں تاکہ ان سے یہ فن سیکھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ برص اور جذام والے اشخاص ان جگہوں کے پاس آ کر ٹھہرتے ہیں اور خدا کے حکم سے اچھے ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اول ہی اول میں نے جوگیوں کو سلطان طرم شیریں بادشاہ ماوراء النہر کے کیمپ میں دیکھا تھا۔ وہ تعداد میں پچاس تھے اور ان کے واسطے زمین کے نیچے ایک غار کھدوایا گیا تھا۔ اسی میں رات دن رہتے تھے۔ فقط قضائے حاجت کے لئے باہر نکلتے تھے۔ صبح اور شام اور رات کو سینگ کے مشابہ ایک چیز تھی' اس کو بجایا کرتے تھے۔ ان کے طریق عجیب تھے۔ ایک جوگی نے سلطان غیاث الدین دامغانی بادشاہ معبر کے لئے گولیاں بنا دی تھیں۔ ان سے قوت باہ بڑھ جاتی تھی۔ اس کا ایک جزو فولاد کا برادہ تھا۔ جب ان کا اثر عجیب معلوم ہوا تو بادشاہ معبر نے کچھ زیادہ کھا لیں اور مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین بادشاہ ہوا۔ وہ اس جوگی کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔

(۱۳) چندیری

پھر ہم چندیری (۳۰) پہنچے یہ ایک بڑا شہر ہے بازاروں میں بہت اژدحام ہوتا ہے۔ اس تمام ملک کا امیر الامرا عزالدین ملتانی' جو اعظم ملک کے لقب سے مشہور ہے' وہیں رہتا ہے۔ وہ بڑا نیک اور فاضل ہے۔ اہل علم سے صحبت رکھتا ہے اور فقیہ عز الدین زبیری اور وجیہ الدین بیانوی جو شہر بیانہ کی طرف منسوب ہے اور قاضی خاصہ اور امام شمس الدین اس کے مصاحب ہیں اس کا نائب خزانہ قمرالدین ہے اور نائب فوج سعادت تلنگی ہے۔ یہ شخص بڑا مشہور بہادر ہے اور وہی لشکر کا جائزہ لیتا ہے۔ ملک اعظم فقط جمعہ کے دن باہر نکلتا ہے اور کسی دن بہت نادر۔

(۱۴) دھار

چندیری سے ہم ظہار (دھار (۳۱)) میں پہنچے یہ مالوہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ زراعت اس ملک میں بہت ہوتی ہے خصوصاً گیہوں بہت پیدا ہوتا ہے۔ یہاں سے پان دہلی تک جاتے ہیں' جو یہاں سے چوبیس منزل ہے۔ تمام سڑک پر پتھر کے ستون' یعنی میل جن پر فاصلہ درج ہے' لگے ہوئے ہیں۔ جب [illegible] ہوتا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ آج کتنا چلا ہے اور منزل تک کتنا [illegible] شہر کو جا رہا ہے' وہ

کتنی دور ہے تو ستون پر دیکھنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ شہر شیخ ابراہیم مالدیبی کی جاگیر میں ہے۔ شیخ ابراہیم اس شہر کے باہر آ کر ٹھہرا اور غیر آباد زمین کو اس نے مزروعہ کیا۔ اس میں فقط خربوزے بویا کرتا تھا یہ خربوزے نہایت شیریں ہوتے تھے اور اس کے آس (۳۴) پاس کی زمین میں جو لوگ خربوزے بوتے تھے وہ شیریں نہ ہوتے تھے وہ فقیروں اور مسکینوں کو کھانا دیا کرتا تھا۔ جب بادشاہ معبر کی طرف چلے تو اس نے ایک خربوزہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ کھا کر بہت خوش ہوا اور شہر دھار اس کی جاگیر میں بخش دیا اور حکم دیا کہ وہ ایک ٹیلہ پر، جو شہر سے اونچا تھا، ایک خانقاہ بنائے۔ اس نے ایک بہت اچھی خانقاہ تعمیر کی اور ہر مسافر کو روٹی دیتا تھا اور برسوں تک وہ اسی طرح کرتا رہا۔ ایک دفعہ بادشاہ کے پاس آیا اور تیرہ لاکھ دینار بادشاہ کی نذر کئے اور کہا یہ میری آمدنی میں سے غریبوں کے کھانا کھلانے کے بعد بچا ہے اور بیت المال کا حق ہے۔ بادشاہ نے وہ مال اس سے لے لیا لیکن بادشاہ کو اس کا فعل کہ اس نے روپیہ جمع کیا اور غریبوں کو کل نہ کھلایا پسند نہ آیا۔ اس شہر میں وزیر کے بھانجے اپنے ماموں خواجہ جہاں کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تاکہ وزیر کے کل خزانے پر قابض ہو جائے اور حسن شاہ باغی کے پاس معبر میں چلا جائے۔ اس کے ماموں کو خبر ہو گئی اس نے فوراً اس کو گرفتار کر لیا اور اس کو اور اس کے ہم راز امیروں کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ نے ان امیروں کو مروا ڈالا اور کہتے ہیں، جب وزیر کا بھانجا اس کے پاس واپس لایا گیا، تو اس نے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے پاس ایک کنیز تھی، جس پر وہ عاشق تھا۔ اس نے درخواست کی کہ کنیز کو اس کے سامنے بلایا جائے۔ اس کے ہاتھ سے پان کھایا اور آپ پان بنا کر اس کو دیا اور پھر گلے لگا کر اس کو رخصت کر دیا۔ اس کے بعد اس کو ہاتھی کے سامنے ڈال دیا اور اس کی کھال کھچوا کر اس میں بھوسہ بھروایا گیا۔ جب رات ہوئی تو کنیز باہر نکلی اور اس کے قتل ہونے کی جگہ کے قریب ایک کنواں تھا۔ اس میں گر کر مر گئی۔ دوسرے دن مردہ پائی گئی۔ اس کو نکالا اور دونوں کو ایک قبر میں دفن کر دیا۔ اس قبر کو "گور عاشقاں" کہتے ہیں۔

(۱۵) اجین

دھار سے چل کر ہم اجین (۳۳) پہنچے یہ ایک خوبصورت شہر ہے عمارتیں بلند ہیں

اور ملک ناصر الدین بن عین الملک جو کہ ایک بڑا فاضل اور کریم النفس آدمی تھا اس شہر میں رہا کرتا تھا اور سنداپور (گوا) کی فتح کے وقت شہید ہو گیا تھا۔ اس شہر میں فقیہ اور طبیب جمال الدین مغربی غرناطی رہتا تھا۔

(۱۶) دولت آباد

اجین (۳۴) سے چل کر ہم دولت آباد (۳۵) پہنچے۔ یہ بہت بڑا شہر ہے دہلی کا مقابلہ کرتا ہے اس کے تین حصے ہیں ایک حصے کو دولت آباد کہتے ہیں اس میں بادشاہ اور شاہی لشکر رہتا ہے اور دوسرے حصے کو کٹکہ کہتے ہیں تیسرے حصے کو جو قلعہ ہے دیوگیر کہتے ہیں یہ قلعہ مضبوطی میں بے نظیر ہے خان اعظم قتلغ بادشاہ کا استاد اسی قلعہ میں رہتا ہے ساگر اور تلنگانہ بھی اسی کے ماتحت ہیں اس کا علاقہ تین مہینے کی مسافت میں پھیلا ہوا ہے اس کی طرف سے نائب اور حاکم جگہ جگہ رہتے ہیں دیوگڑھ کا قلعہ مسطح زمین میں ایک چٹان پر واقع ہے اس چٹان کو کھود کر اس کی چوٹی پر قلعہ بنایا ہے قلعہ پر چمڑے کے بنے ہوئے زینے سے چڑھتے ہیں اور چڑھ جانے کے بعد رات کو اس زینے کو اوپر اٹھا لیتے ہیں قلعہ کے محافظ مع اولاد کے اس میں رہتے ہیں۔ اس میں غار بنے ہوئے ہیں ان غاروں میں بڑے بڑے مجرم قید رکھے جاتے ہیں ان غاروں میں ایسے ایسے بڑے چوہے ہیں جن سے بلی بھی ڈرتی ہے اور بغیر حیلے کے ان کا شکار نہیں کر سکتی۔ ملک خطاب افغان بیان کرتا تھا کہ وہ ایک دفعہ اس قلعہ کی ایک غار میں قید کیا گیا جس کو چوہوں کا غار کہتے تھے رات کو وہ جمع ہو کر مجھ پر حملہ کرتے تھے اور میں تمام رات ان کے ساتھ لڑا کرتا رہتا تھا ایک رات میں سویا ہوا تھا کسی نے خواب میں کہا کہ تو سورہ اخلاص ایک لاکھ دفعہ پڑھ لے تو خدا تعالیٰ تجھے خلاصی دے گا میں نے سورہ اخلاص اتنی بار ختم کر لی تو میری خلاصی کا حکم آ گیا اور میری خلاصی کا یہ سبب ہوا کہ میرے برابر کے غار میں ملک مل قید تھا وہ بیمار ہو گیا تو چوہے اس کی انگلیاں اور آنکھیں کھا گئے وہ مر گیا۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو بادشاہ نے کہا کہ خطاب کو نکال لو کہیں اس کو بھی چوہے نہ کھا جائیں۔ اسی قلعہ میں ناصر الدین بن ملک اور قاضی جلال الدین نے پناہ لی تھی جبکہ بادشاہ نے اس کو شکست دی۔ دولت آباد کے باشندے مرہٹے ہیں ان کی عورتیں نہایت خوبصورت ہوتی ہیں۔ خصوصاً ان کی ناک اور ابرو بے نظیر ہوتی ہیں۔

خوش خلقی اور لذت جماع میں بھی مشہور ہیں۔ اس شہر کے ہندو سوداگری کرتے ہیں اکثر جواہرات کی سوداگری کرتے ہیں اور بہت مالدار ہیں۔ ان کو شاہ (ساہوکار) کہتے ہیں جیسے کہ مصر میں تاجروں کو مکارم کہتے ہیں۔ دولت آباد میں آم اور انار بہت ہوتے ہیں اور سال میں دو دفعہ پھلتے ہیں۔ اس ملک کا محاصل بھی بسبب آبادی اور وسعت کے اور صوبوں سے زیادہ ہے۔ ایک ہندو نے کل علاقہ کا ٹھیکہ تیرہ کروڑ میں لیا تھا لیکن وہ پورا نہ کر سکا اس پر باقی رہ گئی اس کا کل مال ضبط کیا اور کھال کھچوائی گئی۔ دولت آباد میں اہل طرب کا ایک بازار ہے جس کو طرب آباد کہتے ہیں۔ یہ بازار بہت خوبصورت اور وسیع ہے دوکانات بھی بہت ہیں ہر ایک دوکان میں ایک دروازہ گھر کی طرف نکلتا ہے اور گھر کا دوسری طرف بھی دروازہ ہوتا ہے۔ دوکان میں بہت مکلف فرش ہوتا ہے اور اس کے وسط میں ایک گہوارہ ہوتا ہے جس میں گانے والی عورت بیٹھ جاتی ہے یا لیٹ جاتی ہے اس کی لونڈیاں گہوارہ کو ہلاتی رہتی ہیں۔ گہوارہ بہت آراستہ ہوتا ہے۔ بازار کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے جو نہایت آراستہ اور فروش سے پیراستہ ہوتا ہے اس میں مطربوں کا چودھری عصر کی نماز کے بعد ہر جمعرات کے دن آکر بیٹھتا ہے اور اس کے غلام اور خادم حاضر ہوتے ہیں ہر ایک طوائف باری باری آکر اس کے سامنے مغرب کے وقت گاتی بجاتی ہے اور مغرب کے بعد وہ اپنے گھر چلا جاتا ہے اس بازار میں مسجدیں بھی ہیں اور وہاں تراویح کی جماعت بھی ہوتی ہے۔ اکثر راجہ اس بازار کی سیر کرنے آتے ہیں تو اس گنبد میں ٹھہر جاتے ہیں اور طوائف ان کے سامنے آکر گانا بجانا کرتی ہیں اور بعض مسلمان بادشاہ بھی ایسا کرتے ہیں۔

(۱۷) نذر بار

دولت آباد سے چل کر ہم نذر بار (۳۶) میں پہنچے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے اور اس کے باشندے اکثر مرہٹے ہیں۔ وہ دستکاری میں مشہور ہیں اور طبیب اور نجم بھی ان میں اچھے ہوتے ہیں۔ شریف مرہٹے برہمن اور کھتری (چھتری) ہوتے ہیں۔ چاول اور سبزی اور سرسوں کا تیل ان کی غذا ہے گوشت بالکل نہیں کھاتے اور کسی حیوان کو تکلیف نہیں دیتے۔ کھانے سے پہلے ضرور غسل کرتے ہیں جیسے جنابت کے بعد غسل لازم ہوتا ہے۔ اپنے قریبوں میں رشتہ نہیں کرتے جب تک سات داروں کا فرق نہ ہو جائے۔ شراب نہیں پیتے اور شراب پینا سخت عیب سمجھا جاتا ہے اور ہندوستان میں مسلمان بھی شراب پینے کو سخت عیب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان شراب پی لیتا ہے تو اس کے ۸۰ (اسی) درہ لگائے جاتے ہیں اور تین دن ایک تہ خانہ میں قید کیا جاتا ہے جس کو کھانے کے وقت کے سوا کبھی نہیں کھولتے۔

(۱۸) ساگر

اس شہر سے چل کر ہم ساگر (۳۷) پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اور اسی نام کے دریا واقع ہے اس دریا کے کنارے بہت سے رہٹ چلتے ہیں اور انب اور کیلہ اور ایکھ کے بہت سے باغ ہیں۔ اس شہر کے باشندے دیندار اور نیک چلن ہیں باغوں میں انہوں نے خانقاہ اور تکیے بنا رکھے ہیں جن میں مسافر اترتے ہیں اور جو شخص خانقاہ بناتا ہے اس کے ساتھ باغ ضرور لگاتا ہے اولاد کو اس کا متولی مقرر کر جاتا ہے اور اگر اولاد باقی نہ رہے تو قاضی متولی ہو جاتا ہے اس شہر میں عمارات بہت ہیں بہت سے لوگ زیارت کے لیے اس شہر میں آتے ہیں اور چونکہ وہاں محصول نہیں لیا جاتا اس لیے بہت سے مسافر وہاں آتے ہیں۔

(۱۹) کھمبایت

ساگر سے چل کر ہم کھمبایت (۳۸) پہنچے۔ یہ شہر سمندر کے ایک کھاڑی پر واقع ہے جو سمندر کے مشابہ ہے اس میں جہاز داخل ہو سکتے ہیں اور مدوجزر بھی ہوتا ہے۔ پانی اتر جانے کے وقت میں نے وہاں بہت سے جہاز کیچڑ میں دھنسے ہوئے دیکھے۔ جب سمندر کا پانی چڑھ آتا تھا تو وہ تیرنے لگ جاتے تھے۔ یہ شہر اور تمام شہروں کی بہ نسبت مضبوط اور خوبصورت بنا ہوا ہے۔ اس میں عمارات اور مسجدیں بہت اچھی اچھی ہیں اکثر باشندے پردیسی سوداگر ہیں وہ اکثر عالی شان محل اور بڑی بڑی مسجدیں بنواتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں سب سے بڑے گھروں میں سے اس شریف سامری کا گھر ہے جس نے مجھے حلوے کی قسم کی بابت بادشاہ کے سامنے جھوٹا کرنا چاہا تھا۔ اس گھر میں جو لکڑی لگی ہوئی ہے اس سے مضبوط اور موٹی لکڑی میں نے کسی گھر میں لگی ہوئی نہیں دیکھی۔ اس گھر کا دروازہ اتنا بڑا ہے جیسے کہ شہر کے دروازے ہوتے ہیں اس کے ایک پہلو میں ایک بڑی مسجد ہے جو سامری کی مسجد کہلاتی ہے ملک التجار گازرونی کا بھی گھر بڑا ہے اس کے پہلو میں بھی مسجد ہے تاجر شمس الدین

کالاہ روز کا گھر بھی بہت بڑا ہے جب قاضی جلال کی بغاوت واقع ہوئی تو اس شمس الدین نے اور ناخدا الیاس نے جو پہلے اس ملک کا ہندو تھا اور ملک الحکماء نے اس شہر میں پناہ لی اور شہر کے گرد خندق کھودنی شروع کی کیونکہ فصیل نہ تھی جب ان کو ہزیمت ہوئی اور بادشاہی لشکر شہر میں داخل ہوا تو یہ تینوں شخص ایک گھر میں جا گھسے اور گرفتاری سے ڈر کر ارادہ کیا کہ ایک دوسرے کو تلوار سے مار ڈالے ان میں سے دو تو مر گئے اور ملک الحکماء نہ مرا اس شہر میں نجم الدین جیلانی ایک بڑا بھاری سوداگر تھا وہ شکل میں جمیل اور مالدار تھا اس نے بھی ایک بڑا گھر اور مسجد تعمیر کی تھی۔ بادشاہ نے اس کو بلا بھیجا اور اس کو کھمبایت کا حاکم مقرر کیا اور مراتب یعنی طبل و علم بھی اس کو بخش دیا اس سبب سے ملک الحکماء نے بغاوت کی اور اپنے مال و جان کو تلف کیا۔ جب ہم کھمبایت میں پہنچے تو وہاں کا حاکم مقبل تلنگی تھا۔ بادشاہ اس کی قدر بہت کرتا تھا شیخ زادہ اصفہانی اس کی صحبت میں رہتا تھا اور اس کی طرف سے کل امور اس کے سپرد تھے۔ یہ شیخ امور سلطنت سے خوب واقف تھا اور بہت مالدار ہو گیا تھا اور اپنے ملک میں اپنی دولت بھیجا جاتا تھا اور بھاگنے کے لیے کسی حیلہ کی فکر میں تھا بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی کسی نے ذکر کیا کہ وہ بھاگنا چاہتا ہے بادشاہ نے مقبل کو لکھا کہ اس کو ڈاک میں دارالخلافہ کی طرف روانہ کر دے ملک مقبل نے اس کو بھیج دیا۔ جب وہ بادشاہ کے روبرو حاضر ہوا تو اس کو پہرہ میں دے دیا اور یہ اس ملک کا دستور ہے جب کسی کو پہرہ میں دیتے ہیں تو شاذ و نادر ہی وہ بچتا ہے اس شیخ نے پہرہ دار سے سازش کر لی اور اس کو بہت سا مال دینا کیا دونوں بھاگ گئے۔ ایک معتبر آدمی ذکر کرتا تھا کہ میں نے اس کو شہر قلہات (ملک مسقط میں ایک شہر ہے) کی مسجد میں دیکھا پھر وہ اپنے وطن کو چلا گیا اور اپنے مال پر قابض ہو گیا اور جان سے بھی بے خوف ہو گیا۔ ملک مقبل نے ہماری ضیافت اپنے گھر میں کی لطف یہ ہوا کہ قاضی شہر آنکھ سے کانا تھا اس کے سامنے شریف بغدادی جو شکل میں قاضی کے بہت مشابہ تھا لیکن بائیں آنکھ سے کانا بیٹھا ہوا تھا۔ شریف قاضی کی طرف دیکھتا تھا اور ہنستا تھا۔ قاضی نے اس کو جھڑک دیا اور شریف نے کہا کہ غصہ ہونے کی کوئی بات نہیں میں تم سے زیادہ خوبصورت ہوں قاضی نے کہا کہ کس طرح اس نے جواب دیا کہ میری بائیں آنکھ کانی ہے اور تیری داہنی آنکھ۔ ملک مقبل اور تمام حاضرین ہنس پڑے اور قاضی شرمندہ ہو گیا اور اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ شریفوں کی ہندوستان میں بڑی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں۔ اس شہر میں قاضی ناصر جو دیار بکر کے رہنے والے ہیں بڑے نیک مرد ہیں وہ جامع مسجد کے ایک حجرہ میں رہتے ہیں ہم بھی ان کی زیارت کو گئے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب قاضی جلال نے کھمبایت میں داخل ہو کر بغاوت کی تو وہ اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا بادشاہ سے کسی نے ذکر کر دیا کہ انہوں نے بھی قاضی جلال کے واسطے دعا کی تھی اس سبب سے یہ بادشاہ کے آتے ہی اس خوف سے بھاگ گئے کہ کہیں ان کے ساتھ بھی حیدری جیسا سلوک نہ ہو دوسرے بزرگ اس شہر میں خواجہ اسحاق ہیں ان کی خانقاہ میں ہر مسافر کو کھانا ملتا ہے اور فقیروں اور مسکینوں کو روپیہ نقد بھی دیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ باوجود اس خرچ کے ان کے مال میں روز بروز افزونی ہوتی ہے۔

(۴۰) گاوی و قندھار

اس شہر سے چل کر ہم کاوی (۳۹) میں پہنچے وہ ایک کھاڑی کے کنارے پر ہے جس میں مدوجزر ہوتا ہے یہ رائے جالنسی ایک ہندو راجہ کے علاقہ میں ہے اس کا ذکر ہم عنقریب کریں گے وہاں سے چل کر ہم قندھار پہنچے یہ ایک بہت بڑا شہر ہندوؤں کا سمندر کے کنارے پر واقع ہے وہاں کے راجہ کا نام جالنسی ہے وہ بادشاہ اسلام کے ماتحت ہے اور ہر سال خراج ادا کرتا ہے جب ہم قندھار پہنچے تو وہ ہمارے استقبال کے لیے باہر آیا اور ہماری بڑی تعظیم کی اور اپنا محل ہمارے لیے خالی کر دیا اور ہم اس میں اترے بھلے بڑے مسلمان امیر اس کی طرف سے ہمارے استقبال کو آئے ان میں خواجہ بہرہ کے بیٹے تھے اور ناخدا ابراہیم تھا اس شخص کے چھ جہاز اپنی ملکیت کے ہیں۔



حوالہ جات

(۱) دو میہ ۔ بحث قلزم میں اس لفظ کے یہ معنے لکھے ہیں۔ نوعے از پارچہ ریسمانی باشد شبیہ تنسکانی عراق لیکن ازاں باریک تر و نازک تر است۔

(۲) شواش ۔ شاشیہ کی جمع ہے۔ وہ ایک قسم کی ٹوپی تھی جو چاچ یا شاش سے تاشقند کی طرف منسوب ہے۔

(۳) تلپت ۔ اب متھرا کی سڑک کے متصل ضلع دہلی میں ایک پرانے گاؤں کا نام ہے۔ وہاں ایک سرکاری مدرسہ بھی ہے۔ اس زمانے کی تاریخوں میں اس قصبہ کا نام بہت آتا ہے کیونکہ وہ دہلی میں داخل ہونے سے پہلے ایک ایسی جگہ تھی کہ جہاں پورب سے آتے ہوئے جمنا کو پار کر کے مسافر ضرور گزرتا تھا۔ یہ اغلباً مہابھارت کے پانچ پتوں میں سے ایک ہے۔ اندرپت' تلپت' سونی پت' باگھپت' پانی پت اور اس لیے بہت قدیم شہر ہے۔ یہ سب شہر اس زمانہ میں جمنا کے غربی کنارہ پر تھے۔ اب دریا مشرق کی جانب ہٹ گیا ہے۔ باگھپت جس کو اب بانپت کہتے ہیں' شرقی کنارے پر ہے۔ سر ہنری الیٹ کی تاریخ کے مترجموں نے غلطی سے اس کو کہیں بیلی بیت اور کہیں تل بہت پڑھا ہے۔

(۴) آلو ۔ یہ گاؤں اب بھی متھرا کے ضلع میں اوکلا نہر سے چند میل کے فاصلے پر بھرتپور اور متھرا کی سڑک کے قریب واقع ہے اور ایک اور پرانا گاؤں' جو قصبہ آلو کے نام سے مشہور ہے' اسی نواح میں قلعہ ڈیگ کے قریب بھرتپور کی ریاست میں واقع ہے۔ اغلباً ابن بطوطہ کی مراد قصبہ آلو سے ہے۔ آئین اکبری میں ایک محال آلو بنام سرکار آگرہ میں شیخ زادوں کی ملکیت درج ہے۔

(۵) بیانہ ۔ دہلی سے سو میل جنوب کی طرف اور بیس میل بھرتپور سے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں بیانہ کی سرکار صوبہ آگرہ سے متعلق تھی۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ "بیانہ قدیم زمانہ میں متھرا شہر تھا۔ ایک قلعہ بھی ہے۔ پرانے محلات اور بت خانے بے شمار ہیں۔ اب تک ہتھیار اور تانبے کے برتن کھنڈرات میں سے نکلتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بڑا منارہ بھی ہے۔ آم اچھا ہوتا ہے۔ بعض آم وزن میں ایک سیر (ڈھائی پاؤ) سے زیادہ ہوتا ہے۔ شکر بھی بہت سفید بناتے ہیں اور ایک کنواں اس شہر میں ایسا ہے کہ اس کے پانی کی تاثیر سے شکر کے لڈو وزن میں سیر سیر سے زیادہ باندھ سکتے ہیں اور ان کو گنڈورے کہتے ہیں اور جگہ کے پانی میں یہ تاثیر نہیں۔ تیل اور چنا بھی بہت پیدا ہوتے ہیں۔ منڈی بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس شہر میں قبرستان بھی بہت ہیں"۔ کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں ۸۹۳ ہجری میں محمد خاں اوحدی صدیقی حاکم بیانہ نے تعمیر کیا تھا اور اس پر یہ کتبہ موجود ہے۔

بعہد دولت خان کبیر اوحد خان   پناہ جملہ جہاں سرور زمین و زمان
ملک معظم تیمور خانی از سر صدق   بنا بکرد و چنیں جائے طاعت رحمان
نیزد او چہ زمزم صفت ز خالص مال   قبول باد بدرگاہ خالق منان
ز ہجری نبوی سال بود نہصد و بست   دگر سہ سال بماہ معظم رمضان

جنرل کننگھم نے اس تاریخ کے پڑھنے میں غلطی کی ہے۔ اس کنوئیں پر ایک اور کتبہ فارسی اور ناگری میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۹۳ ہجری میں ٹھاکر امر سنگھ نے کنوئیں کی مرمت محمد خاں اوحدی کے عہد میں کرائی۔ کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ یہ کنواں اب بھی موجود ہے۔ شکل میں مربع ہے اور اس کے چاروں ضلع چار چار گز کے ہیں لیکن شکر اب وہاں نہیں بنتی۔ قبروں میں ابوبکر قندھاری کی خانقاہ بہت مشہور ہے۔ یہ دوہرہ عوام کے زبان زد ہے۔

اکارہ سو تہتر پھاگن تیج ربی وار   بیجے مندر گڑھ توڑا ابوبکر قندھار

یعنی پھاگن کے مہینے میں تیسری تاریخ کو سمت ۱۱۷۳ میں ابوبکر قندھار نے بیانہ کے قلعے کو فتح کیا۔ یہ زمانہ ۵۱۲ ہجری کے مطابق ہوتا ہے جو بہرام بن مسعود غزنوی کے جلوس کا سال تھا۔ بہرام کی شروع عملداری میں بھی غزنوی لشکر فتوحات کے لیے ہندوستان میں آیا ہے' چنانچہ روضۃ الصفا میں درج ہے۔ "و بعد ازانکہ بر تخت مملکت متمکن گشت لشکر بدیار ہند کشید و بسیارے ازاں بلاد کہ اسلاف او بداں موضع نرسیدہ بودند بگشاد" میری رائے میں سالار مسعود غازی شاید اسی لشکر کے سردار ہوں کیونکہ بیانہ کے قلعے کا فتح ہونا ان کے ہاتھ پر بیان کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے سالار مسعود کے ہندوستان میں آنے کا صحیح سال معلوم ہو سکتا ہے۔ ابوالفضل نے جس منارہ کا ذکر کیا ہے' موجود ہے۔ یہ مینار مسجد کا مازنہ ہے اور قلعہ میں واقع ہے۔ دور سے دکھائی دیتا ہے۔ اب دو منزلیں باقی ہیں۔ پہلی منزل ساڑھے چھیالیس فٹ اونچی ہے اور دوسری ۳۲ فٹ۔ تیسری منزل کہتے ہیں میگزین کی بارود میں آگ لگنے سے گر پڑی ہے۔ سنگ سرخ کی بنی ہوئی ایک باؤلی بھی جو سلطان قطب الدین خلجی کے عہد میں ۷۱۸ھ میں ملک کافور نے تیار کرائی تھی' اب تک موجود ہے۔ اس کی تاریخ بالا ہے۔

در زمان ملک سلطان زمانہ قطب الدین ملک دارالخلافہ شہر یار بحر و بر
بندۂ درگاہ او کافور سلطانی بگفت تا شد ایں باگیں بناؤ ایں طاقت ورگرد
چار در باچار گنبد بنگر و تاریخ آں سال و ماہ از سال ہجرت ہفتد و ہژدہ شمر

موجودہ شہر آگرہ اور بمبئی کی سڑک پر بھرت پور کی ریاست میں واقع ہے۔ آبادی پانچ چھ ہزار کے قریب ہے۔

(۹) کول و جلالی۔ اگرچہ ابن بطوطہ نے بیانہ کے بعد کول کا ذکر کیا ہے اور اس سے شبہ پڑتا ہے کہ وہ کوئی مقام بیانہ اور گوالیار کے بیچ میں ہوگا' لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ کول سے یہ کول مراد ہے جس کو اب علی گڑھ کہتے ہیں۔ کیونکہ جلالی ایک پرانا قصبہ اب بھی اس کے قریب مشرق میں واقع ہے' لیکن یہ ایک عقدہ ہے کہ بیانہ جا کر پھر کیوں ابن بطوطہ کول کی جانب' جو بیانہ سے شمال مشرق میں واقع ہے' واپس ہٹا اور قنوج کی طرف جا کر پھر کیوں گوالیار کی جانب آیا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو یہ قیاس' کہ وہ قنوج کی شہرت سن کر اس کو دیکھنے چلا گیا ہوگا' درست ہوتا لیکن وہ قیاس بھی غلط ہوتا کیونکہ سرگرداری میں وہ عین الملک کی لڑائی میں بادشاہی لشکر کے ساتھ تھا اور اس وقت بادشاہ قنوج میں سے ہو کر بہرائچ کو گیا تھا۔ اس موقع پر اس کے ساتھ تمام سفارت کا ساز و سامان لشکر تھا۔ بیانہ سے کول اور کول سے قنوج جانا اور پھر قنوج سے گوالیار کو وزیر پور ہوتا ہوا جانا کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ کول یا علی گڑھ کی موجودہ آبادی ستر ہزار کے قریب ہے۔ دوڑ راجپوتوں کے زمانے کا ایک قلعہ ہے۔ اس کے وسط میں اب صلابت خاں کی مسجد واقع ہے جو دور سے نظر آتی ہے۔ کول میں ایک مینار سلطان ناصر الدین محمود کے وقت (۶۵۲ھ) کا بنایا ہوا موجود تھا۔ اس کو وحشی افسران ضلع نے ۱۸۶۱ کے قریب منہدم کرا دیا۔ اس پر یہ کتبہ تھا:

"ہذہ العمارۃ فی عہد مملکۃ السلطان الاعظم مالک رقاب الامم ناصر الدنیا والدین سلطان السلاطین وارث ملک سلیمان صاحب الخاتم فی ملک العالم ابی المظفر محمود بن السلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بناء الملک العالم الکبیر المعظم قتلغ خاں بہاء الحق والدین ملک ملوک الشرق والصین بلبن الشمسی فی ایام ایالتہ دام معالیہ فی العاشر من رجب سنۃ اثنی و خمسین و ستمائۃ"۔

مسٹر ٹامس نے جو غلطیاں اس کتبہ کے پڑھنے میں کی تھیں' وہ صحیح کر دی ہیں۔ جلالی کول کے قریب ایک قصبہ ہے۔ موجودہ آبادی پانچ ہزار کے قریب ہے۔

(۷) باگیں یا داگیں باؤلی کو کہتے ہیں۔ باؤلی کا لفظ اصل میں باولی تھا کیونکہ بابر اس چشمہ کو کہتے ہیں جو فوارہ کی مانند زور سے زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔ بابر نے لکھا ہے کہ "در ہندوستان چاہ کلانے زینہ دار را داگیں مے گویند" جو بعینہ وہی الفاظ ہیں جو ابن بطوطہ نے استعمال کیے ہیں۔

(۸) برج پور۔ اس جگہ کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ آئین اکبری میں ایک جگہ بھوج پور سرکار قنوج دستور نکیٹہ میں درج ہے۔

(۹) یہ لڑائی ۶۹۹ھ میں ہوئی۔ غازان خاں نے شام پر حملہ کیا۔ ملک ناصر مصر سے دمشق کے قلعہ کو بچانے کے لیے چلا۔ تاتاریوں کے لشکر کو ایسی سخت شکست ہوئی کہ غازان خاں اسی رنج میں مر گیا۔

(۱۰) کالی ندی۔ میان دو آب میں دو ندیاں اس نام سے مشہور ہیں۔ مغربی کالی ندی تو کوہ سوالک سے نکل کر مظفر نگر اور سہارنپور کے اضلاع میں بہتی ہوئی دریائے ہنڈن میں شامل ہو جاتی ہے۔ مشرقی کالی ندی مظفر نگر کے ضلع سے نکلتی ہے۔ تھوڑے فاصلے تک اس کو ناگن کہتے ہیں۔ خورجہ کے قریب پہنچ کر اپنا رخ بدل لیتی ہے اور ۳۱۰ میل بہہ کر میرٹھ اور بلند شہر علیگڑھ' ایٹہ اور فرخ آباد کے اضلاع سے گزرتی ہوئی قنوج سے چار میل پرے دریائے گنگ میں شامل ہو جاتی ہے۔ ابن بطوطہ کی مراد اسی ندی سے ہے۔

(۱۱) قنوج۔ یہ شہر فرخ آباد کے ضلع میں ہے۔ سولہ سترہ ہزار کے قریب آبادی ہے۔ زمانہ قدیم میں بہت بڑا شہر تھا۔ محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کے وقت میں قنوج کے راجا ہندوستان شمالی میں مہاراجہ اوهراج کہے جاتے تھے۔ پہلے دریائے گنگ قنوج کی دیواروں کے نیچے بہتا تھا' لیکن اب وہ کالی ندی کے کنارہ پر واقع ہے اور دریائے گنگ وہاں سے چار میل کے فاصلے پر بہتا ہے۔ روضۃ الصفا میں درج ہے کہ جب محمود نے ۴۰۹ ہجری میں قنوج پر حملہ کیا تو اس شہر میں اس وقت سات قلعے تھے اور دو ہزار بت خانے تھے۔ ان پہاڑوں یا ٹیلوں کے نشان جن پر یہ قلعے تھے' اب بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک ٹیلہ پر جامع مسجد ہے جس کو سیتا کی رسوئی کہتے ہیں۔ یہ مسجد ۸۰۹ ہجری میں ابراہیم شاہ شرقی بادشاہ جونپور نے بنائی تھی۔ مسعودی اور بوذید نے بھی' جو محمود غزنوی سے سو برس پہلے تھے' اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ چینی سیاح ہیون تسنگ نے' جو ۶۳۴ء میں ہندوستان میں آیا تھا لکھا ہے کہ اس وقت شہر ساڑھے تین میل لمبا اور تخمیناً ۳ چوڑا تھا اور دریائے گنگ اس کے نیچے مشرق کی طرف بہتا تھا۔ اس سے دو سو برس پہلے ۴۰۰ء میں فاہیان ایک دوسرا

چینی سیاح بدھ کے مزار کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ اس وقت بھی دریائے گنگ اس شہر کے نیچے بہتا تھا۔ بطلیموس یونانی جغرافیہ دان نے بھی ۱۴۰ء میں اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ اس شہر کا زوال راجہ جے چند راٹھور کے مرنے کے بعد شروع ہوا۔ یہ راجہ محمد غوری سے شکست کھا کر دریائے گنگ کو عبور کرتا ہوا ڈوب گیا تھا۔ محمود کے وقت میں جو راجہ اجے پال نام تھا' وہ خاندان تور سے تھا۔

(۱۲) بجالسہ۔ اس شہر کے نام سے ایک دروازہ بھی شہر دہلی کا مشہور تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بڑا شہر ہوگا اور ابن بطوطہ کے اس بیان سے کہ وہ وزیر پور سے چل کر گوالیار کی طرف ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اٹاوہ کے قریب جمنا کے شرق میں یا قرب میں کسی جگہ تھا۔ آگرہ سے تین کوس کے فاصلے پر جالیسر ایک جگہ اس زمانہ کی تاریخوں میں بہت مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ جالیسر کی جگہ ابن بطوطہ نے بجالسہ لکھ دیا ہو ورنہ بجالسہ نہ کسی تاریخ میں اور نہ آئین اکبری میں درج ہے۔ آگرہ اس زمانہ میں گاؤں تھا۔ سکندر لودھی نے اس کو شہر بنا دیا تھا۔

(۱۳) وزیر پور۔ اب اس نام کا کوئی قصبہ یا بڑا گاؤں نہیں ہے لیکن آئین اکبری میں ایک محال وزیر پور نام بر سرکار آگرہ دستور متھرا میں درج ہے۔

(۱۴) موری۔ اس نام کا کوئی شہر نہ آئین اکبری میں ہے نہ اب کچھ پتہ لگتا ہے۔

(۱۵) مرہ۔ اس شہر کا بھی کچھ پتہ نہیں لگتا۔ لیکن اسی نواح میں ایک شہر موہ نام اب بھی گوالیار کی ریاست میں دریائے سندھ پر واقع ہے۔ ممکن ہے کہ کاتب نے غلطی سے بجائے واؤ کے رے لکھ دی ہو یا وہ شہر مرہ ہی ہو۔ مرہ کے معنے خانقاہ کے ہیں یا معبد کے۔

(۱۶) مالوہ۔ ابن بطوطہ گوالیار کے شرق سے ہی مالوہ کا آغاز لکھتا ہے' لیکن آئین اکبری میں مالوہ چندیری سے شروع ہوتا ہے اور گجرات کی حدود تک چلا گیا ہے اور حقیقت میں مالوہ اسی قدر ملک کا نام ہے۔ آئین اکبری میں صوبہ مالوہ کا طول باباں گڈھ سے بانسواڑہ تک جنوباً" شمالاً" ۲۴۵ کوس اور چندیری سے ندربار تک شرقاً" غرباً" ۲۳۰ کوس درج ہے' لیکن آج کل جو سنٹرل انڈیا ایجنسی ہے' اس میں وہ تمام ملک شامل ہے جو ابن بطوطہ مالوہ میں شمار کرتا ہے۔

(۱۷) علا پور۔ یہ شہر کہیں گوالیار کے قریب تھا۔ ایک علاپور بداؤں سے ۸ میل ہے۔ وہ سید علاء الدین بادشاہ دہلی کا آباد کیا ہوا ہے اور ابن بطوطہ کے زمانہ سے پیچھے آباد ہوا ہے۔ یہ علا پور سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر آباد کیا گیا ہوگا۔ آئین اکبری میں ایک قلعہ سرکار گوالیار میں اس نام کا درج ہے۔ اس کا پرانا نام اکھاڑا یا اکھار لکھا ہے اور اغلباً" ابن بطوطہ کا علا پور وہی ہے۔

(۱۸) کنثم و جنتیل۔ اس شہر کا کچھ پتہ نہیں لگ سکتا۔ ممکن ہے کہ جنتیل راجہ کا نام ہو اور کنثم (کوسم) شہر کا نام ہو۔ اس نام کا بہت پرانا شہر جمنا کے کنارے پر الہ آباد سے ۳۳ میل دور واقع تھا۔ اب بھی ایک گاؤں ہے۔ سلطان پور وہاں سے گنگا کے پار ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے۔

(۱۹) راپری۔ اب یہی ایک گاؤں تحصیل شکوہ آباد ضلع مین پوری میں جمنا کے کنارے پر مین پوری سے جنوب مشرق میں ۳۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ کہتے ہیں راؤ زور آور سنگھ نے' جس کا دوسرا نام راپرسین تھا' اس کو آباد کیا تھا۔ اس کی اولاد سے ۱۱۹۴ء میں سلطان محمد غوری نے فتح کیا تھا۔ مسلمانوں کے وقت میں یہ شہر بہت بڑا تھا۔ علاء الدین خلجی کے عہد کے بہت سے مکانات پر کتبے موجود ہیں۔ شیر شاہ اور جہانگیر نے بھی بہت سے مکانات اس جگہ بنوائے تھے۔ جمنا کے دوسری طرف فیسر واقع ہے' جو گھوڑوں کے میلہ کے لیے مشہور ہے۔ یہ ابن بطوطہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے کہ اس نے دہلی سے راپری کا فاصلہ چالیس منزل لکھا ہے' حالانکہ راپری آگرہ سے فقط چالیس میل ہے۔

(۲۰) سلطان پور۔ ممکن ہے کہ سلطان پور سے مراد ہو جو گومتی کے کنارے ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔ یہاں چھٹی صدی ہجری میں بھار راجپوت حکومت کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ دو سید علاء الدین اور محمد نام گھوڑے فروخت کرنے کے لیے وہاں پہنچے تو راجہ نے ان کے گھوڑے چھین لیے اور دونوں سیدوں کو مار ڈالا۔ سلطان علاء الدین غوری نے یہ حال سنا تو اس نے ایک لشکر بھیجا۔ اس وقت اس شہر کا نام کوساپور یا کوسا بھاون پور تھا۔ غوریوں کا لشکر ایک سال تک پڑا رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ آخر سلطان ایک چال چلا۔ اس نے کوساپور کے راجہ کو کہلا بھیجا کہ میں واپس جانا چاہتا ہوں اور اگر تم واپسی کے وقت دق نہ کرو تو میں تم کو بہت کچھ نذرانہ دوں گا۔ راجہ نے منظور کیا۔ سلطان نے پالکیوں میں اسباب اور روپیہ کے بہانہ سے بہت سے جوانوں کو بٹھا دیا۔ اور جب وہ قلعہ کے اندر پہنچ گئے تو یکایک پالکیوں سے مسلح سپاہی کود پڑے اور راجہ اور اس کی فوج کو قتل کر ڈالا۔ شہر کو اجاڑ کر نیا شہر سلطان پور کے نام سے آباد کیا۔ اب یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ دس گیارہ ہزار آدمی کی آبادی ہے۔

(۲۱) قنار۔ کنارہ سے مراد ہے۔

(۲۲) گوالیار کی بابت میں پیچھے ایک حاشیہ لکھ گیا ہوں۔ گوالیر کا قلعہ ایک چٹان پر واقع ہے' جو زمین سے تین سو فٹ اونچی' پونے دو میل لمبی ہے اور کہیں ۶۰۰ فٹ اور ایک جگہ ۲۸۰۰ فٹ چوڑی ہے۔ قلعہ کی دیواریں ۳۰ سے ۳۵ فٹ تک بلند ہیں۔ دیواروں کے نیچے پہاڑی کو اس طرح تراشا ہے کہ نیچے سے اوپر تک ایک دیوار سی کھنچی چلی گئی ہے۔ قلعہ کے شمال کی طرف نیچے پرانا شہر بستا ہے اور جنوب کی طرف ایک میل کے فاصلے پر لشکر ہے۔ قلعہ پر چڑھنے کا راستہ مشرق طرف ہے۔ پہلے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اب آدھ میل لمبی چکردار سڑک ہے۔ مشرق کی طرف آٹھ دروازے ہیں: (۱) عالمگیری دروازہ۔ (۲) بادل گڈھ دروازہ۔ اس دروازہ پر کانسی کا ڈھلا ہوا ایک بیل کھڑا تھا' جس کو ابراہیم لودھی ۱۵۱۸ء میں دہلی لے گیا تھا۔ (۳) ہنڈولہ دروازہ۔ (۴) بھیروں دروازہ۔ (۵) گنیش دروازہ۔ (۶) لچھمن دروازہ (۷) ہتیا پول دروازہ۔ یہ دروازہ راجہ مان سنگھ نے ۱۴۸۶ء لغایت ۱۵۱۶ء میں بنایا تھا۔ کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ ہاتھی جو یہاں تھا' اسی نے بنایا ہوگا لیکن ابن بطوطہ نے اس کو مان سنگھ کے وقت سے بھی پہلے دیکھا تھا۔ معتمد خاں کا منشی ہیرامن لکھتا ہے کہ یہ ہاتھی مظفر خان نے بنایا تھا جو ۱۳۲۸ء سے ۱۳۴۲ء تک اس قلعہ کا حاکم رہا ہے۔ لچھمن دروازہ کے قریب بھی ایک ہاتھی پتھر کا بنا ہوا موجود ہے' لیکن اس کا نیچے کا کل دھڑ کسی نے کاٹ کر کسی بت کا سایہ بان بنا دیا ہے۔ گوالیر کا قلعہ نہایت مضبوط اور ناقابل فتح سمجھا جاتا ہے۔ ابو ریحان بیرونی بھی گوالیر اور کالنجر کے قلعوں کی بابت لکھتا ہے کہ یہ دونوں تھوڑی سی نگہداری کرنے سے مضبوط ہو سکتے ہیں کہ دشمن ان پر غالب نہیں ہو سکتا لیکن محمود کے حملہ کے وقت یہاں کے راجہ نے مقابلہ نہیں کیا اور اطاعت منظور کر لی تھی۔ شمس الدین التمش کے وقت راجہ نے مقابلہ کیا۔ ایک سال کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا اور پھر ابراہیم لودھی نے اس کو دو سال کے محاصرہ کے بعد لیا۔ مغرب کی طرف بعض مقام ایسے ہیں کہ وہاں سے ایک بہادر اور جری دشمن قلعہ کو زیادہ تر آسانی سے فتح کر سکتا ہے۔ میجر پوفم نے ۱۷۸۰ء میں اور جنرل وائٹ نے ۱۸۰۵ء میں اور ۱۸۵۸ء میں لیفٹیننٹ روز نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ کالنجر کی بہ نسبت اس قلعہ میں پانی کا ذخیرہ زیادہ تر کافی ہے۔ مغرب کی جانب ایک گھاٹی ہے' جس کو لاداہی کہتے ہیں' اس میں آٹھ کنویں اور نو باؤلیاں ہیں۔ ان کا پانی بہت شیریں اور پر صحت ہے۔ شمس الدین التمش نے ایک دیوار بنا کر ان چاہات اور باؤلیوں کو قلعہ کے اندر لے لیا تھا۔ ان کے علاوہ قلعہ کے اندر بھی چند تالاب ہیں۔ ان میں سے پرانا سورج کنڈ ہے' جو کہتے ہیں ۱۲۰۰ء میں راجہ بھواپتی نے ایک سورج کے مندر کے ساتھ تیار کرایا تھا۔ (۲) ترکونیا تالاب شمالی گوشہ میں واقع ہے۔ (۳) جوہر تلاؤ شاہجہاں کے محل کے مقابل واقع ہے۔ (۴) ساس بہو کا تلاؤ یہ تالاب اب خشک پڑا ہوا ہے۔ کھرگ رائے بھاٹ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھا وہ تین صدی پرانا ہے۔ (۵) مان سرور قلعہ کے مغرب کی جانب واقع ہے۔ راجہ مان سنگھ کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں اب پانی نہیں ٹھہرتا۔ (۶) رانی تال ۱۵۰۰ء میں راجہ مان سنگھ کی رانی نے بنوایا تھا۔ اس کے متصل چھیدی تالاب ہے' جو اس رانی کی کنیزک نے بنایا تھا۔ فضل علی جو کھرگ رائے اور ہیرامن کی طرح گوالیر کا مورخ ہے' شاہجہاں کے وقت میں لکھتا ہے کہ یہ تالاب خشک پڑا رہتا تھا۔ آخرکار اس کو ایک سرنگ کے ذریعہ سے رانی کے تالاب سے ملا دیا گیا۔ (۷) گنگولہ تلاؤ قلعہ کے وسط میں واقع ہے۔ (۸) کٹورا تلاؤ۔ (۹) ایک کھمب تلاؤ۔ (۱۰) دھوبی تلاؤ۔ (۱۱) نوری ساگر معتمد خاں نورالدین کا بنایا ہوا ہے ۱۶۸۷ء۔ مغرب کی جانب دھونڈہ دروازہ کے مقابل قلعہ کی حد سے باہر نکلا ہوا ایک قید خانہ ہے' جس میں شاہزادے قید میں رکھے جاتے تھے۔ اس کو نوچوکی کہتے ہیں۔ مسلمانی عمارتوں میں جہانگیر اور شاہجہاں کے محل اور ایک نہایت خوشنما جامع مسجد' جو عالمگیری دروازہ کے متصل واقع ہے اور خواجہ محمد غوث گوالیری اور تان سین کے مقبرے ہیں۔ گوالیر کی تین تاریخیں موجود ہیں۔ (۱) کھرگ رائے بھاٹ نے شاہجہاں کے شروع زمانے میں لکھی اور بابل داس نے اس کو ۱۶۴۹ء تک مکمل کیا۔ (۲) فضل علی نے شاہجہاں کے زمانہ میں ایک تاریخ لکھی اور زیادہ تر اس نے ایک برہمن گھنشام کی تاریخ سے ترجمہ کیا ہے۔ (۳) ہیرامن ولد گردھرداس معتمد خاں کے منشی نے ایک مفصل تاریخ ۱۶۶۷ء کے قریب تحریر کی۔ فضل علی کی تاریخ کے مطابق گوالیار کا قلعہ سمت ۳۳۲۔ بکرماجیت میں بنایا گیا۔ روایت چلی آتی ہے کہ اس پہاڑی پر ایک رشی گوالی پا رہتا تھا۔ راجہ سورج سین کچھواہہ جذامی تھا۔ ایک روز شکار میں اس کو پیاس لگی اور وہ رشی کی مڑھ میں پانی پینے آیا۔ رشی نے اس کو پانی دیا تو وہ پانی پیتے ہی اچھا ہوگیا۔ راجہ نے کہا کہ میں شکریہ میں کیا کروں تو رشی نے کہا کہ اس پہاڑی پر ایک قلعہ بناؤ اور جس تالاب کا یہ پانی تھا' اس کو پختہ کرکے وسیع کر دو۔ رشی نے یہ بھی کہا کہ آج سے تیرا نام سوہن پال ہے اور تیری اولاد سے چوراسی راجہ راج کریں گے اور جب تک وہ اپنے نام میں پال لگاتے جائیں گے' راج ان کے پاس رہے گا۔ کھرگ رائے کہتا ہے کہ چوراسی ویں راجہ نے اپنا نام تیج کرن رکھ لیا۔ کہتے ہیں کہ یہ راجہ ۱۱۲۹ء میں دولہہ سے کو راجہ

راجہ کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے گیا اور قلعہ میں اپنے بھانجے پرمل دیو پوار کو چھوڑ گیا۔ بیج کرن کو وہاں ایک سال لگ گیا۔ اتنے میں بھانجے کے دل میں دغا آئی اور اس نے قلعہ واپس دینے سے انکار کر دیا اور خود راجہ ہو بیٹھا۔ التمش کے زمانہ تک پوار راجہ حکومت کرتے رہے۔ ۱۲۳۲ء میں التمش نے ایک سال کے محاصرہ کے بعد اس قلعہ کو فتح کیا۔ اگرچہ اس سے پہلے قطب الدین ایبک نے بھی قلعہ کو فتح کر لیا تھا لیکن اس پر پوار راجہ پھر قابض ہو گئے تھے۔ ۱۲۳۲ء سے لے کر ۱۳۹۸ء تک یہ قلعہ مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں رہا اور اکثر اس کو قید خانہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ تیمور کے آنے سے کچھ دن پہلے اس قلعہ کو تور خاندان کا ایک راجہ بیر سنگھ دیو فریب کے ذریعہ سے دبا بیٹھا اور سید خضر خاں اور اس کے بیٹے کو خراج ادا کرتا رہا' لیکن اس کے بعد جونپور اور مالوہ کے مسلمان بادشاہوں کی رقابت کے سبب سے' جن میں سے ہر ایک گوالیار پر قابض ہونا چاہتا تھا' یہ قلعہ بدستور ہندوؤں کے قبضہ میں رہا۔ راجہ مان سنگھ نے خراج اور نذریں دے کر بہلول اور سکندر لودھی کو خوش رکھا۔ ابراہیم لودھی کا بھائی جلال خاں بغاوت کے بعد اپنے بھائی سے شکست کھا کر راجہ کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ ابراہیم کو بہانہ درکار تھا کیونکہ اس کا باپ اور دادا دونوں اس آرزو میں مر گئے تھے کہ کسی طرح گوالیر کے قلعہ کو مسخر کریں۔ ابراہیم نے خان اعظم ہمایوں کے ماتحت تیس ہزار لشکر بھیجا۔ اس عرصہ میں مان سنگھ مر گیا اور اس کے بیٹے بکرماجیت نے ایک سال کے مقابلہ کے بعد اطاعت منظور کی اور قلعہ کو حوالہ کر کے بادشاہی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم کے ساتھ مارا گیا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد ہمایوں نے آگرہ کی جانب کوچ کیا۔ یہ قلعہ ان دنوں میں راجہ بکرماجیت کے سپرد تھا۔ مقابلہ کے بعد بکرماجیت کی اولاد اور رانیوں نے کہیں نکل جانے کا بندوبست کیا' لیکن وہ سب گرفتار ہو گئے۔ ہمایوں نے ان کے ساتھ شریفانہ سلوک کیا۔ انہوں نے اس احسان کے شکریہ میں اس کو وہ مشہور ہیرا دیا' جو وزن میں تین سو تیس رتی تھا اور جس کی بابت بعض مصنف یہ بیان کرتے ہیں کہ کوہ نور وہی ہے۔ یہ ہیرا پہلے سلطان علاء الدین خلجی مالوہ کے بادشاہ کے پاس تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رانا سانگا والی چتوڑ اور سلطان کی لڑائی کے وقت گوالیار کا راجہ رانا کا معاون ہوگا۔ لہٰذا اس وقت یہ ہیرا اس کے ہاتھ آ گیا ہوگا۔ بابر نے فوراً رحیم داد خان اپنے ایک افسر کو گوالیر کے قلعہ کی تسخیر کے لیے بھیجا اور اس نے آخر کار شیخ محمد غوث کی مدد سے قلعہ کو تاتار خاں کے قبضہ سے لے لیا۔ اس کے بعد دو دفعہ منگت رائے اور رام سہائے تور نے قلعہ پر قبضہ کرنے کی

کوشش کی لیکن سود مند نہ ہوئی۔ بکرماجیت کا بیٹا رام سہائے چتوڑ میں رانا کا پناہ گزیں ہوا۔ چتوڑ کی فتح کے بعد اس کے بیٹے سالباہن نے اکبر کی ملازمت اختیار کر لی تھی اور گوالیر کا خیال چھوڑ دیا۔ مغل گورنروں میں سے مظفر خاں خان جہان و سید عالم اور معتمد خاں نے قلعہ کی تعمیر اور مضبوط کرنے میں نہایت کوشش کی ہے۔ عالمگیری دروازہ کے پاس جو خوشنما مسجد ہے' وہ معتمد خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ کرنل سلیمن صاحب لکھتے ہیں کہ یہ مسجد ایسی خوبصورت بنی ہوئی ہے کہ گویا اس پر سے تاج معمار اترے ہیں۔ ایک اور مسجد قلعہ کے وسط میں گوالی پا کے مندر کو توڑ کر معتمد خاں نے بنوائی تھی۔ اب اس جگہ سندھیا کا بالا قلعہ ہے۔ اس مسجد کی تاریخ منشی ہیرامن نے اپنی تاریخ میں درج کی ہے۔

در زمان خدیو عالمگیر — نور بخش جہاں چو بدر منیر
شد الحمد کیں بجز مقام — معتمد خاں ز صدق کرد تمام
بود بت خانہ گوالی زشت — مسجدے ساختہ چو کنگ بہشت
خان روشن دل و سراپا نور — نور حق کرد روشنی چو ظہور
کرد مسمار خانہ طاغوت — آفریں شد ز ملک تا ملکوت
نور چوں دور کرد ظلمت دیر — گفت ہاتف کہ نور باد بخیر

اسی معتمد خاں نے قحط کے ایام میں عوام کی خبر گیری میں اعلیٰ درجہ کی طاقت دکھائی اور عالمگیری دروازہ اور بادل گڈھ کے پاس کچہری کا مکان بھی اسی کا بنایا ہوا ہے۔ دروازہ کی تاریخ حسب ذیل ہے۔

زمان تجسۃ عالمگیر — کہ ز فیضش زمانہ یافت مراد
معتمد خاں ز فطرت عالی — در دولت بروئے قلعہ کشاد
گفت ہاتف ز سال تاریخش — باد دایم مکان فیض آباد

سلاطین مغلیہ کے زوال کے زمانہ میں گوہد کے جاٹ رئیس نے قلعہ پر قبضہ کر لیا' لیکن ۱۷۶۵ء میں مادھو جی سندھیا نے اس سے یہ قلعہ چھین لیا۔ ۱۷۸۴ء سے اس پر سرکار نے قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں وہاں کی فوج بھی باغی ہو گئی تھی' لیکن اگلے سال پھر قلعہ فتح کیا گیا اور لارڈ ڈفرن کے زمانہ تک سرکار انگریزی کے قبضہ میں رہا۔ اس سال شہر جھانسی کے ساتھ اس کا تبادلہ کر لیا گیا۔ اس تبادلہ کرنے میں سرکار انگریزی نے مہاراجہ گوالیار پر بہت بڑی مہربانی کی ہے کیونکہ گوالیر اور اجمیر کے قلعوں کا قبضہ راجپوتانہ اور مالوہ میں ہمیشہ بادشاہان ہند کی طاقت کی علامت سمجھا گیا ہے اور اس لیے ہر ایک بادشاہ نے اس قلعہ کو

اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۴۳) برون۔ اس نام کا بھی آج کل کوئی شہر نہیں لیکن آئین اکبری میں جو ایک محال اور قلعہ برونی نام سرکار نرور صوبہ آگرہ میں درج ہے' وہ اغلباً یہی شہر ہے کیونکہ گوالیار سے جو سڑک مئو کو جاتی ہے' وہ اب بھی نرور کے علاقہ میں سے گزرتی ہے اور ابن بطوطہ کا رستہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ نرور گوالیار میں دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ دریائے چنبل سے چند میل پرے جنوب کی طرف جمنا میں مل جاتا ہے۔

(۴۴) جوگی۔ داستان کا مصنف کیخسرو بن آذر کیوان پارسی (دارا شکوہ کا ہم عصر تھا) جوگیوں کی بابت اس طرح لکھتا ہے: "جوگیان طایفہ اند در ہند معروف۔ جوگ در لغت سنسکرت بہ معنی ست وایں گروہ خود را واصلان حق گیرند و خدا را الکہ گویند۔ و در اعتقاد ایشاں برگزیدہ حق بلکہ عین حق گورکناتھ است و نزد ایشاں برہما و بشن و مہیش ہم از شاگرداں گورکھناتھ ہستند وایں طائفہ دو ازدہ پنتھ اند ...... و بعضے از ایشاں نزد مسلمانان مقید صوم و صلوٰۃ باشند و بیش ہندوان بدیں آں گروہ عمل کنند و ہیچ چیز از محرمات در کیش ایں گروہ حرام نباشد حتیٰ کہ آدمی را نیز ہم بکشند و بخورند۔ و در طریق ایشاں گرفتن دم (حبس نفس) بسیار خوب ست چنانکہ در پارسیان بزدانی و در ہندوان و پارسیان برتر ازیں عبادت نیست۔ چوں کسے آہنگ نگاہ داشتن دم کند (عملاً) و خورش شور و تلخ و ترش و از محبت پرہیز واجب دانند بس بدیں کار رو آورند و بدانند کہ از نشست گاہ تا تارک ہفت پایہ است کہ پارسیان آنرا ہفت خواں و جوگیان ست چکر گویند ...... و یا در اوہ گونہ شناختند و ایشاں معرفت آں ضروری ست با فوقانی و تحتانی ست کہ ہندی آنرا ریان و پران و پارسی آلائی و پاسائی گویند ...... پسندیدہ ترین آسن ہا نزد ایشاں کمت آسن است و طرز نشستن آنکہ پاشنہ پائے چپ بر در مقعد گزارد و پاشنہ دیگر بر فراز آلہ تناسل و تن راست کند و چشم بر ہم زند و درمیان دو ابرو بنگرد پس مقعد را حرکت دہد و باد بچیں زیادہ فرازیں بسوئے بالا کشد و پایہ بپایہ بالا ببرد تا بسر رساند ...... حاصل ایں نزد ایشاں تواند پیدن و بیمار نشود و از مرگ بر ہرو گر سخت و تشنہ گرو و در تیغ بدن تواند کرد و باز بتن تواند پیوست و قادر بود بر جمیع کارہا و ۔عقیدہ جمع از ہندوان ہر کس خداوند ایں کردار باشد حق مطلق گردد۔ نامہ نگار چنداں از جوگیان دیدہ کہ نامہ وسعت بیان آں ندارد۔ در جوگیان رسم ست کہ چون مرض یہ ایشاں برتری یابد خویش را زندہ دفن نمایند"۔

(۴۵) کفتار۔ کفتار لغت میں جرک کو کہتے ہیں' جس کی ہڈیاں چلتے ہوئے بولا کرتی ہیں اور چونکہ یہ مشہور ہے کہ ڈائنوں اور جادوگروں کی یہ جانور سواری ہے' اس لیے ڈائن کو بھی کفتار کہنے لگے۔ آئین اکبری میں ابوالفضل نے صوبہ سندھ کے ذکر میں ڈائن یا جگر خوار کا مفصل حال لکھا ہے۔ چونکہ ابوالفضل کی فارسی خانہ ساز اور اس لیے غیر متعارف ہے' میں اس کا ترجمہ اردو میں کرتا ہوں۔ ابن بطوطہ کا بیان بھی ابوالفضل سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ "جگر خوار وہ آدمی ہوتا ہے جو جادو اور نظر کے زور سے دوسرے آدمی کا کلیجہ نکال لیتا ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ طاقت ان میں ہمیشہ نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھی وارد ہوتی ہے۔ اس وقت جس شخص پر اس کی نظر جا پڑتی ہے' وہ بیہوش ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ انار دانہ کے مشابہ کوئی چیز اس آدمی میں سے نکالتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اس کو اپنی پنڈلی میں گوشت کے اندر چھپا لیتا ہے اور وہ آدمی اسی وقت بے خبر ہو جاتا ہے۔ جب اس کا علاج کر چکتے ہیں اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا تو جگر خوار اس دانہ کو آگ پر رکھتا ہے۔ وہ پھول کر اور پھیل کر طباق کی مانند ہو جاتا ہے۔ جگر خوار اس میں سے کچھ خود کھاتا ہے اور کچھ اور جگر خواروں کو تقسیم کر دیتا ہے۔ اس وقت وہ شخص مر جاتا ہے۔ جگر خوار کو یہ بھی طاقت ہے کہ جس کسی کو چاہے اپنی مانند بنا لیتا ہے۔ اس کو کچھ تو منتر سکھاتا ہے اور جگر کا ٹکڑا کھلاتا ہے۔ جب جگر خوار کو گرفتار کر لیتے ہیں تو اس کی پنڈلی چیر کر یہ دانہ نکال لیتے ہیں اور شخص ماؤف کو کھلا دیتے ہیں' وہ فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ اکثر عورتیں جگر خوار ہوتی ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ دور دراز فاصلے کی چیز اسی جگہ بیٹھی ہوئی بتا دیتی ہیں اور اگر پاؤں باندھ کر ان کو دریا یا تالاب میں ڈبو دیں تو نہیں ڈوبتیں۔ جگر خوار کا علاج یہ بتاتے ہیں کہ اس کی آنکھوں میں نمک بھر کر اور دونوں پٹ پڑلوں پر داغ لگا کر چالیس دن تک کسی سرداب میں لٹکا دیں۔ بے نمک کا کھانا کھانے کو دیں۔ ان دنوں میں اس کو ڈاکچھ بولتے ہیں۔ اس کے بعد اس میں جگر خواری کی طاقت نہیں رہتی' لیکن وہ اور ڈائنوں کو پہچان لیتی ہے۔ ابوالفضل نے اس تمام خرافات پر کہیں اعتراض نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی یقین تھا۔ باوجودیکہ خود اجتہاد کا دعویٰ کرتا تھا اور بادشاہ سے خدائی کا دعویٰ کروا دیا تھا' لیکن یہ نہ سمجھے کہ جب کسی آدمی کو پیر باندھ کر دریا میں ڈال دیں گے تو وہ اول تو ضرور ڈوب جائے گا' اگر کسی اتفاق سے باہر بھی آ جائے گا تو جگر خوار سمجھا جائے گا۔ بہر صورت اس کی سزا موت ہوگی۔ یہ پہچان ہی جو بیان کی گئی ہے' کافی گواہ ہے کہ یہ تمام بناوٹ ہے اور جس غریب پر یہ شبہ ہو جائے' وہ کسی طرح بن آئی موت سے بچ نہیں سکتا۔

(۴۶) قحط۔ بڑے بڑے قحط جن کا حال تاریخوں میں درج ہے، اس جگہ تفصیل کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر دہلی گزیٹر کے مولف نے ذکر کیے ہیں، مگر مندرجہ ذیل فہرست میں بہت سے میں نے تاریخیں دیکھ کر زیادہ کر دیے ہیں۔

۱۔ ۷۳۹ھ لغایت ۷۴۲ھ سلطان محمد تغلق شاہ کے زمانہ میں۔

۲۔ ۸۰۱ھ امیر تیمور صاحبقران کے دہلی سے واپس جانے کے بعد۔

۳۔ ۸۱۷ھ سلطان محمود شاہ تغلق و خضر خاں کے زمانہ میں۔

۴۔ ۸۲۷ھ سید مبارک شاہ کے ایام حکومت میں۔

۵۔ ۹۶۲ھ سلطان محمد عادل کے ایام حکومت میں۔

۶۔ ۱۶۳۱ء شاہجہاں بادشاہ کے ایام حکومت میں۔

۷۔ ۱۶۶۱ء اورنگ زیب عالمگیر کے ایام حکومت میں۔

۸۔ ۱۷۳۹ء محمد شاہ کے ایام حکومت میں۔

۹۔ ۱۷۷۰ء شاہ عالم ثانی کے ایام حکومت میں۔

۱۰۔ ۸۴ – ۱۷۸۳ء لارڈ ہیسٹنگز کے ایام حکومت میں۔

۱۱۔ ۰۴ – ۱۸۰۳ء مارکوئس ویلزلی کے ایام حکومت میں۔

۱۲۔ ۱۴ – ۱۸۱۳ء مارکوئس آف ہیسٹنگز کے ایام حکومت میں۔

۱۳۔ ۱۸۱۹ء مارکوئس آف ہیسٹنگز کے ایام حکومت میں۔

۱۴۔ ۱۸۲۵ء لارڈ ایمہرسٹ کے ایام حکومت میں۔

۱۵۔ ۱۸۲۸ء لارڈ ولیم بینٹنک کے ایام حکومت میں۔

۱۶۔ ۳۸ – ۱۸۳۷ء لارڈ آکلینڈ کے ایام حکومت میں۔

۱۷۔ ۱۸۳۸ء لارڈ ڈلہوزی کے ایام حکومت میں۔

۱۸۔ ۶۱ – ۱۸۶۰ء لارڈ کیننگ کے ایام حکومت میں۔

۱۹۔ ۱۸۶۵ء لارڈ لارنس کے ایام حکومت میں۔

۲۰۔ ۱۸۶۸ء لارڈ لارنس کے ایام حکومت میں۔

۲۱۔ ۱۸۷۷ء لارڈ لٹن کے ایام حکومت میں۔

۲۲۔ ۹۷ – ۱۸۹۶ء لارڈ ایلگن کے ایام حکومت میں۔

(۴۷) سحر کی بابت شریعت کا جو حکم ہے، وہ ہم کتاب رحمت الامہ فی اختلاف الائمہ سے نقل کرتے ہیں:

جادو۔ عملیات اور منتر اور گنڈے ہوتے ہیں، جو جسم اور دل پر اثر پذیر ہوتے ہیں۔ ان کے سبب سے آدمی مریض ہو جاتا ہے اور خاوند و عورت میں جدائی پڑ جاتی ہے اور قتل کیا جاتا ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک سحر کی حقیقت ہوتی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ سحر کی حقیقت کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی تاثیر جسم میں نہیں ہوتی۔ ابو جعفر استر آبادی شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ سحر کا سیکھنا سب کے سب حرام سمجھتے ہیں۔ جو شخص سحر سیکھتا ہے یا سیکھتا ہے، اس کے حق میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام احمد کہتے ہیں کہ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ اگر اپنے تئیں بچانے اور حفاظت کرنے کی نیت سے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا، لیکن اگر اس نیت سے سیکھے گا کہ سحر جائز یا نافع ہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بھی اعتقاد رکھے گا کہ شیاطین جو چاہیں ساحر کے لیے کر سکتے ہیں، تو بھی کافر ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں جو شخص سحر کی تعلیم کرتا ہے، اس کو کہنا چاہیے کہ اپنے سحر کا بیان کر۔ اگر وہ کوئی ایسی بات بیان کرے، جیسا کہ اہل بابل کا اعتقاد تھا، یعنی ہفت سیارات میں کسی کے ساتھ تقرب یا ان سے مدد طلب کرنا تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر ایسی بات ہو، جس سے کفر لازم نہیں آتا تو اسی شکل میں کافر ہوتا ہے جب اس کو جائز سمجھے۔ اب سوال یہ ہے کیا ساحر کو مجرد اس کی تعلیم کرنے اور استعمال کرنے کے قتل کر دیا جائے یا نہیں۔ امام مالک اور امام احمد کہتے ہیں کہ فوراً قتل کر دیا جائے۔ اگر اس نے کسی کو اپنے سحر سے قتل کیا ہے تو سوا امام ابوحنیفہ کے، سب امام اس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر وہ پھر دوسری بار کسی کو قتل کرے، تو قتل کیا جائے گا اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ جب تک وہ خود اقرار نہیں کرے گا کہ اس نے جادو سے قتل کیا ہے، قتل نہیں کیا جائے گا۔ جادوگر عورت کی بابت تینوں اماموں کا حکم ہے قتل کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ قتل نہیں کی جائے گی، فقط قید کی جائے گی۔ سحر اور ساحر کی بابت حنفیوں کی متداول کتابوں میں کچھ درج نہیں اور عملاً سحر اور ساحر سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی اور اسی لیے ابن بطوطہ نے ڈائن کی بابت کوئی حکم نہیں دیا اور جاہل حاکم نے اس کو خلاف شریعت مار ڈالا، حالانکہ تہذیب یافتہ انگلینڈ کے قانون کی کتابوں میں سو برس پہلے تک جادوگر کی سزا موت تھی اور بعض دفعہ اس پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔

(۴۸) اسواری۔ اب کچھ پتہ نہیں لگتا لیکن آئین اکبری میں اس نام کا ایک شہر جالواں کی سرکار میں درج ہے، جو یہی ہے جس کا ذکر ابن بطوطہ کرتا ہے۔ جالواں کی

سرکار چندیری کے مشرق میں تھی۔

(۲۹) کجراؤ۔ ابن بطوطہ کی مراد کجراؤ سے ہے جو چھترپور سے مشرق میں ۲۷ میل کے فاصلے پر اور پنا سے ۲۵ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ اول ہی اول اس شہر کا ذکر ابوریحان بیرونی نے کیا ہے جو ۱۰۲۲ء میں کالنجر کے حملہ میں محمود غزنوی کے ساتھ تھا۔ اس نے اس کا نام کجوراہہ لکھا ہے۔ قنوج سے جنوب مشرق میں ۳۰ فرسخ کے فاصلے پر لکھا ہے لیکن صحیح سمت جنوب ہے اور فاصلہ بھی دو چند یعنی ۱۸۰ میل ہے۔ جس تالاب کا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے' وہ اب بھی موجود ہے۔ اس کو کھجور ساگر کہتے ہیں اور اب بھی اس کے گرداگرد بے شمار بت خانے موجود ہیں۔ ابوریحان نے اس کو جھوتی کے ملک کا پائے تخت لکھا ہے۔ جھوتی بند ھیلکھنڈ کا پرانا نام تھا۔ اب کجراؤ محض ایک گاؤں ہے' لیکن کھنڈرات پونے چار میل کے رقبہ میں پائے جاتے ہیں۔ کالنجر سے پہلے یہ شہر چندال راجپوتوں کا دارالخلافہ تھا۔ محمود کے حملات سے بچنے کے لیے راجہ کالنجر میں چلا گیا۔ آئین اکبری میں کجراؤ کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں وہ بالکل بے حیثیت گاؤں ہو گیا لیکن یہاں میں شوراتری کے دن اب بھی ایک بڑا بھاری میلا ہوتا ہے اور ہزارہا ہندو جاتے ہیں۔ پانچ چھ میل کے اندر ہجوم ہوتا ہے۔

(۳۰) چندیری۔ یہ شہر اب فقط ایک گاؤں کے برابر رہ گیا ہے۔ بیتوا ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ گوالیار سے ۱۰۵ میل' آگرہ سے ۱۶۰ اور دہلی سے ۲۸۰ میل دور ہے۔ ایک تحصین قلعہ اب بھی پہاڑی پر واقع ہے۔ پہلے زمانہ میں یہ قلعہ بڑا مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ بابر بادشاہ نے اپنی تزک میں قلعہ اور اس کے گرد و نواح کا مفصل بیان کیا ہے۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ کسی زمانے میں اس شہر میں چودہ ہزار پتھر کے محل اور تین سو چوراسی بازار اور تین سو ساٹھ سرائیں اور بارہ ہزار مسجدیں تھیں۔ اس گنتی میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مندر اس قدر بڑا تھا کہ اس میں نقارہ بجاتے تھے تو اس کی آواز باہر نہیں نکلتی تھی۔ بابر کہتا ہے کہ میں نے اس قلعہ کو تین گھڑی میں فتح کر لیا تھا۔ یہ شہر سرکار انگریزی نے جھانسی کے عوض لے لیا تھا۔

(۳۱) دھار۔ آئین اکبری میں درج ہے کہ دھار راجہ بھوج کا پائے تخت تھا۔ یہاں انگور دو دفعہ پھل دیتا ہے۔ پہلا پھل شیریں ہوتا ہے۔ پہلے پواروں کا دارالخلافہ اجین تھا۔ راجہ بھوج نے دھار کو اپنا پائے تخت بنایا۔ موجودہ راجہ بھی اپنے تئیں بکرماجیت کی اولاد سے بتاتا ہے۔ ۱۵۰۰ء کے قریب پواروں کا خاندان ضعیف ہو گیا تھا اور دکن میں پوتا کی

طرف چلا گیا تھا۔ مسلمانوں کے وقت میں اول میں مالوہ کا دارالخلافہ دھار تھا' بعد میں منڈو مقرر ہوا۔ اب دھار ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ شہر کی آبادی سولہ سترہ ہزار کے قریب ہے۔ مئو اور بڑودہ کی سڑک پر مئو سے ۳۳ میل مغرب کی جانب اور بڑودہ سے ۱۸۳ میل مشرق کی طرف ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں یہ شہر بہت بڑا تھا۔ اب بھی سنگ سرخ کی دو مسجدیں مرمت طلب حالت میں موجود ہیں۔

(۳۲) خربزہ کی بابت قزوینی لکھتا ہے۔ مصنف کتاب فلاحت نے لکھا ہے کہ اگر خربوزہ کے بیج کو شہد اور دودھ میں بھگو لیں اور اس کے بعد بو دیں تو نہایت شیریں پھل لگے گا اور اگر بیجوں کو گلاب کے پھولوں میں دبا دیں اور پھر اس کو بو دیں تو پھل میں گلاب کی خوشبو ہو گی۔ عجائب المخلوقات صفحہ ۳۴' جلد دوم۔ خربزہ کے اصلی معنے "دھوپ کی پکی ہوئی شے" ہیں۔

(۳۳) اجین۔ دریائے سپرا پر واقع ہے۔ یہ شہر مالوہ کا قدیم دارالخلافہ تھا۔ اب گوالیار کی ریاست میں داخل ہے۔ موجودہ آبادی پینتیس ہزار ہے۔ علاء الدین خلجی نے اس شہر کو فتح کیا۔ ۱۳۸۷ء سے ۱۵۳۱ء تک مالوہ کے بادشاہ خود سر رہے۔ بہادر شاہ بادشاہ گجرات نے مالوہ کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۵۶۱ء میں اکبر بادشاہ نے اس کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کیا۔ ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب اور دارا شکوہ کی لڑائی اسی شہر کے نواح میں ہوئی۔ ۱۷۹۲ء میں ہولکر نے شہر کو جلا دیا۔ ۱۸۱۰ء تک یہ شہر سندھیا کا دارالخلافہ رہا' اس کے بعد گوالیر پائے تخت مقرر ہوا۔ اس شہر سے ہندو ہیئت داں طول شمار کرتے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں راجہ جے سنگھ نے ایک رصدگاہ بھی بنوائی تھی۔ موجودہ شہر کا محیط ۶ کوس ہے۔ پرانے شہر کے کھنڈرات ایک میل کے فاصلے پر شمال میں پائے جاتے ہیں۔

(۳۴) ابن بطوطہ دولت آباد کیوں گیا؟ اس موقع پر یہ امر غور طلب ہے کہ اجین سے ابن بطوطہ کو کھمبایت جانا تھا۔ اجین سے کھمبایت بڑودہ ہو کر دو سو میل کے قریب ہے لیکن بجائے سیدھا جانے کے ابن بطوطہ پہلے دولت آباد گیا ہے۔ دولت آباد اجین سے جنوب کی طرف سوا دو سو میل ہے گویا ساڑھے چار سو میل کا چکر لگا کر نندوربار ہوتا ہوا پھر ساگر میں آگیا ہے جو اجین کی نواح میں واقع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پھر اس نے وہی بڑودہ کا رستہ اختیار کیا ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس چکر کاٹنے کے کیا معنی ہیں۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سیدھا راستہ پر خوف تھا کیونکہ آخر کار وہ پھر اسی رستہ سے گیا ہے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ اکیلا دولت آباد کو دیکھنے کے لیے چلا گیا ہو کیونکہ پیچھے ہم لکھ آئے ہیں

کہ جب ابن بطوطہ کول کے قریب گم ہو گیا تھا تو بادشاہی حکم یہ آیا تھا کہ اگر ابن بطوطہ مر گیا ہو تو دولت آباد کے قاضی کو سفارت کے ساتھ لے لینا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفارت کا رستہ دولت آباد ہو کر مقرر کیا گیا تھا اور اس طرح کوئی اطمینان دلانے والی توجیہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ پہلے کول اور قنوج کا جانا بے معنی تھا ایسا ہی یہ دولت آباد کا جانا ایک معمہ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ چینی سفارت کو جو ان کے ساتھ تھی قنوج اور دولت آباد دکھانے کے لیے یہ رستہ مقرر کیا گیا ہو۔

(۳۵) دولت آباد دیوگیر۔ اب یہ شہر نظام حیدر آباد کی ریاست میں اورنگ آباد سے ۱۰ میل کے فاصلے پر اور بمبئی سے ۱۷۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے موجودہ آبادی ایک گاؤں کے برابر ہے اور ڈیڑھ ہزار کے قریب ہوگی۔ قلعہ کو اب بھی دیوگری کہتے ہیں۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی چٹان پر واقع ہے۔ اس کی بیرونی دیوار کا حلقہ پونے تین میل ہے۔ سب سے اوپر ایک چبوترہ بنا ہوا ہے جو ۲۴۰ فٹ بلند ہے۔ یہ پہاڑی جس پر قلعہ ہے زمین سے چھ سو فٹ بلند ہے۔ ۱۲۹۴ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے اس شہر کو فتح کیا۔ اس وقت یہاں کا راجہ خاندان یدو سے رام چند تھا۔ علاء الدین نذرانہ لے کر واپس ہو گیا تھا۔ راجہ نے اطاعت قبول کر لی تھی لیکن پھر بغاوت کی اور ملک کافور نے ۱۳۰۶ء میں پھر اس شہر کو فتح کیا اور راجہ کو پکڑ کر دہلی لے گیا۔ بادشاہ نے اس کی اچھی توقیر کی اور اس کو واپس بھیج دیا لیکن اس کے بیٹے شنکر نے پھر بغاوت کی۔ ملک کافور نے شہر کو دوسری دفعہ فتح کیا اور شنکر مارا گیا۔ دولت آباد کے قلعہ میں کافور نے بادشاہی لشکر چھوڑ دیا۔ تھوڑے دن کے بعد ہرپال نے جو راجہ کا داماد تھا پھر بغاوت کی لیکن مبارک خلجی نے اس کو شکست دے کر زندہ جلوا دیا۔ ۱۳۲۸ء میں محمد شاہ تغلق نے دہلی کو اجاڑ کر اس شہر کو آباد کیا یہ مقام دہلی سے پورا ۸۰۰ میل ہے محمد تغلق کی زندگی ہی میں یہ قلعہ باغیوں نے چھین لیا اور ۱۵۲۶ء تک سلاطین بہمنیہ کے قبضہ میں رہا۔ ان کے بعد احمد نگر کے نظام شاہی سلاطین کے قبضہ میں رہا۔ ان سے عالمگیر بادشاہ نے چھین لیا۔ ۱۷۲۸ء سے وہ نظام حیدر آباد کے قبضے میں چلا آتا ہے جس وقت ۷۳۳ھ میں ابن بطوطہ دولت آباد پہنچا تھا اس وقت تک یہ شہر آباد تھا۔ ۷۴۲ھ میں بادشاہ نے دہلی کے باشندوں کو واپس آنے کی اجازت دی ہے۔

(۳۶) نذر بار۔ حال میں اس کو نندر بار کہتے ہیں۔ ضلع خاندیس احاطہ بمبئی میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے یہ تحصیل دریائے تاپتی کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ آئین اکبری میں صوبہ مالوہ میں ایک سرکار نذر بار نام کی درج ہے اور ایک شہر بھی ہے۔ یہ مالوہ کی مغربی سرکار تھی۔ ابو الفضل نے لکھا ہے یہاں کا خربوزہ بہت مشہور ہوتا ہے۔ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ملک کافور دیول دیوی کے لینے کے لیے گیا تو اس وقت اس نے سلطان پور اور نذر بار۔ دو شہر آباد کیے تھے۔ اب نندر بار میں روایت مشہور ہے کہ اس نے سلطانپور اور نندر بار دو شہر آباد کیے تھے۔ اب نندر بار کی موجودہ آبادی آٹھ سات ہزار سے زیادہ نہیں لیکن کسی زمانے میں یہ بہت بڑا شہر تھا اور تجارت گاہ تھا یہاں ایک گھاس کا تیل نکالتے ہیں جس کو اودیا کہتے ہیں وہ وجع مفاصل میں بہت مفید ہوتا ہے ۱۶۶۶ء میں یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک تجارتی کوٹھی بھی تھی جو پیچھے احمد آباد کو منتقل کر دی گئی۔ باجی راؤ کے عہد حکومت میں یہ شہر غیر آباد ہو گیا اور جب ۱۸۱۸ء میں وہ سرکار انگریزی کے قبضہ میں آیا تو تقریباً" بے چراغ تھا۔ چند پرانی مسجدیں اور عمارات اب تک موجود ہیں۔

(۳۷) ساگر۔ یہ ساگر اعلیٰ" وہ شہر ہے جو اب بھی مو اور آگر کی چھاؤنیوں کے قریب علاقہ اجین میں واقع ہے۔

(۳۸) کھمبایت۔ ۱۲۹۷ء میں جب مسلمانوں نے نہروالہ کے راج کو مفتوح کیا تو یہ شہر اس حوالی میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا اس سے پہلے اس شہر میں پارسیوں کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ انہوں نے شہر پر اپنا قبضہ کر لیا تھا جب ساتویں صدی عیسوی کے اخیر میں پارسی ایران سے ہندوستان میں آئے وہ سنجم میں پہنچے جو سورت سے ۷۰ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہاں کے راجہ نے ان کو اس شرط پر اس ملک میں آباد ہونے کی اجازت دی کہ وہ گجراتی زبان بولیں گے اور گائے کا کھانا چھوڑ دیں گے وہاں سے رفتہ رفتہ پارسی گجرات کے تمام ساحل پر پھیل گئے۔ اب یہ شہر ایک نواب کے ماتحت ہے جو مومن خاں صوبہ دار گجرات کی اولاد سے ہیں کھمبایت کے نوابوں نے مرہٹوں کو کبھی خراج نہیں دیا حالانکہ کل گجرات کو مرہٹہ سرداروں نے تقسیم کر لیا تھا۔ یہ شہر مئو سے ۲۰۲ میل اور احمد آباد سے ۵۲ میل ہے۔ موجودہ آبادی چالیس ہزار کے قریب ہے۔ اس شہر کی جامع مسجد سلطان محمد تغلق کے زمانہ کی بنی ہوئی اب بھی موجود ہے مارکو پولو نے بھی اس شہر کا ذکر کیا ہے۔

(۳۹) کاوی اور گندھار۔ یہ دونوں بندر اب نیست و نابود ہو گئے ہیں۔ ابو الفضل کے زمانہ تک موجود تھے چنانچہ آئین اکبری میں یہ درج ہے۔ بھروچ کا قلعہ بہت عمدہ ہے۔ اس کے قریب نربدا کا دریا سمندر میں شامل ہوتا ہے۔ یہ بندر بہت بڑا شمار کیا جاتا ہے گندھار اور کاوی۔ ہانسوت کے بندر اس کے توابع میں شمار کیے جاتے ہیں یہ سب بندر

زیدا کے دہانہ کے پاس واقع تھے۔ گندھار کی نسبت ابو الفضل لکھتا ہے۔ "بندر رست واکثر سفر گاہ جہاز ست"۔

باب (۹)

مغربی ساحل پر جہاز کا سفر

(۱) جہاز میں سوار ہونا

اس شہر سے ہم سمندر میں سوار ہوئے۔ ہم ناخدا ابراہیم کے جہاز جاگیر نام میں سوار ہوئے اور تحفہ کے گھوڑوں میں سے ستر گھوڑے بھی ہم نے اس میں سوار کرلئے اور باقی گھوڑے اور نوکر ابراہیم کے بھائی کے جہاز میں جس کا نام منورت تھا سوار ہوئے رائے جالسی نے ہمیں ایک جہاز دیا اس میں ظہیر الدین کے گھوڑے اور سنبل اور ان کے نوکر چاکر سوار ہوئے رائے جالسی نے ہمارے لیے پانی زادراہ اور چارہ مہیا کردیا اور ایک جہاز میں جس کا نام عکیری تھا اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ کیا۔ وہ غراب کشتی کے مشابہ تھا لیکن اس سے بڑا تھا اس جہاز میں ساٹھ چپو تھے لڑائی کے وقت جہاز پر چھت ڈال لیتے تھے جس سے چپو والوں کو تیر یا تیر نہیں لگ سکتا تھا۔ جہاز جاگیر میں جس میں میں سوار تھا پچاس تیر انداز اور پچاس حبشی سپاہی تھے۔ یہ لوگ اس سمندر کے مالک ہیں اگر کسی جہاز میں ان میں سے ایک آدمی بھی ہوتا ہے تو ہندو چور اور باقی اس کو کچھ نہیں کہتے۔

ساتھ میں بھی تھا اس کی تفصیل میں آئندہ بیان کروں گا۔ اس جزیرہ سے چل کر ہم ایک چھوٹے جزیرہ میں پہنچے جو خشکی کے بالکل قریب تھا اس میں ایک گرجا گھر اور ایک باغ اور پانی کا ایک حوض تھا وہاں میری ملاقات ایک جوگی سے ہوئی وہ ایک بت خانہ کی دیوار سے تکیہ لگائے دو بتوں کے بیچ میں بیٹھا اور اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ریاضت اور مجاہدہ بہت کچھ کیا ہے ہم نے اس کے ساتھ باتیں کیں تو اس نے جواب نہ دیا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کے پاس کچھ کھانے کے لیے ہے یا نہیں تو کچھ نظر نہ آیا اس نے اسی وقت ایک چیخ ماری تو فوراً اس کے سامنے ایک ناریل درخت سے ٹوٹ کر آ پڑا وہ ناریل اس نے ہمیں دیا۔ ہمیں نہایت تعجب ہوا۔ اس کو ہم نے دینار اور درہم دیئے اس نے نہ لیے پھر ہم نے اسے کھانے کی چیزیں دیں وہ بھی اس نے نہ لیں اس کے سامنے ایک چغہ اونٹ کی اون کا پڑا ہوا تھا میں نے اس کو الٹ کر دیکھا تو اس نے وہ مجھے دے دیا میرے ہاتھ میں زیلع (عدن کے مقابل افریقہ کے ساحل پر ایک شہر ہے) کی بنی ہوئی ایک تسبیح تھی اس نے اس کے دانے الٹ پلٹ کر دیکھے میں نے وہ تسبیح اس کو دے دی اس نے اس کو ہاتھ میں لے کر سونگھا اور اس کو رکھ لیا اور آسمان کی جانب اشارہ کیا اور پھر قبلہ کی طرف اشارہ کیا میرے ہمراہی کچھ نہ سمجھے کہ کیا کہتا ہے میں سمجھ گیا کہ وہ مسلمان ہے اور جزیرہ کے باشندوں کے خوف سے اپنے اسلام کو مخفی کیا ہوا ہے اور ناریل کھا کر گزارہ کرتا ہے جب ہم اس سے رخصت ہوئے تو میں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا میرے ہمراہی ناراض ہوئے وہ سمجھ گیا اس نے بھی میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور مسکرایا اور ہمیں اشارہ کیا چلے جاؤ ہم چل پڑے۔ میں سب سے پیچھے تھا اس نے میرا کپڑا کھینچا میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو اس نے مجھے دس دینار دیئے جب ہم باہر آ گئے تو میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ تیرا کپڑا پکڑ کر اس جوگی نے کیوں کھینچا تھا میں نے کہا اس نے مجھے دس دینار دیئے ہیں ان میں سے تین دینار تو میں نے ظہیر الدین کو دیئے اور تین سنبل کو اور اس وقت میں نے ان سے کہا کہ یہ شخص مسلمان ہے کیونکہ جب اس نے آسمان کی طرف انگلی کی تھی تو اس کی مراد تھی کہ میں خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور جب قبلہ کی طرف اشارہ کیا تھا تو مراد تھی کہ پیغمبر پر ایمان ہے۔ اس کا تسبیح کا لے لینا اس خیال کی تصدیق کرتا ہے جب میں نے ان سے یہ کہا تو وہ دونوں واپس گئے اور اس جوگی کو وہاں نہ پایا اس وقت ہم سوار ہو گئے۔

(۲) ہیرم و قوقہ

دو دن سفر کرنے کے بعد جزیرہ ہیرم (۱) میں پہنچے۔ یہ جزیرہ غیر آباد ہے اور خشکی سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ہم اس جزیرہ میں ٹھہرے اور وہاں سے پانی لیا۔ اس کے غیر آباد ہونے کی یہ وجہ بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں نے یہاں کے کافروں پر حملہ کیا تھا اور پھر ہندوؤں نے اس کو آباد نہیں کیا ملک التجار نے جس کا ذکر میں کر آیا ہوں اس کے آباد کرنے کا ارادہ کیا اور فصیل بنا کر اس پر منجنیق لگائے اور مسلمانوں کو اس میں آباد کیا۔ وہاں سے چل کر ہم دوسرے دن قوقہ (۲) میں پہنچے یہ بہت بڑا شہر ہے اس کے بازار وسیع ہیں ہم نے شہر کے چار میل کے فاصلے پر لنگر ڈالا کیونکہ اس وقت جزر کا وقت تھا اور پانی اترا ہوا تھا۔ ہم کشتیوں میں بیٹھ کر شہر کی طرف چلے جب شہر ایک میل رہا تو کشتی پانی نہ ہونے کے باعث کیچڑ میں دھنس گئی۔ میں کیچڑ میں سے اپنے دو آدمیوں کے سہارے سے گیا کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ پانی چڑھ گیا یعنی مد کا وقت آ گیا تو مشکل ہوگی اور میں اچھی طرح سے تیرنا بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے شہر میں پہنچ کر بازاروں کی سیر کی اور ایک مسجد جو حضرت خضر اور حضرت الیاس کی طرف منسوب ہے دیکھی اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی اس مسجد میں حیدری فقیروں کا ایک گروہ تھا اور ان کا شیخ بھی ساتھ تھا پھر میں جہاز کی طرف واپس چلا آیا۔ وہاں کے راجہ کا نام دنکول ہے وہ برائے نام بادشاہ کا مطیع ہے اور حقیقت میں نافرمان ہے۔

(۳) سندا پور

اس شہر سے چل کر تین دن کے بعد ہم جزیرہ سندا پور (۳) میں پہنچے اس جزیرہ میں چھتیس گاؤں ہیں اور ایک کھاڑی اس کے گرداگرد پھرتی ہے جزر کے وقت اس کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور مد کے وقت کھاری شور ہوتا ہے اس جزیرہ کے وسط میں دو شہر ہیں ایک پرانا ہے جو ہندوؤں کے وقت کا آباد کیا ہوا ہے اور دوسرا شہر مسلمانوں نے اس وقت آباد کیا تھا جب انہوں نے جزیرہ کو پہلی بار فتح کیا۔ اس میں ایک بڑی مسجد جامع ہے جو بغداد کی مسجدوں کی ہم شکل ہے ناخدا حسن نے جو سلطان جمال الدین محمد ہنوری کا والد تھا اس کو تعمیر کیا تھا۔ دوسری دفعہ اس جزیرہ کے فتح کرنے کے وقت اس کے

(۴) ہنور

دوسرے دن صبح کو ہنور (۴) میں پہنچے یہ شہر ایک بڑی کھاڑی پر واقع ہے جس میں جہاز جا سکتے ہیں یہ سمندر بہت چڑھتا ہے اور اس میں طوفان آتا ہے تو چار مہینے تک کوئی شخص سوا مچھلی کے شکار کرنے کے سمندر میں نہیں جاتا جب ہم ہنور میں پہنچے تو ایک جوگی ہمارے پاس آیا اور مجھے چھ دینار دے گیا اور مجھ سے کہا کہ جس برہمن کو تو نے تسبیح دی تھی اس نے یہ دینار بھیجے ہیں میں نے اس سے یہ دینار لے لیے اور میں اس کو ایک دینار دینے لگا اس نے نہ لیا اور چلا گیا۔ میں نے اپنے ہمراہیوں سے یہ بات کہی اور کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو اپنا حصہ لے لو انہوں نے کہا نہیں اور اس وقت مجھے بتایا کہ پہلے جو چھ دینار تو نے ہم کو دیے تھے اس میں ہم نے چھ دینار اور ملا کر اسی جگہ جہاں جوگی بیٹھا ہوا تھا رکھ دیے تھے مجھے اور بھی زیادہ تعجب ہوا اور یہ دینار میں نے احتیاط سے اپنے پاس رکھے۔ شہر ہنور کے باشندے شافعی مذہب ہیں وہ دیندار اور نیک بخت اور بحری طاقت کے لیے مشہور ہیں۔ سندا پور فتح ہونے کے بعد ان کو زمانہ نے خوار کر دیا۔ اس کا ذکر میں عنقریب کروں گا اس شہر کے عابدوں میں سے شیخ محمد ناگوری ہیں انہوں نے میری دعوت اپنی خانقاہ میں کی وہ اپنا کھانا آپ پکاتے ہیں تاکہ غلام اور لونڈی کے ناپاک ہاتھ نہ لگیں۔ فقیہ اسماعیل جو کلام اللہ پڑھاتے ہیں اس شہر میں رہتے ہیں وہ نہایت پرہیزگار خوش خلق اور فیاض ہیں۔ اس شہر کا قاضی نور الدین علی ہے۔ خطیب کا نام مجھے یاد نہیں رہا اس شہر کی عورتیں اور کل اس ساحل کی عورتیں سیا ہوا کپڑا نہیں پہنتیں بلکہ بے سلا کپڑا اوڑھتی ہیں چادر کے ایک آنچل سے تمام بدن لپیٹ لیتی ہیں اور دوسرے کو سر اور چھاتی پر ڈال لیتی ہیں یہ عورتیں خوبصورت اور باعفت ہوتی ہیں ناک میں سونے کا بلاق پہنتی ہیں اور یہ ان کی خصوصیت ہے کہ سب کی سب حافظ قرآن ہوتی ہیں۔ اس شہر میں تیرہ مکتب لڑکیوں کے اور تئیس مکتب لڑکوں کے دیکھے۔ سوا اس شہر کے یہ بات میں نے کہیں نہیں دیکھی یہ لوگ فقط تجارت بحری سے گزارہ کرتے ہیں زراعت نہیں کرتے مالا بار کے لوگ بھی سلطان جمال الدین کو کچھ معین خراج دیتے ہیں کیونکہ اس کے پاس بحری طاقت بہت بڑی ہے اور چھ ہزار پیادہ اور سوار بھی رکھتا ہے۔ یہ بادشاہ جمال الدین محمد بن حسن بڑا نیک بخت ہے وہ ایک ہندو راجہ کا ماتحت ہے جس کا نام ہریب ہے اس کا ذکر میں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب کروں گا۔ سلطان جمال الدین ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور اس کا دستور

ہے کہ صبح ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جاتا ہے اور صبح ہونے تک تلاوت کرتا رہتا ہے اول وقت نماز پڑھتا ہے پھر شہر کے باہر سوار ہو کر چلا جاتا ہے چاشت کے وقت واپس آتا ہے پہلے مسجد میں دوگانہ پڑھ کر پھر محل میں جاتا ہے ایام بیض کے روزے رکھتا ہے جب میں اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو افطار کے وقت مجھے بلا لیتا تھا فقیہ علی اور فقیہ اسماعیل بھی موجود ہوتے تھے زمین پر چار چھوٹی کرسیاں ڈال دیتے تھے ان میں سے ایک پر وہ خود بیٹھ جاتا تھا اور باقی تین پر ہم تینوں کھانے کی ترتیب یہ تھی کہ اول تانبے کے دستر خوان جس کو خونچہ کہتے ہیں لاتے تھے اس پر ایک طباق تانبے کا رکھتے ہیں اس کو طالم کہتے ہیں اس کے بعد ایک کنیز ریشمی کپڑے پہنے آتی ہے اور کھانے کی دیگچیاں لاتی ہے اور بڑے بڑے تانبے کے چمچے بھی لاتی ہے چاولوں کا ایک ایک چمچ بھر کر طباق میں ڈالتی ہے اس کے اوپر گھی ڈالتی ہے اور اسی طباق میں دوسری طرف مرچوں کا اچار اور ادرک کا اچار اور لیموں کا اچار اور آم کا اچار رکھ دیتی ہے ایک ایک لقمہ کے پیچھے اچار کھاتے ہیں جب یہ چاول ہو چکتے ہیں تو دوسرا چمچ بھر کر طباق میں ڈالتی ہے اور اس پر مرغے کا گوشت سرکہ میں پکا ہوا ڈالتی ہے اس کے ساتھ چاول کھائے جاتے ہیں جب یہ چاول ہو چکتے ہیں تو تیسرا چمچ ڈالتی ہے اس پر مرغی کا گوشت دوسری طرح کا پکا ہوا ڈالتی ہے پھر طرح طرح کی مچھلی ہر ایک چمچ کے ساتھ ڈالتی جاتی ہے پھر سبزی گھی میں پکی ہوئی لاتی ہے جو چاولوں کے ساتھ کھائی جاتی ہے جب یہ سب کھانے ہو چکتے ہیں تو کوشان یعنی دہی یا لسی لاتی ہے اس پر کھانا ختم ہو جاتا ہے جب یہ دہی آتا ہے تو جاننا چاہیے کہ سب کھانے ختم ہو چکے اس کے بعد گرم پانی پیتے ہیں کیونکہ برسات میں ٹھنڈا پانی مضر ہوتا ہے میں اس بادشاہ کے پاس دوسری دفعہ گیارہ مہینے ٹھہرا تھا اور اتنے دن تک کبھی روٹی نہیں کھائی کیونکہ ان لوگوں کی خوراک فقط چاول ہے اسی طرح جب تک میں جزائر مالدیپ اور سیلان اور ملیبار اور معبر میں تین برس تک رہا تو سوا چاول کے اور کچھ نہیں کھایا یہاں تک کہ میں ان کو پانی کے ساتھ نگلتا تھا ورنہ حلق میں نہیں چلتے تھے یہ بادشاہ ریشم اور باریک کتان کے کپڑے پہنتا ہے اور کمر میں چادر باندھتا ہے اور دو رضائیاں ایک پر دوسری لگا کر اوڑھتا ہے اور اپنے بالوں کو گوندھا ہوا رکھتا ہے اس پر چھوٹا سا عمامہ باندھتا ہے جب سوار ہوتا ہے تو قبا بھی پہن لیتا ہے اور اس کے اوپر رضائی بھی اوڑھ لیتا ہے اس کے آگے لوگ نقارے اور طبل بجاتے ہیں اور بجاتے ہوئے جایا کرتے ہیں۔ اس دفعہ ہم اس کے پاس فقط تین دن ٹھہرے تھے اس نے ہمیں

زادِ راہ دیا۔

(۵) ملیبار

وہاں سے چل کر ہم تین دن کے بعد ملیبار (۵) کی حد میں پہنچے یہ وہ ملک ہے جہاں سیاہ مرچ پیدا ہوتی ہے اس ملک کا طول دو مہینے کا رستہ ہے اور دریا کے کنارے کنارے سندا پور سے کولم تک چلا گیا ہے اور سڑک پر برابر دو رویہ درخت ہیں ہر نصف میل کے بعد ایک لکڑی کا مکان آتا ہے جس میں دکانیں اور چبوترے بنے ہوئے ہیں اور ہر مسافر ہندو یا مسلمان آرام کرتا ہے اور ہر ایک گھر کے پاس ایک کنواں ہے جس پر ایک ہندو پانی پلاتا ہے ہندوؤں کو برتن میں پانی ملتا ہے اور مسلمانوں کو اوک سے پلاتا ہے ان کے ہاتھوں پر جو وہ منہ کے سامنے کرلیتا ہے پانی ڈالتا رہتا ہے جب وہ اشارہ سے منع کرتا ہے تو بند کر دیتا ہے ملیبار میں دستور ہے کہ مسلمان کو گھر میں نہیں آنے دیتے اور نہ اپنے برتنوں میں کھانا کھلاتے ہیں اور اگر کھلاتے ہیں تو یا تو وہ برتن توڑ ڈالتے ہیں اور یا مسلمان کو ہی دے دیتے ہیں اور جس جگہ مسلمان نہ ہو تو وہ مسلمان کے لیے کھانا پکا دیتے ہیں اور کیلے کے پتے پر رکھ دیتے ہیں اور اسی پر سالن ڈال دیتے ہیں جو باقی بچتا ہے اس کو پرندے اور کتے کھا لیتے ہیں اس رستے میں تمام منزلوں میں مسلمانوں کے گھر ہیں ان کے پاس مسلمان مسافر جا اترتے ہیں اور وہ ہر ایک چیز خرید کر ان کے لیے کھانا پکا دیتے ہیں اگر مسلمانوں کے گھر نہ ہوتے تو اس ملک میں مسلمان کے لیے سفر کرنا مشکل تھا اس دو مہینے کے رستے میں ایک چپہ بھر بھی زمین ایسی نہیں جو آباد نہ ہو ہر ایک شخص کا گھر علیحدہ علیحدہ ہے اور اس کے گرد چمن ہوتا ہے اور ہر ایک چمن کے گرد لکڑی کی دیوار ہوتی ہے کل سڑک باغوں کے درمیان سے گزرتی ہے جب ایک باغ ہو چکتا ہے تو اس کی دیوار میں سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں اس سے چڑھ کر دوسرے باغ میں پہنچتے ہیں کوئی شخص اس ملک میں گھوڑے یا کسی اور جانور پر سوار ہو کر نہیں چلتا گھوڑے پر فقط بادشاہ سوار ہوتا ہے اکثر لوگ یا تو ڈولہ (پالکی) پر سوار ہوتے ہیں جس کو مزدور یا غلام اٹھا کر لے جاتے ہیں اور یا پیدل چلتے ہیں خواہ کوئی ہو۔ اگر کسی شخص کے پاس اسباب تجارت وغیرہ یا ساز و سامان زیادہ ہو تو وہ مزدور کرایہ پر لے لیتا ہے وہ اپنی پشتوں پر اسباب لے جاتے ہیں چنانچہ بعض سوداگر ایسے نظر آئیں گے کہ ان کے ساتھ سو سو آدمی اسباب اٹھانے والے ہوتے ہیں ہر

ایک مزدور کے ہاتھ میں ایک موٹا عصا ہوتا ہے جس کے نیچے لوہے کی نیخ لگی ہوتی ہے اور اوپر لوہے کا آنکڑا ہوتا ہے جب وہ تھک جاتا ہے اور کوئی دکان ٹھہرنے کے واسطے قریب نہیں ہوتی تو زمین میں اپنا عصا گاڑ دیتا ہے اور اس پر اسباب کی گٹھری لٹکا دیتا ہے جب سانس لے چکتا ہے تو اسباب اٹھا کر چل پڑتا ہے میں نے کسی رستے میں ایسا امن نہیں دیکھا جیسا کہ اس رستے میں۔ اس ملک میں ایک ناریل کی چوری پر چور کو مار ڈالتے ہیں جب کوئی پھل گر پڑتا ہے تو کوئی شخص اس کو نہیں اٹھاتا جب مالک آتا ہے وہی اٹھاتا ہے کہتے ہیں کہ کسی ہندو نے ایک ناریل اٹھا لیا حاکم کو خبر ہوئی اس نے ایک لکڑی زمین میں گاڑی اور اس کے سرے پر جو لوہے کی انی تھی ایک تختہ لگا دیا اور انی اس سے پار کردی پھر اس شخص کو اس تختہ پر لٹایا انی اس کے پیٹ میں سے پار ہو کر پشت میں جا نکلی اور وہ اور لوگوں کی عبرت کے لیے وہیں لٹکا رہا ایسی لکڑیاں بہت جگہ رستے میں لگی ہوئی ہیں تاکہ مسافروں کو معلوم ہو جائے رات کو ہمیں بہت سے ہندو رستے میں ملتے تھے وہ ایک طرف کھڑے ہو جاتے تھے اور جب ہم آگے چلے جاتے تھے تو چلنا شروع کرتے تھے۔ اس ملک میں مسلمانوں کی بدرجہ غایت تعظیم کرتے ہیں یہ ضرور ہے کہ ان کے ساتھ کھاتے نہیں اور نہ گھروں میں داخل ہونے دیتے ہیں۔ ملک ملیبار میں بارہ راجہ ہیں سب سے بڑے راجہ کا لشکر پچاس ہزار ہے اور سب سے چھوٹے کا تین ہزار ان میں کبھی تنازعہ نہیں ہوتا اور قوی ضعیف کا ملک چھیننے کی کوشش نہیں کرتا جب ایک راجہ کا علاقہ ہو چکتا ہے اور دوسرے کا شروع ہوتا ہے تو ایک لکڑی کا دروازہ آتا ہے اور اس پر آگے آنے والے علاقہ کے راجہ کا نام کندہ ہوتا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ فلانے راجہ کی امان (پناہ) کا دروازہ ہے اگر کوئی ہندو یا مسلمان ایک علاقہ میں جرم کر کے دوسرے کے دروازہ میں داخل ہو جائے تو اس کو کچھ ڈر نہیں رہتا اور اگرچہ وہ راجہ قوی ہو لیکن وہ ضعیف کو مجبور نہیں کر سکتا کہ اس مجرم کو واپس کرے۔ ان راجاؤں کے بیٹے راج کے وارث نہیں ہوتے بلکہ بھانجے (۶) ان کے وارث ہوتے ہیں یہ دستور میں نے سوا ملک سوڈان کی قوم مسوفا کے اور کسی جگہ نہیں دیکھا اس کا ذکر میں عنقریب ہی کروں گا جب ملیبار کے کسی راجہ کو منظور ہوتا ہے کہ کسی دکاندار کی خرید و فروخت بند کر دے تو راجہ کے غلام آکر اس دکان پر درختوں کی شاخیں لٹکا دیتے ہیں جب تک وہ شاخیں رہتی ہیں تو کوئی شخص اس دکان سے خرید و فروخت نہیں کر سکتا۔ سیاہ مرچ کا بوٹا (فلفل) (۷) انگور کی بیل کے مشابہ ہوتا ہے اس

کو ناریل کے برابر ہوتے ہیں وہ ناریل کے درخت پر بیل کی طرح چڑھ جاتا ہے اس درخت کی شاخیں نہیں ہوتیں جیسے کہ انگور کی ہوتی ہیں اس کے پتے گھوڑے کے کان کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض درختوں کے پتے عليق (بہت ایک گھاس ہوتا ہے جس کو چارپایہ کھا کر بہت تیار ہو جاتے ہیں) کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں اس کا پھل چھوٹے چھوٹے گچھوں میں لگتا ہے جب خریف کا موسم ہوتا ہے تو ان کو توڑ کر بوریے پر دھوپ میں سکھا دیتے ہیں جیسے کہ کشمش بنانے کے لیے انگور کو سکھاتے ہیں اور ان کو الٹتے پلٹتے رہتے ہیں جب خشک ہو جاتے ہیں اور رنگ سیاہ ہو جاتا ہے تو سوداگروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں عوام کا خیال ہے کہ ان کو آگ میں بھونتے ہیں اور اسی سبب سے ان میں کرارہ پن آجاتا ہے لیکن یہ درست نہیں یہ کرارہ پن دھوپ سے پیدا ہوتا ہے۔ شہر قاقلہ (کالی کٹ) میں میں نے دیکھا ہے کہ اس کو پیمانہ سے ناپتے ہیں جیسا کہ ہمارے ملک میں جوار کو ناپتے ہیں۔

(۶) ابی سرور

ملیبار کا سب سے پہلا شہر جس میں ہم داخل ہوئے ابی سرور (۸) تھا یہ ایک چھوٹا سا شہر ایک بڑی کھاڑی کے کنارے پر ہے ناریل کے درخت بہت ہیں مسلمانوں میں سب سے بڑا آدمی وہاں شیخ جمعہ ہے جو ابی ستہ کے نام سے مشہور ہے یہ شخص بڑا سخی ہے اپنا سب مال اس نے فقیروں اور مسکینوں پر خرچ کر دیا۔ دو دن کے بعد ہم فاکنور (۹) کے شہر میں پہنچے یہ بھی ایک کھاڑی پر واقع ہے یہاں پونڈا بہت عمدہ ہوتا ہے جس کا نظیر اس ملک میں کہیں نہیں ہوتا۔ اس شہر میں بہت سے مسلمان ہیں ان میں سب سے بڑا حسین سلاط ہے اس شہر میں قاضی اور خطیب بھی ہیں اور حسین سلاط نے ایک مسجد جامع بھی وہاں بنوائی ہے۔ اس شہر کے راجہ کا نام باسدیو ہے تیس جنگی جہاز اس کے پاس ہیں لیکن ان سب کا افسر مسلمان بولا نام ہے پہلے یہ شخص سمندر کا ڈاکو تھا جو سوداگروں کو لوٹا کرتا تھا۔ جب ہم نے اس شہر کے پاس لنگر ڈالا تو راجہ نے اپنا بیٹا ہمارے پاس بھیج دیا وہ جہاز میں ہمارے پاس بطور یرغمال کے رہا اس کے بعد ہم شہر میں گئے۔ راجہ نے ہماری تین دن تک ضیافت کی یہ ضیافت بادشاہ ہند کی تعظیم اور اپنا فرض مہمان نوازی اور ہمارے جہازوں کے ساتھ تجارت کرنے سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے کی گئی تھی۔ اس شہر کا دستور ہے کہ جب کوئی جہاز وہاں پہنچتا ہے تو اس کو وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے اور راجہ کو کچھ محصول دینا پڑتا ہے جس کو حق بندر کہتے ہیں اور جب کوئی جہاز یہ محصول نہیں دیتا تو راجہ کے جہاز اس کو زبردستی بندر میں لے آتے ہیں اور جب تک وہ یہ حق ادا نہیں کرتا اس کو جانے نہیں دیتے۔

(۷) منجرور

تین دن کے بعد ہم منجرور (۱۰) کے شہر میں پہنچے۔ یہ شہر بڑا ہے اور خلیج کے کنارے پر ہے جس کو دنب کہتے ہیں۔ یہ کھاڑی اس ملک میں سب سے بڑی ہے اور اس شہر میں فارس اور یمن کے اکثر سوداگر آتے ہیں اور سیاہ مرچ اور سونٹھ وہاں بکثرت ہوتی ہے اس شہر کا راجہ ملیبار میں سب سے بڑا ہے اور اس کا نام رام دیو ہے اس شہر میں چار ہزار کے قریب مسلمان رہتے ہیں ان کی آبادی شہر کے باہر ایک طرف ہے کبھی کبھی شہر والوں کی اور ان کی لڑائی ہو جاتی ہے تو راجہ صلح کروا دیتا ہے کیونکہ وہ تاجروں کا محتاج ہوتا ہے اس شہر میں ایک شافعی قاضی ہے جس کا نام بدر الدین معبری ہے وہ تعلیم بھی دیتا ہے یہ قاضی ہمارے جہاز میں آیا اور ہمیں کہا کہ ہمارے شہر میں چل کر ٹھہرو ہم نے کہا جب تک راجہ اپنا بیٹا بطور یرغمال کے نہیں بھیج دے گا جیسا کہ فاکنور کے راجہ نے کیا تھا ہم جہازوں میں سے نہیں اتریں گے اس نے کہا کہ فاکنور میں مسلمانوں کی آبادی کم ہے اور وہاں مسلمانوں کا زور کچھ بھی نہیں لیکن اس شہر میں راجہ ہم سے خود خوف کرتا ہے اور اس لیے کسی یرغمال کی ضرورت نہیں۔ ہم نے نہ مانا۔ راجہ نے اپنا بیٹا جہاز پر بھیج دیا تب ہم جہاز سے اتر کر شہر میں گئے انہوں نے ہماری بدرجہ غایت تعظیم کی اور ہم تین دن تک اس شہر میں ٹھہرے رہے۔

(۸) ہیلی

اس کے بعد ہم ہیلی (۱۱) کی طرف گئے اور دو دن میں وہاں پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے عمارتیں عمدہ ہیں ایک بڑی کھاڑی کے کنارے بسا ہوا ہے اس کھاڑی میں بڑے بڑے جہاز جا سکتے ہیں اس شہر تک چین کے جہاز آتے ہیں اور سوا قاقلہ اور کولم اور ہیلی کے اور کسی جگہ نہیں ٹھہر سکتے۔ ہیلی کے شہر کو ہندو و مسلمان متبرک سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں ایک جامع مسجد ہے جو برکت والی مشہور ہے۔ جہازوں کے سوار ہونے والے خیر و عافیت سے پہنچنے کے لیے اس جامع کی نذر مانتے ہیں اور بڑی بڑی نذریں

چڑھاتے ہیں خطیب حسین اور حسن وزان کے ماتحت اس کا خزانہ ہے یہ حسن وزان وہاں کے مسلمانوں میں سب سے بڑا ہے اس مسجد میں طالب علموں کو سبق بھی پڑھائے جاتے ہیں اور روزینہ بھی مقرر ہے اس کے بیچ میں ایک باورچی خانہ بھی ہے جس میں مسافر اور مسلمان فقیر کو کھانا دیا جاتا ہے۔ اس مسجد میں میری ملاقات ایک نیک مرد فقیہ سے ہوئی جس کا نام سعید تھا اور وہ مقدشو کا رہنے والا ہے بہت خبرک شکل اور خوش خلق آدمی ہے ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور وہ کہتا تھا کہ میں چودہ سال تک مکہ معظمہ اور چودہ سال تک مدینہ منورہ میں رہا ہوں اور امیر ابو نمی سے مکہ میں اور امیر المنصور بن جماز سے مدینہ میں ملا ہوں اور ہندوستان اور چین کا بھی سفر کر آیا ہوں۔

(۹) جرفتن

ہیلی سے چل کر ہم جرفتن (۱۳) پہنچے جو ہیلی سے فقط تین فرسنگ ہے وہاں میں ایک فقیہ سے ملا جو بغداد کا رہنے والا ہے اور صرصری کہلاتا ہے صرصر بغداد اور کوفہ کے رستے پر بغداد سے دس میل کے فاصلے پر ایک شہر ہے اس کا ایک بھائی اس شہر میں رہتا تھا وہ نہایت مالدار تھا اور چھوٹے بچے چھوڑ کر مر گیا اور اس کو وصی مقرر کر گیا تھا جب میں روانہ ہوا تو وہ ان کو بغداد لے جارہا تھا ہندوستان میں بھی سوڈان کی طرح یہ دستور ہے کہ جب کوئی مسافر وہاں مر جاتا ہے تو خواہ ہزاروں کا مال ہو وہ مال کسی مسلمان کے پاس امانت کے طور سے رہتا ہے اور جب تک کوئی شرعی وارث نہ آئے کوئی اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اس شہر کے راجہ کا نام کویل ہے وہ ملیبار کے بڑے راجاؤں میں سے ہے اس کے پاس بہت سے جہاز ہیں جو عمان اور فارس اور یمن میں تجارت کے لیے جاتے ہیں۔ دہ فتن اور بدفتن بھی اسی کے شہر ہیں۔

(۱۰) دہ فتن

جرفتن سے ہم دہ فتن (۱۳) پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے دریا کے کنارے پر بستا ہے اس میں باغات بکثرت ہیں اور ناریل اور سیاہ مرچ اور چھالیہ اور پان بھی ہوتے ہیں اور اروی بھی بہت ہوتی ہے اس کو گوشت میں پکاتے ہیں کیلا تو اس کثرت اور ارزانی کے ساتھ میں نے کسی ملک میں نہیں دیکھا اس شہر میں ایک بڑی بائیں (باؤلی) ہے اس کا طول پانچ سو قدم ہے اور عرض تین سو قدم ہے سرخ اور تراشے ہوئے پتھر کی بنی ہوئی ہے اس کے کناروں پر اٹھائیس بڑے بڑے گنبد ہیں اور ہر ایک گنبد میں چار نشست گاہیں پتھر کی بنی ہوئی ہیں ہر ایک گنبد میں بائیں کے نیچے سے سیڑھیاں چڑھتی ہیں اور بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے جس کی تین منزلیں ہیں ہر ایک منزل میں چار نشست گاہیں ہیں کہتے ہیں کہ راجہ کویل کے باپ نے یہ بائیں بنوائی تھی۔ بائیں کے مقابل مسجد جامع ہے مسجد سے بھی سیڑھیاں بائیں میں اترتی ہیں لوگ نیچے جا کر وضو اور غسل کرتے ہیں۔ فقیہ حسین نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ یہ بائیں اور مسجد راجہ کویل کے ایک دادا نے تعمیر کی تھی اور وہ مسلمان تھا اس کے اسلام لانے کے متعلق ایک عجیب قصہ بیان کرتے ہیں میں نے بھی دیکھا ہے کہ جامع مسجد کے سامنے ایک بڑا درخت کھڑا ہے اس کے پتے انجیر کے پتوں کے مشابہ ہیں لیکن وہ ذرا زیادہ نرم ہیں اس درخت کے گرد دیوار بنی ہوئی ہے اور وہاں ایک محراب بنی ہے میں نے وہاں دوگانہ ادا کیا۔ اس درخت کو درخت شہادت کہتے اور یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ ہر خریف کے موسم میں اس درخت سے ایک پتہ پہلے زرد ہوتا ہے پھر سرخ اور اس کے بعد گر پڑتا ہے اس پر قلم قدرت سے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھا ہوا ہوتا ہے فقیہ حسین اور ثقہ آدمیوں نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے یہ پتہ دیکھا ہے اور اس میں کلمہ لکھا ہوا پڑھا ہے جب یہ پتہ گرتا ہے تو اس کا نصف تو مسلمان لے لیتے ہیں اور نصف راجہ کے خزانہ میں رکھا جاتا ہے اور اس سے بہت سے مریضوں کو شفا ہو جاتی ہے اسی پتہ کے ذریعے سے راجہ کویل مسلمان ہو گیا تھا جس نے مسجد اور بائیں تعمیر کی تھی وہ عربی خط پڑھ سکتا تھا جب اس نے پتہ میں کلمہ لکھا ہوا پڑھا تو وہ مسلمان ہو گیا اور بڑا پکا مسلمان ہوا یہ روایت متواتر چلی آتی ہے فقیہ حسین کہتا تھا کہ کویل کے بعد اس کا ایک بیٹا مرتد ہو گیا اور اس نے درخت کو جڑ سے اکھڑوا دیا اور اس کا کچھ نشان نہ چھوڑا لیکن وہ درخت پھر اگ آیا اور پہلے سے بھی زیادہ پھلا اور پھیلا اور وہ راجہ جلد ہی مر گیا۔

(۱۱) بدفتن

اس کے بعد ہم شہر بدفتن (۱۳) میں گئے یہ بھی ایک بڑا شہر ہے اور ایک بڑے دریا کے کنارے پر ہے سمندر کے کنارے پر ایک مسجد ہے اس میں مسافر مسلمان آکر ٹھہرتے ہیں کیونکہ اس شہر میں کوئی مسلمان نہیں ہے اس شہر کا بندرگاہ نہایت خوبصورت ہے اور پانی بہت شیریں ہے چھالیہ بکثرت پیدا ہوتی ہے وہاں سے چین اور ہندوستان کو

لے جاتے ہیں اکثر باشندے برہمن ہیں ہندو ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں لیکن وہ مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے ہیں اور اسی سبب سے اس شہر میں کوئی مسلمان نہیں رہتا کہتے ہیں کہ انہوں نے اس مسجد کو اس لیے منہدم نہیں کیا کہ ایک برہمن نے مسجد کی چھت گرا کر اس کی کڑیاں اپنے مکان میں لگائی تھیں اس کے گھر میں آگ لگ اٹھی اور وہ اور اس کی اولاد اور اسباب وغیرہ سب جل کر راکھ ہو گئے اور اس کے بعد یہ لوگ مسجد کی تعظیم کرنے لگے اور پھر کسی نے اس کی بے ادبی نہیں کی اس کے باہر ایک حوض بھی بنا دیا کہ اس سے مسافر پانی پی سکیں اور اس کے دروں پر جالیاں لگا دیں تاکہ پرندے داخل نہ ہو سکیں۔

(۱۲) فندرینا

وہاں سے چل کر ہم فندرینہ (۱۵) پہنچے یہ بھی ایک بڑا شہر ہے بازار اور باغات اس میں بہ کثرت ہیں اس میں مسلمانوں کے تین محلے ہیں ہر محلہ میں مسجد ہے اور جامع مسجد سمندر کے کنارہ پر ہے اس میں سمندر کی طرف نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں اور ایک عجیب نظارہ ہے اس کا قاضی اور خطیب عمان کا رہنے والا ہے اور اس کا بھائی بھی جو بڑا فاضل ہے یہیں رہتا ہے اس شہر میں چین کے جہاز گرمی میں ٹھہرتے ہیں۔

(۱۳) کالی کٹ

وہاں سے چل کر ہم شہر کالی کاٹ (۱۶) میں پہنچے۔ مالا بار میں یہ بہت بڑا بندر ہے چین اور جاوا اور سیلان اور مالدیپ اور یمن اور فارس کے سوداگر یہاں آتے ہیں بلکہ تمام دنیا کے تاجر یہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کا بندرگاہ دنیا کے بڑے بندروں میں سے ہے وہاں کا راجہ ہندو ہے جس کو سامری کہتے ہیں عمر میں زیادہ ہے اور اسی طرح داڑھی منڈواتا ہے جیسے کہ فرنگیوں کا ایک گروہ جو وہاں رہتے ہیں داڑھی منڈواتے ہیں امیر التجار کا نام ابراہیم شاہ بندر ہے وہ بحرین کا باشندہ ہے بڑا عالم اور سخی ہے اور ہر طرف کے سوداگر جمع ہو کر اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس شہر کا قاضی فخر الدین عثمان بھی بڑا سخی ہے خانقاہ کا شیخ شہاب الدین گازرونی ہے جو اشخاص چین اور ہندوستان میں شیخ ابو اسحاق گازرونی کی منت مانتے ہیں وہ اسی کو نذر دیتے ہیں ناخدا مثقال بھی اسی شہر میں رہتا ہے یہ شخص بہت مشہور اور مالدار ہے اور اس کے جہاز ہندوستان اور چین اور یمن اور فارس میں تجارت کرتے ہیں جب ہم اس شہر کے پاس پہنچے تو شیخ شہاب الدین اور ابراہیم شاہ بندر اور بڑے بڑے سوداگر اور راجہ کا نائب جس کو قلاج کہتے ہیں استقبال کو آئے اور ان کے ساتھ نوبت نقارے اور علم بھی جہازوں پر تھے اور ہم بڑے جلوس کے ساتھ بندرگاہ میں داخل ہوئے بندرگاہ بڑا وسیع تھا ایسا بندر میں نے اس ملک میں نہیں دیکھا۔ ہم نے لنگر ڈالا اس وقت اس شہر میں ملک چین کے تیرہ جہاز ٹھہرے ہوئے تھے ہم جہاز سے اتر کر شہر میں آ رہے اور ایک ایک گھر کرایہ پر لے لیا تین مہینے تک چین کی طرف چلنے کے موسم کا انتظار کیا اتنی مدت تک ہماری ضیافت راجہ کے محل سے آتی رہی۔

(۱۴) چین کے جہازوں کا بیان

چین کے سمندر میں جب تک چینی جہاز ساتھ نہ ہوں کوئی سفر نہیں کر سکتا چین کے جہاز تین قسم کے ہوتے ہیں بڑے جہازوں کو جنک (۱۷) کہتے ہیں اور متوسط کو زو اور چھوٹے کو ککم۔ بڑے جہاز کے بارہ مستول ہوتے ہیں اور چھوٹے کے تین اور یہ مستول خیزران (بید) کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور بادبان بوریے کی طرح سے بنے ہوئے ہوتے ہیں ان کو کبھی نیچے نہیں گراتے ہوا کے رخ ان کو پھیر دیتے ہیں جب جہاز لنگر ڈالتے ہیں تو بھی بادبان کھڑے رہتے ہیں اور ہوا کے ساتھ اڑتے رہتے ہیں ہر ایک جہاز میں ہزار آدمی ہوتے ہیں چھ سو تو جہاز رانی کے متعلق کام کرتے ہیں اور چار سو سپاہی ہوتے ہیں جن میں سے کچھ تیر انداز اور چرخی کے ذریعہ سے نفت پھینکنے والے ہوتے ہیں ہر ایک بڑے جہاز کے پیچھے تین چھوٹے جہاز ہوتے ہیں ایک بڑے سے آدھا اور دوسرا اس سے ثلث اور تیسرا اس سے چوتھائی۔ یہ جہاز چین کے شہر زیتون میں بنائے جاتے ہیں یا چین کلاں میں ان کے بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ اول دو دیواریں لکڑی کی بناتے ہیں اور پھر ان دونوں دیواروں کو موٹی موٹی لکڑیوں سے وصل کرتے ہیں ان لکڑیوں کے عرض اور طول میں تین تین گز کی میخیں جڑتے ہیں جب یہ دیواریں تیار ہو کر اس طرح ملائی جاتی ہیں تو ان دیواروں کے اوپر فرش بناتے ہیں جو جہاز کے سب سے نیچے حصہ کا فرش ہوتا ہے ان کو پھر سمندر میں ڈال دیتے ہیں یہ ڈھانچہ پانی میں کنارہ کے قریب پڑا رہتا ہے لوگ اس پر آ کر غسل کرتے ہیں اور قضائے حاجت کرتے ہیں نیچے کے تختوں کے پہلو میں چپو لگائے جاتے ہیں جو مستولوں کے موافق موٹے ہوتے

ہیں ایک چپو پر دس سے لے کر چودہ تک ملاح کھینے کا کام کرتے ہیں یہ ملاح لوگ کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں ہر جہاز کی چار چھتیں ہوتی ہیں۔ ہر جہاز میں گھر اور کوٹھریاں (مصریہ) اور کھڑکیاں سوداگروں کے لیے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ مصریہ میں رہنے کا گھر اور حنداس بھی ہوتا ہے اس کے دروازہ بھی ہوتا ہے جس پر قفل لگ جاتا ہے جو شخص مصریہ لیتا ہے وہ دروازہ بند کر لیتا ہے اور اپنے ساتھ عورتوں کو لے جا سکتا ہے بعض وقت مصریہ میں رہنے والے کو جہاز والے اور دوسرے لوگ جان بھی نہیں سکتے کہ ہے یا نہیں جب تک ان کی ملاقات کسی شہر میں جہاں جہاز لنگر ڈالتا ہے نہ ہو جائے بحری لوگ یعنی ملاح اور سپاہی جہاز میں ہی رہتے ہیں ان کے بال بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں اور وہ لکڑی کے حوض سے بنا کر ان میں ترکاریاں اور ادرک وغیرہ بو دیتے ہیں جہاز کا وکیل ایک بڑا شان و شوکت والا آدمی ہوتا ہے جب وہ خشکی پر جاتا ہے تو تیر انداز اور حبشی لوگ ہتھیار لیے ہوئے اس کے آگے آگے ہوتے ہیں اور نوبت اور نقارہ بھی ساتھ ہوتے ہیں اور جب منزل پر پہنچتے ہیں اور وہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں تو اپنے نیزوں کو اس جگہ کے دونوں طرف گاڑ دیتے ہیں اور جب تک وہاں ٹھہرتے ہیں نیزے گڑے رہتے ہیں اہل چین بعض اوقات کئی کئی جہازوں کے مالک ہوتے ہیں اور اپنے وکیل جہازوں پر رکھتے ہیں اہل چین سے زیادہ دنیا میں کسی ملک والے مالدار نہیں ہیں۔

(۱۵) جہاز میں سوار ہونا اور جہاز کی تباہی

جب چین کی طرف سفر شروع کرنے کا وقت قریب آیا تو سلطان سامری نے ہمارے لیے ایک جنک ان تیرہ جنکوں میں سے جو بندرگاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے تیار کرایا اس جنک کا وکیل سلیمان صفدی شامی تھا میری اس سے واقفیت تھی میں نے کہا مجھے ایک مصریہ درکار ہے جس میں کوئی اور شریک نہ ہو کیونکہ میرے ساتھ کنیزیں تھیں اور میں بغیر کنیزوں کو ساتھ لیے کبھی سفر نہیں کرتا۔ اس نے جواب دیا کہ چین کے سوداگروں نے تمام مصریوں کو روک لیا ہے اور آنے جانے کے لیے پہلے ہی کرایہ پر لے چکے ہیں۔ اس نے کہا کہ میرے داماد کے پاس ایک مصریہ ہے وہ میں تجھے دے دوں گا مگر اس میں حنداس نہیں ہے لیکن اس کا میں کچھ بندوبست کر دوں گا میں نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ میرا اسباب لے چلو اور غلام اور کنیزیں جنک میں چڑھ گئے جمعرات کا دن تھا میں نے ارادہ کیا کہ میں دوسرے دن جمعہ کی نماز پڑھ کر سوار ہوں گا ظہیر الدین اور سنبل بھی جنک پر سوار ہو گئے اور کل سفارت کا اسباب اور جانور بھی ان ہی کے پاس تھے پھر میرا غلام ہلال جمعہ کی صبح کو میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مصریہ جو ہم نے کرایہ پر لی ہے بہت تنگ ہے کام نہیں چل سکے گا میں نے ناخدا سے ذکر کیا اس نے کہا لاچاری ہے اس سے بہتر انتظام نہیں ہو سکتا اگر ککم یعنی سب سے چھوٹے جہاز میں کوئی مصریہ لو تو بہتر سے بہتر مل سکتی ہے میں نے کہا منظور ہے میں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ میری کنیزوں اور اسباب کو جنک سے اتار کر ککم میں لے جاؤ اور جمعہ کی نماز سے پہلے جا کر اس میں ڈیرہ کر لو اس سمندر میں یہ قاعدہ ہے کہ عصر کے بعد تلاطم ہوتا ہے اس وقت کوئی سوار نہیں ہو سکتا سب جنک چل پڑے تھے اور فقط وہ جنک جس میں سفارت کے تحفے تھے باقی تھا ایک اور جنک بھی جس کا ارادہ تھا کہ وہ فندرینا میں ٹھہرے اور ایک وہ ککم جس میں میں نے مکان لیا تھا پیچھے رہ گئے۔ شنبہ کی رات کو ہم سمندر کے ساحل پر رہے نہ ککم میں سے کوئی نیچے کنارہ پر آ سکا اور نہ ہم ککم میں سوار ہو سکے میرے پاس سوا بستر کے اور کچھ نہیں تھا صبح کو جنک اور ککم دونوں بندرگاہ سے دور فاصلے پر جا پڑے وہ جنک جو فندرینا میں ٹھہرنا چاہتا تھا موج سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اس کی بعض سواریاں بچ گئیں اور بعض ڈوب گئیں ایک سوداگر کی کنیز بھی اس میں تھی وہ اس سے بہت محبت رکھتا تھا اس نے اعلان دیا کہ جو کوئی کنیز کو زندہ نکال لائے گا اس کو وہ دس دینار دے گا وہ جنک کے پچھلے حصے پر ایک لکڑی کو پکڑے ہوئے تھی ایک شخص جہازی ہرمز کا رہنے والا تھا اس کو نکال لایا اور اس نے دینار نہ لیے اور کہا میں نے یہ کام فقط اللہ کے واسطے کیا ہے رات کو سمندر کی موج اس جنک سے ٹکرائی جس میں سفارت کے تحفے تھے اور وہ ٹوٹ گیا کل اہل جہاز مر گئے صبح کو میں نے سب کو کنارہ پر پڑے ہوئے دیکھا ظہیر الدین کا سر پھٹ گیا تھا اور دماغ نکل آیا تھا اور ملک سنبل کے کان میں لوہے کی میخ گھس گئی تھی اور دوسری طرف جا نکلی تھی ہم نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور ان کو دفن کیا۔ کالی کٹ کا راجہ دھوتی باندھے ہوئے اور سر پر چھوٹی سی پگڑی رکھے ہوئے ننگے پاؤں آیا اس کا غلام چھتر لگائے ہوئے تھا اور اس کے سامنے آگ جلتی ہوئی آتی تھی اس کے سپاہی لوگوں کو مارتے تھے کہ جو کچھ چیز سمندر کے کنارے پڑی ہو اس کو کوئی نہ اٹھائے ملک مالا بار میں دستور ہے کہ ایسا مال سرکاری خزانہ میں جاتا ہے لیکن خاص کالی کٹ کا یہ دستور ہے کہ وہ کل مال جہاز والوں کا ہوتا ہے اور اسی سبب سے یہ شہر نہایت آباد ہے اور اس میں جہازوں کی

آمد و رفت بکثرت ہے گم کے جہاز رانوں نے جب جنک کا یہ حال دیکھا تو انہوں نے اپنے بادبان اٹھا دیئے اور چل دیئے اس میں میرا کل اسباب اور میری کنیزیں اور غلام اور ہمراہی چلے گئے اور میں اکیلا ساحل پر رہ گیا۔ ایک غلام میرے ساتھ تھا اس کو میں آزاد کر چکا تھا وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا اور میرے پاس فقط وہ دس دینار رہ گئے جو جوگی نے مجھے دیئے تھے اور ایک بستر تھا لوگوں نے کہا کہ یہ گم بہرحال کولم کے بندر میں ضرور ٹھہرے گا اس لیے میں نے خشکی کے راستے کولم جانے کا ارادہ کیا خشکی اور نہر کے راستہ سے کولم دس منزل ہے میں نے نہر کے راستہ سفر کیا اور ایک مسلمان مزدور میں نے اپنے ساتھ لیا جو میرا بستر اٹھائے جاتا تھا نہر میں سفر کرنے والے رات کو خشکی پر کسی قریب کے گاؤں میں ٹھہر جاتے ہیں اور دوسرے دن صبح کو پھر کشتی پر آجاتے ہیں ہم بھی اسی طرح کرتے رہے کشتی میں اور کوئی مسلمان نہ تھا سوا اس مزدور کے جو میں نے نوکر رکھ لیا تھا یہ شخص منزل پر پہنچ کر ہندوؤں کے ساتھ شراب پی لیا کرتا تھا اور مجھ سے لڑا کرتا تھا اس لیے میری طبیعت اور بھی خراب ہو جاتی تھی۔

(۱۶) کنجی کری اور کولم

پانچویں دن ہم کنجی کری (۱۸) میں پہنچے وہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور اس میں یہودی رہتے ہیں اور ان کا امیر علیحدہ ہے اور وہ کولم کے راجہ کو جزیہ دیتے ہیں اس نہر پر دار چینی اور بقم (۱۹) کے درخت ہیں اور ان ہی درختوں کی لکڑی جلانے کے کام میں آتی ہے دسویں دن ہم کولم (۲۰) میں پہنچے مالابار میں یہ شہر سب سے زیادہ خوبصورت ہے بازار بہت اچھے ہیں اور وہاں کے سوداگروں کو صولی کہتے ہیں وہ بڑے مالدار ہیں بعض سوداگر جہاز کا جہاز بھرا ہوا خرید لیتے ہیں اور اپنے گھر میں تجارت کے لیے ڈال رکھتے ہیں مسلمان سوداگر بھی اس شہر میں بہت ہیں ان میں سب سے بڑا علاء الدین آوجی شہر آوہ کا رہنے والا ہے وہ رافضی ہے اور اس کے ہمراہی بھی اس طریقہ کے ہیں اور وہ لوگ تقیہ نہیں کرتے۔ اس شہر کا قاضی قزوین کا ایک فاضل ہے۔ مسلمانوں میں بہت بڑا آدمی محمد شاہ بندر ہے اس کا بھائی تقی الدین بڑا فاضل ہے اس شہر کی جامع مسجد بھی عجیب ہے خواجہ مہذب نے اس کو تعمیر کیا تھا یہ شہر مالابار کے شہروں میں چین سے سب سے زیادہ قریب ہے اور اس لیے چین کے بہت سے آدمی یہاں سفر کر کے آتے ہیں مسلمانوں کی اس شہر میں بہت عزت ہے راجہ کا نام تیروری (۲۱) ہے وہ مسلمانوں کی

نہایت تعظیم کرتا ہے اور چوروں اور فاسقوں پر نہایت سختی کرتا ہے۔ کولم میں میں نے دیکھا ہے کہ ایک عراقی تیر انداز نے دوسرے کو مار ڈالا اور آوجی کے گھر میں جا گھسا وہ شخص بہت مالدار تھا۔ مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ مقتول کو دفن کر دیں لیکن راجہ کے نائب نے ان کو منع کیا کہ جب تک اس کا قاتل ہمارے سپرد نہ کیا جائے گا مقتول دفن نہیں ہو سکتا اس کا تابوت آوجی کے دروازہ پر رکھ دیا جب اس میں سے بو آنے لگی تو آوجی نے قاتل کو راجہ کے سپرد کر دیا اور کہا کہ مقتول کے ورثاء کو مال دلوا دیں اور قاتل کو نہ ماریں راجہ کے اہلکاروں نے انکار کیا اور اس کو قصاص میں مروا ڈالا اس کے بعد مقتول کو دفن کیا گیا کہتے ہیں کہ کولم کا راجہ ایک روز شہر کے باہر سوار جاتا تھا اور باغوں کے درمیان سے گزرتا تھا اس کے ساتھ اس کا داماد تھا وہ بھی کسی راجہ کا بیٹا تھا اس نے ایک آم کا دانا اٹھا لیا جو کسی درخت کے نیچے پڑا تھا راجہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا حکم دیا کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں ایک ٹکڑا رستے کے ایک طرف رکھا جائے اور دوسرا رستہ کے دوسری طرف اسی طرح آم کے بھی دو ٹکڑے کئے اور وہ بھی جداگانہ دونوں طرف رکھ دیئے تاکہ ناظرین کو عبرت ہو کالی کٹ میں ایک دفعہ راجہ کے نائب کے بھتیجے نے ایک مسلمان سوداگر کی تلوار زبردستی چھین لی اس سوداگر نے اس کے چچا سے شکایت کی اس نے وعدہ کیا کہ میں انصاف کروں گا اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھ گیا جب اس کا بھتیجا وہ تلوار باندھے ہوئے آیا تو اس سے پوچھا کہ یہ فلانے مسلمان کی تلوار ہے اس نے کہا ہاں میں نے اس سے خرید لی ہے نائب نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ لو اور اس کا سر اسی تلوار سے اڑا دو میں کولم شہر میں شیخ فخر الدین کی خانقاہ میں ٹھہرا رہا۔ یہ بزرگ شیخ شہاب الدین گازرونی کے بیٹے ہیں جن کا ذکر میں کالی کٹ کے احوال میں کر آیا۔ گم کی کچھ خبر نہ لگی اسی اثناء میں بادشاہ چین کی سفارت جو دہلی سے واپس آئی تھی اور ہمارے ساتھ تھی اور دوسرے جنک میں سوار ہوئی تھی کولم میں داخل ہوگئی ان کا جنک بھی ٹوٹ گیا تھا اہل چین نے ان کو کپڑے وغیرہ دے کر پھر اپنے ملک کی طرف روانہ کر دیا تھا وہ مجھے بعد میں چین میں ملے۔

(۱۷) ہنور کو واپس جانا

میں نے ارادہ کیا تھا کہ کولم سے دہلی واپس چلا جاؤں اور بادشاہ سے کل حال جو گزرا تھا بیان کروں لیکن میں ڈر گیا کہ کبھی مجھ سے یہ نہ پوچھے کہ تو تحائف سے علیحدہ

کیوں ہوا تھا۔ اس لیے میں نے سلطان جمال الدین کے پاس ہنور کے شہر میں آنے کا ارادہ کیا کہ جب تک گھر کا پتہ نہ لگے میں اس کے پاس ٹھہرا رہوں جب میں کالی کٹ میں پہنچا تو وہاں بادشاہ کے چند جہاز تھے جس میں اس نے سید ابو الحسن پردہ دار کو بہت سا مال دے کر بھیجا تھا کہ ہرمز اور قطیف میں جا کر جس قدر عرب لا سکے ہندوستان میں لے آئے کیونکہ بادشاہ کو عربوں کے ساتھ بدرجہ کمال محبت تھی میں سید ابو الحسن کے پاس گیا معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ ہے کہ کالی کٹ میں موسم گرما بسر کرے اور اس کے بعد عرب کی طرف سفر کرے میں نے اس سے مشورہ لیا کہ میں بادشاہ کے پاس واپس جاؤں یا نہیں اس نے بھی واپس جانے کی صلاح نہ دی میں کالی کٹ سے جہاز پر سوار ہوا یہ اس موسم کا سب سے اخیر سفر تھا آدھے دن تک تو ہم چلتے تھے اور آدھے دن لنگر ڈال کر کھڑے ہو جاتے تھے راہ میں ہمیں ڈاکوؤں کی چار کشتیاں ملیں ہمیں ان سے خوف تھا لیکن انہوں نے کچھ تعرض نہ کیا اور ہم ہنور کے شہر میں پہنچ گئے میں سلطان ہنور کے پاس گیا اور سلام کیا اس نے مجھے ایک شخص کے گھر ٹھہرا دیا کیونکہ میرے پاس کوئی نوکر نہ تھا پھر مجھے کہلا بھیجا کہ میں اس کے ساتھ نماز پڑھا کروں میں اکثر مسجد میں بیٹھا رہتا تھا اور ہر روز ایک کلام اللہ ختم کرتا تھا اور پھر دو کلام اللہ ختم کرنے شروع کر دیے ایک تو صبح سے شروع کر کے ظہر کے وقت تک اور دوسرا ظہر سے مغرب کے وقت تک تین مہینے تک میں اسی طرح کرتا رہا اور چالیس دن تک اعتکاف میں بھی رہا سلطان جمال الدین نے باون جہاز تیار کیے اس کا ارادہ سنداپور پر چڑھائی کرنے کا تھا وہاں کے راجہ اور اس کے راجہ کے درمیان کچھ تخمیں تھا راجہ کے بیٹے نے سلطان کو لکھا کہ اگر سلطان سنداپور کو فتح کرے گا تو وہ مسلمان ہو جائے گا اور اپنی بہن کا نکاح سلطان کے ساتھ کر دے گا جب جہاز تیار ہوئے تو میرے دل میں آیا کہ میں بھی جہاد کے ثواب میں شامل ہوں میں نے کلام اللہ میں فال دیکھی تو آیت نکلی یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا" و لینصرن اللہ من ینصرہ۔ اس میں فتح کی بشارت تھی۔ جب سلطان عصر کی نماز کے واسطے مسجد میں آیا تو میں نے اس سے کہا کہ میں بھی سفر کرنا چاہتا ہوں اس نے کہا اچھا میں تجھے جہاد کا امیر مقرر کرتا ہوں میں نے کہا کلام اللہ میں یہ فال نکلی ہے وہ بہت خوش ہوا اور خود بھی چلنے کو تیار ہو گیا پہلے اس کا ارادہ بالکل نہ تھا۔ میں اور وہ ایک جہاز پر سوار ہوئے۔ شنبہ کے دن ہم چلے منگل کے دن سنداپور میں پہنچے اور کھاڑی میں داخل ہوئے معلوم ہوا کہ سنداپور کے باشندے لڑائی کے لیے تیار ہیں اور منجنیق لگائے ہوئے ہیں رات کو ہم ٹھہرے رہے صبح ہوتے ہی نوبت نقارے بجنے شروع ہوئے اور جہاز لڑائی کے لیے تیار ہوئے دشمن نے جہازوں پر منجنیق سے پتھر پھینکنے شروع کیے ایک شخص بادشاہ کے قریب کھڑا تھا اس کے پتھر آ کر لگا جہاز والے پانی میں کود پڑے ان کے ہاتھوں میں تلواریں اور ڈھالیں تھیں اور سلطان عکیوی بھی اتر گیا اور میں بھی پانی میں کود پڑا ہمارے پاس دو جہاز تھے جن کے پیچھے کھلے ہوئے تھے ان میں گھوڑے بھی سوار تھے یہ جہاز ایسے بنے ہوئے تھے کہ ان کے اندر ہی آدمی گھوڑے پر سوار ہو سکتا تھا اور زرہ پہن کر گھوڑے پر چڑھا ہوا باہر نکل آتا تھا ہم نے بھی اسی طرح کیا خدا نے مسلمانوں کو مدد دی ہم تلواریں پکڑ کر شہر میں داخل ہوئے اور اکثر ہندو راجہ کے محل میں پناہ گزیں ہوئے ہم نے ان پر آگ برسائی اور ان کو گرفتار کر لیا سلطان نے ان کو امان دے دی اور ان کی عورتیں واپس کر دیں۔ یہ لوگ دس ہزار کے قریب تھے اور ان کو شہر کے باہر رہنے کے لیے جگہ دی۔ سلطان محل میں جا رہا اور آس پاس کے گھر اپنے ملازموں اور امیروں کو دے دیے مجھے ایک لونڈی دی اس کا نام لمکی تھا میں نے اس کا نام مبارک رکھا اس کا خاوند مجھے فدیہ دیتا تھا میں نے لینے سے انکار کیا۔ سلطان نے مجھے ایک مصری چغہ (فرجیہ (۲۲)) بھی دیا جو راجہ کے توشہ خانہ سے برآمد ہوا تھا میں سلطان کے پاس سنداپور میں ۱۳ جمادی الاول سے نصف شعبان تک رہا اور پھر سفر کرنے کی اجازت طلب کی سلطان نے مجھ سے عہد لے لیا کہ میں پھر واپس آؤں گا۔

(۱۸) شالیات

پھر میں جہاز پر سوار ہو کر ہنور، فاکنور، منجرور، ہیلی، جرفتن، دہ فتن اور بدفتن، فندرینہ اور کالی کٹ ہوتا ہوا شہر شالیات (۲۳) میں پہنچا۔ یہ شہر خوبصورت ہے اس میں وہ کپڑا جو اس شہر کی طرف منسوب ہے بنایا جاتا ہے۔ میں نے اس شہر میں بہت دن تک قیام کیا۔ پھر میں کالی کٹ میں واپس آیا تو میرے دو غلام جو گھر پر بیٹھے تھے ملے انہوں نے کہا کہ میری کنیز جو حاملہ تھی اور جس کی بابت مجھے بہت فکر رہتا تھا مر گئی اور جاوا کے راجہ نے سب لونڈیاں اور اسباب چھین لیا اور میرے ہمراہی کچھ جاوا میں اور کچھ چین میں کچھ بنگالہ میں پراگندہ ہو گئے یہ حال معلوم کر کے میں ہنور میں اور وہاں سے سنداپور میں واپس آیا اور محرم کے اخیر میں وہاں پہنچا اور ربیع الثانی کی دوسری تاریخ تک وہاں ٹھہرا رہا۔ وہاں کا راجہ جس سے ہم نے یہ شہر فتح کیا تھا کہیں سے آ پہنچا تمام

ہندو اس کے پاس جمع ہو گئے سلطان کا لشکر دیہات میں پراگندہ تھا انہوں نے سلطان کا محاصرہ کرلیا اور آمدورفت بند کردی میں کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل آیا اور کالی کٹ کی طرف چلا اور جزائر مالدیپ کے سفر کا ارادہ کیا۔



حوالہ جات

(۱) بیرم۔ یہ جزیرہ ایک میل لمبا اور ۳۰۰ سے ۵۰۰ گز تک چوڑا خلیج کھمبایت میں گوگھا سے ساڑھے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں ۱۸۶۵ء میں گورنمنٹ نے ایک لائٹ ہاؤس یعنی منارہ بنایا ہے جس پر سمندر کی سطح سے سو فٹ کی بلندی پر ۸ لال ٹین جلتی ہیں۔ ابو الفضل لکھتا ہے بیرم پہلے حاکم نشین جگہ تھی یہ سمندر کے درمیان ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔

(۲) قوقہ۔ یعنی گوگھا۔ اب ضلع احمد آباد میں واقع ہے۔ کاٹھیا واڑ میں بمبئی سے ۱۹۳ میل کے فاصلے پر ہے آبادی تقریباً دس ہزار کے قریب ہے۔ یہاں کے باشندے جہازوں پر خلاصی یا لشکر کے طور پر ملازم ہیں اور جہاز رانی میں بہت مشاق ہیں۔ اب اس کی تجارت تنزل پر ہے۔ اکثر تاجر بھاؤنگر میں چلے گئے جو گھوگہ کے متصل ہی واقع ہے۔ آئین اکبری میں اس کو سرکار بھڑوچ کا ایک بندر لکھا ہے۔

(۳) سنداپور۔ حال کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ سنداپور گوا کے شہر کا نام تھا۔ ۱۳۱۲ء میں ملک کافور نے اس کو فتح کیا۔ ۱۳۷۰ء میں ہری ہر بیجانگر کے وزیر نے اس کو پھر فتح کرلیا۔ لیکن ۱۴۶۹ء میں محمد شاہ بہمنی نے اس کو پھر فتح کرلیا۔ اس کے بعد یہ شہر عادل شاہیوں کے قبضہ میں رہا۔ ۱۵۱۰ء میں پرتگیزوں نے اس پر قبضہ کرلیا جب سے اب تک وہ پرتگیزوں کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ اس شہر کی آبادی پرتگیزوں کے عروج کے وقت دو لاکھ کے قریب تھی۔ اب بالکل غیر آباد ہے اور دارالخلافہ گوا کا پانجم کے شہر میں ہے جس کو نیا گوا کہتے ہیں۔ نئے گوا کی آبادی بھی نو ہزار سے زیادہ نہیں۔

(۴) ہنور کو اب ہونور کہتے ہیں احاطہ بمبئی میں شمالی کنڑا کے ضلع میں ایک تحصیل کا صدر مقام اور بندرگاہ ہے موجودہ آبادی سات ہزار کے قریب ہے جن میں سے فقط پانسو کے قریب مسلمان ہیں ابو الفدا نے ۷۲۱ھ میں اس کا ذکر کیا ہے اس وقت یہ بڑا شہر تھا۔ سولویں صدی کے شروع میں پرتگیزوں نے اس جگہ کو ایک قلعہ بنایا اور راجہ بیجانگر کے ساتھ لڑائی ہو جانے پر شہر کو جلا دیا اس کے بعد اس شہر کو تنزل ہوتا گیا۔ پرتگیزوں کی طاقت کے زوال کے بعد راجہ بدنور نے اس پر قبضہ کرلیا لیکن جب حیدر علی نے بدنور کو فتح کیا تو اس شہر پر قبضہ کرلیا۔ ٹیپو سلطان کی آخری شکست کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آیا۔ یہ شہر دریائے جرسوپہ کے کنارے پر سمندر سے دو میل اندر کی طرف ایک

کھاڑی میں واقع ہے۔ اس شہر سے ۳۶ میل کے فاصلے پر یہ دریا پہاڑ کی چٹان پر سے نیچے گرتا ہے اور یہ آبشار نہایت مشہور اور نظارہ کی جگہ ہے۔

(۵) ملیبار۔ وجہ تسمیہ ملی پہاڑ اور بار ملک ہے۔ زمانہ قدیم میں اس ملک کو کیرالہ کہتے تھے۔ اس ملک کی قدیم حد راس کماری سے لے کر سنداپور یعنی گوا تک تھی۔ اب ٹراونکور کوچین کی ریاستیں مالابار اور جنوبی کانڑا کے ضلعے قدیم مالا بار کی حد میں ہیں۔ اس ساحل کی چوڑائی ۲۵ سے ۷۰ میل تک ہے۔ ساحل کے برابر مغربی گھاٹ کا پہاڑ جس کی بلندی تین ہزار فٹ سے سات ہزار فٹ تک ہے برابر چلا جاتا ہے چیرامن پیرومل نے ۸۲۷ء میں اسلام قبول کیا اور وہ ہجرت کر کے چلا گیا۔ ظفار کے شہر میں جہاں اس کی قبر ہے ۸۳۱ء میں مر گیا۔ اس نے جانے سے پہلے اپنے ملک کو متعدد ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے کالی کٹ کا سامری اور ہیلی کا کولاتری سب سے بڑے شمار ہوتے تھے۔ فرشتہ نے اس قصہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ تاریخ ہجری کے دو سو سال گزرے تھے کہ عرب اور عراق کے کچھ درویش بابا آدم کے قدم کی زیارت کے لیے سراندیپ کو جاتے تھے۔ رستہ میں انہوں نے کدنگلور کے شہر میں جو سامری کا دارالخلافہ تھا قیام کیا وہاں سامری سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس نے پیغمبر اسلام کے معجزات سنے۔ ان میں سے ایک شق القمر بھی تھا۔ اس کی بابت اس نے اپنے دفتر سے دریافت کیا کہ اس زمانہ میں ایسا کوئی واقعہ درج ہے یا نہیں تو معلوم ہوا کہ ایک وقت چاند دو ٹکڑے دکھلائی دیا تھا اس تصدیق سے اس کا عقیدہ اسلام پر پختہ ہو گیا اور وہ مسلمان ہو گیا لیکن ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھا اور جب وہ زائرین سراندیپ سے واپس آئے تو اپنے تمام اہلکاروں اور ماتحت راجاؤں کو بلا کر ان میں ملک تقسیم کر دیا اور ان کو وصیت کی کہ ایک دوسرے پر ہرگز تعدی نہ کرے اور ایک دوسرے کا علاقہ چھیننے کا ارادہ ہرگز دل میں نہ لائے اور خود پوشیدہ طور سے زائرین کے ساتھ جہاز میں بیٹھ گیا اور شحر (ش۔ حا ے۔ ساکن۔ ر) کے شہر میں جو حضرموت کا ایک بندر ہے مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے مالک بن دینار کے ہاتھ اپنے مقرر کردہ راجاؤں کے پاس ایک وصیت بھیجی کہ عرب کے تاجروں کو جس جگہ یہ مسجد یا سرائے یا مکان بنانا چاہیں اجازت دی جائے۔ سب سے پہلے مسجد اس نے کدنگلور میں جو اس وقت سامری کا پایہ تخت تھا بنائی اب اس شہر کو کرنگانور کہتے ہیں۔ پھر وہاں سے کولم گیا وہاں مسجد اور باغ تیار کیا پھر ہیلی ماراوی میں مسجد بنائی اس کے بعد جرفتن میں اس کے بعد درفتن اور فندرینہ اور چالیات وفاکنور اور منگلور اس وقت سے اس ملک میں اسلام کا رواج ہوا ہے اور اس

ساحل کی تجارت پرتگیزوں کی آمد اور زور پکڑنے سے پہلے بالکل عربوں کے ہاتھ میں تھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ کے وقت تک ملیبار کے راجہ پیرومل کی وصیت پر عمل کرتے رہے اور آپس میں کوئی جھگڑا نہیں کرتے تھے لیکن ۱۷۶۶ء میں آپس کے نزاع کے سبب سے ان میں سے ایک نے میسور کے راجہ سے مدد مانگی اور اسی دعوے پر حیدر علی نے مالا بار پر ۱۷۶۰ء سے لے کر ۱۷۷۴ء کئی دفعہ چڑھائی کی اور کل ملک کو فتح کر لیا۔ ۱۷۹۲ء میں ٹیپو سلطان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ صلح کرنے کے وقت یہ کل علاقہ کمپنی کو دے دیا۔ دس برس میں کمپنی نے بمشکل تمام علاقہ کو مطیع کیا اور ۱۸۰۵ء سے لے کر آج تک امن چلا آتا ہے لیکن مالا بار کے مسلمان جنکو ماپلی کہتے ہیں کئی دفعہ بغاوت کر چکے ہیں جس کی وجہ نایر زمینداروں کی تعدی ہے۔

(۶) ہنٹر صاحب نے اپنی گزیٹر میں ٹراونکور کے حال میں کہا ہے مالا بار اور ٹراونکور کی ریاست میں قوم نایر میں جو اکثر زمین کے مالک ہیں یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کی شادی بچپن میں بطور رسم کر دیتے ہیں لیکن جب وہ بڑی ہو جاتی ہیں تو ان کو اختیار ہے اپنی قوم میں سے یا برہمن کی قوم سے جس کو چاہیں اپنا خاوند بنائیں اور پہلا خاوند کچھ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وراثت بہنوں اور بہنوں کی اولاد کو ملتی ہے اگر بہن نہ ہو یا بھانجی نہ ہو تو کسی کو بہن بناتے ہیں ورنہ وہ شخص لاوارث سمجھا جاتا ہے ٹراونکور کا راجہ اگرچہ ذات کا چھتری ہے لیکن راج کی وراثت وہاں بھی اسی طرح پہنچتی ہے نایر کی اولاد اپنے ماموں کا ورثہ پاتی ہے اور اسی کا کریا کرم کرتی ہے باپ کی وراثت اس کو نہیں ملتی نایر کو اختیار ہے کہ مردہ کی نعش جلا دیں یا دفن کریں لیکن خواہ دفن کریں یا جلائیں اپنے باغ کے ایک گوشہ میں کرتے ہیں۔ چوٹی کو آگے کی طرف لٹکاتے ہیں۔ یہ وراثت کا طریقہ ایک عورت کے کئی خاوند کرنے کی رسم کا بقیہ ہے جو اب تک بھی کہیں کہیں باقی ہے۔

(۷) فلفل بضم و بکسر ظاہر دو۔ ثمر ہندی ست کہ درختے بلاد ہندو بنگالہ و جزائر دکھن ہم سے رسد و نبات آن دو نوع شنیده شد (۱) یکے شبیہ نبات دار فلفل (پیپل) دبلاب (عشق پیچہ) کہ برجدار خود سے پیچد و برگ آن شبیہ بہ برگ تنبول و ازاں کوچکتر و صنوبری شکل و تند طعم بالخصوصیت و تلخی و ثمر آن خوشہ دار و در ہر خوشہ دو بہشت دانہ متصل بہم پیوستہ شبیہ بہ توت در طول یک دو بند انگشت و دانہائے آن نخالی سبز و بعد از رسیدن سرخ و بعد از خشک شدن سیاہ و با گنج و چین دار میگردد (۲) دوم نبات آں بقدر دو سہ شیخ و برگ آن شبیہ بہ برگ عنب الثعلب (مکوہ) و ازاں در طول اندک زیادہ و در عرض کمتر و باحدت و اندک

گئی۔ خوشہ او مشابہ خوشہ جوار و کموہ۔ از جوار خورد تر واز کمو بزرگتر و دانہ او مشابہ دانہ عنب الثعلب وانچہ مشہور ست کہ سفید تیزے باشد سے گویند قسم علیحدہ نیست بلکہ در حمل و نقل چناں میگردد بعضے گویند درخت آں جدا است (از مخزن) مارکو پولو۔ گجرات کے جزائر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہاں گول مرچ ایسی سفید ہوتی ہے جیسا کہ برف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفید مرچ لگا گھنے سے سفید نہیں رہ جاتی بلکہ علیحدہ قسم ہوتی ہے ابو الفدا ملیبار کو "دار فلفل" یعنی مرچوں کا ملک بھی کہتا ہے۔

(۸) ابی سرور۔ اس شہر کا کچھ پتہ نہیں لگ سکا۔

(۹) فاکنور۔ اب اس کو برکور کہتے ہیں۔ احاطہ مدراس جنوبی کانڑا کے ضلع میں واقع ہے۔ جب ابن بطوطہ اس ملک میں آیا تو اس شہر کو بیجانگر کے راجاؤں نے فتح کر لیا تھا اور جب دکن کے مسلمانوں نے بیجانگر کے راجہ کو ۱۵۶۵ء میں مغلوب کیا تو یہ علاقہ راجہ بدنور کے قبضہ میں آگیا۔ اب اس شہر کو جو پرانے برکور یا باکنور سے ۵ میل کے فاصلے پر بستا ہے ہنگر سکہ کہتے ہیں۔ وہ سیلاندی کے دہانے پر واقع ہے۔ اب بھی چاول اور کپڑے اور ناریل اور نمک کی تجارت ہوتی ہے۔

(۱۰) منجور۔ اب اس شہر کو منگلور کہتے ہیں۔ شاید منگل دیوی کے نام پر جس کا مندر شہر کے قریب ہے اس شہر کا نام رکھا گیا ہو۔ جنوبی کانڑا ضلع احاطہ مدراس میں واقع ہے حال میں ۳۵ ہزار کے قریب آبادی ہے یہ شہر نہایت خوبصورت اور صاف ہے۔ کرگ اور میسور کا قہوہ اسی بندر سے باہر جاتا ہے۔

(۱۱) ہیلی۔ اب اس نام کا کوئی شہر نہیں ہے لیکن کنانور سے ۱۶ میل شمال کی طرف ایک پہاڑ کا کونا سمندر میں نکلا ہوا ہے اس کو کوہ ایلی کہتے ہیں۔ ابو الفداء نے لکھا ہے کہ ہیلی ایک پہاڑ ہے جو سمندر میں نکلا ہوا ہے اس کو کوہ ایلی کہتے ہیں۔ رشید الدین لکھتا ہے کہ منگلور اور فندرینہ کے بیچ میں ہیلی کا ملک ہے۔ تحفۃ المجاہدین نے جو مالا بار کے مسلمانوں کی تاریخ ہے اس شہر کو ہیلی ماراوی لکھا ہے' مخزن میں لکھا ہے کہ چھوٹی الائچی کوہ ہیلی واقع مالا بار میں پیدا ہوتی ہے۔ فارسی میں الائچی کو ہیل کہتے ہیں اور سنسکرت میں ایل تھن ہے یا تو الائچی کا نام اس شہر سے مشتق ہو یا اس شہر کا الائچی سے۔ ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ہیلی زمانہ حال کے گاؤں پاین گاڑی کے قریب واقع ہے۔

(۱۲) جرفتن۔ بعض کہتے ہیں یہ پرانا نام بلیا پٹن کا ہے جو اب بھی مالا بار کے ضلع میں ایک قصبہ ہے کنانور سے ۳ میل ہے۔ ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ جرفتن کی بابت تعین کیا جاتا

ہے کہ اب اس کو سری کنڈاپورم کہتے ہیں اور مالا بار کے ضلع میں اور چراکل کے تعلقہ میں واقع ہے۔ اب یہ چھوٹا سا گاؤں ہے اس میں ماپلے یعنی مالا بار کے مسلمان رہتے ہیں۔ مالک ابن دینار نے نویں صدی عیسوی میں چیرامن پیرومل کے حکم سے جو نو مسجدیں مالا بار کے شہروں میں تعمیر کی تھیں ان میں سے ایک یہاں بھی تھی وہ اب بھی موجود ہے۔

(۱۳) دہ فتن۔ دہ ہو پٹن۔ ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بندر نیلی چری کے بندر کے قریب ہی واقع تھا۔ نیلی چری اب ایک بڑا بندرگاہ شمالی مالا بار کے ضلع میں واقع ہے یہاں بھی ابن دینار کی نو مسجدوں میں سے ایک مسجد تھی۔

(۱۴) بدفتن اس شہر کا کچھ پتہ نہیں لگ سکا مسجد کے ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر چالیام ہو جو زمانہ حال کے شہر بے پور کے قریب واقع تھا کیونکہ وہاں بھی ابن دینار کی نو مسجدوں میں سے ایک مسجد تھی۔

(۱۵) فندرینہ پنڈارانی یا پنتالائی کالی کٹ سے ۱۶ میل شمال میں ہے۔

(۱۶) قالقوط یعنی کالی کٹ احاطہ مدراس میں مالا بار کے ضلع میں ایک شہر ہے۔ سمندر کے ساحل پر بے پور سے ۶ میل شمال کی جانب واقع ہے۔ موجودہ آبادی ۶۵ ہزار کے قریب ہے جس میں سے ۳۰ ہزار کے قریب مسلمان ماپلے ہیں۔ اب بھی بڑی تجارت کی جگہ ہے۔ کروڑہا روپیہ کے مال کی درآمد برآمد ہوتی ہے۔ ماپلوں کی پے در پے بغاوت کے سبب سے ۱۸۳۹ء سے کچھ فوج بھی رہتی ہے صحت اور آب و ہوا کے لحاظ سے یہ شہر عمدہ گنا جاتا ہے چیرامن پیرومل نے جس کے مسلمان ہونے اور ہجرت کر کے چلے جانے کا حال ہم درج کر آئے ہیں اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی لیکن موجودہ آبادی تیرھویں صدی میں بسائی گئی تھی۔ کہتے ہیں جس وقت چیرامن پیرومل نے تمام مالا بار کو اپنے اہلکاروں میں تقسیم کر دیا تو منا کرم ایک سردار غیر حاضر تھا جب وہ آیا تو اس کو چیرامن پیرومل نے اپنی تلوار دی اسکی اولاد کے تمام راجہ سامری کہلاتے ہیں اول ہی اول انہوں نے فقط کالی کٹ کا شہر حاصل کیا تھا لیکن بعد میں ماپلوں اور عرب سوداگروں کی مدد سے اپنے علاقہ کو بڑھا لیا۔ یہ ماپلے ان عربوں کی اولاد ہیں جو چیرامن پیرومل کا خط لے کر ظفر کے شہر سے آئے تھے پرتگیزوں کے زور پکڑنے پر سامری اور پرتگیزوں میں ایک عرصہ تک تنازعہ رہا۔ ۱۴۹۸ء میں اول ہی اول واسکو ڈی گاما کالی کٹ میں پہنچا لیکن چونکہ وہاں عرب سوداگروں کا زور تھا اس لیے سامری نے اس کی مدارات اچھی طرح سے نہ کی۔ اس کے بعد جب پرتگیزوں نے وہاں تجارتی کوٹھی بنانی چاہی تو سامری اور عرب سوداگروں نے اس کو گرا دیا۔ پرتگیزوں نے

کئی دفعہ شہر کو لوٹ لیا اور چونکہ یہ پرتگیز مسلمان حاجیوں کو سمندر میں لوٹ لیتے تھے اس لیے تمام مسلمان بادشاہ ان سے ناراض تھے انہوں نے بھی سامری کو مدد دی لیکن چونکہ ان کی بحری طاقت کمزور تھی اس لیے سامری کو آخر کار پرتگیزوں کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ ۱۶۶۴ء میں انگریزوں نے اول ہی اول ایک تجارتی کوٹھی بنائی۔ ۱۷۶۶ء میں حیدر علی نے شہر کا محاصرہ کیا۔ سامری مع اپنے عیال و اطفال کے قلعہ کے اندر جل کر مر گیا۔

(۱۷) چینک۔ اب بھی چین میں جہاز کو چینک کہتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اہل چین نے کس زمانہ میں ملیبار آنا چھوڑ دیا۔ یوسف کرنگا نوری ایک عیسائی مورخ ۱۵۵۵ء میں لکھتا ہے کہ راجہ کالی کٹ نے اہل چین کے ساتھ کچھ بدسلوکی کی تھی۔ وہ دوسری دفعہ زور باندھ کر آئے اور کالی کٹ کے بہت سے باشندوں کو قتل کر کے چلے گئے اور پھر نہیں آئے اس کے بعد انہوں نے مچھلی بیپن میں جو مشرقی ساحل پر ہے تجارت شروع کر دی۔

(۱۸) کنی کری۔ زمانہ حال میں اس شہر کو کوڈنگ لور کہتے ہیں۔ اس کی آبادی دس ہزار کے قریب ہے کوچین کی ریاست میں واقع ہے۔ یہودی اس شہر میں زمانہ قدیم سے رہتے ہیں نصرانی بھی بہت دن سے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لوقا حواری ۵۲ء میں یہاں آئے تھے۔ پرتگیزوں کے ظلم کے سبب سے ۱۵۶۵ء میں یہودی اس شہر سے اٹھ کر کوچین میں جا رہے تھے۔

(۱۹) بقم یعنی پتنگ کی لکڑی۔ یہ لکڑی مشرق اور امریکہ دونوں میں ہوتی ہے۔ اب برازیل سے آتی ہے اس لیے انگریزی میں اس کو برازیل کی لکڑی کہتے ہیں۔ یہ ایک خاردار درخت ہوتا ہے اور گوا سے لیکر ٹراونکور تک خودرو پیدا ہوتا ہے۔ رنگریز چند سال پہلے اس کا استعمال سرخ رنگ بنانے کے لیے کرتے تھے اب معدنی رنگوں نے اس کی سرد بازاری کر دی۔ گلال جو ہندو ہولی میں استعمال کرتے ہیں اسی لکڑی کا برادہ ہے۔ ماپلے لوگ یعنی مالابار کے مسلمان اس کو بوتے بھی ہیں اور جب ان میں سے کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کے پیدا ہونے کے بعد دو یا تین پتنگ کے درخت لگا دیتے ہیں چودہ پندرہ سال میں جب لڑکی شادی کے قابل ہوتی ہے تو یہ درخت بھی کاٹنے کے لائق ہو جاتے ہیں ان کو کاٹ کر اور بیچ کر لڑکی کو جہیز دے دیتے ہیں۔

(۲۰) کولم۔ یہ شہر اب ٹراونکور کی ریاست میں واقع ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ شہر چین اور فارس کی تجارت کی بڑی جگہ تھی۔ ۸۵۱ء میں ابو زید نے اس کا نام کولم ملی لکھا ہے ابو الفدا نے اس کو بلاد فلفل کا انتہائی شہر لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مسجد بہت عمدہ عالی شان اور ایک بازار مسلمانوں کا ہے ۱۸۰۰ء تک کولم تجارت کی ایک بڑی جگہ رہی اس کے بعد تنزل ہوتا گیا۔ زمانہ حال میں اس کی آبادی پندرہ ہزار کے قریب ہے۔ انگریزی چھاؤنی کی ایک رجمنٹ اب وہاں رہتی ہے۔

(۲۱) تروری۔ یریورا نے لکھا ہے کہ کولم کے راجہ کو بناتے اَیری کہتے ہیں اخیر لفظ کو اگر رے سے پڑھا جائے تو تقریباً "تروری" ہو جاتا ہے۔

(۲۲) فرجیہ ہے بند و کشادہ پیش باشند و بر سے تکمہ افزایند۔ چشتر برافزاد جامہ پوشند (از آئین اکبری) چغہ یا لبادہ ہوا۔

(۲۳) شالیات۔ اب شالیا کہتے ہیں۔ کالی کٹ کے قریب ہی واقع ہے۔ فرشتہ نے اس کا نام چالیات لکھا ہے۔

باب (۱۰)

جزائر مالدیپ

(۱) جزائر ذیبتہ المہل (۱)

ان جزیروں کا حال میں سنتا رہتا تھا۔ دسویں دن ہم وہاں پہنچ گئے۔ یہ جزائر دنیا کے عجائبات میں سے ہیں تعداد میں دو ہزار کے قریب ہیں سو سو جزیروں یا ان سے کم کا ایک ایک مجموعہ ہے جو دائرہ کی شکل کا ہوتا ہے جس کا فقط ایک دروازہ ہوتا ہے جس میں جہاز جاسکتے ہیں۔ جہازوں کے لیے رہبر کی ضرورت ہے۔ ان جزیروں کا باشندہ ہو تو وہ تمام جزیروں میں پھرا سکتا ہے۔ ایک مجموعہ دوسرے مجموعہ کے ایسا قریب ہے کہ اگر ایک سے نکلتے ہیں تو دوسرے کے کھجور کے درخت نظر آنے لگتے ہیں۔ اگر سمت کی غلطی ہو جائے تو پہنچنا مشکل ہے اور ہوا جہاز کو سیلان یا معبر کے ملک میں جا ڈالتی ہے۔
اس جزیرہ کے کل باشندے مسلمان ہیں اور دیندار اور نیک بخت ہیں اور ان جزیروں میں علیحدہ علیحدہ اقلیمیں ہیں ہر اقلیم پر جدا جدا والی ہے والی کو کردوئی کہتے ہیں۔ اقلیموں کے نام یہ ہیں: ۱۔ پالپور، ۲۔ کنلوس، ۳۔ محل داس، (اقلیم کے نام سے کل جزیرہ مشہور ہے اور بادشاہ بھی اسی جزیرہ میں رہتا ہے) ۴۔ تلادیپ، ۵۔ کرایدو، ۶۔ تیم، ۷۔ تلدمتی، ۸۔ ہلدمتی، ۹۔ بریدو، ۱۰۔ کندکل، ۱۱۔ ملوک، ۱۲۔ سوید (یہ سب سے

کنارہ پر ہے)

(۲) پیداوار

ان جزائر میں سوا سوید کے اور کہیں زراعت بالکل نہیں ہوتی فقط سوید میں ایک قسم کا غلہ ہوتا ہے جو انلی چینی کنگنی کے مشابہ ہے اور وہاں سے اس کو محل کے جزیرہ میں لے جاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے ایک مچھلی (۲) کو کھاتے ہیں جو لیروں کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس کو وہاں کے لوگ قلب الماس کہتے ہیں اس کا گوشت سرخ ہوتا ہے اس میں بو نہیں ہوتی بلکہ چوپایوں کے گوشت کی طرح بو آتی ہے جب اس کو پکڑتے ہیں تو چار ٹکڑے کر لیتے ہیں تھوڑا سا پکاتے ہیں پھر کھجور کے پتوں کی زنبیل میں رکھ کر دھوتے ہیں اور دھوئیں پر لٹکا دیتے ہیں جب بالکل خشک ہو جاتی ہے تو کھاتے ہیں اور ہندوستان اور چین اور یمن میں بھی لے جاتے ہیں ان جزائر میں درختوں میں سب سے زیادہ کثرت سے ناریل (۳) ہوتا ہے اس کو مچھلی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ ناریل کا درخت عجیب ہوتا ہے ایک سال میں بارہ دفعہ پھل دیتا ہے۔ ہر مہینے نیا پھل آتا ہے۔ ان میں سے بعض تو چھوٹا ہوتا ہے بعض بڑا بعض خشک بعض سبز۔ ناریل سے دودھ اور تیل اور شہد بناتے ہیں اس کا بیان میں نے اول جلد میں مفصل کیا ہے اس کے شہد کا حلوا بناتے ہیں اور ناریل کی گری کے ساتھ کھاتے ہیں۔ ناریل کی تمام چیزوں میں اور اس مچھلی میں جس کا ذکر میں کر آیا ہوں عجیب اور بے نظیر قوت باہ ہوتی ہے اور اس جزیرہ کے باشندے اس امر میں عجائبات ظاہر کرتے ہیں میرے نکاح میں وہاں چار بیویاں تھیں اور کنیزیں ان کے علاوہ تھیں------ ڈیڑھ سال تک میں اس جزیرے میں رہا برابر یہی دستور رکھا۔ ان جزائر میں جموح اور کٹھل اور لیموں اور اروی ہوتے ہیں۔ اروی کی جڑوں کو نکال کر اس کا آٹا پیستے ہیں اور اس سے سویاں (اطریہ) بناتے ہیں اور ناریل کے دودھ میں اس کو پکاتے ہیں نہایت خوشگوار کھانا ہوتا ہے مجھے بہت پسند تھا اور میں اس کو اکثر کھاتا تھا۔

(۳) مالدیپ کے باشندے

اس جزیرہ کے آدمی (۴) نیکوکار اور دیندار اور نیک بخت اور ایماندار ہوتے ہیں۔ حلال کی روزی کھاتے ہیں اور مستجاب الدعا بھی ہوتے ہیں جب کوئی آدمی ان کو

دیکھتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد میرا نبی ہے اور میں غریب جاہل ہوں۔ بدن کے پتلے دبلے ہوتے ہیں لڑائی کے عادی نہیں ہوتے۔ ان کا ہتھیار دعا ہے۔ ایک دفعہ میں نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اہل مجلس بہت سے بے ہوش ہو گئے۔ ہندوستان کے چور اور ڈاکو بھی ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتے کیونکہ ان کو تجربہ ہو چکا ہے کہ جو کوئی ان کا مال چراتا ہے یا زبردستی چھینتا ہے تو اس پر فوراً مصیبت نازل ہوتی ہے۔ جب کافروں کے جہاز ان کے نواح میں آتے ہیں تو ان کے سوا جو اور آدمی ان کو ملتا ہے پکڑ لیتے ہیں لیکن اس جزیرہ کے باشندوں کو کچھ نہیں کہتے اور اگر کوئی کافر ایک لیموں بھی ان کا لے لیتا ہے تو ان کا امیر عذاب الٰہی کے خوف سے اس کو سخت سزا دیتا ہے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو ان بیچاروں کا خدا حافظ تھا کیونکہ یہ لوگ بسبب ضعیف البدن ہونے کے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہر ایک جزیرہ میں مسجدیں ہیں اکثر لکڑی کی بنی ہوئی ہیں یہ لوگ پاک و صاف رہتے ہیں اور اکثر دن میں دو دفعہ غسل کرتے ہیں کیونکہ وہاں گرمی بہت ہوتی ہے اور پسینہ بہت آتا ہے خوشبو اور عطریات کا استعمال بکثرت کرتے ہیں اور مقد شو اعدن کے سامنے (سالیوں کے ایک علاقہ کا نام ہے) سے جو غالیہ آتا ہے وہ ملتے ہیں صبح کی نماز کے بعد ان کا دستور ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند کے پاس یا اپنے بیٹے کے پاس سرمہ دانی اور گلاب اور غالیہ (۵) لاتی ہے' اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈالتی ہے اور گلاب اور غالیہ سے اس کا منہ اور بدن ملتی ہے' جس سے اس کا بگڑا ہوا چہرہ سنور جاتا ہے اور بدن پر رونق آجاتی ہے۔ وہ فقط ایک چادر اپنی کمروں میں پاجامہ کی بجائے باندھتے ہیں اور اپنی پشت پر ولیان کپڑا ڈال لیتے ہیں جو احرام کے کپڑوں کے مشابہ ہوتا ہے بعض سر پر عمامہ رکھتے ہیں اور بعض بجائے عمامہ کے رومال باندھ لیتے ہیں جب ان میں سے کوئی شخص قاضی یا خطیب کو رستہ میں مل جاتا ہے تو اپنے کندھوں پر سے کپڑا اتار لیتا ہے اور پشت کو برہنہ کر دیتا ہے اور اس کو مکان تک پہنچاتا ہے ان کا یہی دستور ہے کہ کسی شخص کا نکاح ہوتا ہے اور وہ اپنی زوجہ کے گھر جاتا ہے تو زوجہ کے گھر کے بیرونی دروازہ سے اندر کے دروازوں تک کپڑا بچھایا جاتا ہے اور اس کے دائیں بائیں کوڑیوں کی ڈھیریاں بنائی جاتی ہیں اور زوجہ اندر کے دروازہ پر منتظر کھڑی ہوتی ہے جب وہ دولہا اس کے پاس پہنچتا ہے تو اس کے دونوں پاؤں تک ایک کپڑا ڈالتی ہے جس کو دولہا کے خادم اٹھا لیتے ہیں اور جب عورت خاوند کے گھر آتی ہے تو اسی طرح فرش کیا جاتا ہے اور ڈھیریاں بنائی جاتی ہیں اور اس وقت بھی عورت مرد کے پاؤں پر کپڑا ڈالتی ہے اور جب بادشاہ کو سلام کرتے ہیں تو بھی اس کے پاؤں پر کپڑا ڈالتے ہیں۔

(۴) ان کے گھر

ان کے گھر (۶) لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور گھر کا فرش زمین سے اونچا رکھتے ہیں نمی سے بچنے کے لیے پہلے دو دو تین تین گز لمبے پتھر تراشتے ہیں اور ان کی تھمیں بناتے ہیں پھر ان کے اوپر ناریل کی لکڑی بچھاتے ہیں اور اس پر لکڑی کی دیواریں کھڑی کرتے ہیں مکان بنانے میں نہایت درجہ کی صنعت کرتے ہیں دہلیز میں ایک کوٹھ بناتے ہیں جس کو مالم کہتے ہیں اس کا ایک دروازہ دہلیز کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا گھر کی طرف اس کے دروازہ پر ایک ناند (خم) پانی کا بھرا ہوا ہوتا ہے اس میں ناریل کے چھلکے کا ایک ڈول پڑا ہوا ہوتا ہے جس میں دو گز لمبی رسی ہوتی ہے اس ڈول کو ونچ کہتے ہیں اسی سے کوئیں میں سے بھی پانی نکالتے ہیں کیونکہ یہاں پانی بہت قریب ہے یہاں کے سب لوگ ننگے پاؤں رہتے ہیں خواہ شریف ہو خواہ کم ذات۔ اور ان کے کوچے اور گلیاں صاف ہوتی ہیں اور ان میں جھاڑو دی ہوتی ہے اور دونوں طرف درخت ہوتے ہیں جس کے سایہ میں چلنے والا ایسا چلتا ہے گویا وہ باغ میں جا رہا ہے لیکن پھر بھی گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہر شخص اپنے پاؤں خم میں سے پانی نکال کر دھوتا ہے اور ناریل کی چھال کا بنا ہوا ایک موٹا بوریا وہاں پڑا رہتا ہے اس پر پاؤں کو خوب پونچھ لیتا ہے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

(۵) اہل جہاز کا استقبال اور مہمان نوازی

اس ملک میں یہ بھی دستور ہے کہ جب کوئی جہاز آتا ہے تو وہاں کے لوگ چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جن کو کندرہ کہتے ہیں اہل جہاز کا استقبال کرتے ہیں اور پان اور ناریل کی گری اپنے ساتھ لے جاتے ہیں جس شخص کو چاہتے ہیں وہ پان اور گری دیتے ہیں وہ شخص اس کا مہمان سمجھا جاتا ہے اور اس کا اسباب اٹھا کر اپنے گھر لے جاتے ہیں گویا کہ وہ اس کا کوئی قریب ہے اگر وہ مسافر نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کا نکاح بھی کر دیتے ہیں جب وہ جاتا ہے تو اس عورت کو طلاق دے جاتا ہے کیونکہ وہاں کی عورتیں جزیرہ سے باہر نہیں جاتیں اور اگر نکاح کرنا نہیں چاہتا تو اس شخص کی عورت

مسافر کا کھانا پکاتی ہے اور خدمت کرتی ہے اور جب سفر پر جاتا ہے تو اس کو توشہ دیتی ہے اور اس کے عوض جو تھوڑا بہت وہ دے دیتا ہے اس کو لے کر بہت خوش ہوتی ہے اگر کوئی کچھ بھی نہ دے تو جو فائدہ خزانہ کا ہوتا ہے اس کو کافی سمجھتے ہیں خزانہ کو بندر کہتے ہیں جہاز کے مال کا ایک حصہ ایک معین رقم کے مقابلہ میں بندر کے لیے خریدا جاتا ہے خواہ اسباب اس قیمت کی مالیت کا ہو یا زیادہ کا اس کو شرع بندر کہتے ہیں اور ہر جزیرہ میں بندر کے لیے ایک لکڑی کا مکان بنا ہوتا ہے جس کو بجنصار کہتے ہیں۔ اس میں والی تمام اسباب جمع رکھتا ہے اور وہیں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

(۶) ناریل کی رسی

ان جزیروں کے باشندے مٹی کے برتن مرغیوں کے عوض خریدتے ہیں چنانچہ ایک دیگچی کی قیمت پانچ یا چھ مرغیاں ہوتی ہیں۔ ان جزیروں سے جہاز مچھلی کا گوشت اور ناریل (۷) اور چادریں ولیان اور عمامے روئی کے بنے ہوئے اور تانبے کے برتن اور کوڑیاں اور قنبر یعنی ناریل کی رسی لے جاتے ہیں۔ ناریل کے اوپر کے چھلکے کو سمندر کے کنارے غاروں میں بھگوتے ہیں پھر ان کو سوٹوں سے کوٹتے ہیں پھر عورتیں اس کو کاتتی ہیں اور اس کی رسیاں جہازوں کے واسطے بٹتی ہیں اور یمن اور ہند اور چین میں بیچنے کے واسطے لے جاتے ہیں۔ یہ رسی بھنگ کی رسی سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے ہندوستان اور یمن میں جہازوں کی لکڑیاں ان رسیوں سے جوڑتے ہیں اور لوہے کی میخیں استعمال نہیں کرتے کیونکہ لوہے کی میخیں پتھر کے ٹکرانے سے ٹوٹ جاتی ہیں لیکن اگر ان رسیوں سے تختے جکڑے ہوئے ہوں تو خواہ کسی قدر صدمہ پہنچے جہاز کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

(۷) کوڑیاں

ان جزیروں میں کوڑیوں (۸) کا چلن ہے۔ کوڑی ایک جانور ہوتا ہے۔ سمندر میں سے ان کو چن کر کنارے پر ایک غار میں جمع کر دیتے ہیں۔ وہ جانور سوکھ جاتا ہے اور اس کی ہڈی سفید باقی رہ جاتی ہے سو کوڑیوں کو سیاہ کہتے ہیں اور سات سو کوڑیوں کو فال اور بارہ ہزار کو کتی اور لاکھ کوڑیوں کو بستو۔ چار بستو کو ایک طلائی دینار کے عوض بیچتے ہیں اور بعض وقت سستی ہو جاتی ہیں تو دس بستو بھی ہو جاتی ہیں اہل بنگال ان کے عوض چاول دے جاتے ہیں بنگالہ کے ملک میں بھی کوڑیوں کا چلن ہے اہل یمن بھی کوڑیاں خریدتے ہیں اور وہ بجائے ریت کے اپنے جہازوں میں انہیں بچھا لیتے ہیں سوڈان میں بھی کوڑیوں کا چلن ہے اور مالی اور جوجو کے ملک میں ایک طلائی دینار کے عوض گیارہ سو پچاس کوڑیاں بکتی ہیں۔

(۸) عورتیں

ان جزیروں میں عورتیں اپنا سر نہیں ڈھکتیں اور ان کی ملکہ بھی سر نہیں ڈھکتی بالوں میں کنگھی کرتی ہیں اور بالوں کا جوڑا سر پر ایک طرف کو باندھ لیتی ہیں۔ اکثر تو فقط ایک چادر رکھتی ہیں جس سے ناف سے نیچے پاؤں تک بدن ڈھک لیتی ہیں اور باقی کل بدن ننگا رکھتی ہیں اور بازاروں اور گلیوں میں بھی اسی طرح پھرتی ہیں جب میں وہاں کا قاضی مقرر ہوا تو میں نے بہت کوشش کی یہ دستور چھڑوا دوں اور ان کو لباس پہننے کا حکم دیا لیکن میں کامیاب نہ ہوا' آخر میں نے حکم دیا کہ میرے سامنے کوئی عورت مقدمہ کی پیشی کے وقت ننگے بدن نہ آئے۔ اس سے زیادہ میں بھی کچھ نہ کر سکا۔ بعض عورتیں تو ساڑھی کے اوپر ایک چھوٹی اور عریض آستینوں کی کرتی پہن لیتی ہیں۔ میری کنیزوں کا لباس اہل دہلی کی مانند تھا وہ اپنا سر بھی ڈھکا رکھتی تھیں لیکن وہاں کی عورتیں ان کو برا جانتی تھیں ان کا زیور کنگن ہے وہ دونوں ہاتھوں کو پہونچے سے لے کر کہنی تک ان سے بھرتی ہیں یہ کنگن چاندی کے ہوتے ہیں کیونکہ سوا بادشاہ اور اس کے رشتہ داروں کی عورتوں کے کوئی عورت سونے کے کنگن نہیں پہن سکتی اور پاؤں میں جھانجن پہنتی ہیں جس کو پایل کہتے ہیں سونے کی حمائل گلے میں پہنتی ہیں اس کو بسدرو کہتے ہیں۔ اس جزیرہ میں ایک عجیب رسم ہے کہ وہاں کی عورتیں پانچ دینار یا کم لے کر گھروں میں فقط روٹی کپڑے پر خدمت کرتی ہیں اور اس کو عیب نہیں جانتی ہیں چنانچہ دولت مند آدمیوں کے گھروں میں ایسی دس دس اور بیس بیس عورتیں ہوتی ہیں اگر وہ کوئی برتن توڑ ڈالتی ہیں تو اس کی قیمت پیشگی روپیہ میں زیادہ ہو جاتی ہے اگر وہ ایک گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں جانا چاہتی ہیں تو جو گھر اسے لینا چاہتا ہے پہلے گھر والے کو وہ دینار جس کے عوض وہ گروی ہوتی ہے ادا کر دیتا ہے اور آئندہ سے وہ ان کا قرضہ سمجھا جاتا ہے اور اس طرح کی عورتیں اکثر قنبر یعنی ناریل کی رسی کے کاتنے کا کام کرتی ہیں نکاح اس جزیرہ میں بہت آسانی سے ہو جاتا ہے کیونکہ مہر تھوڑا ہوتا ہے اور عورتیں

حسن معاشرت کے لیے مشہور ہیں اور اکثر آدمی مہر مقرر بھی نہیں کرتے ایسی صورت میں مہر مثل دلایا جاتا ہے جب کوئی جہاز نیا آتا ہے تو جہاز والے وہاں کی عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیتے ہیں جب وہ واپس جاتے ہیں تو ان عورتوں کو طلاق دے جاتے ہیں یہ ایک قسم کا متعہ ہوتا ہے یہ عورتیں اپنے جزیرہ سے باہر ہرگز نہیں جاتی ہیں عورت فقط ایک ہی خدمت اپنے خاوند کی نہیں کرتی بلکہ وہی اس کے سامنے کھانا لاتی ہے' وہی لے جاتی ہے' وہی ہاتھ دھلاتی ہے' وہی وضو کے لیے پانی لاتی ہے' وہی سوتے وقت پاؤں دباتی ہے۔ وہاں کی عورتیں خاوند کے ساتھ ہرگز نہیں کھاتیں بلکہ خاوند کو معلوم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کھاتی ہے۔ میں نے وہاں کی عورتوں سے نکاح کیا بعض نے بعد تجمل و قال کے میرے ساتھ کھانا منظور کر لیا اور بعض نے میرے ساتھ نہ کھایا میں نے بہت ہی کوشش اور تدبیر کی کہ ان کو کھاتے ہوئے دیکھوں لیکن میں ناکام رہا۔

(۹) ان جزیروں کے باشندوں کا اسلام قبول کرنا

ان جزیروں کے بعض ثقہ آدمیوں نے جیسے کہ فقیہ عیسیٰ یمنی اور فقیہ معلم علی اور قاضی عبداللہ وغیرہ ہیں مجھ سے یہ روایت کی کہ اس جزیرہ کے باشندے پہلے بت پرست تھے اور ہر ایک مہینے سمندر کی طرف سے ایک جن آتا تھا جس کی شکل ایسی ہوتی تھی کہ گویا ایک جہاز ہے اور اس میں قندیلیں لگی ہوئی ہیں۔ ان کا دستور تھا کہ جس وقت اس کو دیکھتے تھے تو ایک باکرہ عورت کو بناؤ سنگار کر کے ایک بت خانہ میں جو سمندر کے کنارے پر تھا چھوڑ دیتے تھے صبح کو آتے تھے تو اس کو مرا ہوا اور اس کی بکارت کو زائل پاتے تھے ہر مہینے میں آپس میں قرعہ ڈالتے تھے جس کے نام پر قرعہ آتا تھا اس کو اپنی بیٹی بھیجنی پڑتی تھی ایک دفعہ ان کے جزیرہ میں ایک مغربی ابوالبرکات بربری نام بطور مسافر کے وارد ہوا یہ شخص حافظ قرآن تھا وہ جزیرہ محل میں ایک بڑھیا کے گھر میں ٹھہرا۔ ایک روز گھر کے اندر جو داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ بڑھیا اور اس کے رشتہ دار رو رہے ہیں جیسا کہ کوئی ماتم ہو گیا ہو اس نے حال دریافت کیا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا ایک ترجمان بلایا گیا اس نے کل حال سنایا اور کہا کہ اس بڑھیا کے نام قرعہ پڑا ہے اور اس کے فقط اکلوتی بیٹی ہے اس کو اب وہ جن مار ڈالے گا۔ ابوالبرکات نے کہا کہ تیری بیٹی کی جگہ میں جاؤں گا۔ یہ شخص کوسہ تھا داڑھی مونچھ نہ رکھتا تھا اس کو اٹھا کر بت خانہ میں چھوڑ آئے اس نے وضو کر کے کلام اونچا پڑھنا شروع کیا جن ظاہر ہوا لیکن جب اس نے کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو واپس سمندر میں چلا گیا صبح ہوئی تو مغربی کھڑا ہوا تلاوت کر رہا تھا جب بڑھیا اور اس کے رشتہ دار حسب معمول اس کی لاش لینے کو آئے تو مغربی کو زندہ پایا اس کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے جس کا نام شنورازہ تھا اور اس کو کل حال سنایا اس کو نہایت تعجب ہوا مغربی نے اس کو مسلمان ہونے کی رغبت دی بادشاہ نے کہا تو اگلے مہینے تک صبر کر اگر اگلے مہینے بھی تو سالم رہا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا مغربی وہاں ٹھہر گیا اور ابھی مہینہ پورا نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی اور وہ مع اپنے امیروں اور کنبے کے مسلمان ہو گیا جب مہینہ ہو چکا تو مغربی کو اٹھا کر پھر بت خانہ میں لے گئے اور جن نہ آیا اور وہ صبح تک کھڑا ہوا کلام اللہ کی تلاوت کرتا رہا صبح کو بادشاہ اور عوام آئے تو اس کو تلاوت کرتے پایا۔ اس وقت انہوں نے بت خانہ توڑ دیئے اور کل جزیروں کے باشندے مسلمان ہو گئے اور انہوں نے باقی جزیروں کے باشندوں کو بھی مسلمان کر لیا مغربی کی بڑی تعظیم اور تکریم کرتے رہے مغربی کے سبب سے یہ لوگ بھی کل امام مالک کے مذہب کے پیرو ہو گئے یہ لوگ اب تک مغرب کے لوگوں کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی جو اب تک اس کے نام سے مشہور ہے اور اس مسجد کی محراب پر کتبہ کھدا ہوا ہے کہ سلطان احمد شنورازہ ابوالبرکات مغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس بادشاہ نے ان جزیروں کے محاصل کا تہائی مسافروں کے لیے مقرر کر دیا کیونکہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب ایک مسافر ہوا تھا اب تک وہی دستور چلا آتا ہے اس جن کے سبب سے اکثر جزیرے غیر آباد ہو گئے تھے جب میں ان جزیروں میں وارد ہوا تو میں نے ایک رات کو دیکھا کہ لوگ کلمہ اور تکبیر پکار پکار کر پڑھتے ہیں اور بچے اپنے سروں پر کلام اللہ لیے ہوئے ہیں اور عورتیں طشت اور تانبے کے برتن بجا رہی ہیں مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا کرتے ہیں اور میں نے سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ سمندر کی طرف دیکھ میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا جہاز جس میں چراغ اور مشعلیں جل رہی ہیں آتا ہے انہوں نے کہا کہ یہ جن ہے مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہے ہم اس طرح کرتے ہیں تو واپس چلا جاتا ہے اور کچھ نقصان نہیں کرتا۔

(۱۰) ان جزیروں کی ملکہ

یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ان جزیروں کی بادشاہ ایک عورت ہے (۹) خدیجہ

اس کا نام ہے اور سلطان جلال الدین عمر بن سلطان صلاح الدین صالح بنگالی کی بیٹی ہے اس کا دادا بادشاہ تھا پھر اس کا باپ بادشاہ ہوا جب اس کا باپ مر گیا تو اس کا بھائی شہاب الدین بادشاہ ہوا وہ کم سن تھا۔ وزیر عبداللہ بن محمد حضرمی نے اس کی ماں کے ساتھ نکاح کر لیا اور کل امور سلطنت پر قابض ہو گیا اس نے وزیر جمال الدین کے مرنے کے بعد اس ملکہ خدیجہ کے ساتھ بھی نکاح کر لیا۔ یہ ہم عنقریب بیان کریں گے جب شہاب الدین بالغ ہوا تو وزیر عبداللہ کو نکال دیا اور جزیرہ سویدی میں جلاوطن کر دیا اور خود مستقل بادشاہ ہو کر اپنے غلام علی کو وزیر بنایا۔ تین برس کے بعد اس کو بھی جلاوطن کر دیا۔ یہ شہاب الدین رات کو اپنے امیروں اور مصاحبوں کے گھروں میں چلا جاتا تھا اس لیے اس کو معزول کر دیا اور جزیرہ ہلدھتی میں بھیج دیا وہاں ایک آدمی کو بھجوا کر اس کو قتل کروا ڈالا۔ شاہی خاندان سے تین بیٹیاں رہ گئیں خدیجہ اور مریم اور فاطمہ' لوگوں نے خدیجہ کو اپنی ملکہ بنا لیا وہ ان کے خطیب جمال الدین کے نکاح میں تھی اس نے اپنے بیٹے محمد کو اپنی جگہ خطیب مقرر کیا اور آپ بادشاہ بن گیا اور کل امور سلطنت پر قابض ہو گیا لیکن کل حکم ملکہ خدیجہ کے نام سے جاری ہوتے تھے اس جزیرہ میں کل حکم نامے کھجور کی شاخوں پر ایک لوہے کے چاقو سے جو ٹیڑھا ہوتا ہے لکھتے ہیں اور کاغذ پر فقط کلام اللہ اور کتابیں لکھتے ہیں اور یہ حکم خطیب جمعہ کے دن یا اور کسی روز سناتا ہے اور اس طرح شروع کرتا ہے۔ "اے خدا اپنی لونڈی کی مدد کر جس کو تو نے اس کے علم کے سبب سے تمام عالم کے لوگوں میں سے برگزیدہ کیا ہے اور اس کو تمام مسلمانوں کے لیے ذریعہ رحمت بنایا ہے وہ کون ہے سلطانہ خدیجہ سلطان جلال الدین کی بیٹی جو سلطان صلاح الدین کا بیٹا تھا۔ اس ملک کا دستور ہے کہ جب کوئی مسافر وارد ہوتا ہے اور شاہی محل میں جاتا ہے تو دو کپڑے اپنے ساتھ لے جاتا ہے ایک تو ملکہ کو سلام کرنے کے وقت اس کے پاؤں پر ڈالتا ہے اور دوسرا جمال الدین وزیر کے سلام کرنے کے وقت اس کے پاؤں پر ڈال دیتا ہے۔ اس ملک کا لشکر ایک ہزار کے قریب ہے وہ کل پردیسی ہیں اور کوئی کوئی اس ملک کے بھی ہیں وہ ہر روز شاہی محل میں آتے ہیں اور سلام کر کے چلے جاتے ہیں ان کو تنخواہ میں چاول ملتے ہیں جو ان کو سرکاری خزانہ (بندر) سے ہر مہینے ملتی ہے جب مہینہ ختم ہو جاتا ہے تو اہل لشکر شاہی محل میں آتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔ وزیر سے کہتے ہیں ہمارا سلام ملکہ کو پہنچا دے اور کہہ دے کہ ہم اپنی تنخواہ طلب کرنے آئے ہیں اس وقت وزیر حکم دیتا ہے کہ مقررہ مشاہرہ دے دو قاضی اور کل وزیر بھی ہر روز آتے ہیں غلام ان کا سلام ملکہ کو پہنچاتے ہیں اور وہ خوش چلے جاتے ہیں وزیر اعظم کو جو ملکہ کا نائب بھی ہے کلکی کہتے ہیں قاضی کو فندیار قالوا کہتے ہیں قاضی کا عہدہ سب سے بڑا ہے اس کا حکم بادشاہ سے بھی زیادہ چلتا ہے وہ شاہی محل میں ایک مسند پر بیٹھتا ہے تین جزیروں کا محصول قاضی کے لیے سلطان احمد شنورازہ کے وقت سے معاف چلا آتا ہے خطیب کو ہندیجری کہتے ہیں اور دیوان کو فالا داری اور صاحب اشغال کو مافا کلوا اور حاکم کو فتنایک اور امیر البحر کو مانایک کہتے ہیں۔ یہ سب عہدہ دار وزیر کہلاتے ہیں۔ اس ملک میں قید خانہ نہیں ہوتا اگر بہت قیدی ہوں تو لکڑی کے گھروں میں جو سوداگروں کے اسباب رکھنے کے لیے بنے ہوئے ہوتے ہیں بند کر دیتے ہیں اور ایک قیدی ہو تو اس کو کاٹ میں دے دیتے ہیں جیسا کہ ہمارے ملک میں فرنگی قیدیوں کو بند کیا جاتا ہے۔

(11) میں ان جزیروں میں کس طرح پہنچا

میں اول ہی اول کنلوس کے جزیرہ میں پہنچا۔ یہ جزیرہ بہت خوبصورت ہے مسجدیں بکثرت ہیں۔ میں وہاں ایک نیک مرد کے گھر میں ٹھہرا۔ فقیہ علی نے' جو بڑا فاضل تھا' میری ضیافت کی۔ طالب علم اس کی اولاد ہیں۔ اس جزیرہ میں مجھے ایک شخص مختار کار رہنے والا ملا جس کا نام محمد تھا اس نے میری ضیافت کی اور مجھ سے کہا کہ اگر تو جزیرہ محل میں جائے گا تو وزیر تجھے وہیں رکھ لے گا کیونکہ ان کے پاس آج کل کوئی قاضی نہیں ہے۔ میرا مطلب تھا کہ میں اس جزیرہ کو دیکھ کر معبر اور سراندیپ اور بنگالہ ہوتا ہوا چین کو جاؤں۔ میں یہاں ناخدا عمر ہنوری کے جہاز میں آیا تھا یہ شخص حاجی اور فاضل تھا کنلوس کے جزیرہ میں وہ دس دن تک ٹھہرا پھر اس نے ایک کشتی (کندرہ) کرایہ کی اور ملکہ اور وزیر کے لیے تحفے لے کر چلا میں نے بھی اس کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا اس نے کہا کہ ہماری کشتی میں تمہارے ساتھیوں کے لیے گنجائش نہیں اگر تنہا جانا چاہتے ہو تو چلو۔ میں نے تنہا جانے سے انکار کیا وہ روانہ ہو گیا باد مخالف کی تکلیف اٹھا کر وہ چوتھے روز واپس آ گیا۔ مجھ سے عذر کرنے لگا اور مجھے اور میرے ہمراہیوں کو ساتھ لے چلا۔ ہم صبح سے دوپہر تک چلتے تھے اور دوپہر کو کسی جزیرہ میں ٹھہر کر رات بھر وہیں رہتے تھے اور پھر دوسرے دن صبح کو سفر کرتے تھے اس طرح چلتے چلتے چوتھے دن ہم تیم کے جزیرہ میں پہنچے وہاں کا والی جلال نام تھا اس نے مجھے سلام کیا اور میری

ضیافت کی اور جب وہ آیا تو چار آدمی اس کے ساتھ تھے دو کے کندھوں پر ایک لاٹھی تھی اس میں چار مرغیاں لٹکائی ہوئی تھیں اور دوسرے دو آدمیوں کے کندھوں پر بھی ایک لاٹھی تھی اور اس میں دس ناریل لٹکائے ہوئے تھے۔ میں نے تعجب کیا کہ یہ کیا حقیر چیز ہے لیکن مجھے معلوم ہوا کہ یہ ان کے ملک میں نہایت تعظیم و تکریم کی علامت تھی۔ چھٹے دن ہم عثمان کے جزیرہ میں پہنچے یہ شخص بڑا فاضل اور نیک بخت ہے اس نے ہماری ضیافت کی آٹھویں دن ہم وزیر کے جزیرہ میں پہنچے جس کو تلدی کہتے ہیں اور دسویں دن محل کے جزیرے میں پہنچ گئے جہاں ملکہ اور اس کا وزیر رہتے ہیں ہم نے وہاں لنگر ڈالا۔ وہاں کا دستور ہے کہ کوئی شخص جہاز سے بغیر اجازت کے نہیں اتر سکتا جب اجازت آگئی تو میں نے کسی مسجد کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو خادموں نے کہا کہ تمہیں پہلے وزیر کے پاس جانا پڑے گا میں نے ناخدا کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اگر تجھ سے میری بابت دریافت کریں تو لاعلمی بیان کرنا کیونکہ میں ڈرتا تھا کہ کہیں مجھے اس جزیرہ میں نہ ٹھہرا لیں۔ یہ مجھے خبر بھی نہیں تھی کہ میرے پہنچنے سے پہلے کسی فضول آدمی نے ان کو لکھ دیا تھا کہ یہ شخص فلانا ہے اور دہلی میں قاضی رہ چکا ہے جب ہم شاہی محل میں پہنچے تو ہم تیسرے دروازہ میں جو سہ دری ہے وہاں ٹھہرے قاضی عیسیٰ یمنی میرے پاس آیا اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے وزیر کو سلام کیا۔ ناخدا ابراہیم آیا اور دس گھوڑے اپنے ساتھ لایا اول اس نے ملکہ کی تعظیم کی اور ایک کپڑا پھینک دیا۔ پھر وزیر کی تعظیم کی اور اس کے پاؤں پر دوسرا کپڑا پھینک دیا اور اسی طرح جب دس کے دس کپڑے پھینک چکا تو اس سے میری بابت دریافت کیا گیا اس نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پھر انہوں نے میرے پاس پان اور گلاب بھیجا یہ ان کے ملک میں بڑی تعظیم سمجھی جاتی ہے اور میں شاہی محل میں ٹھہرا۔ اس کے بعد ہمارے لیے کھانا آیا۔ ایک بڑی قاب کے درمیان خشکہ تھا اور اردگرد کئی پیالے تھے جن میں شیخ (۱۰) کا گوشت اور مرغ کا گوشت اور مکھن اور مچھلی تھی دوسرے دن میں ناخدا اور قاضی عیسیٰ یمنی کے ہمراہ ایک خانقاہ کی زیارت کے لیے جزیرہ کے ایک گوشہ میں گئے خانقاہ شیخ نجیب کی بنائی ہوئی ہے۔ رات کو ہم واپس آگئے۔ دوسرے دن صبح ہی صبح وزیر نے میرے پاس ایک خلعت اور سند بھیجی جس میں چاول اور گھی اور شیخ گوشت اور ناریل کا شہد تھا۔ ناریل کے شہد کو یہ لوگ قربانی کہتے ہیں یعنی شکر کا پانی اور ایک لاکھ کوڑیاں بھی خرچ کے واسطے بھیجیں۔ دس دن کے بعد سیلان کے جزیرہ سے ایک جہاز آیا اس میں عرب

اور عجم کے فقیر بھی تھے وہ لوگ مجھے جانتے تھے انہوں نے وزیر کے نوکروں سے کل حال بیان کر دیا اس کے بعد وہ اور بھی زیادہ تعظیم کرنے لگا۔ رمضان کے چاند کی رات مجھے وزیر نے بلا بھیجا میں گیا تو امیر اور وزیر موجود تھے کھانا آیا اور دسترخوان پر بہت سے آدمی موجود تھے وزیر نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھایا اور اس کے پاس قاضی عیسیٰ اور وزیر فالداری اور وزیر عمر دھری یعنی سپہ سالار موجود تھے خشکہ اور مرغ بریاں اور مکھن اور مچھلی اور شیخ گوشت اور کیلوں کی بھجیاں دسترخوان پر رکھی گئی کھانا کھانے کے بعد یہ لوگ ناریل کا شہد جس میں خوشبو ملی ہوتی ہیں پیتے ہیں وہ کھانے کو ہضم کرتا ہے۔ رمضان کی نویں تاریخ کو وزیر کا داماد مر گیا پہلے اس لڑکی کا خاوند سلطان شہاب الدین تھا اس کے بعد اس شخص سے نکاح ہوا تھا لیکن یہ لڑکی اب تک بالغ نہیں ہوئی تھی اس کے باپ نے اس کو اپنے گھر بھیج دیا اور وہ گھر مجھ کو رہنے کے لیے دے دیا۔ یہ گھر بہت خوبصورت تھا میں نے وزیر سے اجازت مانگی کہ جو فقیر لوگ حضرت آدم کے قدم کی زیارت کر کے سیلان سے واپس آئے ہیں میں ان کی ضیافت کرنا چاہتا ہوں وزیر نے اجازت دی اور پانچ بکریاں (یہ اس ملک میں بہت گراں ہوتی ہیں کیونکہ معبر اور مالابار اور مقدشو سے لاتے ہیں) اور چاول اور گھی اور گرم مصالحہ میرے لیے بھیجا۔ یہ سب چیزیں میں نے سلیمان امیر البحر کے گھر بھیج دیں۔ اس نے بہت عمدہ کھانا پکوایا اور اپنی طرف سے بھی اس میں زیادہ کر دیا۔ وزیر نے فرش اور تانبے کے ظروف بھی بھیج دیئے ہم نے حسب دستور شاہی محل میں وزیر کے ساتھ روزہ کھولا میں نے وزیر سے عرض کیا کہ وہ فقیروں کو ضیافت میں شامل ہونے کی اجازت دے دے اس نے اجازت دے دی اور کہا کہ میں بھی آؤں گا میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھر کو واپس آگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وزیر مع دیگر وزیروں کے آگیا اور لکڑی کے بلند حجرے میں بیٹھ گیا جو امیر وزیر آتا جاتا تھا وزیراعظم کو سلام کرتا جاتا تھا اور کپڑا حسب دستور اس کے پاؤں پر پھینکتا جاتا تھا چنانچہ سو کپڑے جمع ہو گئے اور وہ فقیروں کو دے دیے گئے پھر کھانا آیا سب نے کھایا پھر قاریوں نے خوش الحانی سے کلام اللہ پڑھا پھر اس کے بعد سماع اور رقص ہوا اور آگ جلائی گئی فقیر اس میں گھستے تھے اور قدموں سے انگاروں کو روندتے تھے اور بعض ان کو اس طرح منہ میں رکھ لیتے تھے جیسے کہ حلوے کو یہاں تک کہ وہ انگارے بجھ جاتے تھے۔ جب رات ختم ہو چکی تو وزیر اپنے گھر کو واپس گیا میں بھی اس کے ساتھ گیا ہم بیت المال کے ایک باغ میں سے گزرے

وزیر نے کہا یہ باغ میں نے تجھ کو دیا اور اس میں تیرے رہنے کے لیے میں ایک گھر بنوا دوں گا میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دعا کی دوسرے دن میرے لیے ایک کنیزک بھیج دی اور کہلا بھیجا کہ اگر یہ کنیزک تجھے پسند ہو تو رکھ لے ورنہ ایک اور مرہٹی کنیزک بھیج دی جائے گی۔ مرہٹی کنیزکیں مجھے بہت پسند تھیں میں نے کہا کہ مرہٹی کنیزک بھیج دو۔ وزیر نے بھیج دی۔ اس کا نام گل بستاں تھا وہ فارسی بول سکتی تھی میں ان جزیرہ والوں کی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرے دن ایک معبری کنیزک میرے پاس بھیج دی جس کا نام عنبری تھا۔ تیسری رات نماز عشاء کے بعد وزیر اپنے چند صاحبوں کے ہمراہ میرے مکان پر آیا دو چھوٹے غلام اس کے ساتھ تھے میں نے سلام کیا اس نے میرا حال احوال دریافت کیا میں نے دعا کی اس کے بعد ایک غلام نے ایک بقچہ (بقچہ) سامنے رکھ دیا اور اس میں سے ریشمی کپڑے نکالے اور ایک ڈبہ نکالا جس میں موتی اور زیورات تھے۔ وہ سب مجھے دے دیے اور کہا کہ اگر یہ چیزیں میں کنیزکوں کے ساتھ بھیجتا تو وہ جانتیں کہ ہمارا مال ہے ہمارے آقا نے ہمیں یہ مال عطا کیا ہے اب یہ تیرا مال ہے تو اپنی طرف سے ان کو دے دے۔ میں نے اس کے حق میں دعائے نیک کی اور شکریہ ادا کیا کیونکہ وہ شکریہ کا مستحق تھا۔

(۱۴) وزیر کے ساتھ بگاڑ

وزیر سلیمان امیر البحر نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں اس کی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لوں میں نے وزیر جمال الدین سے اجازت طلب کی تو اس نے ناراضی ظاہر کی اور کہلا بھیجا کہ میں خود اپنی بیٹی جو سلطان شہاب الدین کی بیوہ ہے تجھے دینا چاہتا ہوں عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر دوں گا۔ میں نے انکار کیا کیونکہ میں اس کو منحوس سمجھتا تھا دو خاوند اس کے پہلے مر چکے تھے اور اسی اثناء میں مجھے بھی بخار آنے لگا اس جزیرہ میں جو نیا مسافر وارد ہوتا ہے اس کو بخار ہونا لازم ہے اس لیے میں نے سفر کا ارادہ پختہ کر لیا۔ بعض زیورات میں نے کوڑیوں کے عوض فروخت کر ڈالے اور بنگالہ جانے کے لیے ایک جہاز بھی کرایہ کر لیا۔ جب میں وزیر سے رخصت ہونے کے لیے گیا میرے پاس قاضی آیا اور وزیر کا پیغام دیا کہ اگر تو سفر کرنا چاہتا ہے تو جو کچھ ہم نے تجھے دیا ہے واپس کر دے میں نے کہا کہ بعض زیورات بیچ کر تو میں نے کوڑیاں خرید لی ہیں وہ لے جاؤ۔ قاضی میرے پاس واپس آیا اور کہا کہ وزیر کہتا ہے ہم نے تجھے سونا دیا تھا ہم کوڑیاں نہیں لیتے۔ میں نے کہا کہ میں کوڑیاں بیچ کر سونا لے دیتا ہوں۔ میں سوداگروں کے پاس گیا کہ کوڑیاں خرید لو ان سے وزیر نے کہلا بھیجا تھا کہ اس شخص سے کوڑیاں مول نہ لینا۔ وزیر کا ارادہ یہ تھا کہ میں نہ جاؤں پھر اس نے اپنا ایک صاحب میرے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر تو ہمارے پاس ٹھہرا رہے تو جو چاہے وہ تیرے واسطے حاضر کر دیں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں اس وقت ان کی حکومت میں ہوں اگر خوشی سے رہنا منظور کر لوں تو اس سے بہتر ہوگا کہ ٹھہرنے پر مجبور کیا جاؤں میں نے اس صاحب سے کہا کہ اچھا میں ٹھہر جاتا ہوں اس نے جا کر وزیر سے کہا۔ وزیر سن کر بہت خوش ہوا اور مجھے بلا بھیجا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو میری تعظیم کے لیے کھڑا ہوا اور گلے لگا کر ملا اور کہا کہ ہم تجھے قریب کرنا چاہتے ہیں اور تو دور ہونا چاہتا ہے میں نے کچھ عذر کیا وہ اس نے منظور کر لیا۔ میں نے کہا کہ اگر تم مجھے ٹھہرانا چاہتے ہو تو چند شرائط پیش کرتا ہوں وزیر نے کہا کہ ہم کل شرائط منظور کریں گے بیان کر میں نے کہا کہ میں پیدل نہیں چل سکتا۔ اور اس ملک کا یہ دستور ہے کہ سوا وزیر کے کسی شخص کو گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہیں مجھے وزیر نے ایک گھوڑا دیا جب میں اس پر سوار ہوتا تھا تو عوام الناس اور لڑکے مجھے ایک تماشہ بنا لیتے تھے سب پیچھے پیچھے ہو جاتے تھے میں نے وزیر سے شکایت کی۔ وزیر نے (دنقرہ) ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کوئی شخص میرے پیچھے نہ جائے۔ دنقرہ ایک بڑا طشت تانبے یا پیتل کا ہوتا ہے اس پر لوہے کی سلاخ مارتے ہیں تو اس کی آواز بہت دور تک جاتی ہے جس کسی شخص کا اعلان کرنا منظور ہوتا ہے تو دنقرہ (ڈھنڈورا) پٹوا دیتے ہیں۔ وزیر نے کہا کہ اگر ڈولے پر سوار ہونا چاہتے ہو تو ڈولا موجود ہے ورنہ گھوڑا یا گھوڑی جو پسند ہو لے لو۔ میں نے ایک گھوڑی پسند کی اسی وقت حاضر کی گئی اور ایک خلعت بھی لائے۔ اس کے بعد میں نے وزیر سے کہا کہ میں کوڑیوں کو کیا کروں اس نے کہا اپنے ہمراہیوں میں سے ایک کو بنگالہ بھیج دو وہ وہاں بیچ لائے گا میں نے کہا درست ہے اسی وقت میں نے اپنے رفیق ابو محمد بن فرحان کو بنگالہ بھیج دیا اور اس کے ساتھ ایک شخص حاجی علی کو کر دیا ایسا اتفاق ہوا کہ سمندر میں باد مخالف آگئی اور طوفان بڑھ گیا انہوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا یہاں تک کہ توشہ اور پانی اور مستول اور مشک بھی پھینک دی اور سولہ روز تک بغیر بادبان یا لنگر کے سمندر میں رہے۔ اس کے بعد جزیرہ سیلان میں پہنچے اور بھوک اور پیاس کی سخت تکلیف برداشت کی۔ برس دن کے بعد ابو محمد حضرت آدم کے قدم کی زیارت کر کے واپس آیا اور پھر

اس نے میرے ساتھ دوسری دفعہ زیارت کی۔

(۱۳) عید

جب رمضان کا مہینہ ختم ہو چکا تو وزیر نے میرے پاس ایک خلعت بھیجا اور ہم عید گاہ کو گئے وزیر کے گھر سے عید گاہ تک تمام راستہ آراستہ کیا گیا اور کپڑے بچھائے گئے اور دائیں بائیں کوڑیوں کے ڈھیر لگائے گئے اور راستہ پر جہاں کہیں کسی امیر کا گھر تھا اس کے دروازہ پر ناریل اور چھالیہ اور کیلہ کے درخت لگوائے اور ایک درخت سے دوسرے درخت تک رسیاں باندھی گئیں اور اس میں سبز ناریل لٹکائے گئے گھر والا اپنے دروازے پر کھڑا ہو گیا جب وزیر وہاں سے گزرا تو اس نے وزیر کے پاؤں پر رومی یا ریشم کا کپڑا ڈالا جو کچھ کوڑیاں اور کپڑے رستے پر تھے۔ وہ سب وزیر کے غلاموں نے لے لیے وزیر پیادہ گیا اور مرعز کا بنا ہوا مصری جبہ پہنے ہوئے تھا اور سر پر بڑا عمامہ تھا اور ریشم کی چادر حمائل کے طور پر گلے میں ڈالی ہوئی تھی اور چار چھتر اس کے سر پر تھے۔ اس کے پاؤں میں جوتا تھا اور سب آدمی ننگے پاؤں تھے۔ نوبت' نقارے اور نفیری اس کے سامنے بجتی جاتی تھی اور لشکر بھی آگے آگے جاتا تھا۔ سب کے سب تکبیر پڑھتے جاتے تھے۔ عید گاہ میں وزیر کے بیٹے نے نماز کے بعد خطبہ پڑھا اس کے بعد وزیر محفہ (تام جھام) میں بیٹھ گیا اور تمام امیروں اور وزیروں نے تعظیم ادا کی اور حسب دستور اس کے قدموں پر کپڑے ڈالے۔ یہ وزیر اس سے پہلے کبھی محفہ پر سوار نہ ہوا تھا کیونکہ سوا بادشاہوں کے اور کوئی محفہ پر سوار نہ ہو سکتا تھا محفہ کو اٹھا کر لے گئے اور میں گھوڑی پر سوار ہوا اور محل میں داخل ہوا وزیر ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گیا اور امیر اور وزیر اس کے پاس بیٹھ گئے پھر غلام ڈھال اور تلوار اور عصا لے کر کھڑے ہو گئے پھر کھانا آیا کھانے کے بعد پان اور چھالیہ لائے اس کے بعد ایک طشتری میں مقاصری صندل لائے۔ جب کوئی جماعت کھانا کھا چکتی ہے تو اس کے صندل ملا جاتا ہے اس روز ان کے دسترخوان پر سرذین (سارڈین) مچھلی بھی تھی جس کو نمک دیا گیا تھا لیکن کچی تھی یہ مچھلی کسی نے کولم سے بطور ہدیہ کے بھیجی تھی کیونکہ مالا بار کے ملک میں یہ مچھلی بہت ہوتی ہے وزیر نے ایک سرذین مچھلی مجھے بھی دی اور کہا کہ اس کو کھاؤ میں نے کہا کہ یہ کچی ہے میں کس طرح کھاؤں وزیر نے کہا نہیں پکی ہوئی ہے میں نے کہا کہ میں خوب پہچانتا ہوں یہ مچھلی ہمارے ملک میں بہت ہوتی ہے۔

(۱۴) نکاح اور قاضی مقرر ہونا

شوال کی دوسری تاریخ کو وزیر سلیمان امیر البحر سے اس کی لڑکی کی بابت گفتگو ہوئی۔ اس نے کہا کہ آج نکاح ہو جائے۔ میں نے وزیر سے کہلا بھیجا کہ اس کے محل میں اس کے روبرو نکاح پڑھا جائے۔ وزیر نے منظور کر لیا۔ پان اور صندل حسب دستور لایا گیا اور لوگ بھی جمع ہو گئے لیکن وزیر سلیمان کو دیر ہو گئی۔ کہلا کر بھیجا تو کہا آتا ہوں' پھر بھی نہ آیا۔ دوسری دفعہ آدمی بھیجا تو اس نے کہلا بھیجا کہ اس کی لڑکی بیمار ہے۔ وزیر نے میرے کان میں کہا کہ لڑکی نہیں مانتی اور وہ اپنے نفس کی مالک ہے' لیکن لوگ جمع ہو گئے ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو ملکہ کے باپ کی بیوہ سے تمہارا نکاح کر دیں جس کی بیٹی کے ساتھ میرے بیٹے کا نکاح ہوا ہے۔ میں نے کہا اچھا۔ وزیر نے اسی وقت قاضی کو اور گواہوں کو بلوایا اور نکاح ہو گیا۔ وزیر نے میری طرف سے مہر ادا کیا اور چند روز کے بعد وہ میرے گھر آئی۔ نہایت نیک بخت عورت تھی۔ اول ہی روز اس نے میرے بدن پر خوشبو ملی اور میرے کپڑوں کو خوشبو کی دھونی دی اور وہ ہمیشہ ہنستی رہتی تھی۔ کبھی رنج اس کے چہرہ پر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس نکاح کے بعد وزیر نے مجھے قاضی بننے پر مجبور کیا اس کا سبب یہ ہوا کہ قاضی ترکوں کے تقسیم کرنے کے وقت اس میں سے دسواں حصہ آپ لے لیتا تھا۔ میں نے کہا کہ تمہارا حق وہ ہے کہ جس پر وارث راضی ہو جائیں اور وہ اچھی طرح اپنا کام بھی نہ کرتا تھا جب میں قاضی ہوا تو میں نے رسومات شرع کے قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس جزیرہ میں ہمارے ملک کی طرح بہت مقدمات اور تنازعے نہیں ہوتے اس ملک میں دستور تھا کہ طلاق کے بعد بھی عورت مطلقہ اپنے پہلے خاوند کے گھر اس وقت تک رہتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ میں نے ایسے پچیس آدمی اپنے روبرو طلب کیے ان کو درے لگائے اور تشہیر کیا اور عورتوں کو ان کے گھر سے نکلوا دیا۔ نماز کی پابندی میں بھی میں نے سختی کی اور حکم دیا کہ جمعہ کی اذان کے بعد جو کوئی شخص بازار یا کوچہ میں ملے اس کو پکڑ لو۔ اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور تمام جزیروں میں اسی طرح کے حکم جاری کیے۔ عورتوں کو کپڑے پہننے کا حکم دیا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وزیر عبداللہ بن محمد حضرمی کا حال میں بیان کر آیا ہوں کہ اس نے سلطان شہاب الدین کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اور سلطان شہاب الدین کی صغر سنی میں خود تمام ملک کا حاکم بن بیٹھا تھا اور

شہاب الدین نے بالغ ہوتے ہی اس کو جلاوطن کر دیا تھا اب وزیر جمال الدین نے اسے واپس بلایا۔ اس شخص کی بیوی کی بیٹی سے جو سلطان شہاب الدین کی بہن تھی میں نے نکاح کر لیا تھا جس کا میں ابھی بیان کر آیا ہوں جب یہ وزیر جزیرہ محل میں آگیا تو میں نے اس کے پاس تحفے بھیجے اور اس کا استقبال کیا اور محل تک اس کے ساتھ ساتھ گیا وزیر نے مجھے سلام کیا اور اس کو ایک مکان میں اتارا میں اس مکان میں اس کے پاس جایا کرتا تھا اتفاق سے رمضان کے مہینے میں میں اعتکاف میں بیٹھا سب لوگ میرے پاس ملنے کو آئے لیکن وزیر عبداللہ نہ آیا اور جب وزیر جمال الدین آیا تو اس کے ساتھ آیا اس لیے میں ناراض ہو گیا جب میں اعتکاف سے باہر آیا تو میری عورت کے ماموں نے جو وزیر جمال الدین بحری کی بیٹی تھی اور جس کا وصی یہ وزیر عبداللہ تھا میرے پاس آکر شکایت کی کہ ہمارا کچھ مال اس کے پاس باقی ہے اور اب ہم بالغ ہو گئے ہیں ہمیں وہ مال دلایا جائے۔ میں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہوا تھا کہ کسی ولی کو طلب کرتے وقت ایک رقعہ اس کو بھیج دیتا تھا کہ جس وقت یہ رقعہ اس کو ملے فوراً حاضر ہو جائے اور اگر حاضر نہ ہوتا تھا تو اس کو سزا دیتا تھا۔ اس کے پاس بھی میں نے رقعہ بھیج دیا۔ وہ بہت خفا ہوا اور میرا دشمن ہو گیا لیکن وہ بات دل میں رکھی اور اپنی طرف سے وکیل بھیج دیا۔ مجھے خبر پہنچی کہ وہ میرے حق میں ناشائستہ کلام کرتا ہے لوگ اس کی بھی ویسی ہی تعظیم ادا کرتے تھے جیسی وزیر کی۔ تعظیم کا قاعدہ اس جزیرہ میں یہ تھا کہ تعظیم کرنے والا شہادت کی (سبابہ) انگلی زمین پر ٹیکتا تھا اور پھر اس کو چوم کر سر پر رکھتا تھا میں نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص سوا وزیر کے ایسی تعظیم کسی اور شخص کی نہ کرے اور جو کوئی وزیر عبداللہ کی تعظیم اس طرح کرے گا اس کو سزا ملے گی اور اس کو بھی حکم بھیج دیا کہ وہ ایسی تعظیم اپنے سامنے نہ کرنے دے اس سے اور بھی عداوت بڑھ گئی۔ میں نے اس کے بعد دوسرا نکاح کیا وہ بھی ایک بڑے وزیر کی بیٹی تھی اس وزیر کا دادا سلطان داؤد غتورازہ (۱۱) کا نواسہ تھا اور اس کے بعد سلطان شہاب الدین کی بیوہ سے بھی میں نے نکاح کر لیا اور اس باغ میں جو وزیر نے مجھے دے دیا تھا میں نے تین مکان بنائے اور چوتھی بیوی جو وزیر عبداللہ کی عورت کی بیٹی تھی اپنے گھر میں علیحدہ رہتی تھی اور وہ مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی۔ جب میں نے یہ رشتے کر لیے تو وزیر اور کل اہل جزیرہ مجھ سے خوف کرنے لگے اور انہوں نے وزیر سے میری چغلیاں کھانی شروع کیں۔ زیادہ تر اہتمام اس کام میں وزیر عبداللہ نے کیا اور آخر کار ہمارے درمیان جھگڑا پڑا

کرا دیا۔ اتفاق سے ایک روز سلطان جمال الدین کے ایک غلام کی شکایت اس کی عورت نے وزیر سے کی کہ یہ غلام بادشاہ کی ایک لونڈی کے پاس جاتا ہے اور اس کے ساتھ زنا کرتا ہے۔ وزیر نے گواہ بھیجے وہ اس لونڈی کے مکان میں جا گھسے اور دیکھا کہ غلام اور لونڈی ایک بستر پر سوئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا جب صبح ہوئی اور مجھے معلوم ہوا تو میں شاہی محل میں گیا اور اپنے بیٹھنے کی جگہ جا کر بیٹھ گیا اور لونڈی اور غلام کے معاملہ کا کچھ ذکر نہ کیا۔ پھر میرے پاس ایک خواص آیا اور پوچھا کہ وزیر صاحب دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو کچھ کام ہے۔ میں نے کہا' نہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ میں لونڈی اور غلام کے مقدمہ کا ذکر کروں کیونکہ میرا دستور تھا کہ کسی مقدمہ کا فیصلہ نہ ہونے دیتا تھا جب تک میں اپنا حکم اس میں نہ دیتا تھا چونکہ میں ناراض تھا' اس لیے فقط یہ ہی کہہ کر اپنے گھر کو واپس چلا گیا اور اپنی کچہری میں جا بیٹھا پھر میرے پاس وزیر نے ایک وزیر کو بھیجا کہ کل رات کو ایسا ایسا وقوعہ ہوا اس میں جو شرعی حکم ہو وہ نافذ کر۔ میں نے کہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ شاہی محل میں ہونا چاہیے۔ میں وہاں گیا لوگ بھی جمع ہو گئے میں نے حکم دیا کہ ان دونوں کو ایک طرف لے جا کر ان کے درے لگاؤ۔ عورت کو میں نے چھوڑ دیا اور غلام کو قید کر لیا اور اپنے گھر چلا آیا۔ وزیر نے میرے پاس چند بڑے بڑے امیر بھیجے اور سفارش کی کہ غلام کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ میں نے کہا کہ کیا وزیر ایک زنگی غلام کی سفارش کرتا ہے جس نے کہ اپنے آقا کی عزت کا خیال نہ کیا اور کل کا ذکر ہے کہ تم نے سلطان شہاب الدین کو فقط اس لیے تخت سے اتار دیا اور اس کو قتل کر ڈالا کہ وہ اپنے غلام کے گھر چلا گیا تھا میں نے حکم دیا کہ غلام کے بید لگائے جائیں۔ بید درے سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور اس کی گردن میں رسی ڈال کر تمام جزیرہ میں تشہیر کیا۔ امیروں نے جا کر وزیر سے کہا وہ غصہ سے جل کر کبھی اٹھتا تھا کبھی بیٹھتا تھا۔ اس وقت وزیر نے تمام وزیروں اور فوج کے سرداروں کو جمع کیا اور مجھے بھی بلوایا۔ میں گیا اور دستور کے برخلاف اس کی تعظیم ادا نہ کی فقط السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے حاضرین سے کہا کہ تم گواہ رہو میں نے آج سے قضا سے استعفا دیا اور اپنے تئیں معزول کر دیا کیونکہ میرا حکم نہیں چل سکتا۔ وزیر نے کچھ کہا تو میں اونچی جگہ پر اس کے مقابل جا بیٹھا اور سخت الفاظ میں اس کا جواب دیا اتنے میں مغرب کی اذان ہو گئی۔ وزیر محل میں چلا گیا اور کہتا جاتا تھا لوگ کہتے ہیں کہ میں ان کا بادشاہ ہوں میں نے اس شخص کو طلب کیا کہ میں اس پہ غصہ ظاہر

کروں۔ وہ خود میرے پر غصہ ہو گیا یہ لوگ میری عزت اس لیے بھی کرتے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ میں بادشاہ ہند کا مقرب ہوں اور اگرچہ ان کا جزیرہ اس سے دور ہے لیکن وہ پھر بھی ڈرتے تھے جب وزیر اپنے گھر چلا گیا تو میرے پاس معزول قاضی کو بھیجا یہ شخص بڑا زبان آور تھا اس نے آکر مجھ سے کہا کہ وزیر نے کہا ہے کہ تو نے میری توہین بھرے دربار میں کی اور تعظیم ادا نہ کی۔ میں نے کہا جب تک میرا دل صاف تھا میں تعظیم کرتا تھا اور جب صفائی نہ رہی تو میں نے تعظیم نہ کی۔ مسلمانوں کا معمولی سلام کیا۔ قاضی میرے پاس دوسری دفعہ آیا اور کہا کہ تیرا مطلب جزیرہ سے چلے جانے کا ہے اگر تو اپنا قرضہ اور عورتوں کا مہر ادا کر دے تو چلا جا میں نے کہا بہت اچھا میں اپنے گھر گیا اور کل قرضہ ادا کر دیا ان ہی دنوں میں وزیر نے میرے لیے مکان کا فرش اور گھر کا سامان ظروف وغیرہ بھیجے تھے اور جو کچھ میں مانگتا تھا بھیج دیتا تھا اور میرے ساتھ محبت رکھتا تھا لیکن اب اس کا دل صاف نہ رہا اور مجھ سے ڈرنے لگا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ میں نے کل قرضہ بھی ادا کر دیا تو سفر کی اجازت دینے میں دیر کی۔ میں نے سخت قسمیں کھالیں کہ میں ہرگز نہ ٹھہروں گا اور اپنا کل اسباب لے کر ایک مسجد تھی وہاں چلا گیا ایک عورت کو طلاق دے دی اور دوسری حاملہ تھی اس کے لیے نو مہینے کی میعاد مقرر کی اگر میں اس میعاد میں نہ آؤں تو اس کو اختیار ہے۔ سلطان شہاب الدین کی بیوہ کو اپنے ساتھ لیا کہ جزیرہ ملوک میں اس کا باپ رہتا ہے وہاں چھوڑ جاؤں گا اور میری پہلی بیوی جس کی بیٹی ملکہ کی بہن تھی اس کو بھی میں نے ساتھ لیا۔ وزیر سپہ سالار اور وزیر امیر البحر کے ساتھ میں نے یہ عہد و پیمان لیا کہ میں معبر کے ملک میں جاتا ہوں وہاں کا بادشاہ میرا ساڑھو ہے اس کا لشکر میں ان جزیروں میں لاؤں گا اور ان جزائر کو پھر دوبارہ اس کے زیر حکومت کر دوں گا اور اس کا نائب ہو کر میں رہوں گا ہم نے یہ علامت مقرر کی کہ جس وقت ہم جہازوں میں سفید جھنڈا کھڑا کریں تم جزیرہ کے اندر بغاوت کر دینا اور یہ بات اس وقت تک میرے دل میں نہ گزری تھی جب تک ہمارا کھلم کھلا بگاڑ نہ ہو گیا۔ وزیر مجھ سے ڈرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ شخص میری زندگی میں یا میرے بعد ضرور وزیر ہو جائے گا اور اکثر میرا حال دریافت کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ ہند نے اس کے پاس مال بھیجا ہے تاکہ وہ بغاوت کرے اور میرے چلے جانے سے بھی ڈرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ملک معبر سے لشکر لے کر جزیرہ کو فتح کرنے کے لیے واپس آؤں۔ میرے پاس پیغام بھیجا کہ جب تک تمہارے

لیے جہاز کا انتظام ہو جائے تم ٹھہرے رہو اور ملکہ نے بھی شکایت کی کہ اس کی والدہ جزیرہ سے باہر جانی نہ چاہیے۔ لیکن میں نے ٹھہرنے سے انکار کیا اور ملکہ کی والدہ نے میرے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے کہلا بھیجا کہ اس کے زیورات بیت المال کا حق ہے وہ واپس کر دے اگر کوئی گواہ ہوں کہ سلطان جلال الدین نے وہ زیورات تجھے بخش دیے تھے تو مضائقہ نہیں اپنے ساتھ لے جا سکتی ہے۔ اس نے وہ تمام زیورات واپس دے دیے اگرچہ وہ بہت بیش قیمت تھے' پھر میرے پاس وزیر اور امیر آئے میں اس وقت مسجد میں چلا گیا انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں واپس چلوں میں نے کہا کہ میں حلف کر چکا ہوں اس لیے لاچار ہوں انہوں نے کہا کہ حلف تو اتر سکتی ہے تم ایک دفعہ یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کسی جزیرہ سے واپس آجاؤ میں نے کہا اچھا منظور ہے سفر کی رات کو میں وزیر کے پاس رخصت ہونے گیا وہ مجھ سے گلے لگ کر ملا اور رونے لگا اس کے آنسو میرے قدموں پر پڑتے تھے اور اس روز تمام رات خود جزیرہ کی محافظت کرتا رہا کہ کہیں میرے خسر و داماد میرے ساتھ مل کر بغاوت نہ کریں میں وہاں سے چل کر وزیر علی کے جزیرہ میں پہنچا وہاں پہنچ کر میری عورت کے سخت درد اٹھا اور اس نے واپس جانے کی خواہش کی میں نے اس کو طلاق دے کر وہیں چھوڑ دیا اور وزیر کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ دوسری عورت کو بھی میں نے طلاق دے دی اور پہلے جو میعاد نو ماہ کی مقرر کی تھی وہ منسوخ کر دی۔ اپنے ساتھ فقط ایک لونڈی لی جس کے ساتھ محبت تھی۔

(۱۵) مالدیپ سے رخصت ہونا

اس کے بعد اقلیم در اقلیم ان تمام جزیروں میں پھرے۔ ان جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں میں نے ایک چھاتی والی عورت دیکھی اس کی دو بیٹیاں تھیں ایک تو ایک چھاتی والی تھی اور دوسری کے دو چھاتیاں تھیں ایک چھوٹی ایک بڑی۔ بڑی چھاتی میں دودھ تھا اور چھوٹی میں دودھ نہیں تھا مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ ایک جزیرہ بہت چھوٹا تھا اس میں فقط ایک گھر تھا وہ جولاہہ کا کام کرتا تھا اس کی عورت بچے تھے۔ ناریل کے درخت لگے ہوئے تھے اور ایک چھوٹی سی کشتی اس کے پاس تھی اس میں بیٹھ کر مچھلی کا شکار کیا کرتا تھا اور کہیں جانا ہوتا تھا تو اس میں سفر کیا کرتا تھا اس جزیرہ میں کیلے کے درخت بھی تھے اور خشکی کا پرندہ سوائے دو کوؤں کے اور کوئی نہ تھا۔ یہ دونوں

کو ہمارے جہاز کو دیکھ کر اس کے پاس آئے اور اس کے گرداگرد پھرنے لگے۔ میں نے اس جولاہے کی با امن زندگی پر رشک کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ جزیرہ مجھے مل جائے تو میں اس میں گوشہ نشین ہو جاؤں اور وہیں مر جاؤں پھر ہم جزیرہ ملوک میں پہنچے وہاں ناخدا ابراہیم کا جہاز تھا جس میں میں نے معبر جانے کا ارادہ کیا تھا ناخدا کے ساتھ اس کے ہمراہی بھی تھے انہوں نے میری دعوت کی۔ وزیر نے لکھ بھیجا کہ جب میں اس جزیرہ میں پہنچوں تو مجھے ایک سو بیس بستو کوڑیوں اور تیس پیالہ شہد کے اور متعول اور چھالیہ اور مچھلی ہر روز دی جایا کرے۔ میں اس جزیرہ میں ستر دن تک ٹھہرا رہا اور وہاں دو عورتوں سے شادی کی۔ جزیرہ اس قدر سرسبز ہے کہ درخت سے شاخ توڑ لو اور زمین یا دیوار میں گاڑ دو تو اس کے پتے نکل آتے ہیں اور درخت بن جاتا ہے۔ انار اس جگہ بارہ مہینے پھل دیتا ہے۔ اس جزیرہ کے آدمیوں کو خوف تھا کہ کہیں ناخدا ابراہیم ان کو لوٹ نہ لے اور اس لیے انہوں نے کہا کہ جہاز والوں کے کل ہتھیار ان کے پاس رکھے رہیں جب چلنے لگیں لے جائیں۔ اس سبب سے جھگڑا ہو گیا اور ہم پھر جزیرہ محل کی طرف واپس گئے اور جزیرہ میں داخل نہ ہوئے۔ میں نے ہتھیاروں کے بارے میں وزیر کو ایک خط لکھا وزیر نے جواب دیا کہ ہتھیار ضرور لے جائیں گے ہم واپس جزیرہ ملوک کو آگئے اور ۱۵ ربیع الثانی ۷۴۵ھ کو وہاں سے چلے۔ شعبان کے مہینے میں اسی سال وزیر جمال الدین مر گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے۔ ملکہ حاملہ تھی' اس کے بچہ ہوا اور وزیر عبداللہ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔



حوالہ جات

(۱) دیبتہ المحل۔ دیبتہ۔ دیب کا واحد اور معرب ہے دیب سنسکرت میں جزیرہ کو کہتے ہیں۔ محل یا مال سب سے بڑے جزیرہ کا نام ہے بجائے مالدیپ کہنے کے دیپ کو دیبتہ بنا کر محل یا مال کے ساتھ مضاف کرتا ہے۔ یہ جزیرے مجموعوں میں واقع ہیں ہر ایک مجموعہ کو اٹل کہتے ہیں۔ بڑے اٹل انیس ہیں ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی ہیں۔ بڑے بڑے جزیرے سب آباد ہیں لیکن بعضے بالکل ریت کا ٹیلہ یا تنگ چٹان ہیں یہ جزیرے خط استوا سے ۴۰ درجہ جنوب میں شروع ہوتے ہیں اور ۷ درجہ ۶ ثانیہ شمال تک چلے گئے ہیں۔ سب سے بڑا جزیرہ محل یا مال ہے وہ ایک میل لمبا اور پون میل چوڑا ہے۔ وہ سلطان کا پائے تخت ہے اور اس کے باشندوں کی تعداد ۲۰۰۰ ہے۔ کہاوت میں بارہ ہزار جزیرے اور تیرہ اٹل کہلاتے ہیں لیکن آباد جزیرے فقط ۱۷۵ ہیں۔ اور کل آبادی دو لاکھ کے قریب ہے۔ یہاں کا سلطان ہر سال سیلان کے گورنر کے لیے کوڑیاں اور مچھلیاں وغیرہ بطور نذر کے بھیجتا ہے اور متابعت کا اقرار کرتا ہے اور اس کے عوض گورنر کی طرف سے اس کو اس کے دشمنوں سے بچانے کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ سلطان کا یہی ذمہ ہے کہ اگر کوئی انگریزی رعیت کا جہاز ٹوٹ جائے تو وہ مدد دیگا۔ تیرہ اٹلوں کے موجودہ نام یہ ہیں۔ ۱۔ تلادو متی۔ ۲۔ ملادو مادو۔ ۳۔ پڈی فولو۔ ۴۔ مالوسمدو۔ ۵۔ اری۔ ۶۔ مالی۔ ۷۔ فلیدو۔ ۸۔ مولک۔ ۹۔ تلندو۔ ۱۰۔ کولومدو۔ ۱۱۔ ادو متی۔ ۱۲۔ سوادیو۔ ۱۳۔ ادو۔ نمبر ۲ و ۳ و ۸ و ۱۲ و ۱۳ ابن بطوطہ کے ناموں سے ملتے ہیں۔

(۲) اس مچھلی کو ان جزیروں میں بوئی تو کہتے ہیں۔ اکثر باشندے فقط اس مچھلی کو پکڑنے کا کام کرتے ہیں۔ جزائر میں بھی زیادہ تر یہی خوراک ہے اور باہر کے ملکوں میں بھیجتے ہیں۔ بعضے کشتی والے ایک دن میں ایک ہزار مچھلیاں پکڑ لیتے ہیں ورنہ چھ سات سو میں تو شک نہیں۔

(۳) ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ان جزائر میں ناریل کی کاشت بکثرت کرتے ہیں اور سڑکوں کے دونوں طرف بھی اسی کے درخت لگاتے ہیں۔ اس کا درخت تیس گز تک اونچا ہوتا ہے اور گری ہندوستان کے درخت کی گری سے اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ صاحب مخزن نے لکھا ہے عربی میں جوز ہندی اور انگریزی میں کوکو کہتے ہیں۔ اس کا درخت جس قدر دریائے شور کے قریب ہوتا ہے اسی قدر پھل زیادہ اور باافراط ہوتا ہے بونے کے آٹھ سال بعد پھل دیتے

لگتا ہے اور سو سال تک پھل دیتا ہے۔ کھجور کی طرح خوشہ لگتا ہے ہر ایک خوشہ میں سات سے چودہ تک پھل ہوتے ہیں اوپر کے چھلکے کی رسیاں بنتی ہیں جو جہاز کے کام میں آتی ہیں کیونکہ وہ رسی دریائے شور کے پانی میں گلتی نہیں۔

(۴) ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ان جزائر کے باشندے تہذیب یافتہ ہیں۔ بنگالہ اور چاٹگام اور سیلان اور ملیبار کے شہروں سے تجارت کرتے ہیں۔ جہاز رانی میں بڑے مشاق ہیں اور اس کو ایک فن کے طور پر سیکھتے ہیں۔ کئی جزیروں میں جہاز رانی کے کام کے سکھانے کے لیے مدرسے ہیں۔ باشندے نہایت غریب مزاج اور ڈرپوک ہیں اور ان میں جرائم کی کثرت ہرگز نہیں۔ قتل عمد چوری اور شراب خوری کو بالکل نہیں جانتے۔ ان کا رنگ تانبے کا سا ہوتا ہے اور قد چھوٹے ہوتے ہیں اور مالا بار اور سیلان کے باشندوں سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن سیلان کے باشندے رنگ کے سیاہ ہوتے ہیں۔ مل کے خاص جزیرہ میں حبشی اور زنگی اور مختلف ولایت کے باشندوں کا میل پایا جاتا ہے عورتیں خوبصورت نہیں ہوتی ہیں اور غیر ممالک کے آدمیوں سے بہت خائف ہوتی ہیں۔ مگر پری آرڈ فرانسیسی سیاح (۱۶۰۲ء) لکھتا ہے کہ عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں اور بعضے ایسے گورے رنگ کی ہوتی ہیں جیسے کہ یورپ کی عورتیں۔ ان کے بال سیاہ ہوتے ہیں اور بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے وہ آٹھ نو برس کی عمر تک لڑکی کو بال نہیں رکھنے دیتے اور اس کا تمام سر مونڈتے ہیں اور لڑکوں سے تمیز کرنے کے لیے فقط ایک چھوٹی سی چوٹی رکھتے ہیں۔ ابن بطوطہ بھی ان کے حسن کی تعریف کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن مصنفوں کی کتابوں سے ہنٹر نے لکھا ہے انہوں نے فقط جنوبی جزائر کے کم درجہ کی عورتیں دیکھی ہوں گی آب و ہوا ان جزیروں کی نہایت گرم ہے کیونکہ وہ خط استوا کے عین اوپر واقع ہیں۔ رات دن ہمیشہ برابر ہوتے ہیں رات کو شبنم بہت پڑتی ہے اور اس لیے ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ اپریل سے اکتوبر تک جاڑا رہتا ہے اور اکتوبر سے مارچ تک گرمی۔ جاڑے میں ہمیشہ بارش ہوتی ہے گرمی میں بارش نہیں ہوتی لیکن سایہ میں تھرما میٹر ۸۵ درجہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ کنوؤں کا پانی دوپہر کے وقت نہایت ٹھنڈا اور رات کو گرم ہوتا ہے۔

(۵) غالیہ۔ از ادویہ مرکبہ قدیمہ ست وگفتہ اند از مخترعات جالینوس اصل آں مرکب از عنبرہ لوبان و روغن بان و عرقیاتی خوشبو ست۔ جہت اغراض دیگر عود و لادن و رامک اشال]ـ[استعمال اضافہ سے نمایند قرون۔

(۶) پری آرڈ لکھتا ہے کہ مکانات بنانے کے لیے یہ لوگ سمندر میں سے پتھر نکالتے ہیں بڑی بڑی سپیں ساحل کے پاس بکثرت پڑی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ تیراکی میں نہایت مشاق ہیں اور غوطہ بھی خوب لگاتے ہیں۔ پتھر کو اس طرح اٹھاتے ہیں کہ ایک آدمی غوطہ لگا کر پتھر کی سل میں رسی باندھ آتا ہے۔ اس ملک میں ایک لکڑی ہوتی ہے جس کو کوندو کہتے ہیں وہ کاک سے بھی زیادہ ہلکی ہوتی ہے۔ اس کے بڑے بڑے ٹکڑے تراش لیتے ہیں اور ان ٹکڑوں میں سوراخ کر کے ایک ٹکڑا رسی میں پرو کر پتھر تک لے جاتے ہیں جب آٹھ دس ٹکڑے اس طرح جا لگتے ہیں تو پتھر ذرا سی حرکت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور تیر کر اوپر آجاتا ہے۔

(۷) ناریل اور کوڑیوں کے لیے یہ جزیرے ہمیشہ سے مشہور چلے آئے ہیں۔ ابو ریحان بیرونی نے ان جزائر کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے ناریل کی رسی کے جزائر اور کوڑیوں کے جزائر۔ یہی تقسیم ابو الحسن جرجانی مصنف مجمل التواریخ نے اپنی کتاب میں کی ہے یہ کتاب ۱۰۱۷ء میں تصنیف کی گئی تھی۔

(۸) کوڑیوں کا رواج پہلے سمندر کے کنارے اکثر ملکوں میں تھا۔ چین کے صوبہ یونان او جزائر ہند چینی و بنگالہ و دکھن و جزائر مالدیپ اور افریقہ میں اس کا رواج کثرت کے ساتھ تھا۔ چودھویں صدی میں بنگالہ میں سوا کوڑی کے کسی سکہ کا رواج نہیں تھا۔ ۱۷۷۸ء سے ۱۸۱۳ء تک سلہٹ میں سرکاری مالیہ جو اڑھائی لاکھ کے قریب تھا کوڑیوں میں وصول ہوتا تھا۔ ایک روپیہ کی پانچ ہزار ایک سو بیس کوڑیاں آتی تھیں۔ جہاز میں بھر بھر کر کلکتہ بھیجی جاتی تھیں۔ ۱۷۸۰ء میں ایک پیسہ (۳ پائی) کی اسی ۸۰ کوڑیاں آتی تھیں۔ کوڑیاں زیادہ تر سیام اور سولو (جاوا کے پاس) اور فلپائن اور مالدیپ کے جزیروں میں ہوتی ہیں اب دس بیس برس کے اندر رفتہ رفتہ تمام دنیا سے کوڑیوں کا استعمال معدوم ہوتا جاتا ہے۔ یہ روپیہ کی کثرت کی علامت ہے۔

ہنٹر صاحب اپنی گزیٹر میں لکھتے ہیں کہ جزائر مالدیپ میں آجکل بھی بارہ ہزار کوڑیوں کو کوند کہتے ہیں اور کوٹہ بھی کہتے ہیں۔ ایک روپیہ کی بارہ ہزار کوڑیاں آتی ہیں۔ روپیہ آجکل ہندوستان کا رائج ہے۔ ۱۸۷۰ء میں ایک روپیہ کی دو ہزار چار سو کوڑیاں آتی تھیں۔ گنی کے ساحل پر حبشی فقط کوڑیوں کو بطور روپیہ پیسہ کے استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے زیورات بھی بنا کر عورت اور مرد پہنتے ہیں اور وہ کوڑیاں چونکہ نہایت سفید اور چمکدار ہوتی ہیں حبشیوں کے کالے رنگ پر نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ یہ کوڑیاں ان جزیروں کے کناروں پر ڈھیر کی ڈھیر پڑی ہوئی ہوتی ہیں اور ہوا سے بہہ کر جمع ہو جاتی ہیں بلکہ بعض

جزیروں میں زمین کھودنے سے اندر سے بھی کوڑیاں نکلتی ہیں۔

(۹) حال میں ان جزائز کا بادشاہ موروثی ہے جس کو سلطان کہتے ہیں۔ اس بادشاہ کے چھ وزیر ہوتے ہیں جن میں سے ۱۔ شہریاری یعنی قاضی ۲۔ وری ہند یعنی سپہ سالار ۳۔ ہندی جری خزانچی ۴۔ امیر البحر سب سے بڑے ہوتے ہیں۔ یہ سلطان اور وزیر محل کے جزیرہ میں رہتے ہیں۔ ہر ایک اٹل کا حاکم جدا جدا ہے وہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ سلطان کو دیتا ہے۔ غیر ملکوں کے باشندوں کے ساتھ فقط محل کے جزیرہ میں تجارت ہو سکتی ہے اور اس کی آمدنی سلطان کا حق ہے۔ (ہنٹر) بڑا تعجب یہ ہے کہ یہ جزیرے اس قدر عرصہ تک یورپ کی تجارت پیشہ قوموں یعنی پرتگیزوں اور ڈچ اور انگریزوں کے ہاتھ سے اب تک کس طرح بچے رہے۔ اس کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں۔ اول تو باشندے نہایت ڈرپوک اور غریب ہیں کسی قوم کو ناراض ہونے کا موقع نہیں دیتے۔ لیکن اصل سبب یہ ہے کہ جزائز کی آب و ہوا غیر ملک کے لوگوں کے لیے نہایت مضر ہے اور ان پر قبضہ کرنے میں کسی بڑے فائدے کی امید نہیں۔ فرانسس پری آرڈ ایک فرانسیسی جہاز ران جس کا جہاز (فروری ۱۶۰۲ء) میں ان جزائز کے قریب ٹوٹ گیا تھا اور جو چند سال تک ان جزیروں میں رہا۔ بیان کرتا ہے کہ اس وقت یہ بھی دستور تھا کہ جو جہاز ٹوٹ جاتا تھا اس کا تمام اسباب سلطان کی ملکیت ہو جاتا تھا۔ اس زمانہ میں بھی یہ خیال باقی ہے چنانچہ ۱۸۷۷ء میں ایک جہاز لنگی نام ٹوٹ گیا تو کسی باشندہ نے بغیر سلطان کی خاص اجازت کے اس کے مال کو غرق ہونے سے بچانے میں مدد نہ دی۔ پری آرڈ اس کے علاوہ سلطان کی آمدنی کا ذریعہ یہ بھی لکھتا ہے کہ جس قدر عنبر ان جزیروں کے ساحل پر آ کر پڑتا تھا وہ سلطان کی ملکیت تصور ہوتا تھا اور اگر کوئی شخص اس میں سے کچھ لے لیتا تھا تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں دریائی ناریل بھی جو ساحل پر بہہ کر آ جاتے تھے سلطان لے لیتا تھا۔

(۱۰) تملیح لحم قلبی۔ گوشت باشد کہ یا تو ابلی (مصالح) پختہ کنند در خورے (خم) کنند و بقدر حاجت برآوردہ خورند

باب (۱۱)

سیلان

(۱) شہر بطالہ

جب ہم چلے تو ہمارے ساتھ کوئی واقف نہ تھا ان جزیروں سے معبر کا فاصلہ فقط تین دن کا ہے لیکن ہم نو دن سفر کرتے رہے اور نویں دن سیلان (۱) کے جزیرہ میں جا نکلے۔ سراندیپ کا پہاڑ جس کی چوٹی آسمان میں گھسی ہوئی تھی دکھائی دیا۔ وہ دور سے ایسا نظر آتا تھا کہ گویا دھوئیں کا ستون ہے۔ جب ہم پہنچے تو جہاز والوں نے کہا کہ یہ بندرگاہ اس راجہ کا نہیں ہے جہاں تاجر لوگ بلا خوف و خطر جا سکتے ہیں بلکہ یہ شہر ڈاکوؤں کے سردار کا ہے۔ اس کے جہاز سمندر میں غارت کرتے پھرتے ہیں ہم نے وہاں لنگر ڈالنے سے خوف کیا لیکن ہوا تیز ہو گئی تھی اور ہمیں غرق ہونے کا خوف تھا۔ میں نے ناخدا سے کہا مجھے ساحل پر اتار دے۔ میں اس راجہ سے تیرے لیے امان لے آتا ہوں۔ اس نے مجھے کنارے پر اتار دیا۔ میرے پاس کافر آئے اور کہا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں بادشاہ معبر کا ہم زلف ہوں اور راجہ سے ملنے آیا ہوں اور اس جہاز میں راجہ کے لیے تحفے بھرے ہوئے ہیں۔ انھوں نے جا کر راجہ کو خبر کی۔ اس نے مجھے بلا بھیجا اور میں بطالہ (۲) کے شہر میں اس سے ملنے کے لیے گیا۔ یہ اس راجہ کا پایہ تخت ہے اور چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے گرداگرد لکڑی کی فصیل ہے اور لکڑی ہی کے برج ہیں اور

سمندر کے تمام کنارے پر قرفہ (۳) (دار چینی) کی لکڑی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ یہ لکڑی سمندر میں بہہ بہہ کر آ جاتی ہے۔ معبر اور مالابار کے لوگ یہ لکڑیاں مفت لے جاتے ہیں لیکن راجہ کو کپڑا وغیرہ بطور نذرانہ کے دیا کرتے ہیں۔ معبر اور اس ملک کے درمیان فقط ایک دن اور ایک رات کا رستہ ہے۔ اس ملک میں بقم (۴) کی لکڑی بھی بہت ہوتی ہے اور عود ہندی بھی، جس کو کلخی کہتے ہیں، بکثرت ہوتا ہے لیکن وہ قاقلہ اور قمار کے عود سے کم درجہ ہوتا ہے۔

(۲) راجہ سیلان

اس راجہ کا نام ایری شکروتی (۵) ہے۔ یہ راجہ سمندر میں صاحب قوت ہے۔ ایک دفعہ میں معبر میں تھا تو اس کے سو جہاز چھوٹے بڑے وہاں موجود تھے۔ اس وقت بادشاہ معبر کے بھی آٹھ جہاز بندرگاہ میں موجود تھے جو یمن کی طرف جانے کو تیار تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تیار رہو اور لوگ بھی اپنی اپنی کشتیوں کی حمایت کے لیے جمع ہو گئے۔ جب راجہ کے جہازوں نے دیکھا کہ موقع نہیں ہے تو کہنے لگے ہم بھی یمن کو جاتے ہیں اور اس لیے آئے تھے کہ سلطان کے جہازوں کی حمایت میں چلے جائیں۔ جب میں اس راجہ کے پاس گیا تو وہ میری تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور اپنے برابر مجھے بٹھا لیا اور مجھ سے نرمی اور صفائی کی باتیں کیں اور یہ بھی کہا کہ تمہارے ہمراہی بلا خوف و خطر جہاز سے اتریں اور جب تک ٹھہریں گے میرے مہمان ہوں گے کیونکہ بادشاہ معبر کی اور میری دوستی ہے۔ میں اس کے پاس تین دن تک ٹھہرا۔ ہر روز پہلے روز سے زیادہ تعظیم اور تکریم ہوتی۔ وہ فارسی زبان سمجھتا تھا، جب میں نے اس کو تمام ملکوں اور شہروں کا احوال سنایا تو بہت خوش ہوا۔ ایک دن میں اس کے پاس گیا، اس کے پاس بہت اچھے اچھے موتیوں (۶) کا ڈھیر لگا ہوا تھا کیونکہ اس کے علاقہ میں غوطہ خور سمندر میں سے موتی نکالتے ہیں، پرکھنے والے وہاں بیٹھے ہوئے اچھے اچھے موتی علیحدہ کرتے جاتے تھے۔ اس نے کہا کہ تم نے بھی کہیں موتی نکلتے دیکھے ہیں۔ میں نے کہا ہاں جزیرہ قیس اور جزیرہ کش میں جن کا حاکم ابن السواملی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے بھی سنا ہے۔ پھر اس نے چند دانے اٹھائے اور کہا کیا وہاں اس قدر بڑے بڑے موتی ہوتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں وہ چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہا یہ دانے میں نے تم کو دیے۔ مجھ سے یہ کہا کہ شرم نہ کرو جو کچھ تمہیں درکار ہو مجھ سے طلب کرو۔ میں نے کہا میری غرض یہاں آنے سے یہ تھی کہ میں قدم شریف کی زیارت کروں۔ سیلان میں آدم کو بابا اور حوا کو ماما کہتے ہیں۔ راجہ نے کہا کہ میں تیرے ساتھ آدمی کر دوں گا، وہ تجھے پہنچا دیں گے، یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ میں نے کہا یہ جہاز جس میں میں آیا ہوں، اس کو معبر کے رستے میں کوئی مزاحم نہ ہو اور جب واپس آؤں مجھے تم اپنے جہازوں میں پہنچا دینا۔ اس نے کہا اچھا۔ جب میں نے جہاز والے سے یہ کہا تو اس نے کہا کہ میں بغیر تیرے نہیں جاؤں گا اگر تو بیس دن میں واپس آئے گا تو میں ٹھہرا رہوں گا۔ میں نے راجہ سے کہا۔ اس نے کہا جب تک تو واپس آئے جہاز یہاں پر ٹھہرا رہے اور کل اہل جہاز ہمارے مہمان رہیں۔ راجہ نے مجھے ایک ڈولہ دیا اور غلام دیے، جو مجھے ڈولہ میں اٹھا کر لے جاتے تھے اور چار جوگی میرے ساتھ کیے، جو ہر سال قدم کی زیارت کو جاتے ہیں اور تین برہمن اور دس اپنے اہل کار اور پندرہ آدمی میرا زاد راہ اٹھانے کے لیے میرے ساتھ کیے۔ پانی اس رستہ میں بکثرت ہوتا ہے۔ پہلے دن ہم ایک دریا پر پہنچے اور بید کی چھڑیوں سے بنی ہوئی کشتی میں اس دریا کو عبور کیا۔ وہاں سے ہم منار مندلی (۷) پہنچے۔ یہ ایک اچھا خاصا شہر ہے اور اس راجہ کی عملداری کی حد پر واقع ہے۔ وہاں راجہ کے اہل کاروں نے ہماری دعوت کی۔ وہ ضیافت میں گاؤمیش کے کٹڑے جن کو جنگل سے شکار کرتے ہیں اور زندہ پکڑ لاتے ہیں اور چاول اور گھی اور مچھلی اور مرغیاں اور دودھ دیتے ہیں۔ اس شہر میں سوا ایک خراسانی کے اور کوئی مسلمان نہ تھا جب بسبب مریض ہونے کے رستہ میں ٹھہر گیا تھا، وہ بھی ہمارے ساتھ ہو لیا۔

(۳) سلاوات

پھر ہم بندر سلاوات (۸) میں پہنچے۔ یہ چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے بعد جنگل میں آئے جس میں پانی بکثرت تھا اور ہاتھی بھی رہتے تھے لیکن یہ ہاتھی پردیسیوں اور زائروں کو کچھ تکلیف نہیں دیتے اور یہ سب شیخ عبداللہ (۹) بن خفیف کی برکت ہے۔ شیخ موصوف نے اول ہی اول یہ رستہ دریافت کیا تھا ورنہ وہاں کے کافر اس رستہ سے مسلمانوں کو جانے سے روکتے تھے اور ان کو تکلیف دیتے تھے۔ نہ ان کے ساتھ کھاتے تھے، نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچتے تھے۔ جب شیخ موصوف کے ساتھیوں نے ہاتھی کے بچے کو مارا اور اس میں سے شیخ نے گوشت نہ کھایا اور رات کو ان سب کو ہاتھی مار گئے اور شیخ کو کچھ نہ کہا بلکہ ایک ہاتھی ان کو اپنی پشت پر سوار کر کے آبادی میں چھوڑ گیا۔ اس زمانہ سے کافر لوگ مسلمانوں کی تعظیم کرتے ہیں اور اپنے گھروں میں ان کو ٹھہراتے ہیں اور ان کے ساتھ کھانا کھا لیتے ہیں اور اپنے اہل و عیال اور بال بچوں میں ان کو اطمینان کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، کچھ فکر نہیں کرتے اور وہ اب تک شیخ عبداللہ خفیف کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور ان کو شیخ کبیر کہتے ہیں۔

(۴) کنکار

اس کے بعد ہم شہر کنکار (۱۰) میں پہنچے۔ یہ سیلان کے سب سے بڑے راجہ کا دارالخلافہ ہے۔ یہ پہاڑ ایک گھاٹی میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک دریا پر واقع ہے۔ دریا کا نام دریائے یاقوت ہے کیونکہ اس میں سے یاقوت ملتا ہے۔ شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی کی' جو شاوش کر کے مشہور ہیں' مسجد ہے۔ اس شہر کا راجہ اور اس کے باشندے اس قبر کی زیارت کو آتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ قدم کے جانے والوں کا رہبر تھا جب اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیے گئے تو اس کے بیٹے اور پوتے اور غلام بھی یہی کام کرتے رہے' اس کے ہاتھ پیر اس لیے کاٹے گئے تھے کہ اس نے ایک گائے ذبح کر لی تھی اور ہندوؤں کا قاعدہ ہے کہ جو کوئی شخص گائے ذبح کرتا ہے تو اس کو یا تو ذبح کر دیتے ہیں اور یا گائے کی کھال میں رکھ کر جلا دیتے ہیں لیکن شیخ عثمان کی رعایت ان کو بہت منظور تھی اس لیے فقط ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا اور چند بازاروں کا محصول ان کے گزارہ کے واسطے معاف کر دیا۔ اس شہر کے راجہ کو کنار کہتے ہیں اس کے ہاں ایک سفید ہاتھی (۱) ہے۔ میں نے سوا اس ہاتھی کے دنیا میں سفید ہاتھی نہیں دیکھا۔ یہ راجہ اس پر تہوار کے دن سوار ہوتا ہے اور اس کے سر پر بڑے بڑے یاقوتوں کا ہار باندھتا ہے۔ اتفاق سے اس راجہ سے اس کے امیر اور اہل کار باغی ہو گئے اور اس کی آنکھ میں سلائی پھیر کر اس کے بیٹے کو راجہ بنا لیا۔ اب یہ راجہ اندھا ہے۔ وہ یاقوت جس کو بہرمان کہتے ہیں اس شہر میں ہوتا ہے۔ بعض یاقوت تو دریا سے نکلتے ہیں اور بعض کھود کر نکالتے ہیں۔ جزیرہ سیلان میں یاقوت سب جگہ نکلتا ہے جو شخص یاقوت نکالتے ہیں زمین کا ایک ٹکڑا خرید لیتے ہیں اور یاقوت تلاش کرتے ہیں جہاں کہیں سفید شاخدار پتھر نکلتا ہے تو اس کے اندر یاقوت ہوتا ہے اس پتھر کو سنگتراشوں کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ تراش کر یاقوت کو بیچ میں سے نکال لیتے ہیں۔ بعض یاقوت سرخ ہوتا ہے بعض زرد اور بعض نیلا ہوتا ہے۔ نیلے یاقوت کو نیلم کہتے ہیں۔ یہ دستور ہے کہ جو یاقوت مالیت میں سو فنم سے زیادہ ہو وہ راجہ کا ہوتا ہے۔ راجہ اس کی قیمت دے کر خرید لیتا ہے اور جو اس قیمت سے کم کا ہو وہ یاقوت والا اپنے پاس رکھتا ہے۔ سو فنم چھ طلائی دینار کے برابر ہوتے ہیں۔ سیلان میں عورتیں رنگ رنگ کے یاقوت کے ہار پہنتی ہیں اور ہاتھوں اور پاؤں میں بھی اسی کے کنگن اور جھانجھن پہنتی ہیں اور راجہ کی کنیزیں یاقوتوں کی جالی (شبکہ) بنا کر سر پر رکھتی ہیں۔ سفید ہاتھی کے سر پر سات یاقوت ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک مرغی کے انڈے سے بڑا ہے راجہ ایری شکروتی کے پاس میں نے ایک پیالی یاقوت (۲) کی دیکھی جو کف دست کے برابر تھی اور اس میں عود کا تیل رکھا ہوا تھا۔ میں تعجب کرنے لگا تو اس نے کہا کہ ہمارے پاس اس سے بھی بڑے یاقوت ہیں۔ کنکار سے چل کر ہم ایک غار میں پہنچے اس کو استاد محمود لوری کا غار کہتے ہیں۔ یہ شخص ولی تھا اور اس نے یہ غار پہاڑ کے اوپر ایک چھوٹے سے چشمے کے قریب بنایا تھا۔ وہاں سے چل کر ہم ایک دریا پر پہنچے جس کو خور بوزنہ یعنی بندروں کا دریا کہتے ہیں۔ اس پہاڑ میں بندر بکثرت ہیں۔ وہ سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں اور ان کی دمیں لمبی لمبی ہوتی ہیں اور نر کے داڑھی بھی ہوتی ہے شیخ عثمان اور ان کے بیٹے نے اور ان کے علاوہ اور آدمیوں نے بھی ذکر کیا کہ ایک بندر (۱۳) ان میں مقدم ہوتا ہے اس کو بادشاہ کے طور پر مانتے ہیں اس کے سر پر درخت کے پتوں کا سرا باندھا ہوا ہوتا ہے اور وہ ہاتھ میں عصا لے کر چلتا ہے۔ اس کی دائیں طرف دو بندر ہوتے ہیں اور بائیں طرف دو۔ ان کے ہاتھوں میں عصا ہوتے ہیں۔ جب بڑا بندر بیٹھ جاتا ہے اور بندر آ کر دور فاصلہ سے بیٹھ جاتے ہیں پھر چار بندروں میں سے ایک کچھ کہتا ہے تو سب بندر چلے جاتے ہیں۔ پھر ایک بندر آتا ہے اور ایک لیموں یا کیلا (۱۴) یا کوئی اور شے لاتا ہے۔ یہ چیزیں وہ بڑا بندر' اس کی بندریں اور بچے اور چاروں بندر کھاتے ہیں۔ کسی جوگی نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ میں نے چاروں بندروں کو دیکھا کہ وہ ایک بندر کو لاٹھیوں سے مارتے تھے اور مارنے کے بعد اس کے بال اکھاڑتے تھے۔

پھر ہم دریائے خیزران (بید) پر پہنچے۔ یہ وہی دریا ہے کہ اس میں شیخ عبداللہ خفیف کو دو یاقوت ملے تھے جو انہوں نے اس جزیرہ کے راجہ کو دے دیے تھے اور جس کا بیان میں پہلی جلد میں کر آیا ہوں پھر ہم ایک جگہ پہنچے جس کو "بڑھیا کا گھر" کہتے ہیں۔ اس کے آگے آبادی نہیں ہے۔ اس کے آگے بابا طاہر کا غار آتا ہے جو ایک ولی تھے۔

(۵) غار سیک و قدم شریف

اس کے آگے سیک کا غار آتا ہے۔ سیک ایک راجہ تھا۔ وہ دنیا کو ترک کر کے اس غار میں آ رہا تھا۔ اس جگہ ہم نے اڑنے والی جونک (۱۵) دیکھی۔ وہ پانی کے قریب جو درخت یا گھاس ہوتا ہے' اس پر بیٹھی رہتی ہے۔ جب کوئی انسان قریب جاتا ہے تو کود کر اس کو چمٹ جاتی ہے اور جہاں چمٹی ہو وہاں سے بہت سا خون نکال دیتی ہے۔ وہاں کے لوگ لیموں تیار رکھتے ہیں وہ نچوڑ دیتے ہیں۔ جونک گر پڑتی ہے پھر ایک لکڑی کی چھری سے جو تیار رہتی ہے اس موقع کو صاف کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی زاہد اس جگہ سے گزرا۔ اس کے جونک چمٹ گئی اور اس نے تمام چمڑا اڑا دیا۔ اس کے پاس لیموں نہ تھا۔ اس جونک نے اس کا تمام خون پی

لیا اور وہ مرگیا۔ اس شخص کا نام بابا خوزی تھا۔ اس جگہ ایک غار ہے جو اس کی طرف منسوب ہے۔ اس کے بعد ہم ہفت غار کی طرف گئے پھر عقبہ سکندریہ کی طرف' پھر غار اصفہانی کی طرف' پھر چشمہ کی طرف۔ وہاں ایک غیر آباد قلعہ ہے۔ اس کے نیچے ایک دریا بہتا ہے جس کو خوطہ گنگا عارفان کہتے ہیں۔ وہاں ایک غار ہے' جس کو غار طارخ کہتے ہیں اور ایک دوسرا غار ہے اس کو راجہ کا غار کہتے ہیں۔ اس کے پاس پہاڑ کا دروازہ ہے' جس کو جبل سرانذیپ کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ دنیا کے بلند پہاڑوں میں سے ہے۔ ہم نے اس کو سمندر میں سے دیکھا تھا حالانکہ وہ ساحل سے نو منزل ہے۔ جب ہم اس کے اوپر گئے تو بادل ہمیں نیچے نظر آتے تھے اور پہاڑ کی جڑ اور ہمارے درمیان حائل تھے۔ اس پہاڑ میں ایسے بہت سے درخت ہوتے ہیں جس کے پتے بھی نہیں جھڑتے اور رنگ برنگ نکلتے ہیں۔ سرخ گلاب کا پھول ہتھیلی کے برابر ہوتا ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ اس پھول میں اللہ اور محمدؐ کا نام قلم قدرت سے لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس پہاڑ میں قدم تک جانے کے دو رستے ہیں۔ ایک کو بابا کا رستہ کہتے ہیں اور دوسرے کو ماما کا یعنی آدم اور حوا کے رستے۔ ماما کا رستہ آسان ہے۔ اس رستے سے زائر واپس آتے ہیں اور اگر کوئی اس رستے سے جاتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ اس نے زیارت ہی نہیں کی لیکن بابا کا رستہ بڑا دشوار گزار ہے اور اس پر چڑھنا نہایت مشکل ہے پہاڑ کے نیچے' جہاں اس کا دروازہ ہے' ایک غار ہے جس کو سکندر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پانی کا ایک چشمہ ہے۔ پہلے آدمیوں نے پہاڑ میں سیڑھیاں کھدوا رکھی ہیں' جن پر چڑھتے ہیں اور ان میں لوہے کی میخیں گاڑ کر ان سے لوہے کی زنجیریں لٹکائی ہیں تاکہ چڑھنے والا ان کو پکڑتا جائے۔ یہ دس زنجیریں ہیں۔ دو پہاڑ کے نیچے' جہاں دروازہ ہے اور سات اس کے بعد پے در پے آئی ہیں۔ دسویں زنجیر کو زنجیر شہادت کہتے ہیں کیونکہ جب انسان وہاں پہنچتا ہے اور پہاڑ کے نیچے کی طرف دیکھتا ہے تو اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں اور گرنے کے خوف سے کلمہ شہادت پڑھنا شروع کرتا ہے۔ جب اس زنجیر سے گزر جاتے ہیں تو رستہ ملتا ہے دسویں زنجیر سے لے کر غار خضر تک سات میل کا فاصلہ ہے۔ وہ ایک وسیع میدان میں واقع ہے۔ اس کے پاس پانی کا ایک چشمہ ہے۔ وہ بھی حضرت خضر کی طرف منسوب ہے۔ اس چشمہ میں مچھلیاں بکثرت ہیں۔ کوئی شخص ان کو پکڑ نہیں سکتا اس کے قریب رستہ کے دونوں طرف دو حوض ہیں' جو پہاڑ میں کھودے ہوئے ہیں۔ غار خضر میں سب زائر جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے' چھوڑ جاتے ہیں اور دو میل اوپر جہاں قدم ہے چڑھتے ہیں یہ قدم (۱۴) بابا آدم کے پاؤں کا نشان ایک سخت سیاہ پتھر میں ہے جو سطح سے اونچا ہے اور میدان میں پڑا ہوا ہے۔ قدم مبارک پتھر میں گھس گیا تھا اور اس کا نشان ہوگیا تھا۔ اس کی لمبائی گیارہ

بالشت ہے۔ پہلے یہاں اہل چین آتے تھے۔ وہ انگوٹھے کی جگہ پتھر میں سے توڑ کر لے گئے اور شہر زیتون میں ایک مندر میں اس کو جا رکھا۔ وہاں بھی اہل چین تمام ملک سے زیارت کو آتے ہیں۔ قدم کے پاس پتھر میں نو گڑھے کھدے ہوئے ہیں۔ ہندو زائر اس میں سونا اور یاقوت اور موتی بھر جاتے ہیں۔ اس لیے فقیر لوگ جب غار خضر پر پہنچتے ہیں تو جلدی کر کے سب سے پہلے پہنچتے ہیں تاکہ جو کچھ ان گڑھوں میں ہو' لے لیں۔ ہم جب آئے تو بہت تھوڑا سونا اور جواہرات اس میں تھے۔ وہ ہم نے اپنے بدرقہ کو دے دیا۔ دستور یہ ہے کہ زائر لوگ غار خضر میں تین دن تک ٹھہرتے ہیں اور تین دن برابر صبح اور شام قدم کی زیارت کو آتے ہیں ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

(۶) قدم کی زیارت سے واپسی

جب ہمیں تین دن ہو چکے تو ہم ماما حوا کے رستے واپس ہوئے پہلی منزل غار شیم (شیث) میں ہوئی۔ پھر دریائے سک پر پہنچے پھر کرلہ میں' پھر جبر گاؤں میں' پھر دل دی نوہ میں' پھر ات قلعہ میں۔ یہاں شیخ ابو عبداللہ بن خفیف گری بسر کیا کرتے تھے۔ یہ سب گاؤں اور منزلیں پہاڑ میں ہیں۔ پہاڑ کی جڑ کے قریب درخت رواں ہے۔ یہ ایک بڑا درخت ہے اس کے پتے نہیں گرتے اور نہ کسی نے اس کا پتہ دیکھا ہے اس کو رواں اس لیے کہتے ہیں کہ اگر اس کو پہاڑ کے اوپر سے دیکھو تو وہاں سے دور اور جڑ کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ یہاں بہت سے جوگی ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ اس درخت کے پتوں کے گرنے کا انتظار کیا کرتے ہیں لیکن ان کی یہ امید کبھی پوری ہوتی معلوم نہیں ہوتی۔ اس درخت کے پتوں کی بابت یہ جوگی بہت سی جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جو کوئی یہ پتہ کھالے تو پھر جوان ہو جاتا ہے خواہ بوڑھا پھوس ہی کیوں نہ ہو۔ اس پہاڑ کے نیچے وہ دریا ہے جس میں سے یاقوت نکلتا ہے اس کا پانی بالکل نیلا نظر آتا ہے۔

(۷) دین ور

وہاں سے چل کر ہم دو دن میں دین ور (۱۵) پہنچے۔ یہ شہر بہت بڑا ہے اور سمندر کے کنارے پر ہے۔ اس میں سوداگر رہتے ہیں اور ایک بت جس کا نام دینور ہے ایک بڑے بت خانہ میں رکھا ہوا ہے۔ اس میں تین ہزار کے قریب برہمن اور جوگی رہتے ہیں اور پانچ سو ہندوؤں کی بیٹیاں ہیں' جو ہر روز بت کے سامنے ناچتی اور گاتی ہیں۔ اس شہر کا کل محصول بہت

خانہ کے لیے معاف ہے اور اہل بت خانہ اور مسافروں کو اس میں سے روٹی دی جاتی ہے۔ بت سونے کا بنا ہوا ہے اور آدم قد ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں کی جگہ دو بڑے یاقوت لگے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ رات کو قندیل کی مانند روشنی دیتے ہیں۔ پھر ہم شہر قالی (۱۸) (گال) میں پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ دینور سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ اس میں ایک مسلمان ناخدا ابراہیم رہتا ہے۔ اس نے ہماری ضیافت کی۔ اس کے بعد کلنبو (۱۹) کی طرف چلے۔ سراندیپ میں یہ شہر سب سے بڑا ہے اور خوبصورت ہے اور اس راجہ کا وزیر' جو حاکم بحر ہے اور جالستی کہلاتا ہے' رہتا ہے۔ اس کے ساتھ پانچ سو حبشی بھی رہتے ہیں۔ وہاں سے چل کر تین دن کے بعد ہم بطالہ میں پہنچے اور وہاں کے راجہ سے جس کا ذکر پہلے کر آیا ہوں ملا۔ ناخدا ابراہیم میرا انتظار کر رہا تھا۔



حوالہ جات

(۱) سیلان۔ اس جزیرہ کو ہندو لنکا کہتے ہیں اور ان کی کتابوں میں اور رامائن میں اس کے حجم اور فاصلہ اور دولت اور آبادی وغیرہ کی بابت ناقابل یقین باتیں درج ہیں۔ عرب اس کو سران دیپ بھی کہتے تھے اور سیران سے ہی سیلان کا لفظ بنایا گیا ہے خوبصورتی کے باعث سے اس جزیرہ کو سمندر کا ہیرا بھی کہتے ہیں۔ خط استوا کے شمال میں ۵ درجہ ۵۵ ثانیہ سے شروع ہو کر ۹ درجہ ۵۱ ثانیہ تک واقع ہے ہندوستان کے اور اس جزیرہ کے درمیان فقط چالیس میل کا فاصلہ ہے۔ لمبائی ۲۷۰ میل اور چوڑائی ۱۶۹ میل ہے رقبہ ۲۵۳۳۲ مربع میل اور آبادی ۱۲۵ لاکھ کے قریب ہے جزیرہ کا وسطی حصہ پہاڑی علاقہ ہے سب سے اونچے پہاڑ کی چوٹی ۸ ہزار دو سو فٹ ہے۔ بیشمار دریا ان پہاڑوں سے نکل کر چاروں طرف بہتے ہیں اور سمندر میں جا گرتے ہیں سب سے بڑا دریا مہاولی گنگا ہے جواہرات یعنی یاقوت' چشم' فیروزہ اور نیلم بھی بہ کثرت پیدا ہوتا ہے۔ جا آتی پیداوار میں سے ناریل۔ دار چینی اور قہوہ بہت مشہور ہیں جنوبی اضلاع میں سنگھلی اور شمالی اضلاع میں تامل یعنی مدراسی بکثرت ہیں۔ مسلمان جو اکثر عربوں کی اولاد ہیں تمام جزیرہ میں پائے جاتے ہیں اور تجارت کا کام کرتے ہیں۔

سیلان کی سب سے قدیم تاریخ مہاونس ہے۔ اس میں ۵۴۳ ق م سے ۱۷۵۸ء تک کے حالات درج ہیں اول اس کو راجہ دھات سین کے چچا مہانام نے ۴۵۹ لغایت ۴۷۷ء کے درمیان تالیف کیا تھا۔ پھر راجہ پراکرم باہو کے وقت میں ۱۲۶۶ء میں اس زمانہ تک کے حالات درج کیے گئے اور آخر میں راجہ کرتی سری راجہ کانڈی نے ۱۷۵۸ء میں اپنے زمانہ تک کے تاریخی حالات اور شامل کرائے۔ اس طرح سے ۲۳ صدی کے تاریخی حالات اس کتاب میں پائے جاتے ہیں یہ فخر شاید کسی اور ملک کو حاصل ہو۔ وجایا سے لے کر جو ۵۴۳ ق م میں سب سے پہلا راجہ تھا سری وکرم راج سنگھ تک جس کو انگریزوں نے ۱۸۱۵ء میں ریاست سے علیحدہ کر دیا اور جو ۱۸۳۲ء میں مر گیا ایک سو پینسٹھ راجہ اس ملک میں گزرے ہیں کہتے ہیں کہ وجایا بنگالہ یا بہار کے کسی راجہ کا بیٹا تھا اس کو اس کے باپ نے کسی شرارت کے سبب سے دیس نکالا دے دیا تھا وہ کچھ تھوڑے سے آدمی اپنے ساتھ لے کر پتام کے شہر میں آنکلا اور اس نے یکھ (دیو) اور ناگے (سانپ) جو اس ملک کے اصلی باشندے تھے آسانی سے مغلوب کر لیے اس کے آنے کے ڈیڑھ سو سال پیچھے بودھ مذہب

سیلان میں رائج ہوا۔ ماهندو جو چندر گپت کی اولاد سے تھا ۳۰۷ء میں وعظ کرتا ہوا سیلان میں آپہنچا اور ایک دن اس کے وعظ کی تاثیر سے راجہ اور چالیس ہزار آدمی اس کے ساتھ بودھ ہو گئے۔ ۲۸۹ء میں مگدھ دیس (بہار) سے ایک بڑ کا درخت لا کر انارج پور میں لگایا گیا۔ یہ درخت اب تک موجود ہے اور اس حساب سے اس کی عمر دو ہزار ایک سو سینتالیس سال کی ہوئی۔ ۳۰۲ء تک وجایا کا خاندان حکومت کرتا رہا۔ اس کا آخری راجہ مہاسین تھا۔ اس سال میں ایک نیا خاندان جس کو سولہ ونس یعنی سورج بنسی کہتے ہیں۔ شروع ہوا دکھن کے باشندے جن کو تاریخ میں ملابار لکھا ہے۔ سیلان کے کناروں پر آنے شروع ہو گئے اور انہوں نے رفتہ رفتہ زور حاصل کر کے سیلان کے راجاؤں کو جنوب کی طرف دھکیلنا شروع کیا اور ان کی لوٹ مار اور سیلان کے راجاؤں کی ناقابلیت سے اس ملک کی حالت اچھی نہیں رہی اور بودھ مذہب تقریباً جزیرہ سے نیست و نابود ہو چلا تھا۔ ۱۰۷۱ء میں پراکرم باہو کے وقت میں وہاں کی سلطنت نے پھر سنبھالا لیا۔ لیکن اس کے جانشین ویسے لائق نہ نکلے اور یکے بعد دیگرے جنوب کی طرف اور پہاڑوں میں ہٹتے گئے اور آخرکار ۱۳۴۷ء میں کرونگالا سے بھی آگے گم پولا میں چلے گئے۔ اس زمانے میں نصف جزیرہ بالکل تمول یعنی دکھنیوں کے قبضہ میں آگیا۔

ایسی حالت میں ۱۵۰۵ء میں یورپ کی اقوام کی آمد و رفت شروع ہوئی اس وقت راجہ دھرم پراکرم کا عہد سلطنت تھا۔ پرتگیزوں کا اول جہاز ۱۵۰۵ء میں اس جزیرہ میں پہنچا۔ ۱۵۲۰ء میں انہوں نے کولمبو کا قلعہ تیار کیا اور ساحل کے تمام ملک پر قابض ہو گئے۔ سیلان کے راجاؤں سے کبھی صلح اور کبھی لڑائی رہتی تھی اس اثناء میں پرتگیزوں کا زور جاتا رہا اور ان کے مذہبی تعصب اور ظلم نے ان کو تمام مشرق میں ایک مہیب دریائی ڈاکو سے زیادہ بھی وقعت نہ دی۔ ۱۶۵۵ء میں راجہ کانڈی نے پرتگیزوں سے کولمبو بھی چھین لیا۔ اس عرصہ میں قوم ڈچ نے جو پرتگیزوں کے حریف اور دشمن تھے زور پکڑا اور ۱۶۵۸ء میں انہوں نے منار اور جافنا پاٹم پر قبضہ کر لیا۔ یہ لوگ اپنے تجارتی فائدے کو ہر ایک چیز پر مقدم سمجھتے تھے اور جہاں تک ہو سکتا تھا لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرتے تھے لیکن خودغرض پرلے درجہ کے تھے اور مسلمان تاجروں پر جو عربوں کی اولاد سے تھے اور ان کے حریف تجارت میں تھے طرح طرح کی زیادتی کرتے تھے۔ ان پر اور لوگوں کی بہ نسبت دگنا محصول لگا دیا تھا لیکن یہ لوگ اس قسم کے تاجر ہیں کہ ان کے برخلاف نہ پرتگیزوں کے وحشیانہ ظلم اور نہ ڈچ لوگوں کی حریفانہ زیادتیاں کام ہو سکیں اور سیلان کی تجارت کا بہت بڑا حصہ ہر

ایک زمانہ میں جیسا کہ اب ہے ان کے ہی ہاتھ میں رہا۔

۱۷۳۹ء میں سنگھالی راجاؤں کا پرانا خاندان معدوم ہو گیا اور سری وجایا ایک ملا باری راجہ ہو گیا۔

۱۷۶۶ء میں ڈچ کی فوج کانڈی پر چڑھ آئی اور صلح کے وقت بہت سا علاقہ حاصل کر لیا۔

۱۷۹۵ء میں کانڈی کے راجہ نے انگریزوں کی مدد سے ان کو نکالنا چاہا جیسا کہ ڈیڑھ سو برس پہلے اس نے ڈچ کی مدد سے پرتگیزوں کو نکال دیا تھا۔ ۱۷۹۶ء میں ڈچ تمام قلعے خالی کر کے ملک سے باہر ہو گئے۔

ابو زید حسن سیرافی نے ۳۰۳ھ میں دو عربی سیاحوں کے سفر کے حالات اپنی کتاب اخبار الہند والسند میں درج کیے ہیں۔ یہ سیاح ۲۳۷ھ میں ہندوستان اور چین میں سفر کر گئے انہوں نے کوہ آدم کا نام الرہون لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس پہاڑ میں حضرت آدم کا قدم ستر بالشت لمبا بنا ہوا ہے۔ اور نیلم و پکھراج اور یاقوت کی کانیں ہیں۔ موتیوں کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس جزیرہ میں دو بادشاہ ہیں سنگھالی کتابوں میں بھی سرانديپ کے جنوبی حصہ کا نام روہون لکھا ہے۔

(۴) بطالہ۔ اب اس شہر کو بٹیلام کہتے ہیں لیکن سر ایمرسن ٹنٹ نے جو ایک پرانا نقشہ دیا ہے اس میں بطالہ ہی نام لکھا ہے۔ اس شہر میں مسلمانوں کے قبرستان ہیں۔ ایک درخت ہے جس کے تنے کا محیط ۳۶ فٹ ہے اور بلندی تقریباً ۷۰ فٹ ہے۔ اس علاقے میں ناریل کا درخت بھی بہت کثرت سے ہوتا ہے۔ اس تمام جزیرہ میں اور خصوصاً مغربی ساحل پر اس درخت کی بہت کثرت ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد دو کروڑ ہے۔

یہ درخت انسان کے لیے کھجور سے بھی زیادہ مفید ہے۔ خود رو پیدا نہیں ہوتا اور اس لیے جنگلوں میں نہیں بلکہ ہمیشہ آبادی کے قریب ہوتا ہے۔ اس ملک میں ایک کہاوت مشہور ہے کہ اس درخت کو انسان سو طرح استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ لکڑی عمارت اور جلانے، جہاز اور اسباب خانگی کے کام آتی ہے۔ پتوں سے چھپر بوریے۔ ٹوکرے بناتے ہیں۔ پھول کا اچار مربہ اور شراب بناتے ہیں اس کے دودھ سے شراب۔ تاڑی شکر اور سرکہ تیار کرتے ہیں۔ گری کا تیل اور شہد بناتے ہیں چھلکے کے پیالے۔ حقہ۔ چراغ اور اس کو جلا کر منجن بناتے ہیں۔ چھلکے کے اوپر جو جھوسے ہوتے ہیں ان کی رسی بناتے ہیں اور بستروں میں بھرتے ہیں۔ جیسے کہ عرب کھجور کو محبت کے سبب سے ع یعنی پھوپی کہتے ہیں۔ اسی طرح لنکا کے سنگھالی ناریل کی بابت کہتے ہیں کہ اس کو انسان کے ساتھ اس قدر محبت ہوتی

ہے کہ اگر انسان کی آواز اس کے کان میں نہ پڑے تو وہ سوکھ جاتا ہے۔ ۱۷۷۶ء میں گورنمنٹ سیلان نے ان درختوں پر ٹیکس لگانے کا ارادہ کیا تو بغاوت ہوگئی۔

(۳) قرفہ۔ بکسر قاف عربی میں درخت کی چھال کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں خاص درخت کی چھال کو کہتے ہیں جس کو دار چینی بھی کہتے ہیں۔ صاحب مخزن کی تحقیقات کے مطابق تج اور دار چینی اور قرفہ ایک ہی چیز ہے باریک شاخوں کی چھال قرفہ ہے اور اس سے موٹی شاخوں کی دار چینی اور تنا کی تج۔ یہ درخت فقط سیلان اور مالا بار میں پیدا ہوتا ہے۔ سیلان کی دار چینی بہت عمدہ ہوتی ہے اور مالا بار کی ادنیٰ درجہ کی۔ ابن بطوطہ اول مصنف ہے جس نے یہ ذکر کیا ہے کہ سیلان میں دار چینی بکثرت ہوتی ہے ورنہ اس سے پہلے کسی مصنف نے سیلان کے ذکر میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ دار کے معنے درخت کے ہیں اور چینی چین کی طرف منسوب ہے لیکن چین میں دار چینی بالکل نہیں ہوتی تھی۔ پہلے زمانے میں عرب سالی کے ملک سے دار چینی لے جاتے تھے اور تعجب یہ ہے کہ بودہ مذہب اور سنگھالیوں کی کتابوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے اس لیے قیاس کیا گیا ہے دار چینی عرب سالی یعنی حبشہ کے جنوب سے لائے اور جیسا کہ قہوہ کو وہاں سے لاکر انہوں نے یمن میں رواج دیا اسی طرح دار چینی کو سیلان میں رواج دے دیا اور وہاں کی زمین اور آب و ہوا اس کے موافق آئی اور کثرت سے ہونے لگی۔ چٹام میں دار چینی نہیں ہوتی چیلاؤ کے جنوب میں ہوتی ہے۔ سرکار انگریزی نے اپنی عملداری میں پہلے تو دار چینی کی خرید و فروخت اپنے ہاتھ میں رکھی اس کے بعد خرید و فروخت کی تو اجازت دی لیکن محصول لگا دیا۔ اس سبب سے اس کی کاشت جاوا اور چین اور ساٹرا میں بھی ہونے لگی۔

(۴) بقم اس لفظ پر پہلے ایک حاشیہ درج کیا گیا ہے۔ صاحب مخزن لکھتا ہے کہ بقم کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے اور مالا بار و زنگبار و سیلان میں ہوتا ہے اس کا پتہ بادام کے پتہ سے مشابہ ہوتا ہے پھول زرد اور پھل گول اور سرخ ہوتا ہے۔ اس کے پھل کو بھگو کر رنگ نکالتے ہیں۔ صاحب مخزن نے یہ جو لکھا ہے کہ عین الدیک یعنی گھمچی بقم کا پھل ہے غلط ہے کیونکہ گھمچی منشی کی بتل کا پھل ہے۔

(۵) آریا چک ورتی قوم کا تمول تھا۔ اس قوم نے سیلان کا شمالی نصف فتح کر لیا تھا اول دفعہ یہ لوگ ۱۵۱۵ء میں آئے اور رفتہ رفتہ سنگھالی راجاؤں کو اندر کی طرف ہٹاتے ہوئے تمام شمالی جزیرہ پر قابض ہوگئے یہ لوگ دراصل معبر کے ملک سے آئے تھے اور پانڈیہ خاندان کے راجہ تھے۔ سیلان کی تاریخ میں ان کو "مالاباری" کر کے لکھا ہے اور بعض کتابوں میں

تامول بھی لکھتے ہیں۔ ابن بطوطہ کے وقت میں شمالی اور مغربی کنارے کے بندر گاہ سب اس قوم کے قبضہ میں تھے۔ ابن بطوطہ نے جو کنکار کے راجہ اور اس کے سفید ہاتھی کا ذکر کیا ہے وہ پرانے خاندان سنگھالی کا راجہ تھا۔

(۶) موتی۔ موتی صدف کے اندر سے نکلتا ہے جو ایک ریشہ دار جانور ہوتا ہے اس کے دل کی جگہ بہ سبب بیماری کے پیدا ہو جاتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا بقدر دانہ خشخاش کے اور بڑے سے بڑا چڑیا کے انڈے جتنا ہوتا ہے۔ کبوتر کے انڈے جتنا بہت کمیاب۔ جو موتی رنگ میں سفید۔ صاف۔ ہموار اور چمک دار ہو وہ بہتر ہوتا ہے۔ بحرین اور ہرموز اور عمان کے قریب خلیج فارس میں اور خلیج منار کے کنارہ پر سیلان اور ہندوستان کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ ادنیٰ درجے کا سلٹ اور ڈھاکہ اور مرشد آباد میں بھی ہوتا ہے جس جگہ سمندر کے نیچے زمین میں سنگلاخ ہو وہاں کا موتی اچھا ہوتا ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ بھادوں کے مہینے میں صدف اپنا منہ کھلا رکھتی ہے اور اس میں بارش کا قطرہ جا پڑتا ہے اور موتی بن جاتا ہے بے اصل بات ہے (مخزن) ایک پتھر کو رسی میں باندھتے ہیں اور پتھر میں پاؤں رکھنے کی جگہ بنا دیتے ہیں اس میں پاؤں رکھ کر غوطہ خور اپنا کل زور لگا کر غوطہ مارتا ہے۔ فوراً ساحل کی تہ میں جا پہنچتا ہے۔ اس کے ساتھ لوہے کی جالی کا ایک ٹوکرا ہوتا ہے۔ پہنچتے ہی پتھر کو ڈال دیتا ہے اور ٹوکرے کو بھرنا شروع کرتا ہے جب اس کو سیپیوں سے بھر لیتا ہے تو کوئی علامت مقرر ہوتی ہے وہ رسی کو پکڑ کر مع ٹوکرے کے اوپر آجاتا ہے۔ ٹے نٹ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ کوئی غوطہ خور ایک منٹ یا سوا منٹ سے زیادہ پانی کے اندر نہیں رہ سکتا اور ۹ فیدم سے زیادہ سمندر میں نہیں جا سکتا۔ کبھی کبھی دس دس بیس بیس سال تک سیپیاں گم ہو جاتی ہیں اور موتی نہیں نکلتے۔ اس کا باعث ابو ریحان بیرونی نے یہ لکھا ہے کہ ان دنوں میں یہ جانور کہیں اور چلے جاتے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ سراندیپ میں کئی سال موتی نہ پائے گئے تو معلوم ہوا کہ اسفالا میں جو افریقہ کے مشرقی کنارہ پر ہے اور جہاں پہلے موتی نہ ہوتے تھے ان دنوں میں وہاں موتی نکلنے لگے۔ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ غوطہ خور سوا مچھلی کے گوشت اور کھجور کے اور کچھ نہیں کھاتے اور اپنے کانوں کی جڑوں میں سوراخ کر لیتے ہیں تاکہ ان میں سے سانس نکلتا رہے۔ ناک میں کوئی شے سینگ یا گھونگے کی قسم کی رکھ لیتے ہیں اور کانوں میں تیل میں بھگو کر روئی بھر لیتے ہیں اندر جا کر اس میں سے تیل نچوڑ لیتے ہیں اور چراغ جلا لیتے ہیں اور اپنے چہرہ کو سیاہ کر لیتے ہیں۔ تاکہ سمندر کے درندے (شارک مچھلی) ان

سے ڈر کر ان پر حملہ نہ کرے (مروج الذہب جلد اول صفحہ ۲۳۳)۔ بحر فارس کے غوطہ خور اب تک یہ سب عمل کرتے ہیں لیکن سیلان کے غوطہ خور اس قسم کا کوئی فعل نہیں کرتے وہ فقط ایک چھرا اور ایک ٹوکرا ساتھ لے جاتے ہیں۔

(۷) مندر مندل۔ اب بھی یہ مقام منری منڈل کہلاتا ہے اور مغربی ساحل پر واقع ہے۔

(۸) سلاوات۔ چیلاؤ اس کو تمول یعنی مدراسی سالایم کہتے تھے یعنی منافع کی جگہ نے نفث صاحب نے جو قدیم لنکا کا نقشہ دیا ہے اس میں اس کا نام سلاوث درج ہے یہ شہر چلام اور کولمبو کے درمیان سمندر کے ساحل پر واقع ہے۔

(۹) ابو عبداللہ خفیف۔ آپ کے والد کا نام اسکنار تھا۔ سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے وہ شیراز کے شاہی خاندان سے تھے آپ کی والدہ نیشاپور کی تھیں۔ اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام اور شیخ المشائخ تھے۔ رویم علیہ الرحمۃ کے دیکھنے والے تھے اور رویم جنید علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے اور ابو طالب کے شاگرد تھے علم تصوف میں بڑے مصنف گزرے ہیں شیخ الاسلام احمد جام کا قول ہے کہ متقدین میں سے کسی بزرگ نے اس قدر تصنیفات نہیں کیں۔ سیرت اور اعتقاد دونوں پاک رکھتے تھے۔ شافعی مذہب تھے آپ کی وفات بقول نفحات ۳۳۱ھ میں ہوئی اور سفینۃ الاولیاء میں سال وفات ۷۱ھ درج ہے۔ آپ کی قبر شیراز میں ہے۔ ہاتھی کے بچہ کی کہانی کی حکایت کو مولانا روم نے بھی مثنوی میں دفتر سوم کے شروع میں نظم کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ واقعہ شیخ ابو عبداللہ خفیف کے ساتھ گزرا ہے۔

آن شنیدی تو کہ در ہندوستان
دیدہ دانائے گروہ دوستان
گرسنہ ماندہ شدہ بے برگ و عور
مے رسید نداز سفر وز راہ دور

حیات الحیوان بن دمیری نے یہ حکایت کتاب حلیہ سے اس طرح نقل کی ہے کہ شیخ ابو عبداللہ قلانسی ایک دفعہ سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ ہوائے مخالف چل پڑی اہل کشتی نے نذر مانی کہ اگر خدا ہمیں اس خطرہ سے نجات دے تو ہم ہاتھی کا گوشت کھانا چھوڑ دیں گے۔ کشتی تو ٹوٹ گئی لیکن ان سب کی جانیں بچ گئیں۔ ایک ساحل پر جا چڑھے یہ لوگ کئی دن سے بھوکے تھے ہاتھی کا ایک بچہ ملا اس کو کھا گئے۔ شیخ اپنی نذر پر قائم رہے۔ جب رات کو سو گئے تو ہتھنی آئی اور سب کے منہ سونگھ سونگھ کر مارتی گئی اور شیخ کو بچا کر اور اپنی کمر پر بٹھا کر چل دی صبح کو ایک شہر میں پہنچی۔ وہاں لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ آٹھ

دن کے رستہ سے آتے ہیں۔

(۱۰) کنکار۔ سرائے لے نفث نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کنکار سے ابن بطوطہ کی مراد گم پولا ہے جس کا دوسرا نام گنگا سری پورا یا گنگالی تھا۔ راجہ کا نام کنار لکھا ہے لیکن راجہ کا نام "بھوانی کا بھاؤ" تھا اور یہ راجہ اصل لوگوں کے ڈر سے گم پولا میں جا بسا تھا۔

(۱۱) فیل یعنی ہاتھی۔ فیل کو ہندی میں ہاتھی۔ گج۔ ہستی کہتے ہیں۔ یہ جانور افریقہ اور ہندوستان اور سیلان اور برما وسیام و جزائر شرق الہند کا باشندہ ہے۔ سیلان میں ساحل کے سوا میدان اور پہاڑ اور گھاٹی اور چوٹی اور جنگل میں یکساں کثرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان میں بیابانوں تردد بندیل کھنڈ۔ صوبہ مالوہ۔ صوبہ الہ آباد۔ ہوشنگ آباد۔ صوبہ بنگالہ۔ اڑیسہ میں بھی ہوتا تھا اب فقط برما اور آسام کے درمیانی پہاڑوں میں۔ ہمالیہ کی ترائی کے بعض جنگلات ہیں اور کرگ اور میسور اور اڑیسہ کے جنگلات میں ہوتا ہے۔

اس کی ناک جس کو سونڈ کہتے ہیں زمین تک لمبی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ ڈیڑھ سو من کا بوجھ بھی اٹھا لیتا ہے اور سوئی کو بھی زمین پر سے چن لیتا ہے۔ ہاتھوں کا کام بھی اسی سے لیتا ہے اور بدن پر پانی اسی سے ڈالتا ہے۔ اس کے جسم میں سے سونڈ سے زیادہ کار آمد کوئی عضو نہیں ہوتا۔

اس کی زبان گول اور گرہ دار ہوتی ہے جیسے کہ طوطے کی کسی کا قول ہے کہ ہاتھی کی زبان سیدھی اور چپٹی ہوتی تو وہ آدمی کی طرح بولتا۔

سیلان میں ہاتھیوں کے بڑے دانت بہت شاذ و نادر ہوتے ہیں ورنہ افریقہ اور ہندوستان کی طرح دانت کے لالچ سے اس جزیرہ سے تو ہاتھی کا تخم اٹھ جاتا۔ دس لاکھ پونڈ یعنی ساڑھے بارہ ہزار من ہاتھی دانت فقط گریٹ برٹن (برطانیہ) میں خرچ ہوتا ہے اور اگر ایک دانت کا وزن تیس سیر سمجھا جائے تو گویا فقط برطانیہ کے خرچ کے لیے آٹھ ہزار تین سو سینتیس (۳۷) ہاتھی مارے جاتے ہیں لیکن یہ تقریباً کل دانت افریقہ سے اور کچھ تھوڑا ہندوستان سے جاتا ہے سیلان کے ہاتھی کا دانت بہت خوبصورت اور چکنا اور خم دار ہوتا ہے افریقہ کے ہاتھی کا دانت لمبا۔ سیدھا اور بدصورت ہوتا ہے لیکن سیلان کے ہاتھی کا دانت پچیس یا تیس سیر سے زیادہ ہرگز نہیں ہوتا اور افریقہ میں دو یا سوا دو من تو عام اور بعض بعض دفعہ چار من کے قریب بھی وزن دیکھا گیا ہے یہ غلط ہے کہ ہاتھی کے دانت ہر دسویں سال نئے نکلتے ہیں بلکہ دودھ کے دانت ایک دفعہ گر کر پھر مستقل دانت نکل آتے ہیں۔

ہاتھی کو کسی خاص جانور سے نفرت نہیں ہوتی لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ نیا جانور دیکھ کر ذرا گھبراتا ہے گھوڑا خصوصاً" ہاتھی کی بو سے بھی ڈرتا ہے۔ ہاتھی اپنے دانتوں سے بہت کام نہیں لیتا اور اس کے نہ ہونے سے اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ سونڈ اور پاؤں اور ماتھا اس کے بڑے ہتھیار ہیں۔ دشمن سے لڑنے یا اپنے تئیں بچانے کے لیے یہ آلات اس کے پاس کافی خوفناک ہیں۔ تعلیم یافتہ ہاتھی دانتوں سے طرح طرح کے کام لینے لگ جاتا ہے بعض ہاتھی اپنے دانتوں پر ڈیڑھ ڈیڑھ سو من سے زیادہ وزن کا چھپر یا لکڑی کا شہتیر اٹھا لیتا ہے۔ مخزن میں درج ہے دانت کا طول تین ہاتھ سے چار ہاتھ تک ہوتا ہے۔ بعضے ہاتھی کے دانت نصف کے قریب اندر سے مجوف ہوتے ہیں اور بعضوں کا سدا دانت ٹھوس ہوتا ہے خوبصورتی کے لیے اور اس لیے کہ کسی صدمہ یا آفتاب کی تابش سے نہ پھٹ جائے ان پر سونے یا پیتل کا کڑا چڑھا دیتے ہیں۔ کھانا چبانے کے دانت اندر ہوتے ہیں آٹھ اوپر اور آٹھ نیچے گویا کل دانت تعداد میں اٹھارہ ہوتے ہیں۔ افریقہ اور سیلان کے ہاتھیوں میں مندرجہ ذیل فرق ہیں۔ سیلان کے ہاتھی کے عموماً" بڑے دانت نہیں ہوتے پیشانی زیادہ اونچی ہوتی ہے کان چھوٹے ہیں اور چبانے کے دانت لوز کی شکل ہونے کی بجائے سلاخیں سی ہوتی ہیں پچھلے پاؤں میں چار ناخن ہوتے ہیں اور افریقہ کے ہاتھی کے تین۔ بعضے ہاتھیوں کے تین ناخن ہوتے ہیں لیکن عموماً" اٹھارہ ہوتے ہیں ہستی سلپ ایک سنسکرت کی کتاب ہے اس میں ہاتھی کے وصف مندرجہ ذیل درج ہیں۔ "بکمال نرم ہو' منہ اور زبان کا رنگ سرخ' پیشانی وسیع اور اس میں گڑھا ذرا بڑا ہو۔ کان بڑے بڑے ہوں سونڈھ جڑ میں سے موٹی ہو اور اس کے منہ کے قریب سفید دھبے ہوں۔ آنکھیں روشن اور مہربان ہوں۔ رخسارے بڑے بڑے اور گردن موٹی ہو' کمر مستوی ہو' سینہ مربع ہو' اگلی ٹانگیں چھوٹی اور گھٹنے آگے نکلے ہوئے ہوں یعنی اس جگہ آگے کی طرف گولائی ہو۔ پچھلی ٹانگیں موٹی ہوں ہر ایک پاؤں میں پانچ ناخن ہوں۔ ناخن صاف اور گول اور چمکدار ہوں۔" لیکن ایسا ہاتھی جس میں یہ سب وصف ہوں ہزار میں سے ایک بھی نہیں ہوتا۔ سیلان کے مندروں میں جو ہاتھی ہوتے ہیں وہ اکثر بے عیب اور خوبصورتی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ ابو الفضل لکھتا ہے کہ اگر سرو گیندوں کی مانند ہو اور کان چھاج کی مانند ہوں اور آنکھ میں سرخی و سیاہی و زردی و سفیدی ملی ہوئی ہو۔ پیشانی ہموار ہو اور ٹلی ہوئی نہ ہو تو ہاتھی عمدہ سمجھا جاتا ہے۔

ہاتھی کا قدرتی رنگ سیاہ مائل بھورا اور میلا ہوتا ہے۔ لیکن ملے ہوئے ہاتھی کا رنگ بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بار بار کے غسل اور تیل کے استعمال سے اور اکثر ناریل یا چھڑ سے ملنے کے سبب سے سیاہی بڑھ جاتی ہے۔ سونڈھ کے سرے پر اور کانوں پر اور پاؤں پر اور پیشانی پر بعض اوقات خون کے فساد سے بال اڑ کر سیاہ تہ اڑ جاتی ہے اور گوشت کا رنگ نکل آتا ہے ان دھبوں کو جو حقیقت میں عیب ہوتا ہے ہندوستان اور سیلان کے باشندے وصف گنتے ہیں اور سفید ہاتھی جو مشہور ہے وہ بھی حقیقت میں سفید نہیں ہوتا اس کا اصلی رنگ اڑا ہوتا ہے اس کو دھو دھلا کر ذرا زیادہ سفید کر لیتے ہیں۔ اس رنگ کا ہاتھی بہت کم ہوتا ہے۔ برما میں اس کی پرستش کرتے ہیں اور آسام میں اس کو بادشاہی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ہورلیں ایک رومی شاعر نے لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں روضتہ الکبرائے (روم) میں ایک سفید ہاتھی آیا تھا۔ ۱۲۳۳ء میں ڈچ اپنے ملک میں ایک سفید ہاتھی لائے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ کانڈی کے راجہ کے پاس بھی ایک سفید ہاتھی تھا۔ ابن الاثیر نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ شہاب الدین غوری کو ہنھورا کی لڑائی کے بعد جو ہاتھی ہاتھ آئے ان میں سے ایک سفید ہاتھی بھی تھا۔

ہاتھی کی بلندی کی بابت عموماً" مبالغہ کیا جاتا ہے۔ پچھلی صدی کی کتابوں میں بھی اس کی بلندی بیس فٹ تک لکھی ہے لیکن سیلان میں ہاتھی کی بلندی ۹ فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے ہاتھی کی زیادہ سے زیادہ بلندی ہنٹر صاحب ۱۲ فٹ لکھتے ہیں۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ ۸ ہاتھ بلند اور ۹ ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ پشت اور شکم کا دور ہو تو اچھا سمجھنا چاہیے۔

ایک بات قدیم سے مشہور چلی آتی ہے لیکن بہت صحیح نہیں اور وہ یہ ہے کہ ہاتھی کی ٹانگوں میں جوڑ نہیں ہوتے اور اس لیے وہ درختوں کا سہارا لگا کر سو جاتا ہے۔ شکاری درخت کو چیر دیتے ہیں درخت گر جاتا ہے تو ہاتھی بھی گر جاتا ہے اور وہ پھر اٹھ نہیں سکتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہاتھی اکثر سہارا لگا کر اور کھڑا کھڑا سو جاتا ہے لیکن اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ اس کی ٹانگوں میں جوڑ نہیں بلکہ اپنے جثہ کے لحاظ سے لیٹنے کی نسبت اس کو کھڑے کھڑے سونے میں زیادہ آرام معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ بیٹھتا ہے تو اور چوپایوں کی مانند پچھلی ٹانگوں کو اندر کی طرف نہیں سکیڑتا بلکہ آدمی کی طرح پیچھے کی طرف موڑ رکھتا ہے اور اس میں اس کو اٹھنے میں آسانی ہوتی ہے ورنہ ممکن نہیں تھا کہ اس ڈیل ڈول کا جانور گھوڑے کی طرح اٹھ سکے کیونکہ گھوڑے کو اٹھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ حیات الحیوان کا مصنف لکھتا ہے کہ ہاتھی کی ٹانگوں میں جوڑ نہیں ہوتا اور اسی لیے اس کی مادہ پانی میں کھڑی ہو کر بچہ دیتی ہے۔ قزوینی نے بھی یہی لکھا ہے کہ ہاتھی کے سوائے ران

اور بازو اور سونڈ کے اور کہیں جوڑ نہیں ہوتے۔ مخزن میں درج ہے کہ اس کی ٹانگوں میں جوڑ تو ہوتے ہیں لیکن ران کا جوڑ ایک ہاتھ نیچے ہوتا ہے اور گھٹنے والا جوڑ ناخن سے فقط ایک ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور اسی لیے وہ بیٹھتے ہوئے اپنی اگلی ٹانگوں کو موڑ نہیں سکتا اور سامنے رکھتا ہے۔

ہاتھی کے معدہ کی ساخت اور چوپایوں کے معدہ سے مختلف ہوتی ہے۔ لمبا زیادہ اور چوڑا کم ہوتا ہے اور آگے کے سرے کی سطح اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ ہاتھی کا یہ خاصہ ہے کہ وہ سونڈھ ڈال کر پانی اپنے معدہ میں نکال لیتا ہے۔ ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے۔ "آب اندرون بخرطوم کشود برخود افشاند بوے ناخوش نہ دہد و گاہ خوردہ را روز دیگر بیرون آورد و دگرگوں بخورد" ہاتھی کے معدہ میں دس گیلن یعنی سوا دو من کے قریب پانی آسکتا ہے۔ ہاتھی کھانے میں جلدی یا حرص ظاہر نہیں کرتا بلکہ آہستگی اور وقار سے جنگل میں بھی ہر چیز کو صاف کر کے کھاتا ہے اس کی وجہ مترجم کے بڑے بھائی حکیم علاء الدین صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ ہاتھی کا ہاضمہ بہت ضعیف ہوتا ہے اور اگر وہ چبا چبا کر اور صاف کر کے اپنا کھانا نہ کھائے تو قولنج کے ہونے کا بہت اندیشہ ہوتا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ ہاتھی سوا جنگل اور وحشت کی حالت کے بچے نہیں دیتا۔ اگرچہ کبھی کبھی کوئی ہتھنی قید کی حالت میں بچہ دے دیتی ہے۔ لیکن ایسا بہت ہی شاذ ہوتا ہے۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ اکبر نے خانگی ہاتھی اور ہتھنی سے بچہ حاصل کیا۔ ہتھنی چار روز تک بچے کو کمر پر رکھتی ہے یا ہاتھی دانتوں پر رکھتا ہے زمین میں نہیں نکالتے۔ پانچ سال تک دودھ پیتا ہے۔

ہاتھی کی عمر کی بابت عجیب عجیب کہانیاں مشہور ہیں بعضے تین سو اور چار سو سال تک اس کی عمر بتاتے ہیں۔ ارسطو نے لکھا ہے کہ ہاتھی کی عمر ۳۰۰ سال تک ہوتی ہے قزوینی نے زیادی سے روایت کی ہے کہ میں نے خلیفہ منصور کے زمانہ میں ایک ہاتھی دیکھا کہتے تھے کہ وہ شاپور ذوالاکتاف کے وقت میں تھا۔ شاپور اور منصور کے زمانہ میں چار سو سال کا فرق ہے۔ کرنل رابرٹس نے لکھا ہے کہ ۱۷۹۶ء میں جب سیلان کو سرکار انگلیشیہ نے فتح کیا تو ایک ہاتھی تھا جو سرکار ڈچ کے پاس ۱۶۵۶ء میں بھی موجود تھا لیکن سیلان میں اندازہ کیا گیا ہے کہ اس کی اوسط عمر انسان کی عمر ہے یعنی ستر برس اگرچہ بعضے بعضے ہاتھی ایک سو چالیس برس کی عمر کے بھی دیکھے گئے ہیں یہ بات نہایت تعجب کی ہے کہ جنگلوں میں جہاں ہزارہا ہاتھی رہتے ہیں کسی نے مرے ہوئے ہاتھی کی نعش پڑی ہوئی نہیں دیکھی اس سے لوگ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وحشی ہاتھی بغیر مارے نہیں مرتا۔ صاحب مخزن نے بھی عمر کی بابت یہی لکھا ہے "و بعضے گویند عمرش مثل انسان است۔" ابو الفضل نے بھی یہ ہی لکھا ہے۔ "عمر طبعی او آدم آسا صد و بیست سال است۔" مدت حمل عالی مصنف پانچ اور سات سال لکھتے ہیں لیکن صاحب مخزن اور ابو الفضل نے اٹھارہ مہینے لکھے ہیں ——————

ابو الفضل لکھتا ہے کہ اس جانور میں تعلیم حاصل کرنے کی قابلیت بہت ہے۔ موسیقی کی تال پر اعضا کو حرکت دیتا ہے۔ کمان کھینچ سکتا ہے۔ تیر پھینک سکتا ہے۔ جو چیز رستہ میں پڑی ہوئی ہو اس کو اٹھا کر فیل بان کو دے دیتا ہے۔ اگر مہاوت اس کے دانہ میں چرانا چاہے تو ہاتھی کو کہہ دیتا ہے اور ہاتھی اسی قدر دانہ اپنے منہ میں چھپا رکھتا ہے اور جب ناظر چلا جاتا ہے مہاوت کو نکال کر دے دیتا ہے ہاتھی کی ذہانت اور ذکا کی بابت بہت سی حکایتیں مشہور ہیں۔ سرای نے فنٹ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے سیلان میں ذکر کیا کہ ایک رات بجلیاں چمک رہی تھیں تو میں نے دیکھا ہاتھی درختوں سے نکل کر باہر ایک کھلی جگہ میں جمع ہو گئے اور جب تک بجلیاں چمکتی رہیں وہ جنگل سے باہر رہے قزوینی نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک مہاوت نے ہاتھی کے ساتھ کچھ بدسلوکی کی وہ ایک روز ذرا فاصلہ سے سو رہا تھا۔ ہاتھی نے درخت کی ایک شاخ توڑی اور اس کو سونڈ میں پکڑ کر اس کا سرا مہاوت کے بالوں پر رکھ کر اس کو کئی بل دیئے اور جب خوب مضبوط ہو گیا تو جھٹکے سے مہاوت کو اپنی طرف کھینچ کر مار ڈالا۔ یہ روایت ابو الفضل نے اکبر بادشاہ کے زمانے کی لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایک ہتھنی نے بہانہ کیا اور دم کھینچ کر ایسی پڑ گئی گویا مر گئی۔ ہم اس کو چھوڑ گئے دوسرے دن اس کا پتہ بھی نہ لگا معلوم ہوا کہ اس نے یہ دم دیا تھا۔

ہاتھی کو اپنے مہاوت سے محبت ہو جاتی ہے اور اگر دوسرا مہاوت اس کے ساتھ اسی قدر مہربانی سے پیش آئے تو کوئی دقت نہیں ہوتی لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سیلان میں ایک سرکاری ہاتھی کا مہاوت مر گیا۔ اس نے تین دن تک دوسرے مہاوت کو اپنے پاس نہ آنے دیا۔ آخر کار کسی نے کہا کہ فلانی جگہ ایک بارہ تیرہ برس کا لڑکا ہے اس کے ساتھ یہ ہاتھی بہت محبت کیا کرتا تھا اس لڑکے کو لائے تو ہاتھی نے فوراً پہچان لیا اور اس کے ہاتھ سے کھانے لگا اور پھر رفتہ رفتہ دوسرے مہاوت سے بھی مل گیا حساب کیا گیا ہے کہ ہاتھی کے کام اور خرچ کا مقابلہ کرنے اور جانوروں کی بہ نسبت کچھ زیادہ کفایت نہیں ہوتی۔ اس کے خرچ کا اندازہ ڈیڑھ روپیہ یومیہ سے دو روپیہ تک کیا جاتا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے وقت

میں اس کی قیمت سو روپیہ سے لے کر ایک لاکھ تک ہوتی تھی۔ پانچ ہزاری قیمت کے ہاتھی اکثر ہوتے تھے اور کوئی کوئی دس ہزار کا بھی ہوتا تھا۔ ایک لاکھ قیمت اول درجہ کے تعلیم یافتہ اور خوبصورت ہاتھی کی ہوتی ہوگی۔ یہ قیمت معلوم ہوتا ہے بازاری نہیں تھی۔ بلکہ کوئی بات کسی امیر یا بادشاہ کے پسند آگئی تو وہ یہ قیمت دے دیتا ہوگا۔

ہاتھیوں کا گلہ ایک کنبہ ہوتا ہے۔ ایک ہی ہاتھی کی اولاد بیٹے پوتے بیٹیاں نواسے اس میں شامل ہوتے ہیں اور یہ پتہ اس طرح لگا کہ تمام گلہ کے خدوخال اور خصوصیات یکساں ہوتی ہیں۔ گلہ کے ہاتھیوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اگرچہ کئی گلے اتفاق سے ایک جگہ چرنے کے لیے جمع ہوجاتے ہیں لیکن کسی خوف یا اندیشہ کی صورت میں فوراً علیحدہ علیحدہ گلے بن جاتے ہیں۔ ابو الفضل لکھتا ہے کہ ہاتھی کے گلہ کو سن کہتے ہیں اور ایک گلہ میں بعض وقت ہزار ہاتھی ہوتے ہیں۔ یہ غلط ہے ہر ایک گلہ میں مادہ بہ نسبت نر کے زیادہ ہوتی ہیں اس کا باعث یہ معلوم ہوتا ہے کہ نر زیادہ مارے اور پکڑے جاتے ہیں اگر اتفاق سے کوئی ہاتھی اپنے گلہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو دوسرے گلے اس کو نہیں ملاتے۔ ایسے ہاتھی کنڈے کہلاتے ہیں۔ یہ باغوں اور کھیتوں کا زیادہ نقصان کرتے ہیں اور آدمی پر بھی حملہ کرتے ہیں۔

سیلان کے مسلمان ہاتھیوں کے پکڑنے میں غایت درجہ کی جرأت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ آدمی بڑے سے بڑے ہاتھی کو پکڑ کر قابو میں کر لیتے ہیں۔ بھینسے کے چمڑے کا ایک رسہ بنا ہوا ہوتا ہے اس کا پھندہ بنا کر کسی نہ کسی طرح پچھلی ٹانگ میں ڈال دیتے ہیں۔ یا تو وہ یہ پھندہ دوڑتے یا چلتے ہوئے ہاتھی کی ٹانگ میں ڈال دیتے ہیں یا چپ چاپ پیچھے سے جاکر جب وہ آرام کرتا ہے دھوکہ سے اس کے پاؤں میں ڈال دیتے ہیں کیونکہ اس وقت ہاتھی کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی ٹانگیں پیچھے کی طرف وقتاً فوقتاً جھاڑا کرتا ہے یا پتوں یا گھاس میں چھپا کر پھندہ کو زمین پر ڈال رکھتے ہیں ایک آدمی ہاتھی کو کسی طرح اس موقع پر لے آتا ہے۔ دوسرا آدمی جبکہ اس پھندہ کے حلقے میں ہاتھی کا پاؤں پڑتا ہے تو فوراً درخت اوپر بیٹھ کر پھندہ کو کھینچ لیتا ہے اس کا دوسرا سرا درخت میں مضبوط باندھ دیتا ہے اگر پھندا میدان میں ڈالا جائے تو ان میں سے ایک آدمی ہاتھی کو کسی بات یا اشارہ سے چڑاتا ہے اور جب ہاتھی تعاقب کرتا ہے درختوں کی طرف دوڑتا ہے۔ دوسرا آدمی رسی کو جو اس کے پیچھے پیچھے گھسٹتی ہوئی آتی ہے فوراً کسی درخت سے لپیٹ دیتا ہے۔ ہاتھی دیکھتے ہی اس آدمی کی طرف دوڑتا ہے جو رسی کو درخت کے گرد لپیٹتا ہے لیکن اگلا آدمی کسی چوٹ سے

یا کسی اشارہ سے اس کو تھوڑی ہی دیر کے لیے روک لیتا ہے اور جب وہ اس کی طرف پشت کرتا ہے تو پیچھے سے دوسرا پھندہ اس کے اگلے پاؤں میں ڈال دیتا ہے اور اسی طرح سے تھوڑی دیر میں اس کے چاروں پاؤں ان رسوں سے جکڑ دیتے ہیں۔ ہاتھی قابو میں آجاتا ہے اور زور لگا لگا کر تھک جاتا ہے۔ دھوپ سے بچانے کے لیے اس کے اوپر درختوں کی شاخوں کا سایہ کر دیتے ہیں اور وہ وہیں ڈیرہ ڈال دیتے ہیں اور وہیں کھانا پکاتے ہیں اور وہیں کھاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد اس کو کمزور کر دیتے ہیں پھر جنگل سے سمندر کے ساحل پر لے جاتے ہیں اور یہیں زیادہ تر ہوشیاری اور محنت درکار ہوتی ہے کیونکہ اب تک وہ ایسا تو پلا ہوا نہیں ہوتا کہ کسی کو پشت پر سوار ہونے دے اور زبردستی ایسے جانور کا ہانکنا ناممکن ہے۔ اس لیے جس سمت میں اس کو لے جانا مقصود ہوتا ہے اس طرف ایک آدمی آگے جاکر اس کو چڑاتا ہے وہ اس کی طرف دوڑتا ہے۔ دوسرا آدمی اس کی خوشامد کر کے دلاسا دیتا ہے اور اسی طرح سمندر تک لے آتے ہیں۔ اس عرصہ میں اس کی وحشت کم ہو جاتی ہے۔ سمندر کے ساحل پر عرب سوداگر موجود ہوتے ہیں۔ وہ گھوڑے لاتے ہیں اور ان کے عوض ہاتھی خرید کر ہندوستان کو یا کسی اور ملک میں لے جاتے ہیں جب ہاتھی کے گلہ کو پکڑنا منظور ہوتا ہے بنگالہ میں اس طرح کرتے ہیں کہ جنگل کے وسط میں ایک بڑا احاطہ لکڑیوں کے بڑے بڑے شہتیر ڈال کر گھیرتے ہیں اور اس کا ایک دروازہ رکھتے ہیں تین احاطے بناتے ہیں ایک دوسرے کے اندر ہوتا ہے۔ پہلے احاطہ میں سے دوسرے احاطہ میں دروازہ ہوتا ہے۔ اس میں پانی کا ایک تالاب یا کول بنا دیتے ہیں تیسرے احاطہ میں ایک تنگ نالی سی ہوتی ہے جس میں ہاتھی ایک دفعہ داخل ہو کر مڑنے نہیں پاتا۔ اس احاطہ کو کنڈہ کہتے ہیں۔ پہلے چپ چاپ بہت سے آدمی ایک میدان کو گھیر لیتے ہیں اور جگہ جگہ آگ جلا دیتے ہیں۔ ہاتھی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اس حلقہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں تو ہاتھی پہلے احاطہ میں داخل ہو جاتے ہیں اس کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اگر ہاتھی نکلنے کی کوشش کرتے ہیں تو برچھیوں اور مشعلوں سے ان کو دوڑاتے ہیں اور پھر اندر گھس کر ان کو ڈھول وغیرہ سے ڈرا کر دوسرے احاطہ میں لے جاتے ہیں وہاں ہاتھی تھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ پانی پیتے ہیں اور اس میں نہاتے ہیں اور آخر کار چارہ اور خوراک دکھا کر ان کو نالی میں لے جاتے ہیں وہاں گلہ کا گلہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے گھس جاتا ہے اور چونکہ مڑنے کی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے قید ہو جاتے ہیں وہاں ان سب کے پاؤں رفتہ رفتہ مضبوط رسوں کے ساتھ درختوں سے باندھ دیتے ہیں۔ احاطہ کی دیواریں جو بڑے بڑے

شہتیروں سے بنائی جاتی ہیں اگرچہ بہت مضبوط ہوتی ہیں لیکن اگر کل ہاتھی اس پر حملہ کریں تو امید نہیں کہ وہ باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہوں۔ کبھی کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے تو ہاتھی دیوار توڑ کر بھاگ جاتے ہیں لیکن ہاتھی بالطبع ڈرپوک ہے اس لیے ان دیواروں کے توڑنے کی زیادہ تر کوشش نہیں کرتا۔ سیلان میں فقط ایک احاطہ بناتے ہیں اور نہ تو دوسرا احاطہ جس میں پانی ہوتا ہے اور نہ نالی بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پانی پی کر ہاتھی کی طاقت پھر عود کر آتی ہے اور نالی میں اکثر کے چوٹ لگ جاتی ہے اور بہت سے ہاتھی اس طرح مر بھی جاتے ہیں۔ سیلان میں احاطہ میں داخل ہوتے ہی ہاتھی باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور آخر کار تھک جاتے ہیں۔ پھر پالاؤ ہاتھیوں کی مدد سے جو واقف اپنے جنگلی بھائیوں کے قید کرنے کے لیے ان کو طرح طرح کے دھوکے اور دلاسے دیتے ہیں ہر ایک ہاتھی کے پاؤں میں پھندا ڈال دیا جاتا ہے اور ایک ایک جنگلی ہاتھی کے ادھر ادھر دو پالاؤ ہاتھی رکھتے ہیں اور ان کے مہاوت وحشی ہاتھی کے ہر ایک حملہ کو آنکس پر روکتے ہیں جس سے اس کی سونڈ بالکل زخمی ہو جاتی ہے لیکن دو مہینے کے عرصہ میں وہ ہاتھی بالکل آدمی بن جاتا ہے اور کام دینے لگتا ہے۔ یہ عرصہ بھی ہر ایک ہاتھی کے واسطے ضروری نہیں۔ سر ای ٹنٹ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ہاتھی دیکھا کہ دوسرے ہی دن ہاتھ سے کھانے لگ گیا اور تیسرے دن اپنے سر پر تھپکی لگانے دیتا تھا لیکن اس تعلیم کے زمانہ میں ہاتھی کا اعتبار نہ کرنا چاہیے اور ہمیشہ محتاط اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

پہلے جو شخص چاہتا تھا ہاتھی کو اپنے شکار کی مہارت دکھانے کے لیے یا دانتوں کے لالچ سے مار لیتا تھا لیکن ۱۸۷۹ء میں ایکٹ نمبر ۶ جاری کیا گیا جس کی رو سے کوئی شخص سوا سرکاری ٹھیکہ دار کے ہاتھی کو پکڑ اور مار نہیں سکتا اور اگر کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو اول دفعہ جرمانہ کی اور دوسرے جرم پر چھ ماہ کی قید کی سزا دی جاتی ہے۔

گرمی یا جنگل کا ہونا ہاتھی کی بودوباش کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اگر پانی بکثرت ہو تو نہایت اونچے اور ٹھنڈے پہاڑوں میں بھی رہتا ہے۔ دھوپ کو عموماً آنکھ کی چھوٹائی اور نظر کی کمی کے سبب سے ناپسند کرتا ہے۔ رات کو اکثر باہر نکلتا ہے اور رات کو پانی میں نہاتا ہے۔ دن میں درختوں کے سایہ میں جہاں روشنی کم ہو اور ٹھنڈک ہو گھس جاتا ہے۔ تمام شکاری متفق ہیں کہ ہاتھی بہت دور سے نہیں دیکھ سکتا لیکن اس کی قوت شامہ نظر کے نقص کو پورا کر دیتی ہے۔ سیدھی چڑھائی پر ایسی ہوشیاری اور تیزی سے چڑھتا ہے کہ گھوڑا یا بکری بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی چنانچہ کوہ آدم پر جو ۷۳۶۰ فٹ ہے اور جہاں آدمی بھی زنجیروں اور زینوں کے رستہ سے چڑھتا ہے ہاتھی کا گوبر پڑا ہوا دیکھا گیا ہے۔

بعض ہاتھی جاڑے میں اور بعض گرمی میں اور بعض برسات میں مست ہو جاتے ہیں۔ مستی کی حالت میں دیوار کو گرا دیتا ہے۔ درخت کو اکھیڑ ڈالتا ہے اور سوار کو مع گھوڑے کے اٹھا لیتا ہے۔ ان دنوں میں کنپٹیوں سے ایک سخت بدبودار چیز نکلتی ہے۔ اگر زیادہ نکلتی ہے تو جلدی ہوش میں آ جاتا ہے اور اگر ایک ایک قطرہ ٹپکتا ہے تو بہت دن تک مست رہتا ہے۔

(۱۲) یاقوت۔ ایک معدنی پتھر ہوتا ہے۔ نہایت قیمتی۔ کئی رنگ کا ہوتا ہے سرخ کو لعل اور چنی کہتے ہیں۔ زرد کو پکھراج اور نیلے کو نیلم جو رنگ میں انار دانہ کی مانند ہو۔ آگ کی مانند چمکتا ہو اور بے داغ ہو سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ بدخشاں اور برما اور سیلان اور برازیل میں سب سے بہتر ہوتا ہے۔ الماس کے سوا اور سب پتھروں سے یاقوت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ صاحب مخزن نے لکھا ہے کہ یاقوت گندھک اور خالص پارہ سے سردی کے اثر سے بنتا ہے۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں ایک تولہ چار ماشہ ۱۱ رتی یاقوت کی قیمت پچاس ہزار روپیہ لکھی ہے۔ سیلان میں راجہ کے نوکروں اور ٹھیکہ داروں کے سوا اور کسی کو جواہرات تلاش کرنے کی اجازت نہ تھی اب کچھ روک نہیں تلاش کرنے کا کام اکثر سنگھالی کرتے ہیں اور وہ دریاؤں کے شکم میں جاڑے کے موسم میں تلاش شروع کرتے ہیں اکثر مسلمان لوگ اس کی تجارت کرتے ہیں اور رتن پورہ کے میلہ میں وہ تمام جواہرات خرید لیتے ہیں اور پھر جلا کر کے بیچتے رہتے ہیں۔ یاقوت کے لیے یہ جزیرہ بہت مشہور ہے۔ نویں صدی میں عربی مصنفوں نے سیلان کا نام جزیرہ یاقوت بھی لکھا ہے۔ مارکوپولو نے لکھا ہے کہ قوبلا قاآن نے ایک بڑے یاقوت کی تعریف سن کر ایک سفیر سیلان میں بھیجا تھا اور یہ یاقوت راجہ سے طلب کیا تھا اور کہا تھا جو قیمت راجہ مانگے گا وہ دے گا لیکن اس راجہ نے یاقوت دینے سے انکار کیا۔ مارکوپولو اس یاقوت کی موٹائی بازو کے برابر اور لمبائی پورے دس انچ کے برابر لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی یاقوت اس قدر بڑا نہیں ہے۔

(۱۳) بندر۔ بندر کو سیلان میں وندیرو کہتے ہیں۔ بکثرت ہوتا ہے۔ کولمبو کے شہر میں بھی کثرت سے ہیں اور چونکہ وہاں اکثر مکان کھپریل کے ہیں۔ اگر کسی شخص کو اپنے دشمن سے کوئی بغض نکالنا ہوتا ہے تو اس کی چھت پر کسی طرح چاول پھینک دیتا ہے۔ چاول کے پھینکتے ہی بے شمار بندر جمع ہو جاتے ہیں اور چاول کی تلاش میں ایک ایک کھپریل کو جدا جدا کر دیتے ہیں اور تمام چھت کو برباد کر دیتے ہیں رنگ کی سیاہی اور دم کی لمبائی اور داڑھی

سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ لنگوروں کا ذکر کرتا ہے یہ جانور انسان سے اور کل جانوروں کی بہ نسبت زیادہ تر مشابہ ہے۔ قابل تعلیم ہوتا ہے۔ حیات الحیوان اور قزوینی میں درج ہے کہ خلیفہ متوکل کے واسطے ملک نوبہ سے دو بندر تحفہ میں آئے تھے ان میں سے ایک درزی کا کام جانتا تھا اور دوسرا رنگریز کا۔

(۱۴) کیلا - عربی میں موز اور طلح کہتے ہیں۔ یہ درخت بھی ہندوستان اور سیلان میں زیادہ اور عرب اور فارس اور یمن اور چین میں بھی ہوتا ہے۔ درخت وہ قد آدم سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ پتے بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ تنا غلاف پر غلاف چڑھا ہوا اور پر رطوبت ہوتا ہے۔ اول تنا میں ایک بنفشہ کے رنگ کا صنوبری شکل کا شگوفہ نکلتا ہے وہ پھٹ کر اس میں خوشے لگتے ہیں ایک ایک خوشے میں ساٹھ ستر پھولنے والے ہوتے ہیں وہ دانے رفتہ رفتہ پھل بن جاتے ہیں۔ اس کا درخت فقط ایک دفعہ پھل دیتا ہے۔ پھر اس کو جڑ کے اوپر سے ایک ہاتھ چھوڑ کر کاٹ دیتے ہیں اس میں سے بہت سی شاخیں پھوٹ آتی ہیں ان کو وہاں سے کاٹ کر جگہ جگہ لگا دیتے ہیں اور چند شاخیں وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر زمین اچھی ہو تو دو تین درختوں سے ایک دو سال کے اندر سینکڑوں درخت ہو سکتے ہیں بنگالہ میں ایک کیلا جس میں بیج نہیں ہوتا ہے جس کو مرتبانی کہتے ہیں بہت لذیذ ہوتا ہے فقط ڈھاکہ میں ہوتا ہے لیکن نام سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتبان علاقہ برما اس کا اصلی وطن ہے۔ اس درخت کے پتوں اور تنا کو خشک کر کے جلاتے ہیں اس میں سے ایک قسم کا نمک بھی نکالتے ہیں اور راکھ سے دھوبی کپڑے دھوتے ہیں۔ بنگالہ میں کیلا بارہ مہینے پھل دیتا ہے۔ برسات میں ذرا زیادہ۔

(۱۵) جونک - یہ جانور سیلان میں مسافر کے لیے ایک مصیبت ہے۔ میدان میں نہیں ہوتی۔ اکثر پہاڑ کی ترائی میں ملتی ہے۔ پانی میں نہیں رہتی بلکہ زمین پر یا درختوں سے چمٹی ہوئی بکثرت پائی جاتی ہے لمبائی میں فقط ایک انچ ہوتی ہے اور موٹائی میں دھاگہ کی مانند باریک لیکن خون پی کر قلم کی مانند موٹی اور تین انچ لمبی بن جاتی ہے۔ باریک سے باریک کپڑے میں گھس جاتی ہے۔ اس ملک کے باشندے بدن پر تیل اور عرق لیموں اور تمباکو کی راکھ مل رکھتے ہیں۔ لیموں کے عرق سے فقط خون ہی بہنے سے نہیں تھم جاتا بلکہ زخم بھی فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ رستوں پر کسی پتہ یا گھاس کی اوٹ میں سیدھی کھڑی رہتی ہے جہاں مسافر یا جانور گزرا اور جست کر کے اس کے چمٹی۔ گھوڑے تو دیوانہ ہو جاتے ہیں ٹاپ مارتے مارتے تھک جاتے ہیں اگر ایک آدھ سال بارش نہ ہو تو یہ جونکیں بالکل معدوم ہو جاتی ہیں لیکن ذرا سا چھٹکارا نہیں اور یہ جانور مینڈک کی طرح "آتا" "کاتا" پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک قسم کی جونک تالابوں میں رہتی ہے جو جانوروں کے نتھنوں میں گھس جاتی ہے اور جانور مر جاتا ہے۔ ننے نٹ صاحب نے جونک کے اڑنے کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ جس تیزی اور چالاکی سے وہ انسان پر حملہ کرتی ہوں اس کے سبب سے اس ملک میں وہ اڑنے والی جونکیں مشہور ہو گئی ہوں۔

(۱۶) قدم شریف - بودھ مذہب کے پیرو اس کو ساکیا منی کے قدم کا نشان بتاتے ہیں اور ہندو شو کے قدم کا اور مسلمان بابا آدم کے قدم کا۔ اب اس کا طول پانچ یا ساڑھے پانچ فٹ ہے۔ مختلف مصنفوں اور سیاحوں نے اس کا طول مختلف دیا ہے۔ سیلان کے باشندوں میں یہ نقل مشہور ہے کہ ہر ایک شخص کو قدم کی لمبائی اس کے ایمان کے مطابق نظر آتی ہے۔ ابو زید حسن سیرافی نے اس کی لمبائی ۷۰ ہاتھ لکھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایمان سب سے بڑا تھا۔ بدھ مذہب کے پیرو کہتے ہیں کہ بودھ اسی پہاڑ سے آسمان کو چڑھا ہے قرآن شریف میں یا حدیث میں اس قدم کی بابت کوئی سند نہیں بے شک یہ سب مورخ لکھتے ہیں کہ بابا آدم سراندیپ میں ایک پہاڑ پر جس کو نود کہتے ہیں پھینکے گئے تھے اور حوا جدہ میں اور سانپ سمنان میں اور شیطان اصفہان میں۔ سرایمرسن نے ننٹ کے بیان سے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ابن بطوطہ کی بہت کچھ تائید ہوتی ہے۔ اب یہ جگہ بدھ مذہب والوں کے اہتمام میں ہے اس کو سری پد یعنی قدم شریف کہتے ہیں۔ یہ کوہستان سراندیپ کے جنوبی حصہ میں واقع ہے۔ کوہ آدم سب سے اونچی چوٹی نہیں ہے لیکن مشہور سب سے زیادہ ہے اس کی بلندی سطح سمندر سے ۷۳۵۰ فٹ ہے زمانہ حال میں اکثر لوگ اس پہاڑ کے دیکھنے کے لیے کولمبو اور رتن پور کے رستہ سے جاتے ہیں ساحل سے یہ چوٹی ۶۵ میل ہے دو ثلث رستہ میدان میں ہے۔ رتن پورہ سے فقط گھوڑے اور پیدل کا رستہ رہ جاتا ہے۔ اول اول تو رستہ جنگل میں سے ہے جس میں درختوں کی کثرت سے سورج بھی نظر نہیں آتا۔ جگہ جگہ مسافرخانہ بنے ہوئے ہیں۔ ۷۰۰۰ فٹ کی بلندی فقط نو میل میں چڑھنی پڑتی ہے۔ چھ میل تک اصلی چوٹی نظر نہیں آتی لیکن جب تین میل کی چڑھائی باقی رہ جاتی ہے تو وہ چوٹی نظر آنے لگتی ہے۔ اس کے بعد چڑھائی ایسی سیدھی ہے کہ پتھر میں کاٹ کاٹ کر سیڑھیاں بنائی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد فقط زنجیروں کے ذریعہ سے چڑھتے ہیں اگر ذرا پاؤں چوک جائے یا چڑھنے والا نیچے کی طرف دیکھ لے تو سر پھر جاتا ہے اور مسافر کا کچھ پتہ نہیں لگتا اس لیے ان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ نیچے کی طرف نہ دیکھیں اور سنبھال

سنبھال کر قدم رکھیں اس کے بعد ایک لوہے کا زینہ ۴۰ فٹ اونچا ہے اور اچھی طرح قدم کا نشان بھی نہیں ایک لمبا گڑھا سا نظر آتا ہے لیکن اس چوٹی کے اوپر سے زمین اور سمندر کا نظارہ قابل دید ہے۔ بدھ مذہب کی سب سے پرانی کتاب جس میں اس قدم کا ذکر ہے مہاونس ہے جو ۵۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔

اشرف ایک ایرانی شاعر نے اپنے سکندر نامہ میں لکھا ہے کہ یہ زنجیریں سکندر نے جب وہ سیلان میں گیا اوپر چڑھنے کے لیے بنوائی تھیں ابن بطوطہ کی روایت کہ اس جگہ کو باب سکندر کہتے ہیں اسی کہانی کی تائید ہے لیکن یہ فقط کہانی ہے کیونکہ سکندر نے سیلان کو خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا یہ زنجیریں اب بھی موجود ہیں اور ان پر کچھ کھدا بھی ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔ مارکو پولو نے قدم کا کچھ ذکر نہیں کیا لیکن یہ لکھا ہے کہ سیلان میں بودھ یعنی ساکھیا منی کے دانت اور پیالہ تھا۔ وہ قوبلہ قاآن نے بے شمار دولت دے کر حاصل کیا تھا اور چین میں اس کو چینی سفیر لے آئے تھے۔ پیالہ کی بابت کہتے ہیں کہ اس میں کھانا بھر کر چاہے جس قدر آدمیوں کو کھلاتے جاؤ سب سیر ہو جاتے ہیں۔ فوہیان نے جو ایک چینی سیاح تھا اور آٹھویں صدی کے قریب ہندوستان میں آیا تھا ذکر کیا ہے کہ وہ پیالہ پشاور میں ہے اور سر ہنری والس سن بیان کرتے ہیں کہ وہ پیالہ قندھار میں مسلمان فقیروں کے پاس ہے جس کو وہ کشکول شریف کہتے ہیں اور اس کی طرف اسی قسم کے معجزے منسوب کرتے ہیں۔

(۱۷) دین ور۔ اس کا قدیم نام دیوان ڈیرہ لکھا ہے اور اب اس کو ڈونڈرا کہتے ہیں لیکن اس موقع پر کوئی شہر نہیں بستا فقط ایک راس کا نام ہے جو سمندر میں نکلا ہوا ہے اور سیلان کا سب سے جنوبی سرا ہے۔ سر ولیم نے ٹنٹ نے اپنی کتاب سیلان جلد اول صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ ڈونڈرا میں پہلے ایک بہت بڑا مندر تھا۔ بودھ کے پیروؤں سے پہلے بھی اس جگہ ہندوؤں کا ایک مشہور مندر وشنو کا تھا پھر بودھ مذہب والوں نے بھی وہاں سب سے پہلے اپنا مندر بنایا۔ کوہ آدم کے سوا اور کوئی اس سے زیادہ متبرک جگہ تمام سیلان میں نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مندر اس قدر بڑا تھا کہ خاصا ایک شہر معلوم ہوتا تھا۔ اس پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ ۱۵۸۷ء میں پرتگیزوں نے ڈی سوزا کے ماتحت اس مندر کو تباہ کر دیا اور اس میں گائے ذبح کرائیں اور لاتعداد جواہرات اور سونا اور چاندی اور صندل ان کے ہاتھ لگے۔ اب محض کھنڈرات نظر آتے ہیں۔

(۱۸) قالی۔ اس سے گال مراد ہے جو سیلان کے جنوب میں ایک بندر ہے جہاں آسٹریلیا

(۱۹) کلمبو۔ یہ شہر اب سیلان کا دارالخلافہ ہے اور جزیرہ میں سب سے بڑا بندر ہے تین طرف سمندر ہے ایک طرف خشکی سے ملا ہوا ہے۔ ۱۷۹۶ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ موجودہ آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ بندر کا مقام کچھ اچھا نہیں۔ بڑے بڑے جہاز شہر کے قریب تک نہیں آسکتے۔

باب (۱۲)

معبر

(۱) معبر کی طرف روانگی

پھر ہم معبر(۱) کی طرف چلے۔ ہوا بہت تیز ہو گئی اور پانی جہاز میں آنے لگا۔ ہمارے جہاز پر کوئی واقف (کپتان) رئیس نہ تھا پھر ہم پتھروں میں جا پہنچے۔ قریب تھا کہ جہاز ان پتھروں سے ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔ پھر ہم ایک چھوٹی سی کھاڑی میں چلے گئے۔ جہاز بیٹھنے لگا اور موت ہمیں سامنے نظر آنے لگی۔ لوگوں کے پاس جو کچھ تھا' انہوں نے پھینک دیا اور وصیت کرنے لگے' ہم نے جہاز کے مستول کاٹ کر پھینک دیے اور جہاز والوں نے لکڑی کی ایک کشتی بنائی۔ خشکی وہاں سے دو فرسنگ تھی۔ میں نے بھی کشتی میں اترنے کا ارادہ کیا۔ دو لونڈیاں اور ہمراہی میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا کہ تو ہم کو کہاں چھوڑتا ہے۔ میں نے کہا کہ تم اور یہ لونڈی چلے جاؤ' میں جہاز ہی میں ٹھہرتا ہوں اس لونڈی نے کہا کہ میں خوب تیرنا جانتی ہوں۔ کشتی کی ایک رسی پکڑ کر لٹک جاؤں گی اور تیرتی چلی جاؤں گی محمد بن فرحان اور ایک شخص مصری اور ایک لونڈی کشتی میں بیٹھ گئی اور دوسری لونڈی تیرتی ہوئی گئی اور جہاز والوں نے بھی کشتی کی رسیاں باندھ لیں اور وہ بھی تیرنے لگے میں نے اپنا بیش قیمت اسباب اور موتی اور عنبر (۲) وغیرہ اس کے ساتھ بھیج دیا اور وہ سب صحیح و سالم کنارہ پر پہنچ گئے کیونکہ ہوا موافق تھی اور میں خود جہاز میں رہا اور جہاز کا مالک بھی بمشکل خشکی تک پہنچ گیا۔ جہاز والوں نے کشتیاں بنانی شروع کیں ان کے پورا ہونے سے پہلے رات ہو گئی اور پانی جہاز میں چڑھ آیا میں جہاز کے پچھلے حصہ میں جا بیٹھا اور صبح تک وہاں رہا۔ صبح کے وقت کئی ہندو ایک کشتی لے کر آئے اور انہوں نے ہمیں کنارے پر اتارا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کے بادشاہ کا رشتہ دار ہوں۔ وہ بادشاہ کی رعیت تھے۔ انہوں نے فوراً ان کو لکھا۔ بادشاہ وہاں سے دو دن کے رستہ پر غزا کے لیے آیا ہوا تھا۔ میں نے بھی اپنا کل حال لکھا۔ یہ لوگ ہمیں ایک جنگل میں لے گئے اور ایک میوہ لائے' جو خربوزہ کے مشابہ ہوتا ہے اور گوگل (۳) کے درخت کے لگتا ہے۔ اس میں کوئی چیز روئی کے پھویے کے مشابہ ہوتی ہے اور ان میں شہد کی مانند عرق ہوتا ہے اور اس شہد کو نکال کر اس کا حلوہ بناتے ہیں' جس کو تل کہتے ہیں اور وہ چینی کے مشابہ ہوتا ہے اور ایک بہت عمدہ مچھلی بھی لائے۔ وہاں ہم تین دن ٹھہرے۔ تین دن کے بعد بادشاہ معبر کی طرف سے ایک امیر قمر الدین نام چند سواروں اور پیادوں کو ساتھ لے کر آیا اور دس گھوڑے اور ایک ڈولہ لائے۔ میں اور میرے ہمراہی اور مالک جہاز پر سوار ہو گئے۔ ایک کنیز سوار ہو گئی' دوسری کو میں نے ڈولہ میں بٹھا دیا۔ اس روز ہم ہرکاتو کے قلعہ میں پہنچے اور رات کو وہیں رہے۔ میں نے اپنی کنیزیں اور غلام اور ہمراہی وہاں ہی چھوڑے۔ دوسرے دن ہم بادشاہ کے کیمپ میں پہنچے۔

(۲) معبر کے بادشاہ

معبر کا بادشاہ غیاث الدین دامغانی ہے۔ وہ پہلے ملک مجیر بن ابی الرجا کے سواروں میں نوکر تھا اور یہ امیر سلطان محمد تغلق کے خادموں میں سے تھا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین کے بیٹے امیر حاجی کا ملازم ہو گیا اور اس کے بعد بادشاہ بن بیٹھا۔ پہلے اس کو سراج الدین کہتے تھے' جب بادشاہ ہو گیا تو اس نے سلطان غیاث الدین لقب اختیار کیا۔ یہ معبر کا ملک پہلے سلطان دہلی کے ماتحت تھا' لیکن اس سے میرا خسر شریف جلال الدین احسن شاہ باغی ہو گیا اور پانچ برس اس نے بالاستقلال حکومت کی۔ پھر وہ قتل کیا گیا اور جس کا ایک امیر علاء الدین اڈیجی بادشاہ ہوا۔ ایک سال بعد اس نے کسی ہندو راجہ پر چڑھائی کی اور بہت سا مال لوٹ کر اپنے ملک کو واپس آیا۔ دوسرے سال پھر چڑھائی کی اور بہت سے کافروں کو مار کر ان کو شکست دی۔ اس نے لڑائی میں ایک دن پانی پینے کے لیے اپنے سر سے خود اٹھایا اسی وقت اس کے ایک تیر آلگا' فوراً مر گیا۔ اس کے بعد اس کے داماد قطب الدین کو بادشاہ بنایا' لیکن وہ اچھی خصلت کا نہ نکلا۔ اس کو چالیس دن کے بعد مار ڈالا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین کو بادشاہ بنایا۔ اس نے سلطان

جلال الدین کی بیٹی کے ساتھ، جس کی بہن کے ساتھ دہلی میں میرا نکاح ہوا تھا، نکاح کر لیا۔ جب میں کیمپ کے قریب پہنچا تو اس نے میرے استقبال کے لیے ایک حاجب کو بھیجا۔ وہ لکڑی کے برج میں بیٹھا ہوا تھا۔ دستور ہے کہ بادشاہ کے روبرو کوئی بے موزہ پہنے نہیں جا سکتا۔ میرے پاس اس وقت موزے نہ تھے۔ ایک ہندو نے مجھے موزہ دیئے۔ حالانکہ بہت سے مسلمان موجود تھے۔ میں نے اس ہندو کی مروت پر تعجب کیا۔ میں بادشاہ کے سامنے گیا۔ مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا اور قاضی حاجی صدر الزماں بہاالدین کو بلوایا اور اس کے قریب تین خیمے مجھے ٹھہرنے کے لیے دیئے اور فرش اور کھانا یعنی چاول اور گوشت بھجوائے۔ اس ملک میں بھی ہمارے ملک کی طرح کھانے کے بعد دودھ کی لسی پیتے ہیں۔ پھر میں بادشاہ کے پاس گیا اور اس کو مالدیپ میں لشکر بھیجنے کی ترغیب دی۔ اس نے ارادہ پختہ کر لیا اور جہاز بھی مقرر کر دیئے اور وہاں کی ملکہ کے واسطے تحفے اور امیروں اور وزیروں کے واسطے خلعتیں بھی تیار کیں اور مجھے ملکہ کی بہن کے ساتھ اپنا نکاح کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا اور حکم دیا کہ تین جہازوں میں جزیرہ کے محتاجوں کے لیے صدقہ روانہ کیا جائے اور مجھ سے کہا کہ پانچ دن کے بعد واپس آ جاؤ۔ امیر البحر خواجہ سرلک نے کہا کہ جہاز مالدیپ کی طرف تین مہینے تک سفر کرنا ممکن نہیں۔ مجھے بادشاہ نے کہا کہ تو فتن کو چلا جا اور جب یہ عرصہ منقضی ہو جائے تو دارالخلافہ مترا میں واپس آ جاؤ اور پھر وہاں سے روانہ ہو جانا۔ میں اس کے پاس ٹھہرا اور اس عرصہ میں میری کنیزیں اور ہمراہی بھی آ ملے۔ جس زمین میں ہم سفر کر رہے تھے، بالکل جنگل تھا درخت اور بانس اس میں اس کثرت سے تھے کہ آدمی پیدل بھی اس میں نہیں چل سکتا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ لشکر کا ہر ایک آدمی اپنے ساتھ ایک تبر رکھے اور جنگل کو کاٹا جائے جہاں کہیں اترتے تھے تو سب کے سب سوار ہو کر جنگل میں چلے جاتے تھے۔ چاشت سے لے کر زوال کے وقت تک درخت کاٹتے تھے۔ پھر ایک ایک جماعت کھانا کھاتی تھی پھر درختوں کا کاٹنا شروع کرتے تھے اور شام تک کاٹے جاتے تھے اور جو کوئی ہندو جنگل میں ملتا تھا اس کو گرفتار کر لیتے تھے اور ایک لکڑی جس کے دونوں سرے تیز بنائے جاتے تھے۔ اس کے کندھے پر رکھتے تھے اور وہ اس کو اٹھا کر کیمپ میں لے جاتا تھا اور اس کی عورت اور بچے بھی ساتھ ہوتے تھے۔ ان کا دستور تھا کہ کیمپ کے گرد لکڑی کی دیوار بناتے تھے جس کے چار دروازے ہوتے تھے ان کو کٹ گھر کہتے تھے اور اس میں جو بادشاہ کا ڈیرہ ہوتا تھا اس کے گرد دوسرا کٹ گھر تیار کرتے تھے اور کٹ گھر کے باہر نصف آدم قد اونچے چبوترے بناتے تھے رات کو ان پر آگ روشن کرتے تھے اور رات کو پیدل اور غلام جاگتے تھے اور جب ہندو رات کو کیمپ پر چھاپہ مارنے کے واسطے آتے تھے تو اس وقت ہر ایک

شخص ایک بانس کی چھڑی جو اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی روشن کر لیتا تھا، جس سے ایسی روشنی ہوتی تھی گویا دن نکلا ہوا ہے۔ سوار لوگ فوراً دشمن کے تعاقب میں چلے جاتے تھے اور جو قیدی شام کو پکڑ کر لاتے تھے ان کو چار جماعتوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ہر ایک گروہ کو کٹ گھر کے ایک ایک دروازہ پر لے جاتے تھے اور ہر ایک دروازہ کے قریب وہ لکڑی جو کل قیدی اپنے کندھوں پر جنگل سے لائے تھے گاڑ دیتے تھے۔ پھر اس لکڑی میں ہر ایک قیدی کو پروتے تھے اور ان کی عورتوں کے بال اسی لکڑی سے باندھ دیتے تھے اور بچوں کو ان کی گودوں میں ذبح کرتے تھے اور ان کو وہیں چھوڑ کر پھر سب کیمپ میں آ کر جنگل کے کاٹنے میں مشغول ہو جاتے تھے اور یہ بے رحم اور قابل نفرین کارروائی میں نے کسی بادشاہ کو کرتے ہوئے نہیں دیکھی اور اسی وبال سے یہ بادشاہ جلد ہی مر گیا۔ ایک روز میں بادشاہ کی ایک طرف بیٹھا ہوا تھا اور قاضی دوسری طرف اور ہم کھانا کھا رہے تھے۔ ایک کافر کو اس کی عورت اور بیٹے سمیت لائے۔ اس کے بیٹے کی عمر سات سال کی تھی۔ اس نے جلادوں کو حکم دیا کہ اس قیدی کو مار ڈالو اور یہ بھی کہا کہ اس کی عورت اور بیٹے کو بھی۔ ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ میں نے اپنا منہ اس طرف سے پھیر لیا۔ جب میں اٹھا تو ان کے سر خاک میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک اور دن میں اس کے پاس موجود تھا، ایک کافر کو لائے۔ بادشاہ نے کچھ کہا میری سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے جلادوں نے فوراً تلواریں سونتیں۔ میں جلدی کر کے اٹھا اور چلنے لگا۔ بادشاہ نے کہا کہاں جاتے ہو۔ میں نے کہا کہ عصر کی نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ وہ سمجھ گیا اور ہنس پڑا۔ اس نے اس شخص کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور جب میں واپس آیا تو وہ خاک و خون میں لوٹ رہا تھا۔ اس بادشاہ کے قرب و جوار میں ایک راجہ بلال دیو (۳) تھا۔ یہ بڑا عظیم الشان راجہ تھا۔ اس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا۔ اس کے ساتھ تین ہزار مسلمان بھی تھے، جن میں سے اکثر چور اور ڈاکو اور بھاگے ہوئے غلام تھے۔ اس نے معبر پر حملہ کیا۔ اس وقت بادشاہ کے پاس فقط چھ ہزار فوج تھی۔ جن میں سے نصف تعداد تو اچھے سپاہیوں کی تھی اور باقی یوں ہی فضول اور بے سامان تھے۔ شہر کبان کے باہر مقابلہ ہوا معبر کے لشکر نے شکست کھائی اور وہ سب شہر مترہ دارالخلافہ کو واپس آ گئے اور راجہ نے کبان کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر بہت بڑا اور مضبوط تھا۔ اس نے دس مہینے تک اس کا محاصرہ کیا اور قلعہ والوں کے پاس فقط چودہ دن کی خوراک باقی رہ گئی۔ راجہ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اگر تم قلعہ چھوڑ دو تو تمہیں امان ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم پہلے بادشاہ سے خبر منگالیں۔ راجہ نے کہا اچھا۔ اسی چودہ دن کے عرصہ میں اجازت منگالو۔ راجہ نے سلطان غیاث الدین کو لکھا۔ اس نے جمعہ کے دن وہ خط سب لوگوں کو سنایا۔ حاضرین سن کر روئے اور کہا ہم اپنی

تک گرفتار ہونے سے تلواروں کے سایہ میں مرنا بہتر ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا کہ کوئی نہ بھاگے اور دوسرے دن سب نے نکل کر اپنے عمامے گھوڑے کی گردن میں باندھ دیئے۔ یہ علامت اس بات کی تھی کہ مر جائیں گے بھاگ کر نہ آئیں گے۔ ان میں سے دلیر اور بہادر سب سے آگے بڑھے۔ وہ تعداد میں تین سو کے قریب تھے۔ میمنہ پر سیف الدین بہادر کو کھڑا کیا۔ یہ شخص بڑا عالم اور پرہیز گار اور بہادر تھا اور میسرہ پر ملک محمد سلحدار کو اور سلطان قلب میں تھا۔ اس کے ساتھ اس کی تین ہزار فوج تھی اور باقی تین ہزار کو ان کے پیچھے کیا اور ان پر اسد الدین کیخسرو فارسی کو سردار بنایا۔ زوال کے وقت انہوں نے سفر شروع کیا۔ دشمن بالکل غافل تھا۔ ان کے گھوڑے چراگاہ میں گئے تھے اسد الدین نے ان پر ناگہاں حملہ کیا۔ راجہ نے سمجھا کہ چور ہیں اس لیے بغیر کسی تیاری کے ان کے مقابلہ کے لیے باہر نکلا اور ان کا مقابلہ کیا۔ اتنے میں بادشاہ غیاث الدین بھی جا پہنچا۔ راجہ نے فاش شکست کھائی اور ارادہ کیا کہ سوار ہو کر بھاگ جائے۔ وہ عمر میں اسی برس کا تھا۔ ناصر الدین نے جو غیاث الدین کا بھتیجا تھا اس کو پکڑ لیا اور چاہتا تھا کہ اس کو قتل کرے کیونکہ وہ اس کو پہچانتا نہ تھا' لیکن اس کے ایک غلام نے کہا کہ یہ راجہ ہے۔ اس لیے ناصر الدین نے اس کو قید کر لیا اور اپنے چچا کے پاس پکڑ کر لے گیا۔ بادشاہ نے ظاہر میں اس کی تعظیم کی اور خراج میں بہت سا مال اور ہاتھی اور گھوڑے لے لیے۔ کیونکہ اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ تجھے چھوڑ دوں گا۔ جب اس کے پاس کچھ نہ رہا تو اس کو ذبح کر ڈالا اور اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھوسہ بھروا کر مترہ کی فصیل پر اس کو لٹکا دیا۔ میں نے بھی اس کو وہاں لٹکا ہوا دیکھا۔

(۳) پٹن

اب میں اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں نے کیمپ میں سے کوچ کیا اور شہر پٹن (۵) میں پہنچا۔ یہ بڑا شہر ہے اس کا بندرگاہ عجیب ہے۔ اس کے بندرگاہ میں ایک بہت بڑا لکڑی کا برج بنا ہوا ہے جو موٹی موٹی لکڑیوں پر بنایا گیا ہے۔ اوپر سے مسقف ہے اور لکڑیوں کا زینہ ہے۔ جب دشمن کا خوف ہوتا ہے جو جہاز بندر میں ہوتے ہیں وہ اس کے قریب لگائے جاتے ہیں۔ جہاز والے برج پر چڑھ جاتے ہیں اور دشمن سے بے خوف ہو جاتے ہیں اس شہر میں ایک مسجد بھی پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں انگور اور انار بکثرت ہیں۔ وہاں میں شیخ صالح محمد نیشاپوری سے ملا۔ یہ ان مجذوب فقیروں میں سے ہیں جو اپنے بال بڑھاتے ہیں اور شانوں

چھوڑتے ہیں۔ اس کے پاس سات لومڑیاں تھیں جو فقیروں کے ساتھ کھاتی تھیں اور ان کے ساتھ بیٹھی رہتی تھیں اور اس کے ساتھ ہیں ایک فقیر اور تھے ان میں سے ایک کے پاس ایک ہرنی تھی جو شیر کے پاس کھڑی ہو جاتی تھی اور شیر اس کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ میں پٹن کے شہر میں ٹھہرا۔ سلطان غیاث الدین کے لیے کسی جوگی (۶) نے باہ کی گولیاں بنا دی تھیں۔ کہتے ہیں کہ اس کا ایک جزو فولاد کا برادہ تھا۔ اس کو وہ معتاد سے زیادہ کھا گیا' اس لیے بیمار ہو گیا اور پٹن میں آیا۔ میں اس کے ملنے کے واسطے گیا۔ میں نے کچھ تحفے اس کی نذر کیے۔ جب وہ پٹن میں ٹھہرا' امیر البحر خواجہ سرور کو بلایا اور کہا کہ جو جہاز جزائر مالدیپ کے جانے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں' ان کو کسی اور کام پر مت لگاؤ اور ارادہ کیا کہ مجھے میرے تحائف کی قیمت ادا کرے۔ میں نے انکار کیا۔ پھر میں اس انکار سے نادم ہوا کیونکہ سلطان مر گیا اور مجھے کچھ نہ ملا۔

(۴) مترا (مدرا)

بادشاہ پٹن میں پندرہ دن ٹھہرا اس کے بعد اپنے دار الخلافہ مترا (۷) کو چلا گیا۔ میں اس کے بعد پندرہ دن وہاں اور ٹھہرا رہا پھر میں بھی دار الخلافہ کی طرف گیا یہ ایک بڑا شہر ہے۔ بازار اور کوچے نہایت وسیع ہیں۔ اول ہی اول اس کو میرے خسر سید جلال الدین احسن شاہ نے دار الخلافہ بنایا تھا اور دہلی کی نقل پر اس کی بنیاد ڈالی اور اچھی اچھی عمارتیں ہوائیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ جب کوئی مریض ہوتا تھا دوسرے دن یا تیسرے دن مر جاتا تھا اگر بہت دیر لگتی تھی تو چوتھے دن سے زیادہ دیر تک کوئی شخص بیمار نہ رہتا تھا۔ جب میں باہر نکلتا تھا تو یا تو مریض اور یا کوئی جنازہ نظر آتا تھا میں نے ایک کنیزک خریدی۔ وہ بالکل صحیح و سالم تھی' دوسرے دن ہی مر گئی۔

ایک روز میرے پاس ایک عورت آئی۔ اس کا خاوند سلطان احسن شاہ کا وزیر تھا۔ اس کے ساتھ ایک سات برس کا لڑکا تھا جو نہایت ذہین اور تیز معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنے افلاس کی شکایت کی۔ میں نے اس کو کچھ دیا اس وقت ماں بیٹا دونوں بالکل تندرست تھے۔ دوسرے دن وہ آئی اور اپنے بیٹے کے کفن کے لیے کچھ مانگنے لگی۔ معلوم ہوا کہ وہ مر گیا۔ میں ۔ کہتا تھا کہ سلطان کے محل میں سینکڑوں عورتیں ہر روز مرتی تھیں۔ یہ عورتیں ان چاولوں کے کوٹنے کے لیے لائی گئی تھیں' جو سوا بادشاہ کے کھانے کے اور لوگوں کے کھانے میں خرچ ہوتے تھے۔ جب مریض ہوتی تھیں تو دھوپ میں پڑ جاتی تھیں اور مر جاتی تھیں۔ جب بادشاہ مترا میں داخل ہوا تو اس کا بیٹا اور اس کی ماں اور بیوی بیمار تھیں بادشاہ شہر میں فقط تین دن ٹھہرا پھر ایک نہر

میں جو شہر سے تین میل کے فاصلے پر تھی چلا گیا۔ وہاں ہندوؤں کا ایک مندر تھا۔ میں بھی جمعرات کے دن وہاں پہنچ گیا۔ مجھے حکم دیا کہ تم قاضی کے برابر کے خیمہ میں ٹھہرو۔ اس وقت میں نے سنا کہ لوگ دوڑے ہوئے جاتے ہیں کوئی تو کہتا تھا کہ بادشاہ مر گیا اور کوئی کہتا تھا اس کا بیٹا۔ آخر درست یہ خبر تھی کہ بادشاہ کا بیٹا مر گیا اور پنج شنبہ کے روز بادشاہ کی والدہ مر گئی۔ تیسری جمعرات کے دن سلطان غیاث الدین مر گیا۔ میں یہ خبر سن کر فتنہ کے خوف سے شہر میں چلا آیا۔ ناصر الدین بادشاہ کا بھتیجا شہر سے نکلا ہوا اور کیمپ کی طرف جاتا ہوا ملا۔ بادشاہ نے اس کو ولی عہد بنا دیا تھا کیونکہ بادشاہ کے اور کوئی بیٹا باقی نہ رہا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ واپس چلو۔ میں نے انکار کیا یہ بات اس نے اپنے دل میں رکھی۔ یہ ناصر الدین دہلی میں بادشاہ کا ملازم تھا۔ جب اس کا چچا معبر کا بادشاہ ہو گیا تو یہ شخص دہلی سے فقیروں کا بھیس بنا کر بھاگ آیا۔ اس کی تقدیر میں غیاث الدین کے مرنے کے بعد بادشاہ ہونا لکھا تھا۔ جب اس کی بیعت کی گئی تو شاعروں نے اس کی تعریف میں قصیدے پڑھے۔ ان کو اس نے بڑے بڑے صلے دیے سب سے پہلے قاضی صدر الزماں نے مبارک بادی کے اشعار پڑھے۔ اس کو پانچ سو دینار اور ایک خلعت دیا۔ پھر وزیر نے جس کو قاضی کہتے ہیں اس کو دو ہزار دینار دیے اور مجھے تین سو دینار اور ایک خلعت دیا۔ فقرا اور مساکین کو بہت سی خیرات تقسیم کی گئی اور جب خطیب نے اس کے نام کا خطبہ پڑھا تو اس پر سے دینار اور درہم جو سونے اور چاندی کے طباقوں میں تھے، نثار کیے گئے۔ سلطان غیاث الدین کی قبر پر قاضی مقرر کیے جو اس کی قبر پر ہر روز کلام مجید ختم کرتے تھے۔ پھر عشر خواں آتے تھے اور پڑھتے تھے اس کے بعد کھانا آتا وہ سب لوگ کھاتے تھے پھر ہر ایک شخص کو اس کے مرتبے کے مطابق درہم دیے جاتے تھے۔ اسی طرح چالیس دن تک کرتے رہے پھر ہر سال اس کی وفات کے روز اسی طرح کرتے تھے جیسے کہ پہلے وفات کے دن کیا تھا۔ اول ہی اول جو کام ناصر الدین نے کیا وہ یہ تھا کہ اپنے چچا کے وزیر کو معزول کر دیا اور اس سے مال طلب کیا اور اپنا وزیر ملک بدر الدین کو بنایا جس کو اس کے چچا نے میرے استقبال کے لیے پتن میں بھیجا تھا۔ وہ جلد ہی مر گیا پھر اس کے بعد خواجہ سرور امیر البحر کو وزیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اس کو خواجہ جہاں کہا کریں جیسا کہ دہلی کا وزیر کہلاتا ہے اور یہ حکم دیا جو کوئی وزیر کو خواجہ جہاں نہیں کہے گا اس پر اس قدر جرمانہ ہو گا۔ پھر سلطان ناصر الدین نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کو جس کے ساتھ سلطان غیاث الدین کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی، قتل کروا دیا اور اس کی بیوی سے آپ نکاح کر لیا اور جب اس کو یہ خبر پہنچی کہ ملک مسعود اس کی پھوپھی کے بیٹے سے قید خانہ میں ملا تھا تو اس کو بھی مروا ڈالا اور ملک بہادر کو بھی قتل کروا دیا یہ شخص بڑا

فاضل، سخی اور بہادر تھا۔ میرے لیے حکم دیا کہ جو جہاز اس کے چچا نے جزائر مالدیپ کے لیے نامزد کیے ہیں، وہ میرے ساتھ کیے جائیں۔ اسی اثنا میں مجھے وہی بخار ہو گیا جو وبائے ملک کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ میں سمجھا کہ بس اب میں زندہ نہیں رہ سکتا لیکن خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈال دیا کہ میں نے تولہ بھر املی گھول کر پی لی۔ اس سے مجھے تین دن تک دست آتے رہے اور میں اچھا ہو گیا۔ میں نے اس شہر کو چھوڑنا چاہا اور سفر کرنے کی بادشاہ سے اجازت طلب کی۔ اس نے کہا کہ تمہارے مالدیپ جانے کے وقت میں فقط ایک مہینہ رہ گیا ہے، تم یہیں ٹھہر جاؤ تاکہ میں اخوند عالم کے حکم کی تعمیل کروں اور جو کچھ تمہارے ساتھ انہوں نے جانے کے لیے نامزد کیا ہے سپرد کر دوں۔ میں نے کہا میں نہیں ٹھہر سکتا پھر اس نے پتن کے اہل کاروں کو حکم لکھ دیا کہ جس جہاز میں، میں جانا چاہوں مجھے لے جائیں۔ میں پتن گیا تو وہاں آٹھ جہاز یمن کے لیے تیار کھڑے تھے۔ میں ان میں سے ایک جہاز میں بیٹھ گیا۔ رستہ میں ہمیں چار جہاز ملے۔ ان کے ساتھ ہم نے تھوڑا مقابلہ کیا، وہ واپس چلے گئے۔ ہم کولم میں پہنچے اب تک مجھ میں مرض کا کچھ بقیہ موجود تھا۔ میں وہاں تین مہینے ٹھہرا۔

(۵) دریائی لٹیرے اور ابن بطوطہ کا لٹ جانا

پھر ایک جہاز میں بیٹھ کر میں سلطان جمال الدین ہنوری کی طرف چلا۔ ہنور اور فاکنور کے بیچ میں ہم پر ہندوؤں نے حملہ (۸) کیا۔ ان کے پاس بارہ جنگی جہاز تھے ہمارے ساتھ ان کی سخت لڑائی ہوئی اور ہم مغلوب ہو گئے جو کچھ میرے پاس تھا اور کسی آڑے وقت کے واسطے میں نے لگا رکھا تھا، سب چھین لیا۔ موتی اور یاقوت جو مجھے راجہ سیلان نے دیے تھے اور میرے کپڑے اور تبرکات جو مجھے اولیا اللہ نے عطا کیے تھے، کچھ نہ چھوڑا۔ فقط میرے بدن پر ایک پاجامہ رہ گیا۔ اسی طرح سے سب اہل جہاز کو لوٹ کھسوٹ لیا اور ہمیں ساحل پر اتار دیا۔ میں کالی کٹ میں واپس آ گیا اور ایک مسجد میں داخل ہوا ایک فقیہ نے میرے واسطے کپڑا بھیجا۔ قاضی نے عمامہ بھیجا اور سوداگر نے کچھ اور کپڑا بھیج دیا۔ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ وزیر عبداللہ نے جمال الدین وزیر کی وفات کے بعد ملکہ خدیجہ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے اور جس عورت کو میں حاملہ چھوڑ آیا تھا، اس کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ میں جزائر مالدیپ میں جاؤں لیکن ساتھ ہی عبداللہ کی عداوت کا خطرہ گزرا۔ میں نے کلام اللہ میں فال دیکھی تو یہ آیت نکلی

تنزل علیہم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا

میں اس کو فال نیک سمجھ کر چل پڑا۔

(۲) جزائر مالدیپ میں دوسری دفعہ جانا

دس دن کے بعد میں جزائر مالدیپ میں پہنچا اور کنلوس کے جزیرہ میں اترا۔ اس کا حاکم عبدالعزیز مقد شاوی تھا۔ اس نے میری خاطر مدارت کی اور میری ضیافت کی اور میرے ساتھ ایک کشتی کر دی۔ اس کے بعد میں ہیلی کے جزیرہ میں پہنچا۔ اس جزیرہ میں ملکہ اور اس کی بہنیں سیر کے واسطے آیا کرتی تھیں اور جہازوں میں بیٹھ کر سمندر میں کھیلا کرتی تھیں۔ اس موقع پر وزیر اور امیر ملکہ کے واسطے تحفے بھیجتے ہیں اور اس جگہ ملکہ کی بہن اور اس کا شوہر محمد بن جمال الدین خطیب اور اس کی ماں جو میری زوجہ تھی' موجود تھیں۔ خطیب میرے ملنے کے لیے آیا اور کھانا بھی لایا۔ ایک آدمی نے وزیر عبداللہ کو میرے آنے کی خبر جا دی۔ اس نے دریافت کیا کہ وہ اکیلا ہے یا کوئی اس کے ساتھ ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے لینے کے واسطے آیا ہے۔ وہ اس وقت دو برس کا تھا۔ اس لڑکے کی ماں وزیر کے پاس گئی اور شکایت کی۔ وزیر نے کہا کہ میں اس کو منع نہیں کر سکتا۔ جزیرہ میں داخل ہونے کے لیے مجھ پر جرمانہ کیا اور مجھے اپنے محل کے سامنے ایک برج میں اتارا تاکہ اس کو اطلاع رہے کہ میں کیا کرتا ہوں اور ایک پورا خلعت اور پان اور عرق گلاب حسب دستور میرے پاس بھیجا اور میں دو ریشمی کپڑے سلام کے وقت پاؤں میں ڈالنے کو لایا تھا۔ وہ مجھ سے لے لیے۔ اس روز وزیر میرے پاس نہ آیا اور میرے بیٹے کو میرے پاس بھیج دیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس کا وہیں ٹھہرنا اس کے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے وہ بچہ اس کی ماں کو ہی واپس دے دیا اور میں وہاں پانچ دن تک ٹھہرا۔ مجھے وہاں سے جلدی کوچ کرنا مناسب معلوم ہوا' اس لیے میں نے اجازت طلب کی۔ مجھے وزیر نے طلب کیا اور میں اس کے پاس گیا۔ اس وقت دو کپڑے جو میں پاؤں میں ڈالنے کے واسطے لایا تھا' مجھے دیے۔ میں نے سلام کر کے وہ کپڑے وزیر کے پاؤں میں حسب دستور ڈالے۔ اس نے مجھے اپنے برابر بٹھا لیا اور میرا حال دریافت کیا۔ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا اور ایک ہی طشت میں ہم دونوں نے ہاتھ دھوئے۔ یہ وزیر تعظیم کسی کی نہیں کرتا تھا۔ پان لائے اور میں واپس گھر کو چلا آیا پھر میرے پاس کپڑوں کے تھان اور کوڑیاں بھیجیں اور میرے ساتھ بہت کچھ احسان کیا۔ میں وہاں سے چل پڑا۔ تینتالیس رات تک جہاز میں چلتے رہے اور بنگالہ میں پہنچے۔

حوالہ جات

(۱) معبر۔ تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی میں عرب اور اہل ایران ہندوستان کے اس ساحل کو جس کو ہم اب کارومنڈل اور کرناٹک کہتے ہیں معبر کہتے تھے۔ معبر کے معنی گھاٹ کے ہیں اور چونکہ ان دونوں ساحلوں کو گھاٹ بھی کہتے ہیں اس لیے اغلباً عربوں نے گھاٹ کا ترجمہ کر لیا ہو۔ ادریسی کے جغرافیہ میں یہ نام موجود نہیں ہے اور بارھویں صدی عیسوی سے پہلے بھی اس لفظ کا استعمال نہیں تھا ابو الفدا نے لکھا ہے کہ راس کماری پر مالا بار ختم ہو جاتا ہے اور معبر شروع ہو جاتا ہے اور نیلور تک اسکی حد ہے۔ وصاف نے بھی یہ ہی لکھا ہے کہ معبر کا ملک کولم سے نیلور تک ہے اس کی لمبائی تین سو فرسنگ کے قریب ہے وصاف نے معبر کو ہندوستان کی کنجی لکھا ہے۔ اس کے راجہ کا نام سندر پانڈے اور وزیر کا نام تقی الدین عبدالرحمان لکھتا ہے۔ راجہ کی وفات ۱۲۹۳ء میں ہوئی۔ ان راجاؤں کا دارالخلافہ بدرا تھا جس کو شر پانڈی بھی کہتے تھے اور جو بگڑتے بگڑتے فارسی کاتبوں میں شرمانڈی اور شرمنڈی ہو گیا۔ ۱۳۱۰ء میں اس ملک کو کافور ہزار دیناری علاء الدین خلجی کے غلام نے فتح کیا تھا۔ اس وقت ویرا پانڈی راجہ تھا۔ خاندان پانڈی اس ملک پر کئی ہزار سال سے حکومت کرتا تھا۔ یونانی مورخ میغاس تھی نیس (۳۵۰ ق م) نے بھی اس خاندان کا ذکر کیا ہے۔ ۱۳۱۱ء سے لے کر ۱۳۵۸ء تک مسٹر نلسن نے آٹھ صوبہ داروں کا نام دیا ہے جو بادشاہ دہلی کی طرف سے معبر میں حکومت کرتے تھے۔

ملک نائب کافور	۱۳۱۰ء سے ۱۳۱۳ء تک
علاء الدین۔	۱۳۱۳ء سے ۱۳۱۹ء تک
اتم الدین خان	۱۳۱۹ء سے ۱۳۲۲ء تک
قطب الدین (داماد)	۱۳۲۲ء سے ۱۳۲۷ء تک
نقال الدین	۱۳۲۷ء سے ۱۳۳۲ء تک
سوارا ملک	۱۳۳۲ء سے ۱۳۳۶ء تک
احمد ملک	
نذق ملک	۱۳۳۶ء سے ۱۳۵۸ء تک

یہ فہرست بالکل غلط اور فرضی ہے نام بھی غلط اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ۱۳۱۱ء سے ۱۳۲۸ء تک جب جلال الدین احسن شاہ نے محمد تغلق کے وقت

ہوتا جاتا ہے تو اندر سے سفید زردی مائل برآمد ہوتا ہے اسی قدر اچھا ہوتا ہے۔ اس کے بعد فستقی اس کے بعد خشخاشی اور سیاہ رنگ کا سب سے خراب ہوتا ہے۔ مچھلی کے شکم میں سے جو عنبر نکلتا ہے اس کو مندل کہتے ہیں ۲٪ ملاحت اور مداگسکر اور یمن اور حضر موت اور زنج گاگانا میں اکثر ملتا ہے وزن نوعی اس کا ۹ ہے یعنی پانی سے ہلکا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا ست نکالتے ہیں اور اس کو عنبرین کہتے ہیں عنبر شراب میں اور ایتھر میں حل ہو جاتا ہے (ہلال ۱۵ دسمبر ۱۸۹۷ء)

(۳) مثل ـ ضم میم و سکون قاف۔ ہندی میں اس کو گوگل اور فارسی میں بوئے جہودان کہتے ہیں کیونکہ یہودی لوگ اس کی خوشبو کا بہت استعمال کرتے ہیں۔ اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے۔ عمان اور حضرموت اور ہندوستان جنوبی میں ہوتا ہے۔ آگ پر ڈالنے سے خوشبو دیتا ہے۔ پانی میں جلدی گل جاتا ہے مخزن۔

(۴) بلال دیو۔ یہ اجہ ہوسیالا خاندان کا دوار سمندر میں ۱۳۴۲ء میں تھا جس راجہ کے وقت میں کافور نے حملہ کیا تھا اس کا نام بھی دیرا بلال دیو تھا۔ اس نے ۱۲۹۳ء سے ۱۳۱۰ء تک حکومت کی تھی۔

(۵) پٹن یا کاویری پٹن دریائے کاویری کے دہانہ پر ایک بڑا بندرگاہ تھا جس کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۳۰۰ء کے قریب سمندر کی طغیانی کے سبب سے برباد ہوگیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بربادی بعد میں ہوئی ہے کیونکہ اس زمانہ تک یعنی ۱۳۴۵ء میں یا ۱۳۴۶ء تک وہ موجود تھا۔

(۶) کہتے ہیں کہ ۶۸۸ھ میں ایک جوگی ارغون بادشاہ ایران کے پاس آیا اور دعویٰ کیا کہ میں ایک ایسی معجون جانتا ہوں جس سے عمر دراز ہو جاتی ہے کہتے ہیں کہ اس معجون کے اجزاء میں گندھک اور زئبق بھی تھے ارغوان کے لیے وہ دوا تیار کی گئی اور آٹھ ماہ وہ کھاتا رہا۔ اس کے بعد وہ ایک چلہ میں بیٹھا اور اسی اثناء میں اس پر ایسا مرض غالب ہوا کہ بادشاہ کو تبریز سے موخان کو جانا پڑا۔ وہاں طبیبوں کے علاج سے کچھ فائدہ ہوا لیکن پھر جوگی کی دوا کی گئی اور بادشاہ کا مرض بڑھ گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

(۷) مترا۔ حال میں اس شہر کو مُدورا کہتے ہیں ضلع مدورا احاطہ مدراس میں کلکٹر کے رہنے کی جگہ ہے اب بھی یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اسی ہزار کے قریب آبادی ہے پہلے یہ شہر پانڈی راجاؤں کا دارالخلافہ تھا۔ یہ خاندان پانسو برس قبل مسیح سے ۱۳۲۴ء تک حکومت کرتا رہا۔ آخر راجہ کو ملک کافور نے فتح کیا۔ اس کے بعد یہاں کچھ عرصہ تک شاہان دہلی کی طرف

میں بغاوت کی بادشاہان دہلی کی طرف سے کون کون صوبہ دار رہا۔ ابن بطوطہ کے ناموں سے فقط دو نام علاء الدین اور قطب الدین اس فہرست میں پائے جاتے ہیں ابن بطوطہ کی تحریر کے مطابق یہ قطب الدین علاء الدین کا داماد تھا اور وہ جلال الدین احسن شاہ کے بعد تیسرا بادشاہ تھا۔ ۱۳۳۸ء سے پہلے سید جلال الدین احسن شاہ صوبہ دار تھا اور ۱۳۴۳ء تک وہ خود سر ہونے کے بعد بادشاہ رہا۔ اس کے بعد ۱۳۴۵ء میں اس کا داماد قطب الدین بادشاہ ہوا لیکن چالیس دن رہا اس کے بعد ۱۳۴۵ء میں غیاث الدین دامغانی سید جلال الدین احسن شاہ بادشاہ ہوا اور اس کے بعد ناصر الدین لیکن چونکہ ان بادشاہوں کا تعلق دہلی سے کچھ نہ رہا تھا اور ہمنی بادشاہوں کے اور ان کے درمیان بیجانگر کا راج تھا اس لیے ان کو شمال سے کچھ مدد نہ مل سکی اور مسلمانوں کی حکومت تھوڑے دن رہی تعجب ہے کہ کسی مسلمان مورخ نے بھی ان بادشاہوں کا ذکر نہیں کیا اور اگر ابن بطوطہ ان کا ذکر نہ کرتا تو تاریخ کا یہ حصہ دنیا سے معدوم ہو چکا تھا۔

(۴) عنبر۔ اس کی ماہیت میں اب تک اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ خاص قسم کی مچھلی کی آنتوں کے اندر کسی بیماری کے سبب سے کوئی مادہ پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ مرارہ اور مثانہ میں پتھر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک قسم کی مکھیوں کا چھتہ ہے اس میں شہد ہوتا ہے۔ بارش کے دنوں میں چھتہ سمندر میں گر جاتا ہے شہد تو پانی میں مل جاتا ہے اور چھتہ بہہ کر کناروں پر آ لگتا ہے یا پانی پر تیرتا پھرتا ہے۔ بعض مچھلیاں اس کو نگل جاتی ہیں لیکن ہضم نہیں کر سکتیں اس لیے یا تو مر جاتی ہیں اور یا اس کا پیٹ پھول جاتا ہے اور خشکی پر آپڑتی ہیں ان کے پیٹ میں سے نکال لیتے ہیں۔ مخزن کا مصنف لکھتا ہے کہ میں نے عنبر کے ایک ٹکڑے میں چھوٹے جانوروں کے سر اور گردن اور اعضاء دیکھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سمندر کی تہ میں پتھر سے کوئی چیز مومیائی اور تیر کی طرح ابل کر نکلتی ہے تلاطم امواج اور مدوجزر کے باعث سے اوپر آجاتی ہے اور بھی بھی خشکی پر آپڑتی ہے۔ مخزن کا مصنف اس تیسرے قول کو ترجیح دیتا ہے ابو زید سیرافی نے بھی اپنے سفرنامہ (۳۰۳ھ) میں اس کی ماہیت یہی بیان کی ہے اور بو علی سینا بھی اسی قول سے متفق ہے۔ چوتھا قول یہ تھا کہ سمندر میں ایک گائے ہوتی ہے اور عنبر اس کا گوبر ہوتا ہے شیخ سعدی کا شعر ہے۔

ناکس اگر بمال کند کبر بر حکیم - خرش شمار اگر گہ عنبر است

لیکن یہ قول بالکل غلط ثابت ہوگیا ہے۔ ابو الفضل کے نزدیک وہ چھتہ ہے ماہیت کی بابت اب تک کوئی تسلی کے قابل تحقیق نہیں ہوئی۔ سب سے عمدہ قسم اشہب ہوتا ہے۔

سے صوبہ دار آتے رہے۔ یہ تو ہندوستان کی کل تاریخوں سے پتہ لگتا ہے کہ ۱۳۳۷ء کے قریب ان میں سے ایک صوبہ دار سید جلال الدین احسن شاہ نے محمد تغلق کے وقت میں بغاوت کی اور بادشاہ جب اس بغاوت کو رفع کرنے گیا تو رستہ میں اس کے لشکر میں وبا پڑ گئی اور واپس ہوگیا۔ اس کے بعد ان تاریخوں میں کچھ ذکر نہیں۔ ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جلال الدین احسن شاہ نے بغاوت کے بعد پانچ برس مستقل ہو کر حکومت کی اور اس کے بعد ۱۳۴۵ء تک جب ابن بطوطہ وہاں آیا ایک شخص ناصر الدین وہاں حکومت کرتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں بیجانگر کے راجہ وہاں لشکر بھیجتے تھے۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ بیجانگر کے راجہ نے ان ہی دنوں میں فتح کرلیا۔

وبائی بخار اب بھی اس علاقہ میں بڑی شدت کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ ۱۸۸۰ء و ۱۸۸۱ء میں یہ بخار وبا کی شکل میں ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمی تلف ہوگئے۔

یہ شہر ڈھنڈی گل سے ۲۸ میل جنوب میں ویگائی ندی کے جنوبی کنارہ پر واقع ہے۔ شہر کے بیچ میں ایک بڑا قدیم مندر ہے جو ۸۴۷ فٹ لمبا اور ۷۴۴ فٹ چوڑا ہے شہر سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا تالاب ہے جس کی دیواریں سنگ سرخ کی ہیں بیچ میں ایک مندر ہے اور چاروں کونوں پر چار گنبد ہیں سال میں ایک دفعہ اس تالاب پر ایک لاکھ چراغوں کی روشنی کی جاتی ہے اور مندر کے بتوں کو تالاب کی سیر کرائی جاتی ہے۔ موجودہ عمارتیں تھرومل نائک کی بنوائی ہوئی ہیں جس کا عہد سلطنت ۱۶۲۳ء سے ۱۶۵۹ء تک تھا۔

(۸) شمالی مالا بار اور کونکن میں ہمیشہ دریائی ڈاکوؤں کا زور رہا ہے مارکوپولو نے لکھا ہے کہ مالا بار اور گجرات میں یہ ڈاکو بیس بیس تیس تیس جہاز لے کر سمندر میں پھرتے ہیں اور جب بھی کسی اکیلے جہاز کو دیکھتے ہیں تو سمندر میں آگ یا روشنی کی علامت سے دوسرے جہازوں کو خبردار کر دیتے ہیں اور وہ مل کر جہاز کو لوٹ لیتے ہیں ہیلی کے بیان میں مارکوپولو لکھتا ہے کہ جب کوئی جہاز جو اس جگہ کے لیے نہیں آتا اور اس کو کسی اور جگہ جانا ہوتا ہے اور کسی اتفاق سے اس شہر میں داخل ہو جاتا ہے تو وہاں کا راجہ اس کو لوٹ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہارا ارادہ کسی اور شہر میں جانے کا تھا اور ہمارے واسطے خدا نے تم کو یہاں بھیج دیا لیکن اگر کوئی جہاز خاص اسی شہر کے ارادہ سے آتا ہے تو اس کی خاطر و مدارات بدرجہ غایت کرتے ہیں۔

باب (۱۳)

بنگالہ

(۱) بنگالہ کی ارزانی

بنگالہ ایک بہت وسیع ملک ہے۔ چاول بکثرت ہوتا ہے۔ ایسی ارزانی میں نے اور کسی ملک میں نہیں دیکھی لیکن یہ ملک اچھا نہیں تاریک ہے۔ چنانچہ اہل خراسان اس کو دوزخ پر نعمت کہتے ہیں۔ چاول وہاں ایک دینار نقرئی کے پچیس رطل (۱) آتے ہیں۔ یہ دہلی کا رطل مغرب کے بیس رطل کے برابر ہوتا ہے اور دینار نقرئی آٹھ درہم کا ہوتا ہے اور درہم ان کا اور ہمارا مساوی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس سال گرانی تھی محمد مصمودی مغربی جو اولیاءاللہ میں سے تھے اور دہلی میں میرے مکان کے قریب رہتے تھے ذکر کیا کرتے تھے کہ میری ایک بیوی اور ایک نوکر تھا اور ہم تینوں برس دن کی خوراک ایک دفعہ آٹھ درہم میں خرید لیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان دنوں میں وہاں آٹھ درہم میں اسی (۸۰) رطل دہلی کے آتے تھے۔ کوٹنے کے بعد ان میں پچاس رطل چاول نکلتے تھے اور یہ دس قنطار ہوئے۔ دودھ والی بھینس وہاں تین دینار نقرئی کی آتی ہے۔ اس ملک میں گائے نہیں ہوتی۔ اچھی موٹی مرغیاں ایک درہم کی آٹھ آتی ہیں اور کبوتر کے بچے ایک درہم کے پندرہ اور موٹا مینڈھا دو درہم کا اور شکر رطل (دہلوی) چار درہم کو اور گلاب کا رطل آٹھ درہم کو اور گھی کا رطل چار درہم کو اور میٹھے تیل کا رطل دو درہم کو اور روئی کا ایک کپڑا تین گز لمبا دو دینار میں اور

خوبصورت کنیزک ایک دینار طلائی کو (جو مغرب کے ڈھائی دینار کے برابر ہوتا ہے) اس قیمت کو میں نے ایک کنیزک عاشورہ نام خریدی۔ وہ نہایت خوبصورت تھی اور میرے ایک ساتھی نے ایک غلام چھوٹی عمر کا جس کا نام لولو تھا دو دینار میں خریدا۔

(۲) سدگاواں

بنگالہ کا اول شہر جس میں ہم داخل ہوئے سدگاواں (۲) تھا یہ ایک بڑا شہر سمندر کے کنارہ پر ہے۔ اس جگہ دریائے گنگ اور دریائے جون (۳) ملتے ہیں اور وہ دونوں مل کر سمندر میں داخل ہوتے ہیں۔ اس شہر کے بندر میں بہت سے جہاز ہیں جن کے ذریعہ سے یہ لوگ اہل لکھنوتی (۴) سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بنگالہ کا بادشاہ فخرالدین (۵) ہے۔ وہ فخرو کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ بادشاہ بڑا فاضل ہے پردیسیوں اور فقیروں اور صوفیوں سے نہایت محبت رکھتا ہے۔ اصل میں یہاں کا بادشاہ سلطان ناصرالدین تھا' جس کا بیٹا معزالدین دہلی میں بادشاہ تھا۔ ان کے مقابلہ اور ملاقات کا ذکر میں کر آیا ہوں جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا شمس الدین بادشاہ ہوا' اس کے بعد شہاب الدین۔ شہاب الدین کو غیاث الدین بہادر المعروف بہ بھورا نے مغلوب کر لیا۔ شہاب الدین نے سلطان غیاث الدین تغلق سے مدد طلب کی۔ سلطان غیاث الدین نے اس کو قید کر لیا لیکن سلطان محمد تغلق اس کے بیٹے نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب حسب وعدہ اس نے ملک کے تقسیم کرنے میں بدعہدی کی تو بادشاہ نے اس پر چڑھائی کی اور وہ مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا داماد بادشاہ ہوا۔ اس کو لشکر نے قتل کر ڈالا۔ علی شاہ ان دنوں میں لکھنوتی میں بادشاہ بن بیٹھا۔ فخرالدین نے جب دیکھا کہ اس کے آقا ناصر الدین کے خاندان سے بادشاہت نکل جاتی ہے تو اس نے سدگاواں میں بغاوت کی اور اس کے اور علی شاہ کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ گرمی اور کیچڑ کے موسم میں لکھنوتی پر فخرالدین نے جہازوں کے ذریعہ سے حملہ کیا کیونکہ اس کی بحری طاقت بہ نسبت علی شاہ کے زیادہ تھی۔ اور جب برسات ہو چکی تو علی شاہ نے فخرالدین پر حملہ کیا کیونکہ اس کی بری فوج زیادہ تھی۔ فخرالدین' فقیروں اور صوفیوں سے اس قدر محبت رکھتا تھا کہ اس نے ایک صوفی شیدا نام کو سانکام میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود ایک دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے لگا۔ شیدا نے اس کی عدم موجودگی میں بغاوت کی اور مستقل ہو جانے کا ارادہ کیا اور بادشاہ کا ایک ہی بیٹا تھا اس کو قتل کر ڈالا۔ فخرالدین فوراً دارالخلافہ کو واپس گیا اور شیدا اور اس کے ہمراہی سنار گاؤں کی طرف بھاگ گئے۔ یہ بہت مضبوط جگہ تھی' بادشاہ نے وہاں فوج بھیجی۔ وہاں کے باشندوں نے خائف ہو کر شیدا کو پکڑ لیا اور اس کو شاہی لشکر میں بھیج دیا۔ اہل لشکر نے بادشاہ کو لکھا کہ کیا کیا جائے؟ اس نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر بھیج دو۔

چنانچہ اس کا سر بھیج دیا گیا اور اس کے بہت سے فقیر قتل کیے گئے۔ جب میں سانکام میں پہنچا تو میں نے وہاں کے بادشاہ سے ملاقات نہیں کی کیونکہ اس کی بادشاہ دہلی سے لڑائی تھی اور اس لیے میں سمجھا کہ ملاقات کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

(۳) کامرو دیس

سانکام سے میں کامرو (۶) کے پہاڑوں کی طرف ہو لیا۔ یہ ملک سانکام سے ایک مہینے کے رستے پر ہے۔ یہ بہت وسیع پہاڑی ملک ہے اور چین اور تبت سے ملحق ہے جہاں مشک کے ہرن ہوتے ہیں۔ اس ملک کے باشندے شکل میں ترکوں کے مشابہ ہیں اور ایسے مضبوط خدمت کرنے والے شاید ہی کہیں ہوں گے۔ وہاں کا ایک غلام اور جگہ کے کئی غلاموں سے زیادہ کام دیتا ہے۔ وہ جادوگر بھی مشہور ہیں۔ میرا ارادہ اس ملک میں جانے سے یہ تھا کہ میں شیخ جلال الدین تبریزی (۷) کی' جو مشہور اولیا میں سے تھے' زیارت کروں۔ یہ شیخ اپنے وقت کے قطب تھے' ان کی کرامتیں مشہور ہیں۔ عمر بھی ان کی بہت زیادہ ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے خلیفہ مستعصم باللہ کو بغداد میں دیکھا ہے اور جس وقت اس کو قتل کیا وہ وہاں موجود تھے۔ وہ ایک سو پچاس برس کی عمر پوری کر کے مرے ہیں اور چالیس سال سے وہ برابر روزہ رکھتے تھے۔ دس دس دن کے بعد ایک دفعہ افطار کرتے تھے۔ بدن کے بھلے چنگے تھے قد دراز تھا اور رخسارے لگے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اس ملک کے اکثر باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان کا ایک ہمراہی مجھ سے کہتا تھا کہ انہوں نے اپنے سب دوستوں کو مرنے سے ایک دن پہلے بلایا اور وصیت کی کہ خدا سے ڈرتے رہو۔ میں انشاء اللہ کل تم سے رخصت ہوں گا اور میرا جانشین تمہارے میں اللہ ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد آخر سجدہ میں ان کا دم نکل گیا اور ان کے غار کے برابر اک کھدی ہوئی قبر نکلی۔ اس پر کفن اور خوشبو موجود تھی۔ ان کے ہمراہیوں نے ان کو غسل دیا اور کفن دے کر اور نماز پڑھ کر دفن کیا' خدا ان پر رحمت کرے۔ جب میں اس شیخ کی زیارت کے لیے گیا تو شیخ کے مسکن سے دو منزل ورے مجھے اس کے چار ہمراہی ملے اور وہ کہتے تھے کہ اکثر فقیروں کو شیخ نے کہا تھا کہ ایک مغربی سیاح ہمارے پاس آتا ہے' اس کا استقبال کرو اور ہم شیخ کے حکم سے آئے ہیں۔ ان کو میری بابت بالکل کچھ علم نہ تھا جو کچھ معلوم ہوا اس مکاشفہ سے معلوم ہوا۔ میں ان کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں ان کی خانقاہ میں پہنچا جو غار کے باہر تھی اور کوئی آبادی اس کے پاس نہ تھی۔ اس ملک کے ہندو مسلمان سب شیخ کی زیارت کو آتے ہیں اور ان کے واسطے تحفے اور نذر لاتے ہیں۔ اس میں سے فقرا اور مساکین کھاتے ہیں لیکن شیخ فقط اپنی گائے کے دودھ پر گزر کرتے ہیں۔ جب میں ان کے پاس خدمت میں

حاضر ہوا تو کھڑے ہو کر مجھے گلے لگایا اور میرے وطن اور میرے سفروں کا حال دریافت فرمایا۔ میں نے کل حال بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ تو عرب کا مسافر ہے۔ ان کے ایک ہمراہی نے کہا کہ حضور یہ مسافر عرب و عجم دونوں کے ہیں۔ شیخ نے بھی فرمایا کہ مسافر عرب و عجم ہے' اس کی خاطر تواضع کرو پھر مجھے خانقاہ میں لے گئے اور تین دن تک میری مہمانی کی۔ جب میں اول دن شیخ کی زیارت کو گیا تو شیخ ایک مرغز (مار دین کے اونی کپڑے کا) چغہ پہنے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر شیخ صاحب مجھے یہ چغہ عطا کر دیں' تو کیا اچھی بات ہو۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو شیخ نے غار کی ایک جانب ہو کر چغہ اپنے بدن سے اتار دیا اور مجھ کو پہنا دیا اور اپنے سر سے طاقیہ یعنی ٹوپا اتار کر میرے سر پر رکھ دیا۔ فقیروں نے کہا کہ شیخ کا دستور چغہ پہننے کا نہیں تھا اور فقط تیرے آنے کی خبر سن کر شیخ نے یہ چغہ پہنا تھا اور فرماتے تھے کہ مغربی اس چغے کو مجھ سے طلب کرے گا اور اس سے ایک کافر بادشاہ چھین لے گا اور وہ میرے بھائی برہان الدین کو دے دے گا۔ جب میں نے فقیروں سے یہ سنا تو اپنے دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ شیخ نے مجھے اپنا لباس عطا کیا ہے اور مجھے ایک غیر مترقبہ نعمت حاصل ہوئی ہے۔ میں بھی چغہ کو پہن کر کسی مسلمان یا کافر بادشاہ کے پاس ہرگز نہ جاؤں گا۔ میں شیخ کے پاس سے رخصت ہو گیا اور مدت دراز کے بعد مجھے چین میں جانے کا اتفاق ہوا اور شہر خنسا میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پھر رہا تھا۔ ہجوم کے سبب سے ایک جگہ میں اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو گیا اور یہ چغہ میں پہنے ہوئے تھا۔ رستے میں مجھے وزیر ملا۔ اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر میرا حال پوچھا اور باتیں کرتے کرتے ہم بادشاہ کے محل کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ میں نے اس سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا۔ اس نے اجازت نہ دی اور مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے مجھ سے مسلمان بادشاہوں کا حال دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا۔ پھر بادشاہ کی نظر چغے پر جا پڑی۔ اس نے اس کی بڑی تعریف کی۔ وزیر نے کہا کہ اس کو اتار دو۔ اس وقت مجھے حکم ماننا پڑا۔ بادشاہ نے چغہ لے لیا اور اس کے عوض مجھے دس خلعت اور ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے اور خرچ کے واسطے نقدی عطا کی۔ مجھے نہایت رنج ہوا اور شیخ کا قول یاد آیا اور مجھے کمال تعجب ہوا۔ دوسرے سال خان بالق دار الخلافہ چین میں گیا اور شیخ برہان الدین صاغرجی کی خانقاہ میں جانے کا اتفاق ہوا' تو دیکھا شیخ کتاب پڑھ رہے تھے اور وہی چغہ پہنے ہوئے تھے۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں نے چغہ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مجھ سے شیخ نے کہا تو اس کو کیوں الٹتا ہے' کیا اس کو پہچانتا ہے؟ میں نے کہا' ہاں مجھ سے یہ چغہ خنسا کے بادشاہ نے لیا تھا۔ شیخ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین نے یہ چغہ میرے واسطے تیار کیا تھا اور مجھے خط لکھا تھا کہ فلاں شخص کی معرفت تیرے پاس یہ چغہ پہنچے گا۔ شیخ نے مجھے وہ خط دکھلایا۔ میں نے وہ خط پڑھا اور شیخ کے صدق یقین پر کمال تعجب ہوا۔ اس پر میں نے کل حکایت شیخ برہان الدین کے سامنے بیان کی۔ شیخ نے کہا کہ میرے بھائی شیخ جلال الدین کا رتبہ اس سے بھی زیادہ ہے اور اس کو کل معاملات دنیا میں دخل ہے اور اب وہ انتقال کر گئے ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ مجھے خبر ہے کہ وہ ہر روز صبح کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھتے تھے اور ہر سال حج کرتے تھے۔ عرفہ اور عید کے دن غائب ہو جاتے تھے' کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔

(۴) سنار گاؤں

شیخ جلال الدین سے رخصت ہو کر میں شہر حبنق (ح ب ن ق) (۸) کی طرف گیا۔ یہ ایک بڑا شہر ہے۔ دریا اس کے بیچ میں سے گزرتا ہے۔ اس دریا کو' جو کامروپ کے پہاڑوں میں سے آتا ہے' دریائے ارزق کہتے ہیں۔ اس دریا کے رستے آدمی بنگالہ اور لکھنوتی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس دریا پر جھلار اور باغ اور دیہات دونوں طرف نظر آتے ہیں' جیسے کہ دریائے نیل پر مصر میں۔ وہاں کے باشندے کافر ہیں لیکن بادشاہ کی رعایا میں ان سے نصف پیداوار بطور رعایا کے لی جاتی ہے اور کریں اس کے علاوہ ہیں۔ ہم نے اس دریا میں پندرہ دن تک سفر کیا۔ دیہات اور باغات کی کثرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک بازار میں چل رہے ہیں۔ بلا تعداد جہاز اس دریا میں آمد و رفت کرتے ہیں۔ ہر جہاز پر ایک نقارہ ہوتا ہے۔ جب دو جہاز آمنے سامنے ہوتے ہیں تو وہ نقارے بجاتے ہیں اور یہ ان کا سلام ہے۔ سلطان فخر الدین کا حکم ہے کہ اس دریا میں فقیروں سے کوئی محصول نہ لیا جائے اور جس کے پاس کھانے کو نہ ہو اس کو دیا جائے۔ جب فقیر کسی شہر میں پہنچتا ہے تو اس کو بادشاہ کی طرف سے آدھا دینار ملتا ہے۔ پندرہ دن تک سفر کرنے کے بعد ہم سنار گاؤں (۹) میں پہنچے۔ اس شہر کے باشندوں نے شیدا کو پکڑ کر سلطان کے حوالے کر دیا۔



حوالہ جات

(۱) اس فصل میں رطل سے مراد دہلی کا من ہے جیسا کہ ابن بطوطہ کہتا ہے یہ من بقول فرشتہ موجودہ وزن میں بارہ سیر کا اور بقول مصنف مسالک الابصار ساڑھے چودہ سیر کا ہوتا تھا۔ دینار نقرئی موجودہ روپیہ کے مساوی تھا اس حساب سے گرانی کے ایام میں وہاں چاول ایک روپیہ کے ساڑھے سات من ہوئے اور ارزانی کے زمانہ میں ایک روپیہ کے پندرہ من بکتے۔

(۲) سدا گاواں۔ ابن بطوطہ کی مراد ساتگام سے ہے (چاٹ گاؤں سے نہیں) جو ہوگلی کے بہت قریب ایک بندر تھا۔ آئین اکبری میں درج ہے کہ ہوگلی اور ساتگام ایک کوس کے فاصلہ میں دو بندر واقع ہیں اور پرتگیزوں کے قبضہ میں ہیں۔ اس وقت ست گاؤں ایک سرکار تھی جس میں ہوگلی اور کلکتہ و بست و چہار پرگنہ اور بردوان کے موجودہ اضلاع شامل تھے یہ شہر بہت پرانا گنگا جی کی شاخ سرسوتی پر واقع تھا یہ شاخ مٹی اور ریت سے پر ہو کر بند ہوگئی اور اس کا پانی دوسری شاخ یعنی ہوگلی میں شامل ہوگیا۔ اس لیے پرتگیزوں نے ۱۵۳۷ء میں ہوگلی کو آباد کر لیا تھا۔

(۳) جمنا کو دریائے جون کہتے ہیں لیکن یہاں جون سے گنگا کی ایک شاخ مراد ہے نہ کہ دریائے جمنا جو الٰہ آباد میں گنگا میں شامل ہو جاتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ الٰہ آباد میں جیسا کہ سرسوتی کا ملنا فرضی خیال کیا ہوا ہے اسی طرح اس موقع پر واقعی طور سے ان تینوں کو علیحدہ کر دیا ہے۔

(۴) لکھنوتی۔ اس شہر کا قدیم نام گور تھا۔ بنگال کے ہندو راجاؤں کا دارالخلافہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ شہر کا نام لکھنوتی یعنی لکھنوتی تھا اور علاقہ کا نام گوڑ بنگالہ تھا۔ ۱۲۰۳ء میں جب مسلمانوں نے بنگال کو فتح کیا تو اپنا دارالحکومت اسی شہر میں رکھا اور تین سو سال مسلمان بادشاہ اسی شہر میں رہے۔ بیچ میں کچھ دنوں بعض بادشاہ پنڈوہ میں جا رہے تھے جس کو حضرت پنڈوہ کہتے ہیں وہ بھی مالدہ کے ضلع میں گور کے قریب ہی واقع ہے۔ فیروز آباد بھی اسی شہر کے نواح میں واقع تھا۔ شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ نے ۱۳۵۳ء میں لکھنوتی پر چڑھائی کی تو اس وقت اس شہر کا نام فیروز آباد رکھا تھا۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اس زمانہ سے پہلے سکوں میں فیروز آباد نام درج ہے اور اغلباً یہ نام سلطان شمس الدین فیروز بن ناصر الدین بغرا بن بلبن نے رکھا تھا۔ جب گنگا کی وہ شاخ جس پر یہ شہر واقع تھا سوکھ گئی اور اس کا پانی کسی اور رستہ پر ہوگیا تو دلدل کے باعث شہر کی آب و ہوا بگڑ گئی بنگال کے بادشاہوں نے اپنا پایہ تخت بدل لیا لیکن پھر بھی وہ حاکم نشین جگہ رہی ۱۵۳۷ء میں اس کو شیر شاہ نے لوٹ لیا اور ۱۵۷۵ء میں منعم خان خان خاناں نے جو اکبر کا سپہ سالار تھا اس پر حملہ کیا۔ آب و ہوا کے بگڑ جانے کے سبب سے حملہ آور لشکر میں وبا پھیل گئی اور خانخاناں بھی وہیں مر گیا بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے بعد پھر گور بالکل غیر آباد ہوگیا لیکن یہ غلط ہے کیونکہ ابو الفضل نے جو آئین اکبری میں اس شہر کی بابت لکھا ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کے وقت مغل صوبہ دار اسی شہر میں رہتے تھے۔ حقیقت میں یہ شہر اس وقت غیر آباد ہوا ہے جب شاہ شجاع نے راج محل کو بنگالہ کو دارالخلافہ بنا لیا اور اس کے بعد آباد نہیں ہوا پچیس تیس میل مربع میں مسجدوں اور بازاروں اور محلوں کے کھنڈرات اب تک نظر آتے ہیں۔ اجڑنے کے بعد اس کثرت سے جنگل ہوگیا کہ آدمی کو وہاں جاتے دہشت آتی ہے لیکن اب کچھ عرصہ سے جنگل صاف کیا گیا ہے اور وہاں چھوٹی بستیاں ظاہر ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی اینٹوں سے انگریز آباد۔ مرشد آباد اور مالدہ پوربنیہ کی عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ شہر کلکتہ سے کم نہیں تھا اور چھ یا سات لاکھ کی آبادی ہوگی۔ اسکی فصیل جو فقط شمال کی طرف بنی ہوتی تھی کھود کر دیکھی گئی تو اس کی بنیادیں سو فٹ چوڑی ہیں اور کہیں کہیں خندق کا نشان ملتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوا سو فٹ سے کم چوڑی نہیں تھی۔ فصیل کے شمال مشرقی کنارہ پر ایک محل کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں جو چار سو گز لمبا اور چار سو گز چوڑا تھا اس کو راجہ بلال سین کا محل کہتے ہیں۔ فصیل کے باہر ایک آبادی کے کھنڈرات ہیں اس میں ایک تالاب ساگر دگی۔ سولہ سو گز چوڑا اور آٹھ سو گز لمبا اب تک موجود ہے۔ اس کی دیواریں پختہ اینٹوں کی ہیں اور پانی نہایت صاف اور خوشگوار ہے۔ قلعہ کے پاس ایک تالاب پیاس باڑی نام اب تک ہے اس کا پانی کھاری ہے کہتے ہیں کہ یہ تالاب قیدیوں کے استعمال کے واسطے بنایا گیا تھا ابو الفضل نے بھی اس تالاب کا ذکر کیا ہے قلعہ اور پیاس باڑی کے درمیان سنہری مسجد ہے جو ۴۰ گز لمبی اور ۲۰ گز چوڑی اور ۲۰ گز اونچی عمارت ہے کہتے ہیں کہ اس کی چھت میں ۴۴ گنبد تھے۔ ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے۔ "جنت آباد پرانا شہر ہے۔ پہلے پایہ تخت تھا۔ لکھنوتی کہتے تھے اور بعض گور بھی کہتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ نے اس کا نام جنت آباد رکھا ہے۔ یہاں ایک بہت عمدہ قلعہ ہے اور مشرق میں ایک تالاب ہے اس کا نام چھتیا پتا ہے اس میں بہت

سے نالو ہیں۔ اگر اس کا بند ٹوٹ جائے تو تمام شہر ڈوب سکتا ہے۔ شہر سے شمال میں ایک کوس کے فاصلے پر ایک عمارت اور حوض ہے جس کا پانی زہر کی خاصیت رکھتا ہے اس حوض کو پیاد (پیاس) باڑی کہتے ہیں جن قیدیوں کو مار ڈالنا منظور ہوتا تھا وہاں قید رکھتے تھے یہ پانی پی پی کر تھوڑے دنوں میں مر جاتے تھے۔ ہمارے بادشاہ نے اس کی ممانعت کر دی ہے۔" شیخ اخی سراج کی خانقاہ بھی گوڑ میں ہے۔ آپ سلطان المشائخ سلطان نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔ یہ خانقاہ شہر کے ایک نواح میں ہے جس کو سعد اللہ پور کہتے ہیں ساگر ڈگی تالاب کے شمال مشرقی گوشہ پر واقع ہے آپ کا انتقال ۷۵۸ھ میں ہوا ہے۔ باہر کے دروازہ پر ایک کتبہ ہے جس پر ۹۱۹ھ درج ہے اور یہ دروازہ حسین شاہ بادشاہ بنگال کا بنایا ہوا ہے خانقاہ اغلباً سکندر شاہ کی بنائی ہوئی ہے لیکن کچھ تحقیق نہیں۔ کتبہ کی جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔ کلکتہ کے عجائب گھر میں کچھ اینٹیں گوڑ سے آئی تھیں ان میں غیاث الدین بن سکندر شاہ کا نام لکھا ہے اور تاریخ سات سو اور کچھ معلوم ہوتی ہے۔ کننگھم صاحب کا خیال ہے کہ پیمائش کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اینٹیں اسی کتبہ کی جگہ کی ہیں لیکن یہ محض قیاس ہے ممکن ہے کہ درست ہو کیونکہ یہ سلطان غیاث الدین سکندر شاہ کا بیٹا تھا اور وہ بادشاہ تھا جس نے خواجہ حافظ کو شیراز سے طلب کیا تھا اور آپ نے وہ غزل جس کا یہ شعر ہے۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اس کے پاس بھیج کر آنے کا عذر کیا تھا۔

(۵) فخر الدین و علی شاہ۔ پہلے غیاث الدین بھتورہ کے حال میں لکھ آیا ہوں کہ اس کو بادشاہ نے ۷۲۳ھ میں مار کر تاتار خان کو ستار گاؤں میں اور ملک بیدار خلجی یعنی قدر خان کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا۔

مسٹر ٹامس نے جن سکوں کا ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(الف) سلطان فخر الدین۔ دار الضرب ستار گاؤں۔ وزن ۱۶۹۔ گرین۔

۷۳۰ھ و ۷۳۱ھ و ۷۳۲ھ و ۷۳۳ھ و ۷۳۴ھ و ۷۳۵ھ و ۷۳۶ھ و ۷۳۷ھ و ۷۳۸ھ و ۷۳۹ھ و ۷۵۰ھ

نمونہ حسب ذیل ہے۔

رخ ۱۔ السلطان الاعظم فخر الدنیا و الدین ابو المظفر مبارک شاہ السلطان۔

رخ ۲۔ یمین خلیفۃ اللہ ناصر امیر المومنین۔

حاشیہ۔ ضرب ہذہ السکہ بحضرۃ جلال ستار گاؤں سنۃ سبع و ثلاثین و سبعمائۃ۔

(ب) سلطان علاء الدین علی شاہ۔

فیروز آباد ۷۴۲ھ و ۷۴۳ھ و ۷۴۵ھ و ۷۴۶ھ

رخ ۱۔ السلطان الاعظم علاء الدنیا و الدین ابو المظفر علی شاہ السلطان

رخ ۲۔ سکندر الثانی المخصوص بعنایت الرحمان ناصر امیر المومنین۔

حاشیہ ضرب ہذا النقد السکہ فی البلدۃ فیروز آباد سنۃ اربعین و سبعمائۃ۔

(ج) سلطان اختیار الدین غازی شاہ

۷۵۱ و ۷۵۳ھ ستار گاؤں۔

رخ ۱۔ السلطان الاعظم اختیار الدنیا و الدین ابو المظفر غازی شاہ السلطان ابن السلطان

رخ ۲۔ یمین الخلیفہ ناصر امیر المومنین۔

حاشیہ ضرب ہذہ السکہ بحضرۃ جلال ستار گاؤں سنۃ احدی و خمسین و سبعمائۃ۔

(د) سلطان شمس الدین الیاس شاہ

فیروز آباد۔ ۷۴۰ و ۷۴۳ و ۷۴۶ و ۷۴۷ و ۷۴۸ و ۷۴۹ و ۷۵۰ و ۷۵۱ و ۷۵۳ و ۷۵۵ و ۷۵۶ و ۷۵۷ و ۷۵۸ھ

ستار گاؤں۔ ۷۵۳، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸ھ

الف اور ب سے معلوم ہوتا ہے کہ مبارک نام علی شاہ کا نہیں تھا جیسے کہ ہندوستان کے تمام مورخ لکھتے ہیں بلکہ اس کے خلاف سلطان فخر الدین کا نام مبارک تھا۔

اگرچہ ان چاروں مورخوں کے بیان میں جو شمس سراج عفیف اور تاریخ مبارک شاہی پر مبنی ہیں اس قدر اختلاف ہیں کہ وہ خود قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتے ہیں لیکن ابن بطوطہ کی تحریر کی مدد سے اور سکوں کی مدد سے جو دستیاب ہوئے ہیں ہم صحیح واقعات اور صحیح تاریخیں اخذ کر سکتے ہیں اگر ٹامس صاحب ان سکوں کی طرف توجہ نہ کرتے اور ابن بطوطہ کی یہ تحریر نہ ہوتی تو بنگالہ کی اس زمانہ کی تاریخ کی وہ حالت ہوتی جو ان چار مورخوں کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ اور سکوں کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان سب میں علاوہ باہمی تناقض کے کئی سخت غلطیاں ہیں۔

ابن بطوطہ ۷۴۶ھ کے شروع میں بنگالہ میں تھا۔ اس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ستار گاؤں میں سلطان فخر الدین زندہ تھا اور اس وقت تک اس کے اور علی شاہ کے درمیان لکھنوتی میں لڑائی قائم تھی۔ اگر فرشتہ و بدایونی و احمد نظام اور ابو الفضل کا یقین

کیا جائے تو فخرالدین کو ۷۴۱ھ ہی میں کوئی کہتا ہے سلطان شمس الدین نے اور کوئی کہتا ہے علی شاہ نے اور کوئی کہتا ہے سلطان محمد تغلق نے مار ڈالا تھا لیکن اس کے سکے ۷۵۰ھ تک کے پائے جاتے ہیں اور اس لیے کچھ شک نہیں کہ ابن بطوطہ کی تحریر صحیح اور ہمارے مورخ سب کے سب غلط ہیں۔ یہ سب لکھتے ہیں کہ فخرالدین نے کوئی کہتا ہے قدر خاں کو اور کوئی کہتا ہے تاتار خاں کو مار ڈالا حالانکہ اس نے ان میں سے کسی کو نہیں مارا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تاتار خاں کا شمشیر بردار تھا جب تاتار خاں مر گیا تو وہ موقع پا کر ۷۳۹ھ میں نہیں بلکہ ۷۳۷ھ میں مشرقی بنگالہ میں بادشاہ ہو بیٹھا۔ اب سے آگے فرشتہ کا بیان اس قدر درست معلوم ہوتا ہے کہ فخرالدین کی بغاوت کی خبر سن کر بادشاہ نے قدر خاں حاکم لکھنوتی کو لکھا اور اس کی مدد کے لیے حسام الدین اور ابوالرجا اور امیروں کو نامزد کیا انہوں نے فخر الدین کو شکست دی اور جنگل میں بھگا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی کئی سال تک رہی کیونکہ ۷۳۷ھ کے بعد کئی سال تک کوئی سکہ فخرالدین کے نام کا نہیں ہے۔ اس مدت میں وہ جنگل میں بادشاہی فوج کو دق کرتا رہا ہوگا آخر اس نے موقع پا کر قدر خاں کے امیروں اور نوکروں کے ساتھ سازش کی اور ان کو خزانہ کی تقسیم کا لالچ دے کر قدر خاں کو مروا ڈالا اور یہ سب امیر خزانہ کو لیکر فخرالدین کے پاس چلے گئے وہاں سنار گاؤں میں فخر الدین مستقل بادشاہ ہو بیٹھا۔ یہ واقعہ ۷۴۱ھ کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سال سے لے کر برابر ۷۵۰ھ تک اس کے نام کے سکے پائے جاتے ہیں۔ فخرالدین نے لکھنوتی میں اپنے غلام مخلص کو بھیجا لیکن وہاں قدر خاں کے بخشی علی شاہ نے مخلص کو مار ڈالا۔ اور بادشاہ کو عرضداشت روانہ کی۔ بادشاہ اس سے واقف نہ تھا۔ اس لیے اس نے یوسف شحنہ کو دہلی سے لکھنوتی کا حاکم بنا کر بھیجا یہ شخص رستہ میں مر گیا چونکہ ان دنوں میں قحط اور عین الملک کی بغاوت کے باعث سے بادشاہ کے ہوش اڑے ہوئے تھے اس لیے اس نے بنگالہ کی خبر نہ لی۔ علی شاہ ۷۴۲ھ میں موقع دیکھ کر لکھنوتی میں سلطان علاء الدین بن بیٹھا۔ سکوں سے معلوم ہوگا کہ اس کا پہلا سکہ بھی ۷۴۲ھ کا ہے۔ لکھنوتی میں علی شاہ یعنی سلطان علاء الدین رہا اور سنار گاؤں میں فخرالدین لیکن سکوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس علی شاہ سے پہلے حاجی الیاس نے لکھنوتی میں مستقل ہونا چاہا تھا کیونکہ اس کا سکہ ۷۴۰ھ کا موجود ہے۔ اس کے اور علی شاہ کے درمیان معلوم ہوتا ہے برابر کئی سال تک کشاکش رہی اور آخر میں علی شاہ کے ۷۴۶ھ میں مر جانے سے اس کا خاتمہ ہوا ہے۔ جب سے حاجی الیاس یعنی سلطان شمس الدین مغربی بنگال یعنی لکھنوتی میں خود مختار بادشاہ ہو بیٹھا تھا۔ علی

شاہ چار پانچ سال تک ایک طرف حاجی الیاس یعنی سلطان شمس الدین سے جھگڑا رہا اور دوسری طرف سلطان فخرالدین سے۔ آخر ۷۴۶ھ میں علی شاہ کے مرنے کے بعد وہ مغربی بنگال میں اکیلا رہ گیا ادھر مشرقی بنگالہ میں فخرالدین بادشاہ رہا۔ دہلی کی طرف سے چونکہ سلطان محمد تغلق اس زمانہ میں اپنی مصیبتوں میں مبتلا تھا اور اس کو ایک بغاوت کے بعد دوسری بغاوت کا سامنا ہوتا تھا کسی شخص نے بنگالہ کا رخ نہ کیا۔

۷۴۶ھ کے بعد ابن بطوطہ چلا گیا اور اس کے بعد اس کے سفرنامہ سے کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ لیکن سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۵۰ھ تک فخرالدین زندہ رہا۔ اس کے بعد کوئی شخص اختیار الدین غازی شاہ بادشاہ ہوا اور وہ دو سال تک رہا اس کے سکے پر سلطان ابن السلطان درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فخرالدین کا بیٹا تھا لیکن ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کے ایک ہی بیٹا تھا اس کو شیدا نے مار ڈالا تھا۔ سلطان شمس الدین کے سکے سنار گاؤں کے ۷۵۳ھ سے شروع ہوتے ہیں اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سلطان شمس الدین نے ۷۵۳ھ میں ر گاؤں یعنی مشرقی بنگالہ بھی فتح کرلیا تھا اور وہ تمام بنگالہ کا بادشاہ ہوگیا تھا اور اسی سبب سے سلطان فیروز شاہ نے اس سے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ۷۵۵ھ میں فقط نذر لے کر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ یہ بادشاہ ۷۵۹ھ میں مر گیا۔ اس کی اولاد بنگالہ میں اس کے بعد کئی پشت تک حکومت کرتی رہی۔ اس سے معلوم ہوگا کہ سلطان ناصر الدین بن بلبن کے وقت سے لے کر سلطان شمس الدین بھنگڑہ کے زمانہ تک بنگال کی تاریخ کو ہمارے ملک کے مورخوں نے نہایت غلط طور سے مرتب کیا تھا اور اس کے صحیح کرنے میں ہمیں ابن بطوطہ کے سفرنامہ اور مسٹر طامس کے سکوں سے بہت کچھ مدد ملی ہے اور اس زمانہ کی ایک خاصی قابل اعتبار تاریخ حاصل ہو گئی ہے۔

(۶) کامروپ۔ اب یہ آسام کے ایک ضلع کا نام ہے۔ برہم پتر کا دریا اس ضلع کے بیچ میں سے گزرتا ہے تمام سال اس میں جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ دریائے ازرق سے ابن بطوطہ کی مراد برہم پتر ہے۔ ضلع کا ایک بڑا حصہ سرکاری جنگل ہے جس میں گینڈا ہاتھی شیر اور ریچھ وغیرہ جانور بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ نام اس ملک کا بہت پرانا ہے۔ مہا بھارت میں بھی یہی نام درج ہے لیکن اس وقت میں اور ابن بطوطہ کی حدود کے مطابق بھی اس نام سے آسام کا تمام ملک نامزد تھا۔ جادو کی بابت یہ ملک ہمیشہ سے مشہور ہے۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ اس ملک کو عوام کا نورودیس کہتے ہیں۔ خوبصورتی اور جادو کے لیے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ ایسا گھر بناتے ہیں جس کے ستون اور چھت اور دیوار سب

کوسوں کی ہوتی ہے اور بہت سی غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں۔ اس ملک پر کئی دفعہ مسلمانوں نے قبضہ کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور کچھ تو جنگل اور پانی کی فراوانی سے گھبرا گئے اور کچھ اس قسم کی افواہ جو تمام ہندوستان میں مشہور تھی کہ ہر ایک ارضی و سماوی اور اتفاقی آفت کو ان کے سامنے جادو کے لباس میں پیش کرتے تھے۔

(۷) شیخ جلال الدین تبریزی۔ اخبار الاخیار میں درج ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے لیکن اپنے پیر کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہے اور ایسی خدمت کی کہ کسی غلام نے اپنے آقا کی اور مرید نے پیر کی نہ کی ہوگی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی و شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ساتھ ان کی دوستی تھی۔ ہندوستان میں آکر دہلی میں قیام کیا۔ وہاں شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ سے ان کا بگاڑ ہوگیا۔ شیخ نجم الدین نے ایک فاحشہ عورت کو بہکا کر ان پر کوئی الزام لگوا دیا۔ شیخ بہاء الدین کی مدد سے اس قصہ سے خلاصی پائی اس کے بعد بنگالہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں ایک روز اپنے مریدوں سے کہنے لگے کہ آؤ شیخ الاسلام کے جنازہ کی نماز پڑھیں اس نے ہمیں دہلی سے نکالا تھا خدا نے اس کو اس جہان سے نکال دیا۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ شیخ جلال تبریزی کی قبر بنگالہ میں ہے لیکن نہ تو کوئی سال لکھا ہے اور نہ قبر کا مقام۔ ابو الفضل نے اس قدر زیادہ کیا ہے کہ ان کی قبر بنگالہ بندر دیو محل میں ہے لیکن یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ بندر کس موقع پر واقع تھا۔ پنڈوہ کے قریب ایک جگہ دیو محل تو موجود ہے۔

پنڈوہ میں لکھنوتی یعنی گوڑ کے قریب ضلع مالدہ میں ایک پرانا دار الخلافہ ہے اس میں شیخ جلال تبریزی کی خانقاہ سلطان علاء الدین علی شاہ کی بنائی ہوئی موجود ہے۔ اس بادشاہ کا عہد ۷۴۱ سے ۷۴۶ھ تک تھا۔ بلاکمین صاحب نے ان شیخ جلال تبریزی کا سال وفات ۶۴۲ھ لکھا ہے لیکن معلوم نہیں کس سند پر۔ خانقاہ کے بننے کے سال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیخ جلال تبریزی وہی ہیں جن کا ذکر ابن بطوطہ کرتا ہے۔ ابن بطوطہ نے کسی شہر کا نام نہیں لکھا کہ وہ شیخ جلال تبریزی سے کس جگہ ملا تھا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ کے بنگالہ سے جاتے ہی یعنی ۷۴۶ھ میں شیخ جلال تبریزی کا انتقال ہوگیا اور چونکہ ۷۴۶ھ تک سلطان علاء الدین علی شاہ زندہ تھا ان کے مرتے ہی خانقاہ بنائی گئی ہوگی اس لیے بلاکمین صاحب نے جو شیخ جلال کی وفات کا سال ۶۴۲ھ لکھا ہے وہ غلط ہے شیخ شہاب الدین سہروردی کا زمانہ ۵۳۹ سے ۶۳۲ھ تک تھا اور چونکہ ابن بطوطہ شیخ جلال کی عمر ڈیڑھ سو سال کی لکھتا ہے اس حساب سے ان کی پیدائش ۵۹۶ھ میں ہوئی چاہیے گویا شیخ شہاب الدین کی

وفات کے وقت وہ چھبیس سال کے تھے اور یہ عمر خدمت کرنے اور فیض اٹھانے کے لیے کافی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت پنڈوہ میں جو خانقاہ شیخ جلال تبریزی کی بارہ دری کے نام سے مشہور ہے وہ ان ہی شیخ جلال تبریزی کی ہے جن کا ذکر ابن بطوطہ کرتا ہے اور جن کا ذکر اخبار الاخیار میں درج ہے۔

(۸) جنتی۔ نام کے کسی شہر کا پتہ نہیں لگتا اغلباً" نام خنتیق -(خ ب ن ق) ہوگا اور کیج (ک م خ ی ا) سے مراد ہے جہاں اب بھی ایک بڑا میلہ ہوتا ہے جس میں فقط آسام سے نہیں بلکہ بھوٹان تک سے لوگ آتے ہیں۔

(۹) سنار گاؤں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ہندوؤں کے زمانہ سے شرقی بنگال کا دار الخلافہ چلا آتا تھا تاریخ میں اس کا نام اول دفعہ مغیث الدین طغرل کے ذکر میں آتا ہے جب اس نے بلبن سے بغاوت کی تو وہ بھاگ کر سنار گاؤں کی طرف چلا گیا اور وہاں پکڑا گیا۔ اس وقت وہاں کا راجہ دنج رائے تھا بلبن نے اس سے موافقت کر لی تھی۔ یہ علاقہ چونکہ لکھنوتی سے فاصلہ پر تھا اور برسات کے موسم میں پانی اور دریاؤں کی طغیانی سے وہاں جانا دشوار ہوتا تھا اس لیے وہاں کے حاکم خواہ بادشاہان دہلی کی طرف سے ہوتے تھے خواہ شاہان بنگالہ کی طرف سے باغی ہو بیٹھتے تھے۔ چنانچہ ابن بطوطہ کے وقت میں بھی یہ حال تھا فقط یہ فرق تھا کہ سنار گاؤں میں سلطان فخر الدین عرف فخرا باغی ہو کر خود سر ہو بیٹھا تھا اور گور میں علی شاہ اور اس کا کوکہ حاجی الیاس آپس میں کشمکش کر رہے تھے جب یہ شہر بسایا گیا تو برہم پترا اور میگنا کے اتصال کے قریب دونوں کے بیچ میں واقع تھا اور اس طرح سے وہاں سے بنگالہ کے دونوں بڑے دریا کے رستے سے قریب تھے اور اس لیے تجارت اور پائے تخت ہونے کے لحاظ سے اس کی جگہ بہت عمدہ واقع ہوئی تھی اب اس کی جگہ فقط ایک گاؤں "پے نام" بستا ہے اور اکثر کھنڈرات بید کے جنگل میں پوشیدہ ہیں ان بیدوں کے درخت اس قدر گنجان ہیں کہ ان میں پیدل آدمی بھی بہ مشکل جا سکتا ہے۔ یہ شہر ڈھاکہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر اور برہم پترا کے کنارہ سے دو میل کے فاصلے پر اندر کی طرف واقع ہے۔ ۱۵۸۶ء میں وہاں عیسیٰ خاں بادشاہ بنگال اکبر بادشاہ کے حملات کے سبب سے جا رہا تھا۔ اس زمانہ میں ایک انگریز سوداگر رالف فچ ہندوستان میں آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ سنار گاؤں میں تمام ہندوستان میں سب سے عمدہ روئی کا کپڑا تیار ہوتا ہے ابو الفضل بھی آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ وہاں خاصہ کپڑا بہت عمدہ ہوتا ہے۔ اور اس کے پاس ایک قصبہ گیارہ سندور ہے وہاں ایک حوض ہے اس کے پانی کی تاثیر ہے جو کپڑا اس میں دھویا جائے اس میں

عجیب سفیدی اور صفائی آجاتی ہے۔ اس کپڑے کے خریدنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی ایک کوٹھی وہیں بنائی تھی۔ یہ جگہ اب بھی آم اور پان کے لیے مشہور ہے شاہ پسند اور سندوریہ آم بہت اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے اور کافوری پان تمام ہندوستان میں یہاں سے جاتا ہے یہاں کا دہی بھی بہت مشہور ہے۔ شیر شاہ کی مشہور سڑک جو اٹک سے شروع ہوتی تھی اس جگہ ختم ہو جاتی تھی۔ اس جگہ سلطان غیاث الدین اعظم شاہ کا مقبرہ ہے جس نے خواجہ حافظ کو طلب کیا تھا۔

باب (۱۴)

جزائر ہند چینی

(۱) برھنکار

وہاں پہنچتے ہی ہمیں ایک جنک (چینی جہاز) جاوا کے لیے تیار ملا۔ جاوا یہاں سے چالیس دن کا رستہ ہے ہم اس جہاز میں سوار ہوئے اور پندرہ دن کے بعد ملک برھنکار (۱) میں پہنچے یہاں کے باشندوں کے منہ کتوں کی مانند ہیں اور یہ لوگ قوم ہمج میں سے ہیں' نہ ہندو ہیں' نہ مسلمان بانسوں کے گھروں میں رہتے ہیں جن کی چھتیں پھوس کی ہوتی ہیں۔ سمندر کے کنارے پر رہتے ہیں اور کیلا اور چھالیہ اور پان کے درخت اس ملک میں بہت ہیں۔ ان کے مرد ہم جیسے ہیں لیکن ان کے منہ کتوں کے منہ کے مشابہ ہیں مگر عورتوں کے منہ اچھے ہیں اور بہت حسین ہوتی ہیں۔ ان کے مرد بالکل ننگے رہتے ہیں فقط عضو مخصوص اور انثیین کو ایک بانس کی نلی میں جس پر نقش کیے ہوئے ہوتے ہیں' رکھ لیتے ہیں اور اس کو پیٹ پر باندھ لیتے ہیں اور ان کی عورتیں اپنا ستر درختوں کے پتوں سے ڈھک لیتی ہیں۔ ان کے شہروں میں جاوا اور بنگالہ کے مسلمان علیحدہ محلوں میں رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ لوگ چوپایوں کی طرح علی الاعلان جماع کرتے ہیں۔ ایک ایک مرد کے تیس تیس عورتیں ہوتی ہیں نہ کم نہ زیادہ۔ یہ لوگ زنا بھی نہیں کرتے اگر کوئی زنا کرتے ہوئے گرفتار ہو جائے تو مرد کو پھانسی دے دیتے ہیں لیکن اگر وہ

اپنی بجائے کوئی اپنا ہمراہی یا غلام دے دے تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور عورت کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ راجہ کے کل غلام اس سے مباشرت کرتے ہیں' حتیٰ کہ وہ مر جاتی ہے پھر اس کو سمندر میں پھینک دیتے ہیں اور اسی لیے وہ کسی جہاز والے کو اپنی آبادی میں نہیں آنے دیتے لیکن اگر وہ قیام کرنا چاہے تو مضائقہ نہیں اور اکثر ساحل پر آ کر خرید و فروخت کرتے جاتے ہیں۔ جہاز والوں کے واسطے وہ ہاتھیوں پر پانی لے جاتے ہیں کیونکہ ساحل کے پاس میٹھا پانی نہیں ہے اور پانی لانے کے واسطے جہاز والوں کو نہیں جانے دیتے کیونکہ ان کی عورتیں حسین مردوں کو دیکھ کر ان کی طرف راغب ہو جاتی ہیں۔ ہاتھی اس ملک میں بہت ہیں لیکن سوا بادشاہ کے اور کوئی اس پر سوار نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ جہاز والوں سے کپڑا خرید لاتے ہیں۔ ان کی بولی عجیب ہے سوا ان میں رہنے والے اور آمد و رفت رکھنے والے کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا جب ہم پہنچے تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر آئے۔ ہر کشتی ایک لکڑی کے کندے کو کھود کر بنائی ہوئی تھی۔ بادام اور چاول اور پان اور چھالیہ اور مچھلی وہ کشتیوں میں لائے تھے ان کا راجہ ہاتھی پر سوار ہو کر آیا تھا اور وہ ایک چمڑے کی چادر اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے کپڑے بھی بکریوں کی کھال کے بنے ہوئے تھے جن کے بال باہر کی طرف تھے اس کے سر پر ریشم کی تین پٹیاں تین مختلف رنگوں کی بندھی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک بانس کا ہتھیار (حربہ) تھا۔ اس کے ساتھ بیس اس کے رشتہ دار تھے وہ بھی ہاتھیوں پر سوار تھے ہم نے اس کے پاس کالی مرچ' سونٹھ' دار چینی اور مالسپ کی مچھلی اور بنگال کے کپڑے تحفہ کے طور پر بھیجے یہ لوگ کپڑے خود نہیں پہنتے لیکن تہوار کے دن ہاتھیوں کو پہناتے ہیں ہر جہاز جو اس راجہ کے علاقہ میں ٹھہرتا ہے اس کو ایک لونڈی اور ایک غلام اور ہاتھیوں کے واسطے کپڑے اور اس کی رانیوں کے واسطے سونے کا حلقہ اور پاؤں کے چھلے بطور نذر کے دینے پڑتے ہیں۔ اگر کوئی جہاز ان کو یہ نذر نہ دے تو وہ جادو کر دیتے ہیں اور سمندر میں اس جہاز کو طوفان آ گھیرتا ہے۔ یا تو وہ ڈوب جاتا ہے یا مشکل سے بچتا ہے۔ ایک رات کو جب ہم ان کے بندر میں ٹھہرے ہوئے تھے' یہ اتفاق ہوا کہ مالک جہاز کے ایک غلام نے' جو ان لوگوں کے پاس کاروبار کے واسطے آمد و رفت کیا کرتا تھا' عورت سے بات چیت کی اور رات کو ایک غار کے پاس وہ دونوں اپنے وعدے کے موافق ملے۔ عورت کے خاوند کو خبر ہو گئی۔ وہ ان دونوں کو راجہ کے پاس لے گیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس غلام کے خصیے کاٹ ڈالو اور اس کو پھانسی دے دو اور عورت کے واسطے حکم دیا کہ اس کے ساتھ سب حاضرین جماع کریں' حتیٰ کہ وہ مر گئی۔ پھر راجہ ہمارے پاس سمندر کے کنارے پر آیا اور عذر کیا کہ میں اس حکم کے دینے میں اور اس کی تعمیل کرنے میں مجبور تھا لیکن مالک جہاز کو

ایک غلام اس کے عوض دے دیا۔

(۲) جزیرہ جاوا یعنی سماٹرا

وہاں سے چل کر ہم پچیس دن کے سفر کے بعد جزیرہ جاوا (۲) میں پہنچے۔ لوبان جاوی اس جزیرہ کی طرف منسوب ہے۔ آدھے دن کے رستے سے وہ نظر آیا۔ نہایت سرسبز اور تر و تازہ ملک ہے ناریل اور چھالیہ اور لونگ اور عود ہندی اور کٹھل اور آم اور جامن اور نارنج اور کافور کے درخت اس جزیرہ میں بکثرت ہیں وہ لوگ خرید و فروخت قلعی کے ٹکڑوں کے ساتھ کرتے ہیں یا چاندی سونے کے ساتھ جو صاف کیا ہوا نہیں ہوتا (۳)۔ خوشبوئیں اس جزیرہ میں اکثر پیدا ہوتی ہیں لیکن ان میں سے بہت کافروں کے علاقہ میں ہیں مسلمانوں کے علاقہ میں کم ہیں جب ہم بندرگاہ میں پہنچے تو وہاں کے باشندے ہمارے استقبال کے لیے چھوٹے بڑے جہازوں میں بیٹھ کر آئے وہ ناریل اور بادام اور آم اور مچھلی بطور تحفہ کے لائے ان کا دستور ہے کہ یہ چیزیں وہ سوداگروں کے واسطے بطور تحفہ کے لاتے ہیں اور ہر ایک جہاز والا اپنی وسعت کے موافق ان کو صلہ دیتا ہے پھر ہمارے پاس امیر البحر کا نائب آیا اور سب تاجروں سے ملاقات کی اور ہمیں خشکی پر اترنے کی اجازت دی پھر ہم بندرگاہ میں اترے یہ ایک بڑا گاؤں ہے دریا کے کنارے پر گھر بنے ہوئے ہیں اس کا نام سرہا ہے۔ شہر وہاں سے چار میل ہے پھر بہروز نائب البحر نے سلطان کو لکھا اور میرے آنے کی اس کو خبر دی سلطان نے امیر دولسا کو حکم دیا کہ میرا استقبال کرے اور قاضی شریف امیر سید شیرازی اور تاج الدین اصفہانی اور بہت سے فقیہ میری ملاقات کو آئے اور شاہی اصطبل سے ایک گھوڑا لائے اور بھی گھوڑے لائے اور میرے ہمراہی سوار ہو گئے اور ہم سلطان کے دارالخلافہ کی طرف چلے یہ شہر بہت بڑا ہے لکڑی کی فصیل اس کے گرد اور برج بھی لکڑی کے ہیں وہاں کے بادشاہ کا نام ملک ظاہر ہے یہ شخص بہت بڑا فاضل اور سخی ہے شافعی مذہب ہے اور اہل علم سے نہایت درجہ محبت رکھتا ہے اور اس کی مجلس میں ہمیشہ علم و فضل کا چرچا اور تکرار رہتا ہے جہاد بھی اکثر کرتا رہتا ہے متواضع بھی بدرجہ غایت ہے۔ جمعہ کی نماز کے لیے ہمیشہ پیادہ آتا ہے۔ وہاں کے کل باشندے شافعی مذہب ہیں جہاد کے بہت شائق ہیں اور کافروں پر غالب ہیں آس پاس کے کافر ان کو جزیہ دیتے ہیں جب ہم شاہی محل کی طرف چلے اور محل کے قریب پہنچ گئے تو ہمارے دونوں طرف رستے پر نیزے زمین میں گڑے ہوئے تھے یہ اس بات کی علامت تھی کہ جو کوئی سوار ہو کر آئے اس حد سے آگے نہ بڑھے ہم وہاں گھوڑوں سے اترے اور شاہی محل کے چوک میں

داخل ہوئے وہاں ہمیں بادشاہ کا نائب جس کو عمدۃ الملک کہتے ہیں ملا اس نے اٹھ کر ہمیں سلام کیا اور سلام کی جگہ وہ لوگ مصافحہ کرتے ہیں ہمیں اپنے پاس بٹھا لیا اور بادشاہ کے پاس ایک رقعہ لکھ کر جس میں ہمارے آنے کی خبر تھی اس پر مہر لگا کر ایک غلام کو دے دیا اس کی پشت پر جواب آ گیا۔ پھر ایک غلام ایک بقچہ لایا نائب نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک گھر میں لے گیا جس کو وہ فرودخانہ کہتے ہیں یہ اس کے دن کے وقت آرام کرنے کی جگہ ہے کیونکہ نائب صبح کو آتا ہے اور عشاء کے بعد اپنے گھر جاتا ہے اور بڑے بڑے امیر اور وزیر بھی اسی طرح کرتے ہیں وہاں جا کر اس نے بقچے میں سے تین چادریں نکالیں ان میں سے ایک خالص ریشم کی تھی دوسری ریشم اور روئی کی بنی ہوئی تھی اور تیسری ریشم اور کتان کی بنی ہوئی پھر اس میں سے تین اور کپڑے نکالے جس کو تحتانیہ کہتے ہیں اور پھر تین اور کپڑے نکالے جس کو وسطانی کہتے ہیں پھر تین کپڑے ارمک کے نکالے جن میں سے ایک سفید تھا پھر تین عمامے نکالے ان میں سے میں نے ایک چادر تو بجائے پاجامے کے باندھ لی اور ایک ایک کپڑا ہر ایک قسم کا لے لیا اور باقی کپڑے میرے ہمراہیوں نے لے لیے پھر کھانا لائے جس میں زیادہ چاول تھے۔ پھر نبیذ لائے پھر پان لائے جس وقت پان آتا ہے تو گویا یہ علامت رخصت ہونے کی ہوتی ہے پان لے کر ہم اٹھ کھڑے ہوئے نائب بھی ہمارے ساتھ سوار ہو کر آیا اور ہمیں ایک باغ میں لے گیا اس کے گرد لکڑی کی فصیل تھی اور بیچ میں لکڑی کا مکان بنا ہوا تھا اس میں مخمل کا فرش تھا اور بید (۴) کی بنی ہوئی چارپائیاں تھیں اوپر ریشم کے گدیلے اور بچھے بچھے لحاف اور تکیے بھی تھے۔ ہم گھر میں بیٹھ گئے اور ہمارے ساتھ نائب بھی بیٹھ گیا پھر امیر دولہ آیا اور دو لونڈیاں لایا اور دو غلام لایا اور مجھ سے کہا کہ بادشاہ فرماتے ہیں کہ یہ خاطر ہمارے مرتبہ کے مطابق ہے سلطان محمد بادشاہ ہند کی شان کے مطابق نہیں ہے پھر نائب چلا گیا اور امیر دولہ میرے پاس رہا۔ میری واقفیت اس سے پہلے سے تھی کیونکہ وہ ایک دفعہ سلطان کی طرف سے سفیر ہو کر بادشاہ دہلی کے دربار میں گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بادشاہ سے کب ملاقات ہوگی۔ اس نے کہا کہ اس ملک کا یہ دستور ہے کہ کوئی مسافر تین دن تک بادشاہ کے پاس نہیں جا سکتا ہے' جب سفر کی تکلیف رفع ہو جاتی ہے اور اس کے ہوش و حواس درست ہو جاتے ہیں تو اس وقت بادشاہ کے سلام کی اجازت ہوتی ہے۔ ہم تین دن تک ٹھہرے رہے ہمارے لیے ہر روز تین دفعہ کھانا آتا تھا اور صبح اور شام میوے اور نادر چیزیں آتی تھیں۔ جب چوتھا دن ہوا تو وہ جمعہ کا دن تھا امیر دولہ ہمارے پاس آیا اور کہا کہ آج مسجد میں بادشاہ کا سلام ہوگا میں مسجد میں گیا اور جمعہ کی نماز پڑھی بادشاہ کا حاجب قیران میرے ساتھ تھا۔ پھر میں

بادشاہ کے پاس گیا وہاں قاضی امیر سید اور اس کے طالب علم دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ بادشاہ نے میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ میں نے سلام کیا بادشاہ نے مجھے بائیں ہاتھ پر بٹھا لیا اور سلطان محمد بادشاہ ہند اور میرے سفروں کا حال پوچھتا رہا اور میں جواب دیتا رہا۔ پھر فقہ شافعی کے مسائل کا تذکرہ عصر کی نماز کے وقت تک ہوتا رہا بادشاہ عصر کی نماز پڑھ کر ایک حجرہ میں چلا گیا اور اپنے کپڑے اتار دیئے مسجد میں وہ مولویوں کے سے کپڑے پہن کر آیا کرتا ہے اور پیدل آتا ہے پھر شاہی کپڑے پہنے جو روئی اور ریشم کے بنے ہوئے تھے جب مسجد سے نکلا تو ہاتھی اور گھوڑے وہاں کھڑے ہوئے تھے ان کا دستور ہے کہ جب بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوتا ہے تو اس کے اہلکار گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور جب بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو وہ ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور اہل علم اس کی داہنی طرف ہوتے ہیں اس روز سلطان ہاتھی پر سوار ہوا اور ہم سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور محل کی طرف چلے ہم سب دستور کے مطابق جائے مقررہ سے نیچے اتر لیے اور سلطان سواری محل کے اندر گیا محل کے باہر چوک میں وزیر اور امیر اور کاتب اور اہلکار اور فوج کے سردار صف باندھے کھڑے تھے اول صف میں وزیر اور متصدی تھے۔ سلطان کے چار وزیر ہوتے ہیں انہوں نے سلام کیا اور اپنے کھڑے ہونے کی جگہ چلے گئے پھر امیروں کی صف سامنے ہوئی وہ بھی سلام کر کے اپنے کھڑے ہونے کی جگہ چلے گئے پھر مولویوں اور شریفوں کی صف آئی پھر بادشاہ کے مصاحب اور حکیم اور شاعر اور اس کے بعد فوج کے سرداروں کی صف پھر غلاموں کی صف نے سلام کیا سلطان جلوس کے برج کے سامنے ہاتھی پر سوار بیٹھا رہا اس کے سر پر جڑاؤ چھتر تھا۔ بادشاہ کے دائیں ہاتھ پر پچاس سجے سجائے ہاتھی کھڑے تھے اور بائیں طرف بھی اسی قدر ہاتھی تھے۔ ان کے بعد داہنی طرف پچاس گھوڑے اور بائیں طرف بھی پچاس گھوڑے تھے اور ان پر نوبت اور نقارے رکھے ہوئے تھے بادشاہ کے سامنے حاجب کھڑے تھے پھر گانے بجانے والے مرد آئے اور انہوں نے گانا شروع کیا اس کے بعد گھوڑا جس پر ریشمی جل پڑا ہوا تھا اور جس کے پاؤں میں سونے کی جھانجھن اور ریشمی طلاکار رسیاں تھیں سامنے آیا اور بادشاہ کے سامنے ناچا میں نے اس کا ناچ دیکھ کر تعجب کیا ایسا تماشا بادشاہ ہندوستان کے سامنے بھی میں نے دیکھا تھا جب مغرب کا وقت ہوا تو سلطان محل میں داخل ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے سلطان کے ایک بھتیجا تھا اس کی شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہوئی تھی اور وہ ایک امیر کی لڑکی پر عاشق تھا اور اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا اس ملک کا یہ دستور (۵) ہے کہ جب کسی امیر یا رعیت یا بازاری کی لڑکی جوان ہوتی ہے تو سلطان کو خبر دی جاتی ہے سلطان عورتوں کو اس کے دیکھنے کے لیے بھیجتا ہے اگر وہ ان کے پسند آتی تو

سلطان اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے ورنہ اس کے وارث جس کے ساتھ چاہتے ہیں نکاح کر دیتے ہیں۔ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ ہماری لڑکی بادشاہ کو پسند آجائے کیونکہ بادشاہ کا نکاح ہوتے ہی اس کے باپ کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔ جب اس لڑکی کے باپ نے بادشاہ کی اجازت چاہی تو حسب دستور بادشاہ کی طرف سے عورتیں اس کے دیکھنے کو گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نے اس کے ساتھ اپنا نکاح کر لیا۔ اس کے بھتیجے کا عشق اور دونا ہو گیا اور اس کو کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی آخر ایک روز بادشاہ شکار کے لیے باہر گیا تھا اور ایک مہینے کے رستے پر کافروں سے جنگ کر رہا تھا اس کا بھتیجا بغاوت کر کے بادشاہ بن بیٹھا۔ بعض آدمیوں نے اس کے ہاتھ بیعت بھی کر لی اور باقی لوگ اس کے پاس نہ آئے اس کے چچا کو بھی خبر ہوئی۔ اس نے فوراً سماترا کی طرف کوچ کر دیا اس کا بھتیجا جس قدر مال اور خزانہ اس کے ہاتھ لگا وہ اور اپنی معشوقہ کو لے کر مل جاوا کے ملک کی جانب چلا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے شہر کے گرد فصیل بنا دی میں سلطان کے پاس پندرہ دن سماترا میں ٹھہرا پھر میں نے سفر کی اجازت چاہی کیونکہ چین کے سفر کا موسم تھا اور ہر وقت چین کی طرف سفر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ سلطان نے میرے لیے ایک جنک تیار کر دیا اور زاد راہ بھی دیا اور اور بھی سلوک کیا خدا اس کو احسان کی جزا دے اپنے آدمی ہمارے ساتھ کر دیئے جو ہر روز ہماری ضیافت کرتے تھے ہم اس ملک کے کنارے اکیس دن چلتے رہے۔

(۳) مل جاوا

پھر مل جاوا (۶) میں پہنچے اس ملک کے باشندے مسلمان نہیں ہیں اور اس ملک کی درازی دو مہینے کے سفر کے برابر ہے۔ اس میں خوشبوئیں اور قماری اور قاقلی عود پیدا ہوتا ہے اور قاقلہ۔ قمار اس ملک کے علاقے ہیں سلطان ظاہر کے ملک میں سوا لوبان اور کافور اور قلیل لونگ اور قلیل عود ہندی کے اور کوئی خوشبو پیدا نہیں ہوتی۔ یہ چیزیں اکثر مل جاوا میں پیدا ہوتی ہیں میں ہر ایک کی بابت جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے یا دریافت کیا ہے لکھتا ہوں۔ لوبان (۷) کا درخت چھوٹا ہوتا ہے آدم قد کے برابر اور اس سے چھوٹا بھی ہوتا ہے اس کی شاخیں خرشف (۸) کی شاخوں کے مشابہ ہوتی ہیں اور پتے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور پتلے ہوتے ہیں۔ پتے بعض وقت گر جاتے ہیں تو درخت بغیر پتوں کے کھڑا رہتا ہے۔ لوبان اس کا گوند ہوتا ہے جو شاخوں میں سے نکلتا ہے اور وہ ان جزائر میں مسلمانوں کے علاقہ میں بہ نسبت کافروں کے علاقہ کے زیادہ ہوتا ہے۔

کافور (۹) کا درخت بالکل بانس کی مانند ہوتا ہے لیکن پوریاں لمبی اور موٹی ہوتی ہیں اور کافور پوریوں کے اندر سے نکلتا ہے۔ جب بانس کو توڑتے ہیں تو اندر سے کافور نکلتا ہے۔ جب تک کسی حیوان کو درخت کی جڑ میں ذبح نہ کریں تو بانس میں سے کافور نہیں نکلتا اور نہایت عمدہ قسم کا کافور جس میں اس قدر ٹھنڈک ہوتی ہے کہ اگر ایک درہم اس کا کوئی کھالے تو ٹھنڈا ہو کر مر جاتا ہے اور جس کو فرولہ کہتے ہیں بغیر آدمی کے ذبح کرنے کے پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آدمی کی جگہ ہاتھی کا چھوٹا بچہ بھی ذبح کریں تو بھی وہی تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

عود ہندی (۱۰) ایک درخت ہوتا ہے جو بلوط کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کی چھال پتلی ہوتی ہے اس کے پتے بالکل بلوط کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں اور اس کے پھل کچھ نہیں لگتا اس کا درخت پوری طرح سے بڑھنے نہیں پاتا اس کی جڑیں بہت لمبی ہوتی ہیں اور ان میں سے عطر کی خوشبو آتی ہے لیکن لکڑی اور پتوں میں خوشبو نہیں ہوتی مسلمانوں کے ملک میں عود کے کل درخت لوگوں کی ملکیت ہیں لیکن کافروں کے ملک میں اکثر درخت کسی کی ملکیت نہیں قاقلہ میں جو درخت ملکیت کے ہیں وہ سب سے عمدہ عود ہوتا ہے اور اسی طرح قماری عود بھی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اس کو اہل جاوا کپڑے کے عوض خرید کرتے ہیں عود قماری کی ایک قسم ہوتی ہے جس پر موم کی مانند مہر لگ جاتی ہے اس کی جڑ کاٹ کر زمین میں دفن کر دیتے ہیں کئی مہینے تک اس کی قوت باقی رہتی ہے اور اس کو عود عطاس کہتے ہیں یہ قسم سب سے زیادہ عجیب ہے۔

لونگ کا درخت بہت موٹا اور پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ کافروں کے ملک میں بہ نسبت مسلمانوں کے ملک کے زیادہ ہے اور اس قدر کثرت سے ہے کہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ جو لونگیں ہمارے ملک میں لاتے ہیں وہ اس کی لکڑیاں ہیں اور وہ چیز جس کو ہمارے ملک میں نوار القرنفل (۱۱) کہتے ہیں۔ وہ ان کا شگوفہ ہے جو گر پڑتا ہے۔ وہ نارنگی کے گل کے مشابہ ہوتا ہے۔ لونگ کے پھل کو جوز بوا یعنی جائفل کہتے ہیں اور جو گل اس میں ہوتی ہے اس کو بسباسہ یعنی جوتری کہتے ہیں۔ میں نے یہ سب چیزیں دیکھی ہیں۔

اس کے بعد ہم بندر قاقلہ میں پہنچے۔ اس میں بہت سے جہاز تیار کھڑے تھے۔ یہ لوگ سمندر میں چوری کرتے ہیں اور جو جہاز ان کے بندر میں آجائے اور ان کا محصول مقررہ ادا نہ کرے تو اس کی سزا کے لیے بھی یہ جہاز تیار رہتے ہیں۔ یہ شہر بہت خوبصورت ہے۔ ترشے ہوئے پتھر کی فصیل اس کے گرد ہے فصیل اتنی چوڑی ہے کہ اس پر تین ہاتھی برابر چل سکتے ہیں اول ہاتھی جو میں نے شہر کے باہر دیکھا اس پر عود ہندی لدا ہوا تھا یہاں اس کو بطور ایندھن کے استعمال کرتے ہیں اور آپس میں بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں جب یہ لوگ اس کو

سوداگروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تو ایک بوجھ کے عوض رعلی کا ایک کپڑا لیتے ہیں اور رعلی کا کپڑا اس ملک میں ہر قسم کے کپڑے کی بہ نسبت زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے ہاتھی اس شہر میں بہت ہیں اسی پر سوار ہوتے ہیں اور اسی پر بوجھ لادتے ہیں اور ہر ایک شخص کا ہاتھی اس کے دروازے پر بندھا رہتا ہے اور ہر دکاندار کی دکان پر بندھا رہتا ہے جب وہ گھر کو جاتا ہے تو اس پر سوار ہو کر جاتا ہے اور جب بوجھ لاد کر لاتا ہے یا لے جاتا ہے تو اس پر ہی لے جاتا ہے اہل چین کا بھی یہی حال ہے۔

(۴) مل جاوا کا بادشاہ

مل جاوا کا بادشاہ کافر ہے۔ میں نے اس کو محل کے باہر زمین پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ فرش بچھا ہوا نہ تھا اس کا لشکر اور اہلکار سب اس کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ سب پیدل تھے۔ گھوڑا اس ملک میں نہیں ہوتا فقط بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور لوگ ہاتھی پر سوار ہوتے ہیں اور اسی پر سوار ہو کر لڑائی کو جاتے ہیں۔ میرا حال اس کو بتایا تو اس نے مجھے طلب کیا۔ میں آیا اور میں نے کہا **السلام علی من اتبع الهدیٰ**۔ انہوں نے فقط سلام کا لفظ سمجھا اور بہت خوش ہو کر مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے زمین پر فرش بچھوایا اور کہا اس پر بیٹھو میں نے ترجمان سے کہا کہ میں کس طرح فرش پر بیٹھ سکتا ہوں جب بادشاہ زمین پر بیٹھا ہے۔ اس نے کہا کہ بادشاہ کی عادت یہ ہے کہ وہ فقط تواضع کے سبب سے زمین پر بیٹھا کرتا ہے تو مہمان ہے اور ایک بڑے بادشاہ کی طرف سے آیا ہے اس لیے تیری تعظیم فرض ہے میں بیٹھ گیا بادشاہ نے سلطان ہندوستان کا حال دریافت کیا اور فقط مختصر مختصر سوال کیے پھر مجھ سے کہا کہ تین دن تک تو ہمارا مہمان ہے اس کے بعد تجھے جانے کی اجازت ہے اس بادشاہ کے دربار میں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے گلے پر چھری رکھی اور کچھ زبان سے کہا جس کو میں نہیں سمجھتا تھا اور چھری کو مضبوط پکڑ کر ایسا دبایا کہ اس کا گلا صاف کٹ گیا اور سر علیحدہ جا پڑا۔ مجھے نہایت تعجب ہوا۔ بادشاہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارے ملک میں بھی کوئی ایسا کرتا ہے میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بادشاہ سن کر ہنسا اور کہا کہ یہ میرے غلام ہیں مجھ سے اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ اپنی جان کو مجھ پر قربان کرتے ہیں پھر اس کے جلانے کا حکم کیا۔ اس کے جلانے کے واسطے وزیر اور اہلکار اور فوج اور بہت لوگ گئے۔ اس کی اولاد کا وظیفہ بادشاہ نے مقرر کر دیا اور اس کے قربان ہونے کے سبب سے اس کے خاندان کی عزت ہو گئی۔ ایک شخص جو وہاں موجود تھا مجھ سے کہتا تھا کہ اپنا گلا کاٹنے سے پہلے اس نے اس قسم کی گفتگو کی تھی کہ

باپ نے اور باپ سے پہلے دادا نے اپنے تئیں بادشاہ کے باپ اور دادا پر قربان کر دیا تھا۔ اس کے بعد میں دربار سے اٹھ کر چلا آیا اور تین دن تک وہاں رہا۔

(۵) بحر الکاہل

پھر سمندر کا سفر شروع کیا۔ تیں دن سفر کرنے کے بعد ہم بحر الکاہل میں داخل ہوئے۔ اس کا پانی بالکل سیاہ ہے اور اس میں سرخی بھی معلوم ہوتی ہے گمان کرتے ہیں کہ اس کے کنارہ کے ملکوں کی مٹی کے رنگ کے سبب سے پانی کا یہ رنگ ہو گیا ہے نہ اس سمندر میں ہوا ہے نہ موج ہے اور نہ حرکت ہے اور اسی سبب سے ہر جہاز کے ساتھ تین اور جہاز ہوتے ہیں ان سب کو ملاح کھینچتے ہیں تو جہاز چلتا ہے اور بڑے جہاز میں بھی بیس چپو ایک طرف اور بیس دوسری طرف ہوتے ہیں۔ ایک ایک چپو ستون کی مانند ہوتا ہے اور ہر ایک چپو پر تیس تیس آدمی کام کرتے ہیں۔ ہر ایک چپو میں دو بڑی بڑی رسیاں باندھی ہوئی ہوتی ہیں جب ایک جماعت اس کو پکڑ کر کھینچتی ہے اور چھوڑ دیتی ہے تو دوسرے اپنی رسی کو کھینچتے ہیں کھینچنے کے وقت یہ لوگ خوش لفظوں میں گاتے ہیں اور لعلی لعلی کرتے ہیں۔ ہم اس سمندر میں ۳۷ روز تک چلتے رہے۔ جہاز والے تعجب کرتے تھے کہ ہم اتنی جلدی اس سمندر سے کیسے باہر ہو گئے کیونکہ وہ بہت جلدی اس میں سے نکلتے تھے تو بھی ان کو چالیس سے لے کر پچاس دن تک لگ جاتے تھے۔

(۶) طوالسی اور ملکہ اردجا

اس کے بعد ہم طوالسی (۷) کے ملک میں پہنچے۔ بادشاہ کا نام بھی طوالسی ہے۔ یہ ملک بہت وسیع ہے اور وہاں کا بادشاہ چین کے بادشاہ کے ساتھ ہمسری کرتا ہے اور اہل چین ان لوگوں سے ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں اور تھوڑے سے خراج پر صلح کر لیتے ہیں۔ اس [illegible] کے پاس جہاز بہ کثرت ہیں باشندے بت پرست ہیں شکل و صورت میں اچھے ہوتے ہیں ترکوں کے ساتھ بہت کچھ مشابہ ہیں رنگ سرخ ہوتا ہے اور شرافت اور شجاعت ان میں پائی جاتی ہے ان کی عورتیں گھوڑوں پر چڑھتی ہیں اور تیر انداز ہوتی ہیں اور مردوں کے ساتھ ہو کر لڑائی میں جاتی ہیں۔ ہم ان کے بندرگاہ کیلوکری میں ٹھہرے۔ یہ شہر اس ملک میں سب سے بڑا ہے۔ پہلے وہاں بادشاہ کا بیٹا حاکم تھا۔ جب ہمارا جہاز وہاں پہنچا تو ان کی فوج آئی۔ ناخدا بادشاہ کے

بیٹے کے لیے تحفہ لے کر چلا اور اس کا حال دریافت کیا تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ اس کے باپ نے اس کو ایک اور شہر کا حاکم کر دیا اور اس شہر کی حکومت اس کی بہن کے سپرد کر دی اور اس کی بہن کا نام اردوجا ہے ہمارے پہنچنے کے دوسرے دن اس ملکہ نے ناخدا اور کاتب کو اور بڑے بڑے تاجروں کو اور خلیل اور سپہ سالار کو مدعو کیا یہ وہاں کا دستور تھا۔ ناخدا نے مجھ سے کہا کہ تم بھی چلو۔ میں نے کہا کہ میں مشرکوں کا کھانا نہیں کھا سکتا۔ جب سب وہاں حاضر ہو گئے تو ملکہ نے دریافت کیا کہ تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہا۔ انہوں نے کہا کہ ایک قاضی (جس کو وہاں کی زبان میں بخشی (۳) کہتے ہیں) نہیں آیا کیونکہ وہ تم لوگوں کا کھانا نہیں کھاتا۔ ملکہ نے اپنے سپاہ اور ناخدا کے آدمی بھیج کر مجھے بلا بھیجا۔ میں آیا تو دیکھا کہ وہ دربار میں بیٹھی ہوئی ہے اس کے سامنے عورتیں جن کے ہاتھوں میں عرضیاں تھی جو وہ ملکہ کے سامنے پیش کرتی تھیں اس کے روبرو بیٹھی ہوئی تھیں اور عورتیں بھی اس کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔

وہ اس کے وزیر تھے وہ تخت کے نیچے صندل کی کرسیوں پر بیٹھی تھیں ان کے سامنے مرد بیٹھے ہوئے تھے اور تخت کے اوپر ریشم کا فرش تھا ریشم کے پردے لٹک رہے تھے اور وہ تخت صندل کی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اس پر سونے کے پترے لگے ہوئے تھے اور اس پر سونے کے برتن رکھے ہوئے تھے چھوٹے بھی اور بڑے بھی جیسے کہ خم اور مٹکے اور لوٹے۔ ناخدا نے مجھے بتایا کہ ان سب میں شربت ہے جو شکر میں خوشبوئیں ملا کر بناتے ہیں۔ کھانے کے بعد اس کو پیتے ہیں وہ مفرح اور شیریں ہوتا ہے منہ کی بو کھوتا ہے اور کھانے کو ہضم کرتا ہے اور قوت باہ کو زیادہ کرتا ہے۔ جب میں نے ملکہ کو سلام کیا تو اس نے ترکی میں کہا 'خوش مس علمی مس یعنی تم کیسے ہو اور تمہارا حال کیا ہے؟ مجھے ملکہ نے اپنے قریب بٹھا لیا وہ عربی لکھنا اچھی طرح جانتی تھی اپنے ایک خادم سے کہا کہ دوات تنگ کتور۔ یعنی دوات کاغذ لاؤ جب وہ لایا تو اس نے کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی اور مجھ سے کہا کہ یہ کیا ہے میں نے کہا تنگری نام یعنی خدا کا نام ہے۔ ملکہ نے کہا خوش (اچھا) پھر مجھ سے یہ دریافت کیا کہ تو کون سے ملک سے آیا ہے۔ میں نے کہا ہندوستان سے۔ اس نے کہا کالی مرچوں کے ملک سے؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے ہندوستان کا حال مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے اس کو کل حال بتلا دیا۔ کہنے لگی کہ میں اس ملک کو ضرور فتح کروں گی کیونکہ اس کی دولت کا حال سن کر مجھے تعجب آتا ہے۔ میں نے کہا ضرور فتح کرنا چاہیے۔ پھر ملکہ نے حکم دیا کہ مجھے کپڑے اور دو ہاتھی چاول اور دو جاموش اور دس بکریاں اور چار رطل گلاب اور چار بڑے بڑے مرتبان' جن میں ادرک اور مرچ اور لیموں اور آم کے اچار تھے' دیئے جائیں۔ یہ اچار جہاز کے سفر کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ناخدا نے مجھ سے کہا کہ اس ملکہ کے لشکر میں عورتیں ہیں جو مردوں کی مانند لڑائی میں شامل ہوتی ہیں اور وہ خود عورتوں اور مردوں کا لشکر لے کر حملہ کرتی ہے اور دشمن کے ہوش بھلا دیتی ہے۔ میدان جنگ میں آ کر بہادروں کو للکارتی ہے کہ جس کو اس کے ساتھ مقابلہ کرنا ہو باہر آئے۔ ناخدا کہتا تھا کہ ایک دفعہ اس کا مقابلہ دشمن کے ساتھ ہوا اور اس کے لشکر کی بہت سی عورتیں قتل ہو گئیں اور قریب تھا کہ اس کا لشکر بھاگ جائے۔ یہ ملکہ خود آگے بڑھی اور صفیں چیرتی ہوئی مقابل کے بادشاہ تک پہنچ گئی اور اس کے ایک نیزہ مارا وہ مر گیا۔ اس کا سر نیزے کی انی میں اٹکا کر لے آئی' جو اس بادشاہ کے رشتہ داروں نے بہت سی دولت دے کر واپس لیا۔ جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس آئی تو بادشاہ نے اس کو اس شہر کا حاکم بنا دیا۔ کہتے ہیں کہ اکثر شہزادے اس کو نکاح میں مانگتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ میں اس شخص سے شادی کروں گی جو میدان جنگ میں مجھے مغلوب کرے گا اور شہزادے اس ندامت کے خوف سے کہ کہیں مغلوب نہ ہو جائیں۔ اس کے مقابلہ کے لیے آگے نہیں آتے۔



حوالہ جات

(۱) برہنکار۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مراد اس ملک سے اراکان ہے۔ مگ سے مراد قوم مگھ ہے جو اراکان میں رہتی ہے جیسا کہ مگھ سے مگ بنا لیا ہے ممکن ہے کہ برہنکار کے لفظ میں بھی کچھ تغیر و تبدل ہوا ہو اراکان کا قدیم دارالخلافہ میوہانگ تھا۔ اس سے برہنکار بن جانا آسان ہے۔ ابو الفضل لکھتا ہے بنگالہ کے مشرق اور جنوب میں ارخنگ (اراکان) ایک وسیع ملک ہے۔ چاٹگاؤں اس کا بندر ہے ہاتھی بہت ہوتے ہیں اور گھوڑا کم اور چھوٹے قد کا ہوتا ہے۔ اونٹ بہت کمیاب گائے اور بھینسیں نہیں ہوتیں لیکن ایک اور جانور جو رنگ میں ابلق ہوتا ہے کچھ گائے اور کچھ بھینس سے مشابہ ہوتا ہے رنگ میں بھی طرح طرح کا ہوتا ہے یہاں کے باشندے اس کا دودھ پیتے ہیں۔ یہ لوگ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ فقط حقیقی ماں کو چھوڑتے ہیں بہن تک نکاح میں لے آتے ہیں۔ ان کے برہمن راولی کہلاتے ہیں۔ ان کا کہنا مانتے ہیں۔ بادشاہ کے دربار میں مرد نہیں آتے۔ فوج اور ملازموں کی بجائے عورتیں حاضر ہوتی ہیں۔ اس ملک کے پاس پیگو کا ملک ہے۔ اس کو چین کا دارالملک بھی کہتے ہیں۔ (یہ ابو الفضل کی غلطی ہے مکن دارالخلافہ چین اور شہر ہے) ہاتھی بہت ہوتا ہے اور سفید ہاتھی بھی کبھی نظر آجاتا ہے اس ملک کے ایک طرف خشکی ہے اور دوسری طرف سمندر۔ یاقوت اور سونے کی کان اس ملک میں ہے اس میں سے گندھک اور نفت بھی نکلتا ہے قوم مگھ اور پیگو کا اس کان پر جھگڑا رہتا ہے اور اسی کان پر پیگو کے بادشاہ کے ساتھ بھی تکرار رہتی ہے۔

(۲) پہلے زمانہ میں ساطرا اور جاوا دونوں جزیروں کا نام جاوا تھا کل عربی کتابوں میں اس کا نام زابج (ز ا ب ج) استعمال کیا گیا ہے جو جاوا کا معرب ہے۔ آئین اکبری میں بھی یہی نام درج ہے لیکن اس نام کی طرح طرح شکلیں بدل گئیں۔ کاتبان کالمدار نے کہیں اس کو زاتج (ز ا ت ج) کہیں زانج (ز ا ن ج) کہیں رانج (ر ا ن ج) کہیں رابج (ر ا ب ح) لکھ دیا ہے اور اس پر بھی صبر نہیں کیا۔ حرفوں کو آگے پیچھے بھی کر دیا ہے کافور رباحی میں رابجی کا رباجی (ر ا ب ج ی) کر کے آئین اکبری میں رباح فنصور کے بادشاہ کا نام اور صراح میں رباح کو ایک قسم کی بلی لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بھی اصل میں زابج کی طرف اسم منسوب ہے۔ بعض مصنفوں نے ساطرا کو جاوا خرد اور خاص جاوا کو جاوا کلاں بھی لکھا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ساطرا کو چھوٹا جاوا کیوں کہتے ہیں حالانکہ خاص جاوا ساطرا کے ایک ثلث کی برابر ہے اغلباً خاص جاوا کو قدامت کے سبب سے کلاں کہنے لگے ہوں گے ابن بطوطہ کے وقت سے پہلے ساطرا نام کا نہ کوئی شہر تھا اور نہ جزیرہ کو ساطرا کہتے تھے۔ تاریخ شجرات ملایا سے معلوم ہوتا ہے کہ ساطرا کا شہر (جس کی طرف کافور سمندری منسوب ہے دیکھو آئین اکبری) ملک صالح نے آباد کیا تھا اور وہ پہلا بادشاہ تھا جو مسلمان ہوگیا تھا۔ ملک ظاہر جو ابن بطوطہ کا ہمعصر تھا اس کا بیٹا تھا۔ مارکو پولو کے وقت میں جو ابن بطوطہ سے پچاس سال پہلے آیا تھا سوا آکشن کے جہاں اسلام ۱۲۰۵ھ میں داخل ہوا اس جزیرہ کے کل باشندے اور بادشاہ بت پرست تھے۔ لیکن اب ساطرا نام کا کوئی شہر نہیں جس جگہ اب شمال مشرقی ساحل پر پاسی یا پاسم کا شہر ہے وہاں یہ شہر بستا تھا لیکن پھر یہ نام کل جزیرہ کا ہوگیا ہے اور جاوا خرد پچھلے زمانہ میں بھی سمباوا کے جزیرہ کو اور کبھی بالی کے جزیرہ کو جاوا خرد کہہ دیتے تھے ابن بطوطہ کے وقت میں کئی ریاستیں مل کر ایک سلطنت قائم ہوگئی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی بت پرست ریاستیں باقی تھیں جن سے ملک ظاہر لڑتا رہتا تھا۔ ساطرا کا رقبہ ڈیڑھ لاکھ میل مربع کے قریب ہے اور جاوا کا پچاس ہزار کے قریب آبادی ان دونوں جزیروں میں تین کروڑ کے قریب ہے او باشندے کل مسلمان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ جاوا کلاں کے جزیرہ میں نہیں گیا اور مل جاوا کا جو اس نے ذکر کیا ہے اس سے سیام اور کمبوڈیا کا ملک مراد ہے۔ فارسی کتابوں میں ان کل جزائر کا نام جزائر زیباد لکھا ہے کیونکہ یہاں گرم مصالحے اکثر پیدا ہوتے ہیں۔ ساطرا کا جزیرہ لمبا زیادہ ہے اور چوڑا کم ہے۔ اس کے گردے کا اندازہ عربی جہاز رانوں نے سات سو فرسنگ یعنی ۲۴۰۰ میل کے قریب کیا ہوا تھا جو تقریباً صحیح ہے۔ کل لمبائی میں ایک پہاڑ مغربی کنارہ سے زیادہ قریب چلا جاتا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی چودہ ہزار فٹ ہے آب و ہوا معتدل ہے۔ پہاڑ پر ۳۰ درجہ سے زیادہ پارہ نہیں چڑھتا اور میدان میں ۸۰ سے زیادہ نہیں۔ جزیرہ کے اکثر حصے میں دشوار گزار جنگل ہیں۔ دن میں پہلے چار پانچ گھنٹے سمندر سے خشکی کی جانب ہوا چلتی ہے اور پھر چار پانچ گھنٹے خشکی سے سمندر کی طرف اور اسی طرح ہیر پھیر رہتا ہے لیکن بارش کا موسم ہو تو اس میں فرق پڑ جاتا ہے۔ شیر جنگل میں بہت بڑا ہوتا ہے۔ ہاتھیوں کی کثرت ضرب المثل ہے۔ دریائی گھوڑے اکثر دریاؤں میں ہوتے ہیں اور گینڈا دو سینگ والا اسی جگہ ہوتا ہے۔ ایک قسم کی بلی ہوتی ہے جس میں سے زباد کا ناف نکلتا ہے اور اڑنے والی چھپکلی نباتات میں سے ہے دار چینی، عود، لوبان، کافور، دھنیا، سونٹھ وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ بید بہت عمدہ قسم کا ہوتا ہے۔ بید کی چھڑی اس ملک سے

اوڑنا کے جزیرہ سے آتی ہے۔ جزیرہ کے وسط میں سونا پیدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ کوئی چیز ایسی نہیں جو ان جزائر میں پیدا نہ ہوتی ہو۔ جولیس کیے لا تکرایک فرانسیسی مصنف اسی سبب سے ان جزائر کو دنیا کا خلاصہ کہتا ہے۔ عورتیں نہایت پاکدامن اور شرمیلی ہوتی ہیں اور زردوزی کا کام ریشم اور روئی کے کپڑے پر بہت عمدہ کر سکتی ہیں۔ کثرت ازدواج کی اجازت ہے لیکن بہت کم رواج ہے۔ مرد افیون کو بطور حقہ کے پیتے ہیں اور قمار بازی اور مرغ لڑانے کے بھی بہت شائق ہوتے ہیں۔ آبادی کا اندازہ تیس چالیس لاکھ کے قریب کیا گیا ہے۔ اب اکثر جزیرہ اہل ہولنڈ کے ماتحت ہے لیکن دو سو سال ہوگئے مگر وہ یہاں کے باشندوں کو اچھی طرح سے زیر نہیں کر سکے۔ اکثر باشندے مسلمان شافعی مذہب ہیں۔ پہاڑوں میں ایک قوم باتک رہتے ہیں ہمیشہ سے مشہور چلا آتا ہے کہ وہ آدم خور ہیں۔ اسلام اول چھٹی صدی کے شروع میں آچین سے شروع ہوا تھا جو اس جزیرہ کے شمالی راس پر واقع ہے اور وہاں سے تمام جزائر ذیرباد اور ملایا میں عرب تاجروں کی کوشش اور پر امن طریقوں سے تمام باشندوں کا یہی مذہب ہوگیا ہے عیسائی مذہب کو کچھ پرتگیزوں کے تعصب اور بیجا تندی نے اور کچھ تمام ضروری اصول مذہب کے خلاف عقل ہونے نے رائج نہیں ہونے دیا۔

(۳) سونا۔ غیر مسبوک سے مراد وہ سونا ہے جو کان سے نکلا ہے اور پگھلا کر صاف نہیں کیا جاتا ہے سونے کی پیداوار کے لیے ساٹرا بہت عرصہ سے مشہور چلا آتا ہے۔ کرافورڈ صاحب لکھتے ہیں کہ اس جزیرہ سے اب بھی ہر سال ساڑھے ستائیس من کے قریب سونا باہر جاتا ہے۔ والن تائن نے اندازہ کیا ہے کہ آچین سے پچیس ہزار پونڈ یعنی دو سو من سونا باہر جاتا ہے۔

(۴) بید جس کو عربی میں خیزران کہتے ہیں۔ ایک پودا ہوتا ہے جس کے پتے کھجور کے پتوں کے مشابہ لیکن چھوٹے ہوتے ہیں اور پھل بھی ویسا ہی لگتا ہے۔ گول اور چاشنی دار لیکن گلا پکڑنے والا اس کو بعض آدمی کھاتے بھی ہیں یہ پودا کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم کی شاخیں انگوٹھے کے برابر موٹی اور دو دو گرہ ہوتی ہے شاخ پر جو ہر ظاہر ہوتے ہیں یہ قسم اعلیٰ درجہ کی ہے اور ساٹرا و جاوا وغیرہ جزیروں میں ہوتی ہے دوسری قسم بیل کی مانند پھیلتی ہے اور شاخ ذرا پتلی اور خاردار ہوتی ہے۔ اس سے کرسی اور پالکی اور پلنگ وغیرہ بنتے ہیں یہ قسم بنگالہ میں بھی بہ کثرت ہوتی ہے۔ بعض جگہ رسی کا کل کام بید کے چھلکے سے ہی لیتے ہیں تیسری قسم بہت پتلی ہوتی ہے اس میں نہ کانٹا ہوتا ہے اور نہ پھل لگتا ہے

اس کو تراش کر سنگل پائی بناتے ہیں۔ یہ قسم فقط سلہٹ میں دریا کے کنارے پیدا ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض سنگل پائی اس قدر ملائم ہوتی ہے کہ سانپ بھی اس پر سے چلتا پھسلتا ہے۔

(۵) عجیبہ یہ ہی دستور ان ہی الفاظ میں مارکو پولو پچاس برس پہلے چمپا کے ملک کا لکھتا ہے کہ کسی عورت کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک وہ بادشاہ کے پاس حاضر نہ ہولے۔ اگر وہ بادشاہ کو پسند آجاتی ہے اس کو اپنے گھر میں داخل کر لیتا ہے اور اگر پسند نہیں آتی تو اس کو بطور مہر کے کچھ دے کر رخصت کردیتا ہے۔ ۱۲۸۵ء میں جب میں وہاں تھا تو وہاں کے راجہ کے ۳۲۶ بیٹے اور بیٹیاں تھیں جن میں سے ڈیڑھ سو جوان ہتھیار باندھنے والے بیٹے تھے۔" پہلے زمانہ میں چمپا اس ملک کو کہتے تھے جو ٹانکیں اور کمبودیا کے درمیان واقع تھا اور جس کو اب چین کہتے ہیں اور فرانسیسیوں کی عملداری میں واقع ہے۔

(۶) مل جاوا۔ قمار کی بابت کچھ شک نہیں کہ عرب کمبودیا کے ملک کو قمار کہتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مل جاوا سے ابن بطوطہ کی مراد سیام اور کمبودیا کا ملک ہے اور موجودہ جاوا نہیں۔ اس لیے قاقلہ کا شہر بھی اسی ملک میں ہوا اسی ملک کا نام مارکو پولو لواک یا لوکاک لکھتا ہے۔ آئین اکبری میں عود کی ایک قسم عود لوراقی بھی لکھی ہے مگر مل اور جاوا علیحدہ علیحدہ جزیرے پاس پاس واقع ہیں جو ساٹرا کے مشرق میں ہیں یہ سوال حل طلب ہے کہ ابن بطوطہ کی مراد مل جاوا سے جاوا خاص ہے یا کمبودیا و سیام کا ملک۔

(۷) لوبان۔ آئین اکبری میں درج ہے کہ لوبان ایک گوند ہوتا ہے خوشبودار جس کو جاوا کے جزیرہ سے لاتے ہیں بعض کہتے کہ بید اور لوبان ایک چیز ہے خشک بید کو لوبان کہتے ہیں۔ آگ پر رکھنے سے کافور کی طرح اڑ جاتا ہے۔ یمن میں جو لوبان پیدا ہوتا ہے اور اس کو کندر دریائی کہتے ہیں خوشبودار نہیں ہوتا۔ مخزن کا مصنف لکھتا ہے کہ لبان یعنی کندر ایک درخت کا گوند ہے جو حضرموت اور یمن اور عمان میں پیدا ہوتا ہے تعجب ہے کہ اس نے خوشبودار لوبان یعنی لوبان جاوی کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

(۸) خرشف۔ کوئی لغت نہیں خرشف بجائے حلی ایک پودا ہوتا ہے جس کو فارسی میں کنگر کہتے ہیں۔

(۹) کافور کی ماہیت کی بابت جو کچھ ابن بطوطہ نے لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے یہ ممکن ہے کہ لوگوں کے دل میں یہ خیال ہو کہ جب تک قربانی کا خون نہ دیا جائے کافور پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی تصدیق اور ذرائع سے بھی ہوتی ہے اس کی وجہ شاید یہ معلوم ہوتی ہے

کہ سب درختوں میں سے کافور نہیں نکلتا کسی میں سے نکلتا ہے اور کسی میں سے نہیں نکلتا اور چونکہ وہ پہاڑ کی جڑ میں جو سمندر کے کنارے پر ہوتے ہیں پیدا ہوتا ہے اس لیے ہر وقت درخت تک دسترس نہیں ہوتی خاص خاص موسموں میں آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے۔ جب سب درختوں میں نہ ملا تو لوگوں کو تحقیق ہوئی کہ کس میں ملنا چاہیے اور کس میں نہیں اس لیے جہالت کے سبب سے یہ بات بنائی کہ بغیر قربانی چڑھائے کافور کا درخت کافور نہیں دیتا۔ قزوینی محمد بن ذکریا رازی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ "درخت کے اونچے حصہ پر جا کر تنا میں سوراخ کرتے ہیں تو اس میں سے پانی سا نکلتا ہے اور وہ جم جاتا ہے نیچے کے حصوں میں کافور کے ڈلے چھال کے نیچے شگافوں میں پائے جاتے ہیں۔ درخت کی اونچائی دو سو فٹ تک ہوتی ہے اور یہ ڈلے آدھ پاؤ سے لے کر آدھ سیر تک وزن میں نکلتے ہیں۔" سماٹرا اور جاپان میں کافور بہ کثرت ہوتا ہے۔ کافور کا درخت جاوا زابج کے جزیرہ میں اس قدر بڑا ہوتا ہے کہ اس کے سایہ میں سو آدمی آرام کر سکتے ہیں۔ سماٹرا کے مغربی کنارہ پر آچین کے جنوب میں ایک مقام فنصور (ف ن ص و ر) یا پن سور ہے اس کا کافور سب سے اول قسم کا ہوتا ہے۔ عربی کتابوں میں تصحیف کرتے کرتے اس کو قیصوری (قاف اور یے) لکھتے ہیں۔ حمزہ فنصوری ایک مشہور صوفی شاعر ۱۴۵۰ء کے قریب سماٹرا میں گزرا ہے وہ اسی جگہ کا رہنے والا تھا۔ باروس بھی اسی شہر کے علاقہ کا نام ہے۔ آئین اکبری میں عمدہ قیصوری کافور کی قیمت تین روپیہ سے بیس روپیہ فی تولہ تک لکھی ہے اور اس کا دوسرا نام بھیم سینی لکھا ہے اور باروس کو کافور کی ایک ادنیٰ قسم قرار دی ہے لیکن یہ غلطی ہے فنصور اور باروس ایک ہی شہر کا نام ہے۔ وٹمس صاحب ۱۸۸۳ء اپنی کتاب مڈل کنگڈم میں لکھتے ہیں کہ کافور کا درخت چین کے جنوبی صوبوں میں جو دریا کے کنارے واقع ہیں اور فارموسا کے جزیرہ میں ہوتا ہے۔ درخت کے پتے شاخیں جڑ اور لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے سب کو پانی میں بھگو دیتے ہیں اور کئی دن تک رکھتے ہیں جب خوب بھیگ جاتے ہیں اور پانی میں اس کا اثر ہو جاتا ہے تو اس پانی کو آگ پر اڑا کر کافور حاصل کرتے ہیں اس وقت ناصاف کی ہوئی شکر کی شکل کا ہوتا ہے۔ یورپ میں لا کر اس کو صاف کرتے ہیں۔

(۱۰) عود قماری۔ عام خیال یہ ہے کہ راس کماری جو ہندوستان کا جنوبی سرا ہے اس کی طرف یہ عود منسوب ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ کمبوڈیا جو سیام کے مشرق میں ہے اس کو بھی عرب خمار اور قمار کہتے تھے اور وہاں عود کی نہایت کثرت ہے۔

عود اعطاس۔ عطاس عربی میں خوشبو کو کہتے ہیں (منتہی الارب) یہ عود کی جڑ ہوتی ہے۔ مخزن میں لکھا ہے کہ "بعضے حکیم اور حکیم شریف خاں خصوصاً عود اعطاس سے تگ بھنگی مراد لیتے ہیں"۔ لیکن یہ قیاس غلط ہے عطس کے لفظ سے یہ قیاس کیا گیا ہے حالانکہ لغت میں عطاس کے معنی عطر کے ہیں اور عطس کے لفظ سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ صاحب مخزن نے لکھا ہے کہ عود یمنی اگر چیتا (جو سلہٹ میں واقع ہے) اور دکن اور شہر نو (اہل فارس بنکوک دارالخلافہ سیام کو شہر نو کہتے تھے) اور چنپہ (یہ نام علاقہ مشرقی سیام کا ہے جو قمار کے مشرق میں واقع ہے) میں پیدا ہوتا ہے اس کی لکڑی کو زمین نمناک میں دبا دیتے ہیں بکی بکی لکڑی گل جاتی ہے باقی مادہ کو جب نکالتے ہیں تو اس میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے ہندوستان میں بالکل نہیں ہوتا۔ عرب اور ایران میں ہندی اس سبب سے کہتے ہیں کہ ہندوستان سے ہو کر جاتا تھا۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ کسی گجرات کے راجہ نے منگوا کر جاپانیر میں لگوایا تھا وہاں کوئی درخت اس کے وقت میں بھی موجود تھا۔

(۱۱) قرنفل۔ مخزن کا مصنف لکھتا ہے کہ قرنفل کو فارسی میں میخک اور اردو میں لونگ کہتے ہیں اس کا درخت فقط جاوا اور سماٹرا میں ہوتا ہے۔ اس کا درخت بیری کے درخت سے مشابہ ہوتا ہے۔ شاخیں باریک ہوتی ہیں اور جنگلی کی شاخوں کی طرح زمین پر آ پڑتی ہیں۔ اس کے پتے انار کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں دو قسم کا ہوتا ہے ایک بڑا دوسرا چھوٹا۔ بڑے کو نر کہتے ہیں اور چھوٹے کو مادہ۔ نر میں خوشبو اور چرچراہٹ کم ہوتی اور رنگ میں بھی ہلکا ہوتا ہے اور زیادہ مستعمل ہے کیونکہ اس کی تاثیر عمدہ ہوتی ہے بہتر لونگ وہ ہوتا ہے جس کو کوٹنے اور چھانتے میں لکڑی کا مادہ باقی نہ رہے۔ جوزبوا کی بابت مخزن میں یہ درج ہے کہ اس کا درخت اخروٹ کے درخت سے ذرا چھوٹا لیکن اس کے مشابہ ہوتا ہے اور پھل اخروٹ سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے اس کے پھل پر دو غلاف ہوتے ہیں اوپر کا غلاف سبز رنگ اور موٹا ہوتا ہے اس کے بعد ایک غلاف جاوتری کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور سخت غلاف ہوتا ہے اس کے اندر جائے پھل ہوتا ہے۔ ابن بطوطہ کی تحقیق کے مطابق قرنفل اور جوزبوا جائے پھل اور جاوتری تینوں ایک ہی درخت سے حاصل ہوتے ہیں۔ لونگ شگوفہ ہوتا ہے اور جائے پھل اس کا پھل ہوتا ہے اور جاوتری کو پھل کا غلاف لکھا ہے لیکن اصل میں کچھ کچھ دونوں غلطی پر ہیں۔ مخزن کی یہ غلطی ہے کہ اس نے لونگ کو پھل لکھا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ پھل کے کھلنے سے پہلے ایک درخت کا شگوفہ ہوتا ہے۔ ابن بطوطہ کی غلطی یہ ہے کہ وہ جائفل اور لونگ کا ایک درخت بتاتا ہے حالانکہ دونوں کے درخت علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

(۲) طوالسی ۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کون سا ملک ہے۔ کرنل یول نے اپنی کتاب حالات ختا میں قیاس کیا ہے کہ اس نام کا کوئی ملک نہیں ہو سکتا شک ظاہر کیا ہے کہ ابن بطوطہ نے سنا سنایا غلط حال اس ملک کی بابت لکھ دیا لیکن یہ گمان درست معلوم نہیں ہوتا۔ میری رائے میں یہ ملک اغلبا" ٹانکن تھا اور وہاں ضرور کوئی مغل شہزادی قوبلا خاں کی اولاد میں ہوگی کیونکہ قوبلا نے اپنے بیٹوں کو جن میں سے بارہ تو نکاحی عورتوں سے تھے چین کے ہر صوبے پر حاکم مقرر کیا ہوا تھا اور اپنے ایک بیٹے طغان کو ٹانکن کے رستہ سے سیام کے فتح کرنے کو بھیجا تھا۔ اروجاتز کی لفظ ہے اس کے معنے "چھاونی کا پیدا ہوا ہوا" ہیں اس شہزادی کے حالات قاید و خاں ترکستان کی بیٹی کے حالات سے جس کا نام آئے یار وق یعنی ماہ تاباں تھا بہت کچھ مشابہ ہے اس نے عہد کیا تھا کہ میں اس شہزادے کے ساتھ شادی کروں گی جو مجھے لڑائی میں مغلوب کرے گا اور اگر وہ مغلوب ہو جائے گا تو شہزادی کو سو گھوڑے دے گا سنا ہے کہ اس نے اس طرح دس ہزار گھوڑے جیتے تھے اور جب تک وہ زندہ رہی کوئی اس کو مغلوب نہ کر سکا۔ رشید الدین نے اس کا نام قتلون لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس نے ایک خط میں غازان بادشاہ ایران کے ساتھ جو اس کا چچا زاد بھائی تھا نکاح کرنے کا وعدہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ میں تیرے سوا کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کروں گی لیکن اس کے باپ نے اجازت نہ دی۔ یہ قاید و خاں قاشین بن اوکتائی خاں کا بیٹا تھا اور ترکستان کا بادشاہ تھا وہ ۷۰۱ھ میں مر گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہزادی بھی اسی خاندان کی تھی اور چونکہ اس کی زبان ترکی تھی اس لیے اس میں تو کلام نہیں ہو سکتا کہ وہ شہزادی چینی یا اس ملک کی متوطن نہیں تھی اور اغلبا" مغل تھی۔ ابن بطوطہ کے اس بیان کا کہ وہاں کا بادشاہ چین سے ہمسری کرتا ہے اور اہل چین ان سے ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں اس سے زیادہ مطلب نہیں کہ یہ شاہزادہ باغی ہو گیا ہو گا اور ایسا ہونا اس زمانے میں غیر اغلب نہیں تھا کیونکہ چین میں مغلوں کی سلطنت ان دنوں میں لڑکھڑا رہی تھی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ چین سے نکال دیئے گئے۔ میری رائے میں طوالسی کا لفظ کاتب کی غلطی سے کوانسی کی بگڑی ہوئی شکل ہو اور ایسا ہونا بہت آسان ہے۔ ٹانکن اور کاشن کے صوبے کے بیچ میں کوانسی کا صوبہ ہے جو سمندر کے ساحل پر جزیرہ ہینان کے سامنے واقع ہے۔ کوانسی کے شہر سے کاشن کا وہ فاصلہ جو ابن بطوطہ نے لکھا ہے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

(۳) بخشی ۔ یہ لفظ اصل میں بھکشو ہے یعنی بودھ مذہب کا پادری جو بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں اور اس لیے بھکشو کہلاتے ہیں۔ روضۃ الصفا اور وصاف میں یہ لفظ اکثر آتا ہے اور فارسی داں نہیں جانتے کہ یہ لفظ کس زبان کا ہے بخشی بخش سے مشتق ہے کیونکہ وہ فوج کی تنخواہ تقسیم کرتا ہے۔

باب (۵)

چین

(۱) چین کے دریا

طوالسی کے ملک سے چل کر سترہ دن کے بعد ہم چین کے ملک میں پہنچے ہوا موافق تھی جہاز بہت جلدی چلے۔ چین کا ملک بہت وسیع اور زرخیز۔ زراعت اور سونا چاندی اور میووں (۱) کی پیداوار میں کوئی ملک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک دریا اس کے بیچ میں سے گزرتا ہے' اس کو آب حیات (۲) اور سرو بھی کہتے ہیں۔ اسی نام کا دریا ہندوستان میں بھی ہے۔ خان بالق کے پاس ایک پہاڑ ہے' وہاں سے یہ دریا (۳) ہے۔ اس پہاڑ کو کوہ بوزنہ کہتے ہیں۔ چھ مہینے کے رستہ وہ چین کے وسط میں سے گزرتا ہے اور صین الصین کے شہر پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ نیل مصر کی مانند اس کے کنارہ پر برابر دیہات اور کھیت اور باغ اور بازار بنتے چلے گئے ہیں اور آبادی مصر کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے اور جھاڑ بہ کثرت لگی ہوئی ہیں۔ چین کی قند مصر کی قند سے بڑھ کر ہے اور انگور اور خوبانی بہ کثرت ہے میں سمجھتا تھا کہ عثمانی خوبانی جو دمشق میں پیدا ہوتی ہے اس کے برابر خوبانی تمام دنیا میں نہ ہوتی ہو گی لیکن چین کی خوبانی اس سے بھی افضل ہے۔ وہاں خربوزہ بھی عجیب ہوتا ہے خوارزم اور اصفہان کے خربوزہ کے مشابہ ہوتا ہے جس قدر میوے ہمارے ملک میں پیدا ہوتے ہیں چین میں ان سے بہتر ہوتے ہیں۔ گیہوں وہاں بہت اچھا ہوتا ہے اور یہاں کے گیہوں کی برابر میں نے بڑا دانہ کہیں نہیں دیکھا اور یہی حال مسری اور چنے کا ہے۔

(۲) چینی کے برتن

ظروف چینی فقط زیتون (۳) کے شہر میں بنتے ہیں یا چین کلاں میں اور یہ پہاڑ کی مٹی ہوتی ہے جو آگ میں کوئلہ کی مانند جلتی ہے اس میں پتھر ملاتے ہیں اور تین دن تک آگ دیتے ہیں پھر ان پر پانی چھڑک دیتے ہیں یہ سب مٹی بن جاتی ہے پھر اس کو سڑاتے ہیں جو چینی سب سے اچھی ہوتی ہے اس کا خمیر پورے ایک مہینے میں اٹھتا ہے۔ زیادہ نہیں اور ادنیٰ درجہ کی دس دن میں نکالی جاتی ہے۔ یہ برتن وہاں ایسے ارزاں ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں مٹی کے بلکہ اس سے بھی زیادہ ارزاں ان کو ہندوستان اور تمام ولایتوں میں لے جاتے ہیں حتیٰ کہ مغرب تک لے جاتے ہیں اور برتن نہایت نفیس ہوتے ہیں۔

(۳) چین کے مرغ

چین کی مرغیاں اور مرغے بطخ سے بھی زیادہ بڑے ہوتے ہیں مرغیوں کے انڈے بھی چین میں بطخ کے انڈوں سے بڑے ہوتے ہیں لیکن وہاں کی بطخ چھوٹی ہوتی ہے میں نے ایک مرغی خریدی اور اس کو پکانا چاہا تو ایک دیگچی میں اس کی گنجائش نہ ہوئی آخر دو دیگچیوں میں پکایا۔ مرغا شتر مرغ کی برابر ہوتا ہے اور اکثر اس کے پر نوچے ہوئے ہوتے ہیں تو سرخ سرخ گوشت کا بوٹا معلوم ہوتا ہے۔ چینی مرغا اول ہی اول میں نے کولم کے شہر میں دیکھا تھا میں نے اس کو شتر مرغ کا بچہ خیال کیا تھا اور یہ سن کر کہ وہ مرغا ہے میں نے کمال تعجب کیا۔ میرے دوست نے کہا کہ چین میں اس سے بھی بڑا ہوتا ہے جب میں چین میں پہنچا تو اس کی بات کی تصدیق ہو گئی۔

(۴) مذہب و حکومت

اہل چین کافر ہیں بتوں کو پوجتے ہیں اور مردوں کو ہندوؤں کی طرح جلاتے ہیں۔ چین (۴) کا بادشاہ تاتار ہے اور چنگیز خان کی اولاد (۵) میں سے ہے۔ چین کے ہر ایک شہر میں مسلمانوں کی بستی ہے۔ وہ بستی علیحدہ ہوتی ہے ان میں جامع مسجد اور چھوٹی مسجدیں ہوتی ہیں۔ چین میں

مسلمانوں کی توقیر اچھی ہے(۹)۔ چینی کافر سور اور کتے کا گوشت کھاتے ہیں اور بازاروں میں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے باشندے مرفہ الحال ہیں لیکن کھانے پینے میں بہت جزرس ہیں۔ ایک بڑا سوداگر جس کی دولت کی کچھ انتہا نہیں روئی کے کپڑے کا جبہ پہنے پھرتا ہے زیادہ تر وہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں تکلف ظاہر کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص عصا رکھتا ہے اور اس کو ٹیک کر چلتا ہے۔ چینی کہتے ہیں کہ عصا ہماری تیسری ٹانگ ہے۔

(۵) ریشم

ریشم (۷) وہاں بہ کثرت پیدا ہوتا ہے کیونکہ ریشم کا کیڑا پھلوں سے چمٹا رہتا ہے اور ان کو کھاتا رہتا ہے' اس لیے ان کی پرورش میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ فقیر اور مسکین بھی ریشمی کپڑے پہنتے ہیں اور اگر غیر ملکیوں کے سوداگر نہ خریدتے تو ریشم سے زیادہ کوئی بے قدر چیز چین میں نہ ہوتی۔ روئی کے ایک کپڑے کے مبادلہ میں ریشم کے کئی کپڑے آتے ہیں۔

(۶) کرنسی نوٹ

وہاں کے کافروں کا دستور ہے کہ جس قدر چاندی اور سونا اس کے پاس ہوتا ہے۔ اس کو پگھلا کر اس کا ڈلا بنا لیتا ہے۔ قنطار سے زیادہ نہ کم اور اس کو اپنے دروازہ پر رکھ چھوڑتا ہے اگر کسی کے پاس ایسے پانچ ڈلے ہوتے ہیں تو وہ اپنے ہاتھ میں ایک انگشتری پہنتا ہے اور اگر دس ہوں تو دو انگشتریاں اور جس کسی کے پاس پندرہ قنطار ہوں تو اس کو ستی کہتے ہیں' جیسے کہ مصر میں کارم یعنی ساہوکار کہتے ہیں۔ ایک قنطار کے ڈلے کو برکالہ کہتے ہیں اہل چین درہم یا دینار کے ذریعے سے خرید و فروخت نہیں کرتے بلکہ سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کے ڈلے بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں (۸) کے ذریعے سے خرید و فروخت کرتے ہیں۔ یہ کاغذ کا ٹکڑا کف دست کی برابر ہوتا ہے اور بادشاہ کے مطبخ اس پر مہر لگاتے ہیں۔ ایسے پچیس کاغذوں کو بالشت کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ لفظ دینار کے معنے میں مستعمل ہے جب یہ کاغذ کثرت استعمال سے یا کسی اور طرح پھٹ جاتا ہے تو وہ اس کو دار الضرب میں لے جاتے ہیں اور اس کے عوض نیا لے آتے ہیں اور وہ دے آتے ہیں اور واپس کرنے میں ان کو کچھ دینا نہیں پڑتا کیونکہ جو لوگ اس کام پر مقرر ہیں ان کو سرکار سے تنخواہ ملتی ہے۔ یہ دار الضرب ایک بڑے درجہ کے امیر کی تحویل میں ہے جب کوئی شخص بازار میں درہم یا دینار لے کر خرید و فروخت کرنے جاتا ہے تو درہم یا دینار نہیں چلتے لیکن وہ درہم اور دینار کے عوض یہ کاغذ لے سکتا ہے اور ان کے عوض جو چیز چاہے خرید سکتا ہے۔

(۷) مٹی کا ایندھن

اہل چین اور خطا مٹی کے کوئلہ (۹) کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ مٹی اس سیاہ کھریا مٹی کی مانند ہوتی ہے جس کو اندلس میں طفل کہتے ہیں اور اس کا رنگ بھی ویسا ہی ہوتا ہے ہاتھی پر لاد کر یہ مٹی لاتے ہیں اور کوئلہ کی مقدار کے موافق اس کے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور آگ میں ڈال دیتے ہیں تو وہ کوئلہ کی طرح جلتے ہیں۔ اس کی راکھ کو گوندھ لیتے ہیں اور سکھا کر اس کو پھر جلانے کے کام میں لاتے ہیں اور اسی طرح کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ بالکل نیست ہو جاتی ہے اس مٹی سے چینی کے برتن بھی بناتے ہیں اور اس میں پتھر بھی ملاتے ہیں۔

(۸) صناعت و تصویر کشی

اہل چین صنعت اور دستکاری میں تمام دنیا میں مشہور ہیں چنانچہ یہ ان کا وصف مبالغہ کے ساتھ کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ تصویر (۱۰) کھینچنے کے بارہ میں نہ تو فرنگی اور نہ کوئی اور قوم ان کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ یہ لوگ اس فن میں کمال کرتے ہیں۔ میں ان کے کسی شہر میں سے نہیں گزرا جب کہ میں واپس آیا تو اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی تصویر دیواروں پر اور کاغذوں پر جو بازاروں میں لٹکائے ہوئے تھے بنی ہوئی نہ پائی۔ جب ہم بادشاہ کے شہر میں پہنچے اور مصوروں کے بازاروں میں سے ہو کر بادشاہ کے محل میں پہنچے اور ہم نے عراقیوں کی مانند کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جب میں شام کو محل سے واپس آتا ہوا اس بازار میں سے گزرا تو میں نے اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی تصویریں ایک کاغذ پر بنی ہوئی پائیں' جو بازار میں ایک دیوار پر لگا ہوا تھا۔ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کی تصویر دیکھ کر تعجب کرتا تھا کہ ذرا سا بھی فرق نہیں۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے ان کو ہماری تصویریں بنانے کا پہلے سے حکم دے رکھا تھا۔ یہ مصور محل میں آگئے تھے اور ہم بھی وہیں تھے وہ شخص دیکھتے رہے اور ہماری تصویریں تیار کرتے رہے اور ہمیں خبر بھی نہ ہوئی۔ ہر ایک شخص جو ان کے بازار میں سے گزرتا ہے ان سب کی تصویر یہ لوگ تیار کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی مسافر کسی سبب سے ان کے ملک سے بھاگ جائے تو اس کی تصویر اور ملکوں میں بھیج دیتے ہیں اور جہاں کہیں وہ ملتا ہے اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ ابن جزی جس نے اس سفرنامہ کو ترتیب کیا ہے۔ بیان کرتا ہے کہ شاپور ذوالاکتاف بادشاہ فارس کے ساتھ بھی اس طرح ایک حادثہ گزرا تھا کہ وہ بھیس بدل کر روم میں چلا گیا اور وہاں کے

بادشاہ کی دعوت میں شامل ہو گیا اس کی تصویر کسی برتن پر تھی قیصر کے کسی ملازم نے وہ دیکھ کر معلوم کیا کہ یہ تصویر اس شخص سے ملتی ہے اس نے قیصر سے کہا کہ شاہ فارس ہماری مجلس میں موجود ہے اس کے آگے جو قصہ ہے وہ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے۔

(۹) جہازوں کی سواریوں اور مال کا شمار

اہل چین کا دستور ہے کہ جب کوئی جہاز ان کے بندر سے چلتا ہے تو حاکم بحری اور اس کے منشی جہاز میں آکر تیر اندازوں اور نوکروں اور ملاحوں کے نام اور تعداد لکھ لیتے ہیں اور اس کے بعد سفر کی اجازت دیتے ہیں جب وہ جہاز چین کو واپس آتا ہے تو پھر شمار کرتے ہیں اگر کوئی شخص کم ہوتا ہے تو اس کے مرنے یا فرار ہونے کا ثبوت جہاز کے مالک سے طلب کرتے ہیں اگر وہ پیش کر دیتا ہے تو خیر ورنہ اس پر مواخذہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ کام کر چکتے ہیں تو جہاز کے مالک کو کہتے ہیں کہ جس قدر مال اس کے پاس ہے ہر ایک چیز کی تفصیل لکھائے اس کے بعد تمام سواریاں اتر جاتی ہیں اور اہلکار ہر ایک شخص کے مال کی تلاشی لیتے ہیں اگر کوئی ذرا بھی غلطی معلوم ہوتی ہے یا کوئی مال چھپایا جاتا ہے تو کل جہاز کو ضبط کر لیتے ہیں۔ ایسا ظلم میں نے کسی جگہ نہیں دیکھا لیکن ہندوستان میں اس کے قریب قریب ظلم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پوری تفصیل نہ بتائے اور مال چھپا لائے تو اس سے گیارہ گنا محصول لیتے ہیں۔ بادشاہ نے جب کل محصول معاف کر دیئے تو یہ قاعدہ بھی جاتا رہا۔

(۱۰) فندق یعنی سرائے

جب کوئی مسلمان سوداگر چین میں پہنچتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ خواہ وہ کسی مسلمان کے پاس جو اس ملک میں متوطن ہو ٹھہر جائے یا سرائے فندق (۹) میں ٹھہرے اگر کسی بیتی مسلمان سوداگر کے پاس وہ ٹھہرتا ہے تو اس کے مال کی فہرست تیار کی جاتی ہے اور وہ سوداگر اس کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ اس مال میں سے چینی سوداگر جس قدر ضرورت ہو خرچ کئے جاتا ہے جب یہ سوداگر چین سے واپس جاتا ہے تو اپنے مال کا جائزہ لیتا ہے اگر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے چینی سوداگر نے کچھ ضائع کر دیا ہے تو اس کو پورا کرتا ہے اگر وہ سوداگر فندق میں ٹھہرتا ہے تو اپنا کل مال فندق کے مالک کے سپرد کر دیتا ہے اگر وہ کنیزک رکھنا چاہتا ہے تو وہ بھی خرید دیتا ہے اور فندق کے بیچ میں ایک ایسا گھر اس کو مل جاتا ہے جس کا دروازہ سرائے میں ہوتا ہے اور ان دونوں کے خرچ کے لیے سوداگر اس کو روپیہ دیتا ہے۔ کنیزکیں اس سے۔ میں

بہت ارزاں ہیں۔ اہل چین عموماً اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا بیچنا عیب نہیں سمجھتے لیکن یہ قاعدہ ہے کہ اگر وہ چین سے باہر نہ جانا چاہیں تو مجبور نہیں کی جاتیں اور اگر جانا چاہیں تو کوئی ان کو روک نہیں سکتا اگر سوداگر نکاح کرنا چاہتا ہے تو نکاح کر لیتا ہے لیکن کسی طرح سے اس کو اپنا مال ضائع نہیں کرنے دیتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ گوارا نہیں کہ مسلمانوں کے ملکوں میں ہم بدنام ہوں کہ فلانا سوداگر چین میں گیا تھا وہ اپنا مال ضائع کرا آیا ہے۔ چین کے ملک میں مسافر کے لیے اس قدر امن ہے کہ شاید ہی کسی ملک میں ہو اگر کوئی اکیلا شخص لاتعداد مال لے کر نو مہینے تک سفر کرتا ہوا چلا جائے تو بے خوف جا سکتا ہے اور اس ملک میں یہ انتظام ہے کہ ہر شہر میں فندق (سرائے) ہوتی ہے۔ ہر فندق میں ایک حاکم مع سوار اور پیادوں کے رہتا ہے۔ مغرب یا عشا کے بعد حاکم سرائے کے اندر آتا ہے اس کے ساتھ ایک منشی ہوتا ہے جس قدر مسافر سرائے میں ہوتے ہیں سب کے نام لکھ لیتا ہے اور اس کاغذ پر مہر لگا دیتا ہے اور سرائے کے قفل لگا دیتا ہے صبح کو پھر آتا ہے وہی منشی اس کے ساتھ ہوتا ہے ہر ایک آدمی کا نام لیا جاتا ہے اور اس کے اسباب کی فہرست بنتا ہے پھر کئی آدمی ان کے ساتھ کرتا ہے وہ ان کو دوسری منزل پر پہنچا دیتے ہیں اور دوسری سرائے کے حاکم سے رسید لے آتے ہیں کہ کل مسافر مع اسباب کے پہنچ گئے اگر وہ رسید نہیں لاتے تو ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ چین کلاں سے خان بالق تک ہر منزل میں یہی عمل کرتے ہیں ان سراؤں میں ہر ضروریات میسر ہو سکتی ہیں ہر قسم کے کھانے کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں خصوصاً مرغیاں اور بطخ بہ کثرت ملتی ہیں لیکن بکری کم۔

(۱۱) زیتون

اب ہم اپنے سفر کا حال بیان کرتے ہیں۔ سمندر کو قطع کر کے جس شہر میں ہم اول ہی اول داخل ہوئے وہ زیتون (۱۲) کا شہر تھا۔ اس شہر میں زیتون نام کو نہیں ہوتا بلکہ تمام چین اور ہندوستان کے ملک میں زیتون نہیں ہوتا لیکن اس شہر کا نام ہی زیتون ہے یہ بہت بڑا شہر ہے اس میں کمخواب اور اطلس جس کو زیتونیہ (۱۳) کہتے ہیں بناتے ہیں۔ خنسا اور خان بالق کے کپڑے سے زیادہ نفیس ہوتا ہے۔ اس شہر کا بندرگاہ بھی دنیا کے بڑے بندرگاہوں میں سے ہے۔ اس میں 'میں نے سو جہاز بڑے بڑے دیکھے' چھوٹے جہاز شمار سے باہر تھے۔ سمندر کی ایک کھاڑی دور تک خشکی میں چلی گئی ہے اور بڑی نہر سے جا ملی ہے۔ اسی کھاڑی میں یہ بندرگاہ ہے۔ چین کے تمام ملک میں ہر ایک گھر کے ساتھ باغ اور زمین ہوتی ہے اور بیچ میں

گھر ہوتا ہے جیسا کہ سجلماسہ میں مغرب کے ملک میں ہوتا ہے اور اسی سبب سے چین کے شہر بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں مسلمان علیحدہ محلّے میں رہتے ہیں۔ جب میں اس شہر میں پہنچا تو مجھے وہ امیر مل گیا جو بادشاہ کی طرف سے تحائف لے کر ہندوستان گیا تھا اور ہمارے ساتھ واپس آیا تھا اور اس کا بھی جہاز ٹوٹ گیا تھا اس نے مجھے سلام کیا اور مجھے صاحب دیوان کے پاس لے گیا جس نے مجھے ایک نفیس مکان میں ٹھہرا دیا قاضی تاج الدین اردبیلی جو ایک بڑا فاضل تھا اور شیخ الاسلام کمال الدین عبداللہ اصفہانی جو ایک بزرگ تھے اور بڑے بڑے سوداگر میرے ملنے کے لیے آئے شرف الدین تبریزی بھی آیا یہ ان سوداگروں میں سے ہے جن سے میں نے ہندوستان میں پہنچنے کے وقت قرض لیا تھا اور پھر ان کا قرضہ ادا کر دیا تھا یہ شخص حافظ قرآن ہے اور اکثر تلاوت کرتا رہتا ہے جب کوئی مسلمان ان سوداگروں کے پاس آتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کافروں کے ملک میں رہتے ہیں اور اسلام کے ملک کی خبر سن کر باغ باغ ہو جاتے ہیں اور اس کو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب واپس جاتا ہے تو بہت دولت مند ہو جاتا ہے اس شہر میں مشائخ میں سے برہان الدین گازرونی ہے ان کی خانقاہ شہر کے باہر ہے اور جو سوداگر منت شیخ ابو اسحاق گازرونی کی مانتے ہیں وہ سب شیخ برہان الدین کو ادا کرتے ہیں جب صاحب دیوان نے میری خبر سنی تو اس نے قاآن کو جو ان کا بڑا بادشاہ ہے میرے آنے کا حال لکھ دیا کہ میں بادشاہ ہند کی طرف سے آیا ہوں جواب آنے پر میں نے صاحب دیوان سے کہا کہ میرے ساتھ کوئی آدمی کر دیا جائے جو مجھے چین کلاں دکھلا لائے۔ یہ بھی اسی کے علاقہ میں ہے اس نے یہ درخواست منظور کی اور اپنے آدمی میرے ساتھ کر دیے۔ وہ مجھے لے گئے میں نہر میں ایک جہاز پر سوار ہوا یہ جہاز ہمارے جہازوں کے مشابہ تھا مگر ملاح لوگ اس میں کھڑے ہو کر چپو مارتے ہیں اور جہاز کے بیچ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور سواریاں اگلے اور پچھلے حصوں میں ہوتی ہیں اور جہازوں پر ایک کپڑے کا سائبان کھڑا کرتے ہیں جو کتان کے کپڑے کے مشابہ ہوتا ہے لیکن کتان نہیں ہوتا اور بھنگ کے سن سے زیادہ باریک ہوتا ہے اس نہر میں ہم ستائیس دن تک سفر کرتے رہے اور ہر روز ظہر کے وقت ایک گاؤں کے باہر لنگر ڈال دیتے تھے اور وہاں کل ضروریات خرید کر لیتے تھے اور ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور شام کو دوسرے گاؤں میں پہنچ جاتے تھے۔

(۱۴) چین کلاں (کانٹن)

اسی طرح سفر کرتے ہوئے ہم چین کلاں (۱۴) میں پہنچے جس کو صین الصین بھی کہتے ہیں۔

اس میں چینی کے برتن بنتے ہیں اور یہاں سے آب حیات کا دریا سمندر میں گرتا ہے۔ اس کو مجمع البحرین کہتے ہیں۔ یہ شہر چین کے شہروں میں سب سے بڑا ہے اور اس کے بازار بھی اور شہروں سے بڑے ہیں سب سے بڑا بازار چینی ظروف کا ہے یہاں سے چینی کے برتن چین کے اور شہروں میں اور ہندوستان میں اور یمن میں لے جاتے ہیں شہر کے وسط میں ایک بڑا مندر ہے اس کے نو دروازے ہیں۔ ہر دروازہ کے اندر چبوترے اور دالانیں ہیں جس پر اس دروازہ کے باشندے بیٹھتے ہیں دوسرے اور تیسرے دروازہ کے بیچ میں اندھوں اور اپاہجوں کے لیے مکانات بنے ہوئے ہیں ان کو مندر کی آمدنی سے خوراک اور پوشاک ملتی ہے اور اسی طرح سے ہر دروازہ کے اندر مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اندر جا کر ایک ہسپتال بیماروں کے واسطے ہے اور ایک باورچی خانہ ہے۔ اس پر طبیب اور خادم نوکر ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے کہ جو آدمی بڈھے ہو جاتے ہیں اور کما نہیں سکتے ان کو یہاں کھانا اور کپڑا ملتا ہے اور لاوارث بیواؤں اور یتیموں کو بھی۔ کسی بادشاہ نے یہ مندر بنا دیا اور اس شہر اور قرب و جوار کے دیہات اور باغات کی آمدنی اس پر وقف کر دی تھی۔ اس بادشاہ کی تصویر اس مندر میں رکھی ہوئی ہے چینی اس کو پوجتے ہیں۔ اس شہر کے ایک طرف مسلمان رہتے ہیں ان کی مسجد جامع اور خانقاہ اور بازار علیحدہ ہیں اور ایک قاضی اور شیخ الاسلام بھی ہے چین کے ہر ایک شہر میں شیخ الاسلام ہوتا ہے مسلمانوں کے کل معاملات اس کے سپرد ہوتے ہیں اور قاضی تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے میں اوحد الدین سنجاری کے پاس ٹھہرا تھا یہ شخص نہایت دولت مند اور فاضل ہے۔ میں اس کے پاس چودہ دن ٹھہرا قاضی اور مسلمان ہر روز میرے پاس آتے تھے اور دعوت کرتے تھے اور اس دعوت میں قرآن خواں اور راگ گانے والے طلب کیے جاتے تھے اس شہر کے آگے کوئی شہر مسلمان یا کافروں کا نہیں ہے اور یاجوج ماجوج (۱۵) کی دیوار وہاں سے ساٹھ دن کے رستہ پر ہے۔ کہتے ہیں کہ وہاں خانہ بدوش کافر رہتے ہیں انسان کو کھا جاتے ہیں اور اس لیے ان کے ملک میں کوئی نہیں جاتا نہ مجھے ایسا شخص کوئی ملا جس نے یہ دیوار دیکھی ہو اور نہ کوئی ایسا شخص ملا جس نے اس دیوار کو دیکھنے والے کو دیکھا ہو جب میں چین کلاں میں تھا تو میں نے سنا یہاں ایک بوڑھا شخص رہتا ہے جو دو سو برس کا ہے نہ وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ قضائے حاجت کو جاتا ہے نہ عورت کے پاس جاتا ہے حالانکہ اس کی کل طاقتیں برقرار ہیں اور وہ شہر کے باہر ایک غار میں رہتا ہے اور اس میں عبادت کرتا ہے۔ میں غار کی جانب گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ غار کے دروازہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ دبلا پتلا تھا' رنگ نہایت سرخ تھا اور عبادت کے نشان اس کے چہرے سے ظاہر تھے' داڑھی بالکل نہیں تھی۔ میں نے سلام کیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور

سو گئی کہ ترجمان سے کہا کہ یہ شخص دنیا کے دوسرے کنارے کا ہے اور ہم اس کنارہ کے ہیں پھر مجھ سے کہا تجھے یاد ہے کہ تجھے ایک جزیرہ میں ایک شخص ملا تھا جو دو بتوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور جس نے تجھے دس دینار دیے تھے۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا میں وہی ہوں۔ میں نے اس کا ہاتھ چوما اور میں سوچنے لگا کہ وہ فوراً غار میں چلا گیا اور پھر نہ نکلا گویا کہ وہ یہ بات کہہ کر شرمندہ ہو گیا۔ ہم انتظار کے بعد غار کے اندر گئے تو وہاں بھی نہ ملا۔ اس کا ایک آدمی ملا اس نے ہمیں بالشت دیے اور کہا کہ یہ تمہاری ضیافت ہے چلے جاؤ۔ ہم نے کہا کہ ہم اس کا انتظار کریں گے اس نے کہا کہ اگر بیس سال بھی ٹھہرے رہو گے تو اس کو نہ دیکھ سکو گے کیونکہ اس کا دستور ہے کہ جب کوئی شخص اس کے بھید پر واقف ہو جاتا ہے تو اس کو پھر نظر نہیں آتا اور تو یہ گمان نہ کر کہ وہ تیرے پاس سے غیر حاضر ہے بلکہ وہ تیرے پاس ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا میں نے نہایت تعجب کیا اور میں چلا آیا میں نے جا کر یہ کل بات قاضی اور شیخ الاسلام اور اوحدالدین سے کی انہوں نے کہا کہ مسافروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتا ہے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا مذہب کیا ہے اور جس شخص کو تو نے اس کا آدمی سمجھا تھا وہ بھی وہی تھا وہ کہتے تھے کہ یہ شخص پچاس برس تک یہاں سے غائب رہا اب ایک سال سے پھر آیا ہے بادشاہ اور وزیر اور امیر اس کی زیارت کو آتے ہیں ان کو بیش قیمت تحفہ دیتا ہے اور فقیر بے شمار آتے ہیں ان کو بھی ہر ایک کو بقدر حاجت دیتا ہے حالانکہ اس کے غار میں کوئی چیز نظر نہیں آتی وہ اگلے زمانہ کی باتیں کرتا ہے اور ہمارے پیغمبر کا بھی ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں اس وقت میں ہوتا تو ان کی مدد کرتا۔ خلیفہ عمر بن الخطاب اور خلیفہ علی ابن ابی طالب کی بہت تعریف کرتا ہے لیکن یزید کو برا کہتا ہے اور معاویہ کو بھی اچھا نہیں جانتا ان سب نے اس فقیر کی عجیب عجیب باتیں بیان کیں۔ اوحدالدین نے کہا کہ ایک روز میں اس کے پاس گیا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تو مجھے یہ نظر آیا کہ میں ایک بڑے عالیشان محل میں کھڑا ہوں اور اس میں ایک تخت پر یہ فقیر بیٹھا ہوا ہے اس کے سر پر تاج ہے اور خوبصورت لونڈیاں اس کے دونوں طرف کھڑی ہیں اور نہریں بہتی ہیں ان میں درختوں سے پھل گرتے ہیں ایک سیب میں نے اٹھا لیا اور اس کو کھانا چاہا تو میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے تئیں غار میں فقیر کے سامنے کھڑا ہوا دیکھا فقیر ہنستا تھا میں اس کے بعد کئی مہینے بیمار رہا پھر میں اس کے پاس کبھی نہیں گیا۔ اس ملک کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ وہ مسلمان ہے لیکن کسی نے اس کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا روزہ تو بارہ مہینے رکھتا ہے قاضی کہتا ہے کہ میں نے ایک دفعہ اس فقیر کو کہا کہ نماز کا وقت آ گیا اس نے کہا تو نہیں جانتا کہ میں کیا کرتا ہوں میری نماز تمہاری نماز بھی نہیں ہے۔ غرض کہ اس کی ہر ایک بات عجیب ہے۔ دوسرے دن میں واپس تنجان کے شہر کی طرف چلا اور جب تنک میں وہاں پہنچا تو قاآن کا حکم آ چکا تھا کہ مجھے دربار میں بھیج دو خواہ خشکی کے رستہ چلوں خواہ نہر کے رستہ میں نے کہا کہ میں (۱۲) نہر کے رستہ جاؤں گا۔ میرے واسطے ایک جہاز تیار کیا گیا جو امیروں کی سواری کے قابل تھا۔ حاکم نے ہمارے ساتھ اپنے آدمی کر دیے اور اس نے اور قاضی نے اور مسلمان سوداگروں نے بہت سا زاد راہ ہمارے ساتھ کر دیا۔ ہماری ضیافت ہوتی گئی۔ ایک گاؤں میں ہم دن کا کھانا کھاتے تھے اور دوسرے میں شام کا۔

(۱۳) قن جن فو

دس دن کے سفر کے بعد ہم قن جن فو (۱۷) کے شہر میں پہنچے۔ یہ بہت بڑا شہر ہے۔ ایک وسیع میدان میں واقع ہے اور اس کے چاروں طرف باغات ہیں۔ وہ غوطہ (۱۸) دمشق کے مشابہ ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں کا قاضی اور شیخ الاسلام اور مسلمان سوداگر نوبت اور نقارے اور گانے بجانے والے لے کر ہمارے استقبال کو آئے اور گھوڑے بھی لائے ہم سوار ہو گئے قاضی اور شیخ الاسلام بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے باقی سب آدمی پیادہ تھے۔ شہر کا حاکم اور اس کے اہلکار بھی ہمارے استقبال کو باہر آئے کیونکہ وہ اپنے بادشاہ کے مہمان کی توقیر و تعظیم بہت کرتے ہیں۔ ہم شہر میں داخل ہوئے۔ اس شہر کی چار فصیلیں ہیں۔ اول اور دوم فصیل کے درمیان بادشاہ کے غلام اور چوکیدار یعنی پاسبان رہتے ہیں۔ دوسری اور تیسری فصیل کے درمیان لشکر اور حاکم شہر رہتا ہے۔ تیسری فصیل کے اندر مسلمانوں کی آبادی ہے اور اس جگہ ہم شیخ ظہیر الدین قرلانی کے مکان میں ٹھہرے اور چوتھی فصیل کے اندر چینی رہتے ہیں۔ یہ آبادی سب سے زیادہ ہے۔ اس شہر کے چار دروازہ ہیں ہر دروازہ کے درمیان تین تین میل کا فاصلہ ہے ہر ایک شخص کا باغ اور گھر اور زمین ایک ہی جگہ ہے میں ایک دن ظہیر الدین قرلانی کے گھر میں تھا ناگاہ ایک عالی شان فقیر کا جہاز آیا اور میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ مولانا قوام الدین سبتی آتے ہیں مجھے تعجب ہوا کہ یہ کون شخص ہے جب وہ داخل ہوا اور سلام کے بعد ہم بیٹھے تو میرے دل میں گزرا کہ میں اس شخص کو پہچانتا ہوں اور میں اسے غور سے دیکھنے لگا اس نے کہا آپ ایسے دیکھ رہے ہیں گویا مجھے پہچانتے ہیں میں نے کہا آپ کون سے شہر کے ہیں۔ اس نے کہا کہ سبتہ کا۔ میں نے کہا کہ میں طنجہ کا رہنے والا ہوں۔ اس نے مجھے پھر سلام کیا اور رو پڑا۔ میں بھی رو پڑا۔ میں نے کہا آپ کبھی ہندوستان گئے تھے کہا

ہاں میں دہلی میں گیا تھا جب اس نے یہ کہا تو مجھے یاد آگیا اور میں نے کہا تو بشری ہے اس نے کہا ہاں وہ دہلی میں اپنے ماموں ابو قاسم مرسی کے ساتھ گیا تھا اور اس وقت بالکل نوجوان بلا ریش تھا بہت ذہین طالب علم تھا موطا اس کو ازبر یاد تھی۔ میں نے بادشاہ ہند سے اسکا سلام کرایا تھا۔ بادشاہ نے اس کو تین سو دینار بھی دیے تھے اور اس سے کہا تھا کہ دہلی میں ٹھہر جاؤ لیکن اس نے انکار کیا تھا اور وہ چین کا ارادہ کرتا تھا چین میں آکر وہ نہایت مالدار اور شاندار ہوگیا۔ مجھ سے کہتا تھا کہ میرے پاس پچاس غلام ہیں اور اسی قدر کنیزکیں ہیں اس نے دو غلام اور دو کنیزکیں میرے لیے بھیجیں اور تحفے بھیجے پھر میں اس کے بھائی سے سوڈان کے ملک میں ملا مجھے دونوں بھائیوں کے درمیان اس قدر مسافت سے تعجب ہوا میں قن جن فو کے شہر میں چودہ دن ٹھہرا اور وہاں سے چل پڑا۔ چین کے شہر اگرچہ بہت خوبصورت ہیں لیکن میرا دل نہ لگتا تھا کفر کا زور تھا اور جب میں گھر سے نکلتا تھا تو بہت سی مکروہ چیزیں دیکھنی پڑتی تھیں اس لیے میرا دل کھٹا ہوگیا اور میں اکثر گھر میں بیٹھا رہا کرتا تھا اور فقط ضرورت کے لیے باہر جاتا تھا جب مسلمان نظر آتے تھے تو طبیعت خوش ہوتی تھی۔ یہ فقیہ میرے ساتھ چار منزل تک گیا اور یہ اسکی عین شرافت بیوم قطلو تک مجھے چھوڑ کر آیا یہ ایک چھوٹا شہر ہے اکثر فوجی اور بازاری چینی اس میں رہتے ہیں اور اس میں مسلمانوں کے فقط چار گھر ہیں جو فقیہ بشری کے تعلقہ دار ہیں میں ان میں سے ایک گھر میں اترا اور تین دن وہاں ٹھہرا چوتھے دن فقیہ ہم سے رخصت ہوگیا اور میں حسب دستور کشتی میں بیٹھ لیا اور حسب دستور ایک گاؤں میں دوپہر کا کھانا کھاتے تھے اور دوسرے میں شام کا۔

(۱۴) خنسا

ستر دن کے سفر کے بعد خنسا (۱۴) کے شہر میں پہنچے۔ اس شہر کا نام وہی ہے جو عرب کی ایک شاعر عورت کا ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ لفظ عربی ہے یا اتفاق سے ایک ہی لفظ دونوں زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ شہر اس قدر بڑا ہے کہ اس سے بڑا شہر میں نے تمام دنیا میں نہیں دیکھا۔ اس کی لمبائی تین منزل ہے اور عمارت کا ڈھنگ وہی چین کا ڈھنگ ہے ہر ایک شخص کے گھر کے ساتھ باغ اور زمین ہے اس شہر کے چھ حصے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں کا قاضی فخر الدین اور شیخ الاسلام اور عثمان بن عفان مصری کی اولاد جو یہاں کے مسلمانوں میں سب سے بڑے ہیں اور جو سفید علم اور نوبت اور نقارہ بھی رکھتے ہیں' میرے استقبال کو آئے اور اس شہر کا حاکم اپنے ساز و سامان کے ساتھ باہر آیا۔ ہم شہر میں داخل ہوئے۔ بیرونی فصیل کے اندر چھ شہر بستے ہیں۔ ہر ایک شہر کی فصیل علیحدہ علیحدہ ہے پہلے شہر میں چوکیدار اور پاسبان اور ان کا حاکم رہتا ہے۔ قاضی نے اور' اور آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ وہ تعداد میں بارہ ہزار ہیں۔ رات کو ہم ان کے حاکم کے پاس اس کے گھر میں رہے۔ دوسرے دن ہم دوسرے شہر میں گئے اس شہر میں یہودی اور نصاریٰ اور ترک جو سورج کو پوجتے رہتے ہیں ان کی تعداد بھی بہت بڑی ہے۔ اس شہر کا حاکم چینی ہے دوسری رات ہم اس کے پاس رہے تیسرے دن ہم تیسرے شہر میں داخل ہوئے اس میں مسلمان رہتے ہیں ان کے بازار اور گھر مسلمانوں کے شہروں کی طرح باترتیب ہیں۔ شہر میں مسجدیں بکثرت ہیں جب ہم داخل ہوئے تو موذن ظہر کی اذان دے رہے تھے ہم عثمان بن عفان مصری کے بیٹوں کے گھر جا کر ٹھہرے یہ ایک بڑا سوداگر تھا اس کو یہ شہر اچھا معلوم ہوا۔ یہیں سکونت اختیار کی اور اسی شہر سے منسوب اور مشہور ہوگیا اس کے بیٹے بھی صاحب مرتبہ ہیں۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح فقیروں اور مساکین کو بہت کچھ دیتے ہیں ان کی ایک خانقاہ ہے جس کو عثمانیہ کہتے ہیں اس کی عمارت بہت عالیشان ہے اور اوقاف بھی اس کے متعلق بہت سے ہیں اس میں صوفی رہتے ہیں اس عثمان نے اس شہر میں جامع مسجد بھی بنوائی ہے اور اس کے متعلق بھی بہت سے اوقاف کر دیے تھے اس شہر میں مسلمانوں کی جماعت بہت بڑی ہے اور ہم ان کے پاس پندرہ دن ٹھہرے ہر رات اور دن کو ہماری ضیافت علیحدہ علیحدہ شخصیتوں کے گھر ہوتی تھی اور جو کھانے ایک شخص کھلاتا' دوسرا اس سے نئے کھانے تیار کرواتا تھا اور ہر روز ہم کو سوار کر کے سیر کراتے تھے۔ ایک روز ہم سیر کرتے ہوئے چوتھے شہر میں گئے وہ دارالحکومت ہے وہاں کا حاکم قرطی اس شہر میں رہتا ہے جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو میرے ہمراہی مجھ سے علیحدہ علیحدہ ہوگئے اور وزیر مجھے ملا اور وہ مجھے قرطی کے گھر لے گیا اور اس نے وہاں مجھ سے وہ جبہ جو مجھے شیخ جلال الدین تبریزی نے دیا تھا' لے لیا۔ اس کا مفصل حال میں بیان کر چکا ہوں۔ اس شہر میں فقط بادشاہ کے غلام اور خادم رہتے ہیں اور چھ شہروں میں یہ شہر سب سے زیادہ خوبصورت ہے اس میں تین نہریں گزرتی ہیں ایک نہر بڑی نہر کی شاخ ہے اور اس میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اس شہر میں آتی ہیں اور کھانے کی چیزیں اور جلانے کے پتھر لاتی ہیں۔ سیر کے لیے ان کے علاوہ چھوٹی کشتیاں ہوتی ہیں۔ بادشاہی گل کا چوک شہر کے بیچ میں ہے۔ یہ میدان بہت وسیع ہے حاکم کا گھر اس کے بیچ میں اور چاروں طرف میدان ہے۔ اس میں دالان بنے ہوئے ہیں جن میں کاریگر اچھا اچھا کپڑا اور ہتھیار تیار کرتے ہیں۔ امیر قرطی نے ان کی تعداد سولہ سو بتلائی تھی یہ فقط استادوں کی تعداد تھی۔ ہر ایک استاد کے ساتھ تین تین چار چار شاگرد تھے۔ یہ سب قاآن کے غلام ہیں ان کے

چوڑوں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور ان کے قصر کی شاہی سے باہر ہیں وہ بازاروں تک جا سکتے ہیں لیکن دروازوں پر نہیں جا سکتے اور اس میں سے سو سو ہر روز امیر کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ جب کوئی غیر حاضر ہوتا ہے تو امیر اس کو طلب کرتا ہے یہ دستور ہے کہ جب کوئی غلام دس سال تک خدمت کر چکتا ہے تو اس کی بیڑی دور کر دی جاتی ہے پھر اس کو اختیار ہوتا ہے کہ خواہ وہ بلا قید کام کرتا رہے خواہ جس جگہ چاہے قاآن کی عملداری میں جا رہے' مگر عملداری سے باہر نہیں جا سکتا۔ پچاس برس کی عمر کے بعد کام سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کا گزارہ مقرر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے ہر شخص کا گزارہ مقرر ہو جاتا ہے' خواہ وہ غلام ہو یا نہ ہو اور جو آدمی ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو اس کو بچہ سمجھتے ہیں اور اس پر کوئی حکم جاری نہیں ہوتا۔ بوڑھوں کی تعظیم چین میں بدرجہ غایت کی جاتی ہے اور اس کو آطا یعنی باپ کہتے ہیں۔ امیر قرطی چین میں امیر الامرا ہے۔ اس نے اپنے گھر میں ہماری ضیافت کی ضیافت کو وہ لوگ طوی کہتے ہیں۔ اس میں شہر کے سب بڑے بڑے آدمی آئے مسلمان باورچی بلوائے گئے۔ انہوں نے ذبح کر کے گوشت پکایا یہ امیر کبیر اپنے ہاتھ سے ہم کو کھانا کھلاتا تھا اور گوشت کے ٹکڑے کر کے دیتا جاتا تھا۔ اس نے تین دن تک ہماری مہمانی کی اور اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ دریا تک بھیجا ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے اور امیر کا بیٹا دوسری میں امیر کے بیٹے کے ساتھ اہل طرب اور گانے بجانے والے بھی تھے وہ چینی اور فارسی اور عربی زبان میں راگ گاتے تھے امیر کا بیٹا فارسی راگ کو بہت پسند کرتا تھا۔ جب گانے والے فارسی گیت گاتے تھے تو امیر کا بیٹا فرمائش کرتا تھا کہ پھر گاؤ۔ فارسی اشعار جو وہ گاتے تھے میں نے یاد کر لیے ہیں۔ اس کا سر بہت دل آویز تھا۔

اشعار

تا دل بہ محبت دادیم   در بحر فکر افتادیم
چوں در نماز استادیم   قوی بہ محراب اندر دیم

نہر کی اس شاخ میں بہت سی کشتیاں تھیں ان کے مستول رنگے ہوئے تھے اور بادبان ریشم کے تھے اور کشتیوں پر طرح طرح کے نقش تھے اہل کشتی ایک دوسرے پر لیموں اور نارنج پھینکتے تھے شام کو ہم امیر کے گھر میں واپس آئے اور رات کو وہاں آرام کیا اہل طرب بلائے گئے انہوں نے عجیب عجیب راگ گائے۔

(۱۵) شعبدہ باز

اس رات کو شعبدہ باز بھی آئے۔ وہ قاآن کے غلام تھے۔ امیر نے ان سے کہا کہ ہمیں کوئی عجیب تماشا دکھاؤ۔ ان میں سے ایک شخص نے لکڑی کا گیند (۲۰) ہاتھ میں لیا۔ اس میں سوراخ تھے اور ان سوراخوں میں لمبے لمبے تسمے بندھے ہوئے تھے۔ شعبدہ باز نے گیند کو آسمان کی طرف پھینکا۔ گیند نظر سے غائب ہو گیا ہم محل کے چوک میں کھڑے تھے گرمی کا موسم تھا جب اس کے ہاتھ میں تسمے تھوڑے سے باقی رہ گئے تو اس نے اپنے شاگرد کو اشارہ کیا وہ تسمے پکڑ کر لٹک گیا اور ہوا میں چڑھنے لگا اور ہماری نظروں سے غائب ہو گیا اس نے اپنے شاگرد کو پکارا۔ جب وہ تین دفعہ آواز دینے کے بعد نہ بولا تو شعبدہ باز نے غصہ ہو کر اپنے ہاتھ میں چھری لی اور وہ بھی تسمے کے ساتھ لٹک گیا اور وہ بھی نظروں سے غائب ہو گیا اور اوپر سے پہلے تو شاگرد کا ہاتھ آ کر پڑا اور پھر اس کی ٹانگ پھر دوسرا ہاتھ پھر دوسری ٹانگ پھر اس کا دھڑ اور سر آ پڑا اور اس کے بعد استاد نیچے اتر آیا اور نتھنوں سے پھنکاری مارتا تھا اور اس کے کپڑے خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ اس نے امیر کے سامنے آ کر زمین کو بوسہ دیا اور چینی زبان میں کچھ کہا۔ امیر نے اس کو انعام دینے کا حکم کیا۔ اس کے بعد اس نے شاگرد کے اعضاء جمع کر کے ان کو جوڑ دیا اور ٹھوکر ماری' تو وہ شاگرد پھر پورا آدمی بن کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے ایسا تعجب آیا کہ مجھے ویسا ہی خفقان ہو گیا جیسے جوگیوں کا تماشہ دیکھ کر ہوا تھا اور مجھے بادشاہ ہند نے ایک دوا پلائی تھی' جس سے میں ہوش میں آ گیا تھا۔ قاضی فخر الدین جو میرے پہلو میں کھڑا تھا مجھے کہا کہ نہ تو کوئی چڑھا نہ اترا اور نہ کوئی عضو کاٹا گیا اور یہ سب نظر بندی تھی۔

(۱۶) بانس کی رکابیاں

صبح کو ہم پانچویں شہر میں گئے یہ سب سے بڑا شہر تھا اس میں عوام رہتے تھے اس کے بازار بہت عمدہ تھے اور ہر ایک صنعت والے اس میں رہتے تھے۔ اس شہر میں خساوی کپڑا تیار کرتے ہیں اور طباق بھی عجیب بناتے ہیں جن کو دست (طشت) کہتے ہیں۔ یہ طشت بانس (۲۱) کے بنائے جاتے ہیں۔ نہایت کاریگری سے بانس کے ٹکڑے جوڑے جاتے ہیں اور سرخ چمکنے والے گوند کا روغن اس پر چڑھاتے ہیں دس طباق ایک دوسرے میں رکھے ہوتے ہیں اس قدر پتلے ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے کو ایک طباق نظر آتا ہے اور اس پر ایک ڈھکنا ہوتا ہے جو سب کو ڈھک لیتا ہے بانس کی رکابیاں بھی بناتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اوپر سے ان رکابیوں کو پھینک دو تو ٹوٹتی نہیں اور اگر گرم کھانے ان میں ڈال دو تو وہ اینٹھتی ہیں نہ ان کا رنگ بدلتا ہے یہ رکابیاں وہاں سے ہندوستان اور خراسان اور دیگر ممالک میں لے جاتے ہیں جب ہم

اس شہر میں پہنچے تو وہاں رات کو رہے اور امیر کی طرف سے ہماری مہمانی ہوئی۔ دوسرے روز ہم ایک دروازہ میں داخل ہوئے جس کو کشتی بانوں کا دروازہ کہتے ہیں۔ یہ پچھلے شہر کا دروازہ ہے اور اس میں ملاح اور ماہی گیر اور جولاہے اور نجار (درودگر) اور سپاہی تیر انداز اور پیادے رہتے ہیں۔ یہ سب موہیں اور سب بادشاہ کے غلام ہیں ان کے سوا اس شہر میں کوئی اور شخص نہیں رہتا۔ ان کی تعداد بھی بہت ہے یہ شہر بڑی نہر کے کنارے پر ہے وہاں بھی ہم رات کو رہے اور امیر کی طرف سے ہماری مہمانی ہوئی امیر قرطی نے ہمارے لیے ایک جہاز تیار کرایا اور زاد راہ اور دیگر ضروری اشیا سب اس میں رکھی گئیں اور امیر کے نوکر ہماری مہمانی کرنے کے لیے اس میں موجود تھے اس شہر سے جلد ہم نے کوچ کیا یہ چین کا سب سے آخر شہر ہے اس کے بعد ختا کا ملک شروع ہوتا ہے یہ ملک بھی بہت آباد ہے کوئی چپہ بھر زمین آبادی سے خالی نہیں کیونکہ اس ملک میں دستور ہے کہ اگر زمین کا کوئی قطعہ غیر آباد رہ جائے تو اس زمین کے مالک سے یا قرب وجوار کی زمین کے مالکوں سے اس کا محصول لیا جاتا ہے۔ خنسا سے لے کر شہر خان بالق تک نہر کے دونوں کناروں پر گاؤں اور باغ ہی باغ پے در پے نظر آتے ہیں اور یہ فاصلہ چونسٹھ دن کا رستہ ہے اس علاقہ میں کوئی مسلمان نہیں مسافر مسلمان نظر آتے ہیں لیکن مقیم کوئی نظر نہیں آتا اور جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی شہر نہیں یا تو گاؤں ہیں اور یا کھیت اور باغ' جن میں میوے اور لیکھر ہوتی ہے۔ میں نے دنیا میں کوئی ملک اس قدر آباد نہیں دیکھا ہاں انبار سے عانہ تک جو چار منزل کا رستہ ہے وہ اسی قسم کا تھا۔ ہم ہر رات کسی گاؤں میں ٹھہر جاتے تھے اور وہاں ہمیں ضیافت دی جاتی تھی۔

(۱۷) خان بالق

اس کے بعد ہم شہر خان بالق میں پہنچے اس شہر کو خانقو (۲۲) بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر قاآن کا دارالحکومت ہے اور قاآن چین اور ختا کا بادشاہ ہے۔ جب شہر سے دس میل ورے ہم لنگر ڈال کر کھڑے ہو گئے امیر البحر کو ہماری بابت لکھا گیا۔ جب وہاں سے اجازت آ گئی تو ہم بندر میں داخل ہوئے اور ہم شہر میں اترے یہ شہر بھی دنیا کے بڑے شہروں میں سے ہے اور چین کے شہروں کی طرح اس کی ترتیب نہیں ہے یعنی باغ اور کھیت شہر کے اندر نہیں بلکہ ہمارے شہروں کی طرح باغ باہر ہیں اور بادشاہ کا محل اس کے بیچ میں ہے میں شیخ برہان الدین صاغرجی کے پاس ٹھہرا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے پاس بادشاہ ہندوستان نے چالیس ہزار دینار بھیجے تھے اور ان سے ہندوستان آنے کی درخواست کی تھی اور شیخ نے ہندوستان جانے سے انکار کر دیا تھا

لیکن نذر قبول کر کے اس سے اپنا قرضہ ادا کر دیا تھا اور پھر چین کو چلے آئے تھے۔ یہاں قاآن نے ان کو تمام مسلمانوں کا شیخ بنا کر صدر جہاں کا خطاب دیا تھا۔ قاآن اس ملک میں بادشاہ کا خطاب ہے جیسا کہ لورستان کے بادشاہ کو اتابک کہتے ہیں اور قاآن کا نام پاشائی تھا اور کافروں میں کسی بادشاہ کا اتنا ملک وسیع نہیں ہے جس قدر اس بادشاہ کا ہے اس کا محل شہر کے وسط میں ہے۔ اکثر مکانات رنگے ہوئے اور نقش آمیز لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی ترتیب عجیب ہے۔ اس محل میں سات دروازوں کے بعد داخل ہوتے ہیں پہلے دروازے پر کوتوال بیٹھا رہتا ہے وہ دربانوں کا افسر ہے اور دروازہ کے دونوں طرف داہنے اور بائیں چبوترے ہیں جن پر پہرہ دار بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ لوگ محل کے دروازہ کے نگہبان ہیں وہ گنتی میں پانچ سو ہیں کہتے ہیں کہ پہلے ایک ہزار تھے۔ دوسرے دروازہ پر سپاہی تیر انداز بیٹھے رہتے ہیں ان کی تعداد بھی پانچ سو ہے تیسرے دروازہ پر نیزہ دار وہ بھی پانچ سو ہیں۔ چوتھے دروازہ پر تیغ دار جن کے پاس تلوار اور ڈھالیں ہوتی ہیں۔ پانچویں دروازہ پر وزیر کا محکمہ اس میں بہت سے دالان اور کمرہ ہیں۔ سب سے بڑے کمرہ میں ایک اونچی شہ نشین پر وزیر بیٹھا رہتا ہے اس کو مسند کہتے ہیں۔ وزیر کے سامنے ایک بڑی دوات سونے کی بنی ہوئی رکھی رہتی ہے اس کے سامنے کاتب السر یعنی پرائیویٹ سیکرٹری کا کمرہ ہے اور اس کے دائیں ہاتھ کی طرف ایلچیوں کے محکمہ کے متصدیوں کا کمرہ ہے اور وزیر کے کمرہ کے دائیں ہاتھ کی طرف محکمہ متفرقہ کے متصدی بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کمروں کے مقابل چار اور کمرہ ہیں ایک کو دیوان الاشراف کہتے ہیں جس میں مشرف یعنی کنٹرولر جنرل بیٹھتا ہے اور دوسرے میں دیوان بقایا جو امیروں اور عاملوں سے ان کے علاقوں اور جاگیروں کی بقایا وصول کرتا رہتا ہے اور تیسرے کمرہ میں دیوان استغاثہ وہاں ایک بڑا امیر فقیہوں اور منشیوں کے ساتھ بیٹھا رہتا ہے۔ وہاں ظلم رسیدہ لوگ انصاف جوئی کے لیے آتے ہیں اور چوتھے کمرہ میں ڈاک کا دیوان اس میں مخبروں کا افسر بیٹھا رہتا ہے اور چھٹے دروازہ پر پولیس والے اور ان کا افسر رہتا ہے اور ساتویں دروازہ پر غلام بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں بھی تین کمرہ ہیں۔ ایک میں حبشی غلام' دوسرے میں ہندی غلام اور تیسرے میں چینی غلام بیٹھتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک گروہ کا افسر چینی ہوتا ہے۔

(۱۸) قاآن

جب ہم خان بالق میں پہنچے تھے تو قاآن وہاں نہ تھا اور اپنے چچا زاد بھائی فیروز کے مقابلہ کے لیے گیا تھا جس نے قراقرم (۲۳) اور بش بالغ (۲۴) میں' جو ختا کا ایک علاقہ ہے اور

دارالحکومت سے تین مہینے کے فاصلے پر ہے' بغاوت کی ہوئی تھی۔ صدر جہاں برہان الدین صاغرجی نے مجھ سے کہا کہ جب قاآن نے اپنی فوج جمع کی تو سو لشکر جمع ہوئے۔ ایک ایک لشکر میں دس دس ہزار سوار تھے۔ ہر ایک لشکر کے سردار کو امیر طومان کہتے ہیں۔ بادشاہ کا خاص لشکر اور نوکر اس کے علاوہ تھے وہ بھی تعداد میں پچاس ہزار تھے اور پیدل بھی پانچ لاکھ تھے۔ جب قاآن باہر نکلا تو اکثر امیر اس سے برگشتہ ہو گئے کیونکہ اس نے چنگیز خاں کے تورہ یعنی قانون میں بہت سی تبدیلیاں کر دی تھیں۔ یہ چنگیز خان وہی تھا جس نے اسلام کے ملکوں کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ وہ اس کے چچا زاد بھائی سے جا ملے اور قاآن کو لکھا کہ وہ سلطنت سے علیحدہ ہو جائے اور شہر خنا کو اپنی جاگیر میں منظور کرے۔ قاآن نے یہ منظور نہ کیا اور اس نے لڑ کر شکست کھائی اور مارا گیا۔ جب ہم دارالحکومت پہنچے تو یہ خبر وہاں پہنچی اور شہر کو آراستہ کیا گیا اور نوبت نقارے بجوائے گئے اور ایک مہینے تک ناچ رنگ ہوتے رہے۔ اس کے بعد قاآن مقتول اور اس کے خواص اور بھائیوں اور رشتہ داروں کی نعشیں جو سو کے قریب تھیں' وہاں لائے اور زمین کے اندر ایک بڑا مکان کھودا گیا اور اس میں نفیس نفیس فرش بچھائے گئے اور اس کے اندر قاآن (۲۵) کو اس کے ہتھیاروں سمیت رکھا گیا اور اس کے چاندی سونے کے برتن اور چار لونڈیاں اور چھ غلام بھی' جن کے ساتھ پانی پینے کے برتن تھے' اسی قبر میں رکھے اور اوپر ایک دروازہ بنا کر اس کو مٹی سے بند کر دیا اور ایک اونچا ٹیلہ اس کے اوپر بنا دیا۔ پھر چار گھوڑے لائے اور اس کی قبر پر ان کو یہاں تک دوڑایا کہ وہ تھک کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد قبر پر ایک لکڑی گاڑ دی اور ہر ایک گھوڑے کے پس پشت میں سے لکڑی دے کر اس کے منہ سے نکال کر گھوڑوں کو اس بڑی لکڑی پر آویزاں کر دیا۔ اسی طرح سے قاآن کے قریبی رشتہ داروں کے لیے بھی ایسی ہی قبریں بنائیں اور ان کے ساتھ ان کے ہتھیار اور گھر کے ظروف رکھ کر ان میں سے ہر ایک کی قبر پر تین تین گھوڑے لٹکا دیے۔ اس روز شہر کے تمام مرد اور عورتیں' مسلمان اور کافر ماتمی لباس پہنے ہوئے وہاں موجود تھے۔ کافر سفید چادریں اور مسلمان سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ قاآن کی بیگمیں اور خواص چالیس دن تک اپنے خیموں میں قبر پر رہیں اور بعض برس دن تک وہیں رہیں اور وہاں ایک بازار لگ گیا کہ جو چیز ان کو درکار ہوتی تھی وہاں فروخت ہوتی تھی۔ یہ رسومات اس زمانہ میں کسی اور ملک میں رائج نہیں ہیں (۲۶) ہندو اور چینی اپنے مردوں کو جلاتے ہیں اور باقی کل قومیں اپنے مردوں کو دفن کرتی ہیں لیکن کسی اور کو ان کے ساتھ دفن نہیں کرتے لیکن بعض بعض معتبر لوگوں نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ سوڈان کے کافر بھی اپنے بادشاہ کی قبر اسی طرح سے بناتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کے خاص خاص مصاحب اور نوکر

اور تیس بڑے بڑے امیروں کے بیٹے اور بیٹیوں کو بھی ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر قبر میں زندہ دفن کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ پانی پینے کے برتن رکھتے ہیں۔ ایک معتبر صوفی نے جو ملک کوبر واقع سوڈان میں رہتا تھا اور وہاں کا بادشاہ اس پر مہربانی کرتا تھا۔ مجھ سے کہا کہ جب بادشاہ مر گیا تو وہاں کے مردوں نے کہا کہ ہم تیرے بیٹوں کو بھی مع اپنے بیٹوں کے زندہ در گور کریں گے۔ میں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے' میرا بیٹا نہ تمہارے دین میں ہے اور نہ تمہارے نسب میں ملتا ہے۔ غرضیکہ میں نے بہت کچھ مال دے کر اس کا پیچھا چھڑایا۔ جب قاآن مارا گیا اور اس کا چچا زاد بھائی فیروز بادشاہ ہوا تو اس نے اپنا دارالحکومت قراقرم مقرر کیا کیونکہ وہ اس کے چچاؤں بادشاہان ماوراء النہر اور ترکستان کے ملکوں سے قریب تھا پھر اس کے ساتھ ان امیروں نے جو پہلے قاآن کے ہمدرد تھے بغاوت کی اور رہزنی شروع کر دی اور ملک میں فساد پھیل گیا۔ شیخ برہان الدین وغیرہ نے مجھ سے کہا تم چین کی طرف واپس چلے جاؤ ورنہ پھر فساد زیادہ ہو جائے گا اور واپس جانا مشکل ہو گا۔ وہ مجھے بادشاہ فیروز کے پاس لے گئے اس نے تین آدمی میرے ہمراہ کر دیے اور میری مہمانی کرنے کے لیے ان کو حکم لکھ دیا۔ ہم جلدی جلدی خنا کی طرف واپس آئے وہاں سے خنسا اور خنسا سے قن جن فو اور قن جن فو سے زیتون پہنچے۔

(۱۹) سرخ

جب میں وہاں پہنچا تو جہاز ہندوستان کے سفر کے لیے تیار تھے اور ان میں سے ایک جہاز ملک ظاہر بادشاہ جاوا کا تھا۔ اہل جہاز مسلمان تھے جہاز والوں نے مجھے پہچان لیا اور مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ دس دن تک موافق ہوا چلتی رہی۔ جب ہم ملک طوالسی کے قریب پہنچے تو ہوا مخالف ہو گئی اور اندھیرا ہو گیا اور بارش شروع ہوئی۔ دس دن تک سورج دکھائی نہ دیا۔ پھر ہم ایسے سمندر میں داخل ہوئے کہ اس کو پہلے نہ دیکھا تھا۔ اہل جہاز ڈر گئے اور چین کی طرف لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ وہ بھی نہ ہو سکا اور تینتالیس دن تک سمندر میں ٹھہرے رہے۔ تینتالیسویں دن صبح کے وقت سمندر میں ایک پہاڑ (۲۷) معلوم ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دس میل فاصلہ پر ہو گا اور ہوا ہمیں اسی کی طرف لے جاتی تھی۔ ملاح تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم خشکی سے دور ہیں اور سمندر میں تو کوئی پہاڑ نہیں اور اگر اسی طرح ہوا ہمیں کھینچے لیے جائے گی' تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ دیکھ کر سب اہل جہاز درگاہ باری میں عجز و انکسار کرنے لگے اور توبہ کرنے لگے اور اپنے پیارے پیغمبر کو وسیلہ لائے اور سوداگروں نے بڑی بڑی

تھیں مائیں۔ میں نے ان سب نذروں کو ایک فہرست میں قلمبند کر لیا۔ ہوا کچھ ٹھہر گئی۔ پھر ہم نے دیکھا کہ یہ پہاڑ سمندر کی سطح سے اونچا ہو گیا اور اس کے اور سمندر کے درمیان چاند معلوم ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر ملاح رونے لگے اور ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ میں نے پوچھا کہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ پہاڑ نہیں تھا' رخ تھا۔ اگر ہمیں دیکھ لے گا تو سب کو ہلاک کر ڈالے گا۔ ابھی وہ ہمارے سے دس میل ہو گا کہ ہوا پلٹ گئی اور ہمیں دوسری طرف لے گئی۔ ہم اس کو دیکھ نہ سکے اور معلوم نہ کر سکے کہ اس کی شکل کیا ہوتی ہے۔

(۴۰) جاوا

اس دن سے دو مہینے بعد ہم جاوا میں پہنچے اور ساطرا میں جا اترے وہاں کا بادشاہ ملک ظاہر جہاد کر کے واپس آیا تھا اور بہت سی لوٹ لایا تھا۔ میرے پاس دو لونڈیاں اور دو غلام بھیجے اور میں اس کے بیٹے کے نکاح میں شامل ہوا جو اس کے بھائی کی بیٹی کے ساتھ تجویز ہوا تھا۔ محل کے چوک میں ایک بڑا ممبر کھڑا کیا اور ریشم کے کپڑے سے اس کو ڈھانپ دیا۔ دلہن کو محل میں لے آئے پیدل تھی اور منہ کھلا ہوا تھا اور اس کے ساتھ چالیس بیگمات جو بادشاہ اور امیروں کی بیویاں تھیں اس کے پائنچے اور دامن اٹھائے ہوئے چلی آتی تھیں۔ ان سب کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ ان کو ہر ایک شریف اور رذیل دیکھ سکتا تھا اور وہاں عورتیں فقط شادی کے دن منہ کھولتی ہیں ورنہ پردہ کرتی ہیں۔ دلہن ممبر پر چڑھ کر بیٹھ گئی اس کے سامنے اہل طرب مرد اور عورت گاتے تھے اور ناچتے تھے پھر دولہا ہاتھی پر آیا۔ ہاتھی آراستہ پیراستہ تھا اس کی پشت پر ایک تخت تھا اور دولہا کے سر پر ایک گول سا چھتر تھا جو دلہن کے تاج کے مشابہ تھا۔ دولہا کے داہنے اور بائیں ہاتھ پر سو امیر زادے اور بادشاہ زادے تھے' جن کی پوشاک سفید تھی۔ سروں پر جڑاؤ کلاہیں تھیں اور سجائے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے۔ یہ سب دولہا کے ہم عمر تھے۔ ان میں سے کسی کے داڑھی نہ تھی۔ جب دولہا داخل ہوا تو لوگوں پر درہم اور دینار نچھاور کیے گئے بادشاہ ایک جگہ بیٹھا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کا بیٹا اترا اور بادشاہ کے پاؤں چوم کر ممبر پر جا بیٹھا۔ دلہن اس کو دیکھ کر اٹھی اور اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور اس کے برابر بیٹھ گئی اور بیگمات پنکھا جھل رہی تھیں پھر پان سپاری لائے۔ دولہا نے اپنے ہاتھ میں پان لے کر دلہن کے منہ میں رکھ دیا پھر اس نے ایک پان لے کر دولہا کے منہ میں رکھ دیا۔ پھر دولہا نے اپنے منہ میں ایک پان کا بیڑا لے کر اس کے منہ میں رکھ دیا پھر اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہ سب علی الاعلان کیا جاتا تھا پھر دلہن پر پردہ ڈالا گیا اور ممبر اٹھایا گیا اور وہ دونوں اسی پر بیٹھے رہے۔ ممبر کو محل میں لے گئے۔ لوگوں نے کھانا کھایا اور چلے گئے۔ دوسرے دن آدمی جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا اور لوگوں سے اس کی بیعت لی اور ان کو کپڑے اور سونا وغیرہ عطا کیے گئے۔ میں اس جزیرہ میں دو مہینے ٹھہرا۔ بادشاہ نے مجھے بہت سا عود اور کافور اور لونگ اور صندل دیا اور میں جہاز پر سوار ہو کر چالیس دن کے بعد کولم میں پہنچا اور قاضی قزوینی کے مکان کے قریب ٹھہرا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ میں نے عید کا دوگانہ بھی وہاں کی جامع مسجد میں پڑھا۔ وہ لوگ مسجد میں رات سے آ بیٹھتے ہیں' صبح تک ذکر کرتے ہیں اور پھر صبح سے لے کر نماز کے وقت تک ذکر کرتے رہتے ہیں' پھر نماز پڑھ کر اور خطبہ سن کر چلے جاتے ہیں۔ کولم سے میں کالی کٹ میں آیا۔ کچھ دن وہاں رہا۔ میں نے دہلی جانے کا ارادہ کیا لیکن خوف آیا اور نہ گیا۔



حوالہ جات

(۱) مارکو پولو بیان کرتا ہے کہ چین میں ایک ایک امرود وزن میں چار پانچ سیر کا ہوتا ہے اور اس کا گودا حلوے سے زیادہ شیریں ہوتا ہے۔

(۲) دریائے کیانگ سے مراد ہے لیکن اس کا منبع خان بالق یعنی پیکن کے پاس نہیں ہے بلکہ تبت کے شمال میں ہے۔ مارکو پولو بھی اس کی لمبائی سو دن سے زیادہ سفر کی بتلاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پرانی دنیا کے دریاؤں میں وہ سب سے زیادہ لمبا ہے دریا اب شنگھئی شہر کے پاس آکر ختم ہو جاتا ہے اور چین کلاں یعنی کانٹن تک اس کی کوئی شاخ کبھی بھی نہ پہنچی تھی۔ زمانہ قدیم میں نصانکنگ بے شک اس کی ایک شاخ جاتی تھی۔ اس کی لمبائی پچیس سو میل کے قریب ہے مارکو پولو لکھتا ہے کہ اس دریا پر دو سو بڑے بڑے شہر ہیں اور جہازوں اور کشتیوں کی آمد و رفت اس قدر ہے کہ ایک دفعہ قوبلا قاآن کے وقت میں ایک محصول جمع کرنے والے افسر نے شمار کیا تو ایک سال میں دو لاکھ جہاز اور کشتیاں اس دریا میں دہانہ سے منبع کی طرف گئی تھیں۔ کانٹن کو اہل عرب چین الصین یا صین کلاں کہتے تھے۔

(۳) مارکو پولو بھی یہ ہی لکھتا ہے کہ سوائن چو کے شہر کے جس کو وہ زیتون کے علاقہ میں بتلاتا ہے اور کہیں چینی کے برتن نہیں بنتے اور وہاں سے ہی تمام ملکوں میں جاتے ہیں ارزانی کی بابت وہ بھی یہ ہی لکھتا ہے کہ ایک گروٹ یعنی اڑھائی آنے میں ۸ پیالے یا تین رکابیاں آتی ہیں چالیس برس میں خمیر ہونے کی کہانی مارکو پولو نے درج کی ہے جس کو شیخ سعدی نے بھی اس قطعہ میں بیان کیا ہے۔

خاک مشرق شنیدہ ام کہ کنند
در چہل سال کاسہ چینی
صد بروزے کنند در مروشت
لاجرم قیمتش ہماں بینی

لیکن جو حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے وہ زیادہ تر صحیح ہے۔ زمانہ حال میں بھی معمولی قسم کے برتن کانٹن اور توکین کے صوبوں میں بنتے ہیں اور سب سے زیادہ ننگان کے شہر میں اس کے کارخانے ہیں۔

(۴) اہل چین زمانہ حال میں عموماً مردوں کو دفن کرتے ہیں لیکن مارکو پولو جس نے تقریباً کل چین کا سفر کیا تھا بھی لکھتا ہے کہ اہل چین مردوں کو جلاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی تک یہ رواج اہل چین میں بودھ مذہب کی متابعت کے سبب سے عام ہو گیا تھا لیکن ۱۳۷۹ء میں ہوانگ چن وو کے حاکم نے اس رسم کے خلاف ایک رسالہ لکھا اور ثابت کیا کہ بدھا کی ہدایت یہ ہرگز نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جلانا تھوڑے دن بعد ہی عملاً بند کیا گیا اور اب یا تو بودھ مذہب کے بھکشوں کی نعش جلائی جاتی ہے یا اس حالت میں کہ جب تابوت دفن نہ کیا گیا ہو اور باہر پڑا رہا ہو اور گل گیا ہو تو بھی نعش کو جلاتے ہیں۔ ورنہ سب مردے دفن کئے جاتے ہیں۔

(۵) چین کا بادشاہ ان دنوں میں چنگیز خاں کی اولاد میں سے تھا۔ اس خاندان نے ۱۲۱۵ء سے ۱۳۶۸ء تک چین پر حکومت کی ہے۔ چنگیز خان کے چار بیٹے تھے اوکتائی قاآن جس کے بعد اس کا بیٹا کویک قاآن تخت پر بیٹھا۔ ۲۔ تولی خاں۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ہلاکو خاں جس کی اولاد ایران میں حکومت کرتی تھی منگو قاآن جو کویک قاآن کے بعد تخت پر بیٹھا۔ قوبلا قاآن جو اپنے بھائی منگو قاآن کے بعد تخت پر بیٹھا اس نے کل چین کو فتح کیا اور ۱۲۹۵ء میں پچاسی برس کی عمر میں ۳۴ برس سلطنت کر کے مر گیا۔ قوبلا قاآن کا پوتا تیمور قاآن اپنے دادا کے مرنے پر تخت پر بیٹھا ۳۔ چغتائی خاں۔ اس کی اولاد ماورا النہر اور ترکستان کی بادشاہ ہوئی۔ ۴۔ جوجی خاں اس کی اولاد قبچاق اور روس میں بادشاہ رہا سوا قوبلا قاآن کی اولاد کے جو چین میں تھی باقی سب شاخیں آگے پیچھے مسلمان ہو گئی تھیں۔ ابن بطوطہ کے وقت میں اوزبک خاں شہر سرائے واقع ملک روس میں اور طرمشیرین خاں سمرقند میں اور سلطان ابو سعید سلطانیہ میں جو تبریز کے قریب واقع ہے اور چغتائی پیکن دارالخلافہ چین میں بادشاہ تھے پیکن سے لے کر دمشق تک اور بلغار سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک یہ خاندان حکومت کرتا تھا ایک طرف تو مصر کے مملوک ترکی بادشاہوں نے اور دوسری طرف ہندوستان کے ترکی بادشاہوں نے اور یورپ کی طرف ہنگری کے تاتاریوں نے روک دیا تھا ورنہ تمام ایشیا اور افریقہ اور یورپ پر تاتاروں کی سلطنت ہو جانے میں کچھ شک نہیں تھا۔ ابن بطوطہ کے وقت میں ہی اس خاندان کی تمام شاخیں ضعیف ہو گئی تھیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کا نام و نشان تمام دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔

(۶) چین میں اسلام مشرق اور مغرب دونوں طرف سے داخل ہوا ہے اور اب زیادہ تر تعداد مسلمانوں کی شمال مغربی اور جنوب مغربی صوبوں میں ہے۔ مشرق میں اسلام تاجروں کے ذریعہ سے داخل ہوا ہے ہجری کی پہلی صدی میں یہ تجارت جہازوں کے ذریعہ سے

شروع ہو گئی تھی۔ خانفو جو خنسا کے قریب ہے ان کی تجارت کی جگہ تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ تمام شہروں میں پھیل گئے۔ اسلام کی اشاعت میں بھی چینیوں نے کوئی روک نہیں ڈالی بلکہ آج تک اسلام کو ایک ملکی مذہب کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اس کا سبب یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ چین میں اسلام کی اشاعت نہایت پرامن طریقوں سے کی گئی ہے اس کے برخلاف، عیسائی مذہب کی اشاعت زبردستی توپوں کے زور سے کی جاتی ہے اس لیے اس کو وہ نہایت بدگمانی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ زمانہ حال میں روسی اور فرانسیسی مصنفوں کی تحقیقات کے بموجب خاص چین میں مسلمان آبادی کا اندازہ تین کروڑ کے قریب کیا جاتا ہے اور روسی مصنف لکھتا ہے کہ تعجب نہیں کچھ عرصہ میں کل چین مسلمان ہو جائے۔ مسلمانوں کے فقط مذہب کو ہی آزادی نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے عہدے فوج اور دیوانی میں ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

(۷) ریشم۔ ریشم بھی چین کی قدیم اور وطنی پیداوار ہے اور جس طرح چینی کے برتنوں کے بنانے میں اور ملکوں کے لوگ ان کی ہمسری نہیں کر سکے اسی طرح ریشم کے تیار کرنے میں بھی یہ لوگ یکتا ہیں۔ چین کے تاریخ داں کہتے ہیں کہ حضرت مسیح سے بائیس سو برس پہلے تک چین میں ریشم کے رواج کا پتہ لگتا ہے بعض کہتے ہیں کہ شہنشاہ ہوانگی کی ملکہ نے اول ہی اول ریشم تیار کیا تھا۔ اس بادشاہ کا زمانہ حضرت مسیح سے دو ہزار چھ سو سال پہلے بتاتے ہیں۔ اس ملکہ کی پرستش اب تک بطور دیوی کے کی جاتی ہے۔ چین میں ریشم کے استعمال کی اس قدر کثرت ہے کہ پوشش میں نصف سے زیادہ یہاں کے باشندے ریشم کو برتتے ہیں۔ فرانس کی طرف سے ۱۸۴۲ء میں ایک کپتان بھیجا گیا جس نے ریشم کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کی ہیں۔ ریشم تھوڑا بہت چین کے ہر ایک حصہ میں ہوتا ہے۔ جو ریشم کیڑوں کو توت کے پتے کھلا کر تیار کیا جاتا ہے وہ مضبوطی اور چمک میں سب سے بہتر ہوتا ہے اور جو ریشم اور درختوں کے پتے کھلا کر تیار کیا جاتا ہے وہ موٹا اور بے چمک اور سخت ہوتا ہے یہ ابن بطوطہ کی غلطی ہے کہ اس نے کیڑوں کی خوراک پھل لکھے ہیں۔ مارکو پولو ہنکن کے حال میں لکھتا ہے کہ ہر روز اس شہر میں ایک ہزار گاڑی ریشم سے لدی ہوئی داخل ہوتی ہیں۔

(۸) کرنسی نوٹوں کا رواج چین میں نہم صدی عیسوی کے آغاز سے شروع ہوا تھا مارکو پولو بیان کرتا ہے کہ یہ نوٹ اس خاکستری رنگ کی چھال کے بنائے جاتے تھے جو شہتوت کے درخت کی اندرونی چھال اور لکڑی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس چھال سے ایک سیاہ رنگ کا کاغذ تیار کیا جاتا تھا اس کے مربع شکل کے ٹکڑے کیے جاتے تھے اور ان میں سے ہر ایک پر نوٹ کی قیمت لکھی جاتی تھی اور اس پر مختلف عہدہ داروں کے دستخط ہوتے تھے اور سب سے اخیر بادشاہی مہر سرخ رنگ کی سیاہی سے اس پر لگائی جاتی تھی کوئی شخص سونا اور چاندی اپنے پاس رکھنے نہیں پاتا تھا۔ کل کاروبار میں ان ہی نوٹوں کا رواج تھا اگر کوئی لینے سے انکار کرتا تھا تو اس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ اگر کسی شخص کو سونے یا چاندی کے زیورات یا ظروف بنوانے کے لیے ضرورت ہوتی تھی تو سرکاری خزانہ سے درخواست پر سونا مل سکتا تھا۔ نوٹ پرانا ہو جاتا تھا تو تین فیصدی قیمت وضع کر کے اس کے عوض نیا نوٹ مل جاتا تھا ابن بطوطہ کہتا ہے کہ یہ نوٹ ہر قیمت کے ہوتے تھے۔ کرنل یول نے کہیں سے ایک نوٹ منگ خاندان کے اول بادشاہ کا جو ۱۳۶۸ء میں مغل خاندان کے بعد چین میں ہوا ہے بہم پہنچایا تھا اس کی تصویر مع اصلی رنگوں کے مارکو پولو کے سفرنامہ میں دی ہوئی ہے۔ ان نوٹوں پر یہ بھی درج کیا جاتا تھا کہ اگر کوئی جعلی بنائے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور جو شخص جعلی بنانے والوں کی بابت مخبری کرے گا اس کو ڈھائی تیل انعام دیا جائے گا اور مجرم کی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بھی اس کو دی جائے گی۔ مغلوں کے خاندان کے بعد ان نوٹوں کا رواج کم ہو گیا اور ۱۴۵۵ء کے بعد بالکل جاتا رہا۔ ابن بطوطہ نے نوٹوں کا نام بالشت لکھا ہے لیکن اصل میں نوٹوں کو چاؤ کہتے ہیں اور بالشت فقط ایک سکہ کا نام تھا جو دینار سے کچھ کم ہوتا تھا۔ ۱۲۹۴ء میں ایران کے مغل بادشاہ کیخاتو خاں نے اپنے خزانہ کی کمی پوری کرنے کے لیے اپنے وزیر اعزاز الدین کی صلاح سے چاؤ خانے جاری کیے۔ لیکن غازان خاں نے جو خراسان کا حاکم تھا اپنے علاقہ میں ان نوٹوں کو داخل نہ ہونے دیا اور تمام ملک میں غوغا پڑ گیا۔ اہل تبریز نے اعزاز الدین مظفر وزیر کو قتل کر ڈالا۔

چین کے کرنسی نوٹوں کا حال سن کر سلطان محمد تغلق نے بھی بجائے چاندی سونے کے تانبے کا سکہ چلانا چاہا تھا تعجب ہے کہ ابن بطوطہ نے اس کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا حالانکہ اس کے آنے سے پہلے ۷۳۰ھ سے ۷۳۱ھ میں یہ سکے جاری کیے گئے تھے ان سکوں کا نمونہ یہ ہے۔

پیتل۔ وزن ۱۳۶ گرین۔ دولت آباد۔ ۷۳۰ھ دہلی ۷۳۱ھ و ۷۳۲ھ

مہر شد تنکہ رائج در روزگار من اطاع السلطان بندہ امیدوار محمد تغلق۔ فقد اطاع الرحمان

در تخت گاہ دولت آباد سال بر ضرب ی۔

یہ غلط ہے کہ سلطان محمد تغلق نے کیخاتو خاں کی تقلید سے خزانہ کی کمی پورا کرنے کے لیے یہ سکے جاری کیے تھے بلکہ اس کی مراد یہ ہی تھی کہ بجائے چاندی سونے کے فقط شاہی اعتبار کی علامت کے طور پر جیتل جاری کیا جائے جیسا کہ اس زمانہ میں کاغذ ہے لیکن چونکہ جیتل کے سکوں کا بنانا نہایت آسان تھا ہر ایک سنار اور بنیے نے اپنے گھر میں دارالضرب بنا لی۔ یہ بھی بادشاہ کی نہایت نیک نیتی تھی کہ جب اس نے دیکھا کہ یہ کام نہیں چل سکتا تو چاندی اور سونا دے کر یہ تمام سکے واپس لے لیے اور ایسا کرنے میں اس کا خزانہ خالی ہو گیا۔ تاریخ مبارک شاہی کے مصنف کے وقت تک ان جیتل کے سکوں کے انبار قلعہ تغلق آباد میں پڑے ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں بھی چاندی اور روپیہ کی قیمت میں فرق ہونے سے جعل زیادہ ہوتے ہیں۔

(۹) مٹی کے کوئلہ سے یہ ہی پتھر کا کوئلہ مراد ہے جس کو ریلے اور جہازوں کے انجنوں میں استعمال کرتے ہیں ایسے کوئلہ کی چین میں نہایت کثرت ہے یعنی کوئی صوبہ اس کوئلہ کی کان سے خالی نہیں۔ لوہا اور کوئلہ چین میں اس قدر ہے کہ کسی نہ کسی زمانہ میں چین وہ عروج حاصل کر سکتا ہے کہ آج تک کسی سلطنت کو حاصل نہیں ہوا۔ اس کوئلہ کو پیس کر اور اس میں مٹی ملا کر اینٹیں سی بنا لیتے ہیں عام لوگ بجائے ایندھن کے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۰) تصویر کشی اگرچہ یہ فن چین میں بہت پرانا ہے لیکن اہل یورپ ان کے اس فن کی بابت تعریف نہیں کرتے اور حقیقت میں اہل چین کو اس فن میں وہ کمال نہیں جو اہل فرنگ کو تھا اور اب تو اہل یورپ کے سامنے چین کی تصویر کشی بالکل ہیچ ہے۔ ایشیا میں چونکہ اہل اسلام کے غالب ہو جانے سے اس فن کا رواج اکثر ملکوں سے معدوم ہو گیا اس لیے اسلامی ملکوں کے باشندوں کو چینی اس فن میں کامل نظر آتے تھے۔ ابو زید سیرافی بھی جس نے اپنی کتاب اخبار السند والصین ۳۰۳ ہجری میں لکھی چینیوں کی تصویر کشی کے بارے میں بہت تعریف کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ چین میں دستور ہے کہ جب کوئی کاریگر تعریف کے لائق کوئی تصویر بناتا ہے تو بادشاہ یا حاکم کے محل میں لے جاتا ہے اور انعام کا خواستگار ہوتا ہے بادشاہ اور حاکم تصویر کو دیکھ کر حکم دیتا ہے کہ اس تصویر کو محل کے دروازہ پر لگا دو۔ برس دن تک تصویر وہاں لگی رہتی ہے ہر ایک شخص آتا جاتا اس کو دیکھتا ہے اور جو کچھ عیب اس میں ہوتا ہے لکھ جاتا ہے۔ اگر برس روز تک کوئی عیب نہ نکلے تو کاریگر کو انعام دیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک مصور نے گیہوں کی شاخ پر بیٹھی ہوئی چڑیا کی تصویر

بنائی۔ یہ تصویر بادشاہ کے محل پر لگی رہی۔ ۳۴۳ دن ہو چکے تھے کوئی شخص اس میں عیب نہ نکال سکا اتفاق سے اخیر روز ایک شخص آیا اور اس کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مصور نے شاخ اور بال کو بالکل سیدھا بنایا ہے حالانکہ چڑیا کے بیٹھنے سے شاخ کو جھکنا چاہیے تھا یہ عیب اس نے تصویر کے نیچے لکھ دیا۔ شام کو تصویر اتاری گئی تو اس عیب کو مصور نے تسلیم کر لیا اور وہ انعام سے محروم رہا چینی مصور جیسا کہ پہلے تمام مشرقی ملکوں میں دستور تھا دور اور نزدیک سایہ اور روشنی کا فرق بالکل نہیں کرتے اور اس لیے موجودہ مصوری اور فرنگستان کی مصوری کے سامنے ان کی مصوری بالکل بچوں کا کھیل ہے۔ رنگ آمیزی میں بیشک یہ لوگ بعض وقت کمال ظاہر کرتے ہیں لیکن اکثر رنگ کو تیز کر دیتے ہیں اور قدرت کی نقل نہیں کر سکتے۔

(۱۱) خنسق۔ مارکوپولو نے لکھا ہے کہ یہ خنسق جو سرائے اور گودام دونوں کا کام دیتی ہیں شہر کے باہر ہر ملک اور مذہب کے لوگوں کے واسطے علیحدہ علیحدہ بنی ہیں۔ اٹلی کی زبان میں فند کارخانہ کو کہتے ہیں یونانی فندکیوں سے مشتق ہے۔ لیکن چین میں یہ لفظ معرب ہونے کے بعد لیا گیا ہے۔

(۱۲) زیتون۔ اب اس شہر کا نام چن چیاؤ دان چو ہے جو فوچو کے جنوب میں سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے پرانے زمانہ میں اس شہر کو اہل چین ووٹنگ کہتے تھے جس سے بگاڑ کر زیتون کا لفظ بنایا گیا تھا ابو الفدا نے اس شہر کا دوسرا نام زان جو لکھا ہے مارکوپولو نے بھی اس کو تمام دنیا میں بڑا بندر بیان کیا ہے رشید الدین نے لکھا ہے کہ یہ ایک بڑا بندرگاہ ہے۔ پہلے فوکین کا صوبہ دار فوچو میں رہتا تھا اب زیتون میں رہتا ہے اور بہاء الدین قنداری وہاں کا حاکم ہے۔ ۱۳۴۷ء تک ملک چین کا محصول بحری کا صدر یہ ہی شہر تھا اب چن چو کا شمار اول بندرگاہوں میں سے نہیں ہے جن میں باہر کے لوگ تجارت کر سکتے ہیں لیکن اب بھی صوبہ فوکین کی فوجوں کا سپہ سالار وہاں رہتا ہے اور اس کا گھیرا ۷ یا ۸ میل کا ہے۔ ایک مسجد بھی گری پڑی موجود ہے اس کی اکثر تجارت شہر اموائے کو منتقل ہو گئی ہے کیونکہ وہ کھاڑی کنارے پر بہتر جگہ واقع ہے اور جہاز وہاں آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔

(۱۳) زیتونیہ کپڑا اسی شہر کی طرف منسوب ہے اور انگریزی لفظ ساٹن بھی یہ ہی زیتونیہ ہے۔

(۱۴) کاشغر۔ عرب اب اس کو سین الصین اور ایرانی چین کلاں کہتے ہیں۔ یہ انہوں نے ماچین یا مہاچین کا ترجمہ کیا ہے۔ مارکو پولو اس کا نام مہاچین لکھتا ہے۔ رشید الدین بھی مہاچین یا ماچین کر کے لکھتا ہے۔ یہ شہر اسی عرض میں واقع ہے جیسے کہ کلکتہ اور مسقط لیکن ان شہروں کی بہ نسبت کاشغر زیادہ سرد ہے۔ فصیل کے اندر جو شہر بستا ہے اس کا گھیرا چھ میل ہے لیکن مع مضافات کے دس میل محیط ہو جاتا ہے آبادی دس لاکھ سے کم نہیں۔ فصیل نیچے سے پتھر کی اور اوپر اینٹ کی بنی ہوئی ہے ۲۲ فٹ چوڑی اور چالیس فٹ تک اونچی ہے۔ بارہ دروازے ہیں جو رات کو بند ہو جاتے ہیں۔ ۱۶۵۰ء میں موجودہ خاندان شاہی نے جو قوم کے مانچو تاتار ہیں اس شہر کو بڑے سخت مقابلہ کے بعد فتح کیا تھا۔ اس شہر میں چھ سو بازار ہیں اکثر بہت تنگ ہیں حالانکہ کاشغر کے معنے چینی زبان میں "چوڑے شہر" کے ہیں۔ پچاس ہزار جولاہے اور سات ہزار حجام اور چار ہزار دو سو جوتے بنانے والے اس شہر میں گنے گئے ہیں۔ شہر میں دو مینار بہت بلند ہیں ایک کو کواٹ یعنی سادہ مینار کہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کا بنایا ہوا ہے اور اب بھی اس کے قریب مسلمانوں کی بستی ہے یہ ایک سو ساٹھ فٹ بلند ہے۔ دوسرا مینار ایک مندر کا ہے جو ایک سو ستر فٹ بلند ہے اس شہر کو جہاز سے تشبیہ دیتے ہیں اور ان دو میناروں کو مستولوں سے۔ اس شہر کے امتحان کا کمرہ ۳۳۰ فٹ لمبا اور ۵۸۳ فٹ چوڑا ہے اس میں ۸۶۵۳ کوٹھریاں ہیں۔ ہر ایک کوٹھری ۵ فٹ ۹ انچ لمبی اور ۳ فٹ ۸ انچ چوڑی ہے ممتحنوں اور خادموں کے مکانات انکے علاوہ ہیں۔ سال میں دو دفعہ طالب علموں کا امتحان ہوتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک امتحان میں بارہ ہزار طالب علم جمع ہو جاتے ہیں۔

(۱۵) معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد چین کی مشہور قلعہ بند دیوار ہے جو تاتاریوں کے حملوں کے روکنے کے واسطے حضرت مسیح سے ۲۴۳ سال پہلے دس برس کے عرصہ میں بنائی گئی تھی۔ مارکو پولو نے اس دیوار کا بالکل ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے لیکن وہ بھی ایک علاقہ کو جو اس دیوار کے قریب ہے یاجوج ماجوج کی دیوار لکھتا ہے۔ یہ دیوار چین کے شمال اور مغرب میں واقع ہے۔ پندرہ سو میل لمبی ہے اور میدان میں تیس فٹ اور پہاڑوں پر پندرہ فٹ اونچی ہے اور نیچے تیس فٹ اور اوپر پندرہ فٹ چوڑی ہے۔ ابن بطوطہ نے اس دیوار کی بابت کاشغر جا کر دریافت کیا ہے لیکن اس سمت میں وہ دیوار بالکل نہیں ہے وہاں اس کو دیوار کا حال کون بتا سکتا تھا۔ اگر وہ ہنکن میں کچھ حال دریافت کرتا یا جا کر خود دیکھنا چاہتا تو وہاں سے دیوار کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھی فقط

پہلوں میں ہے۔ عرب اور ایران میں ۔ ان یاجوج ماجوج کی دیوار کی نسبت روایت ہے جو ہیں وہ دیوار کوہ قاف میں دربند کے پاس تھی۔ یہ دیوار چینیوں کی محنت استقلال اور کاریگری کا عجیب نمونہ ہے۔

(۱۶) رشید الدین لکھتا ہے کہ قوبلا قاآن نے ایک نہر ہنکن (خان بالق) سے لے کر زیتون تک بنوائی تھی جس کا طول چالیس دن کے سفر کا تھا اور اس کے برابر ایک پختہ سڑک بھی تیار کرائی تھی۔ ان کے ذریعہ سے جہاز اور گاڑیاں زیتون اور خنسا سے دارالخلافہ تک پہنچتی تھیں۔ یہ نہر ۱۲۸۹ء میں بن کر تیار ہوگئی تھی۔ مارکو پولو کے بیان کے مطابق وہ فقط ہنکن سے لے کر شہر کواچو تک تھی جو دریائے کیانگ پر واقع ہے۔ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق وہ کاشغر سے لے کر ہنکن تک بنائی گئی تھی۔ لیکن خنسا سے لے کر ہنکن تک نہر کا ہونا ثابت ہے زیتون تک ممکن نہیں کیونکہ بیچ میں صوبہ فوکین کے پہاڑ حائل ہیں لیکن ڈاکٹر ولیمز نے اپنی کتاب مڈل کنگڈم (یعنی سلطنت وسطی میں جو چین کا ایک نام ہے) میں بیان کیا ہے کہ کسی زمانہ میں جب تک دریائے ہونگ ہو یعنی زرد دریا نے اپنا رستہ نہیں بدلا تھا۔ ہنکن سے لے کر کاشغر تک آدمی برابر ان نہروں کے ذریعہ سے جا سکتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ نے درست لکھا ہے کہ اس نے کاشغر سے ہنکن تک نہر میں سفر کیا۔ اس نہر کا ایک حصہ یعنی دریائے کیانگ اور ہونگ ہو کے بیچ میں جو اس وقت فقط نوے میل تھا قوبلا قاآن سے پہلے بھی موجود تھا لیکن باقی کل نہر اس نے بنوائی ہے اس کی موجودہ لمبائی چھ سو پچاس میل ہے اور اگرچہ اس زمانہ میں اس سے بھی بڑے بڑے اور مشکل کام اس قسم کے یورپ اور امریکہ میں بنائے گئے ہیں لیکن جس زمانہ میں یہ بنائی گئی تھی اس وقت بیشک اس کی نظیر تمام دنیا میں نہیں تھی۔

(۱۷) قن چو فو۔ اس نام کا کوئی شہر کاشغر یا فوکین کے صوبہ میں زیتون اور خنسا کے درمیان نہیں ہے لیکن خنسا سے آگے بڑھ کر جس موقع پر بڑی نہر دریائے کیانگ میں داخل ہوتی ہے ایک بہت بڑا شہر چن کیان فو اس وقت میں بھی تھا اور اب بھی ہے قن اور چن کا آگے پیچھے ہو جانا تو آسان تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کو ابن بطوطہ نے خنسا سے سترہ منزل پرے اور زیتون سے دس منزل پرے لکھا ہے۔

(۱۹) غوطہ دمشق۔ غوطہ کے لغوی معنے نشیب زمین کے ہیں اور اسی لیے عموماً قضائے حاجت کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً" دمشق کے باہر ایک جگہ کا نام ہے جہاں پھل اور پھول کے درخت اور پانی کے چشمہ بہ کثرت ہیں وہاں اکثر اہل دمشق گرمی کے موسم میں دوپہر کے

وقت آرام سے بیٹھے جاتے ہیں——— غوطہ دمشق اور بھوانی شعب ابلہ اور سمرقند کا سغد اور بوان (شیراز کے علاقہ میں ایک جگہ ہے) کا شعب چار جگہ دنیا کی جنتیں کہلاتی ہیں۔ روضۃ الصفا میں درج ہے کہ غوطہ دمشق کا طول دو منزل اور عرض ایک منزل ہے۔

(۱۹) رشید الدین کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کے حملہ کے وقت چین کے ملک میں دو بادشاہ تھے دریائے ہوانگ ہو کے شمال میں جو ملک ہے وہ ختا کہلاتا تھا اور وہاں کا بادشاہ خاندان کین سے تھا اور ہینکن میں رہتا تھا۔ ہوانگ ہو کے جنوبی علاقہ کو ماچین کہتے تھے اس کا دارالخلافہ کنگ زے یا خنسا تھا خاندان سنگ کے بادشاہ وہاں رہتے تھے۔ یہ شہر ہینکن یعنی خان بالغ سے ۴۰ دن کے رستہ تھا مارکو پولو لکھتا ہے کہ کنگ زے کے معنے شہر بہشت ہیں۔ اور اس کا گردا سو میل کا ہے۔ نہر شہر کے چاروں طرف اور ہر گلی کوچوں میں جاری ہے تین ہزار حمام اور سولہ لاکھ گھر اس شہر میں ہیں۔ شہر سے پچیس میل پر خانفو اس کا بندر ہے۔ حال کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ کنگ زے کے معنے دارالخلافہ ہیں اور اب ہینکن کو کنگ زے کہہ دیتے ہیں اور اصل میں شہر کا نام ہانگ چو واقع تھا۔ اب بھی اس نام کا شہر موجود ہے۔ وصاف نے شہر کا گردا ۲۴ فرسنگ لکھا ہے۔ مسالک الابصار میں اس کا طول فقط ایک دن کا سفر اور عرض ایک دن کا سفر لکھا ہوا ہے۔ رشید الدین اور وصاف دونوں نے لکھا ہے کہ شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تین ڈاک چوکیاں (یام) تھیں۔ ابن بطوطہ نے تین منزل سے یہی مطلب لیا ہے نزہۃ القلوب کا مصنف بھی یہی لکھتا ہے کہ دنیا کے پردہ پر اس قدر بڑا شہر اور کوئی نہیں۔ دس ہزار چوکیدار شہر کی حفاظت کے لیے رہتے ہیں۔ وصاف نے لکھا ہے کہ اس شہر کی آبادی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فقط رنگریز یعنی کپڑا رنگنے والے اس شہر میں ۳۲ ہزار ہیں اور سات لاکھ رعیت اور سات لاکھ لشکر اس شہر میں رہتا ہے۔

زمانہ حال میں بھی یہ شہر چین کے بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ منظر کی خوبصورتی اور بازاروں کی اور باشندوں کی نفاست کے سبب سے چین کا "پیرس" سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ چین میں ایک مثل مشہور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "ہانگ چو اور سوچو بہشت کا مقابلہ کرتے ہیں" اس کا بازار ۱۸۶۳ء کی بغاوت سے پہلے تمام چین میں سب سے عمدہ بازار سمجھا جاتا تھا۔ آبادی کے وسط میں ایک جھیل سی ہو نام واقع ہے اس کے چاروں طرف مکانات۔ مندر اور مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ اس کا گردا بارہ میل کا ہے۔ کافور کے درخت اس کے کناروں پر بہت خوشنما نظر آتے ہیں۔ بدھ مذہب کے بڑے عالیشان مندر

اس شہر میں تھے لیکن ۱۸۶۳ء میں باغیوں نے ان سب کو گرا گرا کر خاک میں ملا دیا۔ اس شہر میں کئی عمدہ عمدہ مسجدیں ہیں۔ ایک مسجد کا گنبد بہت بلند ہے اور وہ دور سے نظر آتا ہے۔ باغیوں نے اگرچہ مندر گرا دیے تھے لیکن مسجدوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔

(۲۰) اس تماشہ کی تصدیق چند مختلف ذرائع سے ہوتی ہے۔ ۱۔ ایڈورڈ ملٹن (۱۶۷۰ء) میں ذکر کرتا ہے کہ جاوا میں اس کے سامنے چینیوں نے ایسا تماشا دکھایا کہ بہت کم آدمی اس کا یقین کریں گے لیکن یہ تماشا ہزاروں آدمیوں کے سامنے کیا گیا تھا ایک شخص نے چمڑے کا تسمہ آسمان پر پھینکا اور اس کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں رکھا دوسرا سرا نظر سے غائب ہو گیا۔ وہ بچے کے سرے کو پکڑ کر اس تسمہ پر چڑھ گیا اور اس قدر اونچا گیا کہ ہماری نظر کام نہ کر سکی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹانگ آ پڑی پھر دوسری ٹانگ پھر ہاتھ پھر دوسرا ہاتھ پھر سینہ اور آخر میں سر نیچے آ کر پڑا۔ ایک شخص ان کو ٹوکرہ میں جمع کرتا رہا پھر اس نے ٹوکرے کو الٹا پلٹا تو وہی آدمی جو اوپر چڑھا تھا صحیح سالم ٹوکرے میں سے نکل آیا۔ ایڈورڈ ملٹن اس کو شیطان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ۲۔ شہنشاہ جہانگیر کے سامنے سات بنگالی شعبدہ باز آئے اور جو تماشے انہوں نے دکھائے ان میں سے یہ تماشے بھی ہیں (اول) ایک شخص رسی کا پھندا لایا اور رسی کا ایک سرا پکڑ کر پھندے کو آسمان کی طرف پھینک دیا۔ پھندا نظر سے غائب ہو گیا اور فقط ایک تار سا لٹکا ہوا نظر آتا تھا۔ دوسرا بازی گر کر باندھ کر اور ہتھیار لگا کر آیا اور کہا کہ میرا دشمن ہوا میں ہے میں اس کے ساتھ لڑنے کے واسطے جاتا ہوں۔ وہ رسی کا سرا پکڑ کر اوپر چڑھ گیا اور نظر سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رسی سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے اور اس کے بعد ایک آدمی کے تمام عضو ایک ایک کر کے زمین پر آ کے پڑے اور اس کے بعد جو ہتھیار اور اسباب اس بازی گر کے بدن پر تھا وہ ایک ایک کر کے نیچے آ پڑا۔ اس بازی گر کی عورت باہر آئی اور اپنے خاوند کے اعضا اور ہتھیار شناخت کر کے رونے لگی کہنے لگی کہ میں تو اس کے ساتھ ستی ہوں گی اعضاء کو جمع کر کے وہ اس کے ساتھ آگ میں جل کر راکھ ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ رسی پر چڑھنے والا بازی گر ہتھیار باندھے ہوئے رسی سے نیچے اترا اور آ کر سلام کیا کہ حضور کے اقبال کی مدد سے میں نے اپنے دشمن کو مار ڈالا اور اس کے اعضا نیچے ڈالا گیا تھا۔ جب اس کو کہا گیا کہ تمہاری عورت ستی ہو کر مری وہ یہ سن کر بہت رویا اور کہا یا تو میری عورت کو لاؤ ورنہ میں بھی آگ میں جلتا ہوں اتنے میں عورت موجود ہو گئی اور کہا تو نہ جل میں زندہ ہوں۔

دوم۔ پچاس گز لمبی زنجیر لائے اور ہوا میں پھینک دی وہ زنجیر ہوا میں معلق کھڑی

ہوگئی۔ اس کے بعد ایک بچہ لائے وہ بچہ خود بخود زنجیر پر چڑھ گیا اور غائب ہوگیا۔ اس کے بعد ایک چیتا لائے وہ بھی زنجیر پر چڑھ کر غائب ہوگیا پھر ایک شیر لائے وہ بھی غائب ہوگیا اس کے بعد اور جانور بھی اسی طرح غائب ہوگئے پھر اس زنجیر کو نیچے اتار لیا اور ایک ٹوکرے میں رکھ دیا اور اس بچہ اور جانوروں کا کچھ پتہ نہ لگا کہ کہاں گئے۔ سیر المتاخرین کے مصنف نے یہ تمام تماشے بالتفصیل اپنی تاریخ کی جلد اول صفحہ ۲۲۳ میں درج کیے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ تماشے بنگال کے بازیگروں نے دو رات دن برابر شہنشاہ جہانگیر اور اس کے دربار کے سامنے کیے بادشاہ نے پچاس ہزار روپیہ ان کو انعام دیا اور شہزادوں اور اہل دربار سے ان کو ڈیڑھ لاکھ اور وصول ہوا۔

مجھے جو تزک جہانگیری کا نسخہ ملا تو وہ اتفاقاً" علی گڑھ کا چھپا ہوا تھا اور اس لیے یہ عبارت میں نے سیر المتاخرین سے ترجمہ کی ہے۔ تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ کے نسخے میں سے یہ مقام سر سید احمد خان نے نکال ڈالا ہے کسی غیر کی کتاب میں یہ تصرف ہر طرح سے مذموم ہے۔ ایڈیٹر یا محشی یا نقل کرنے والے فقط اس قدر کر سکتے ہیں جیسا کہ سیر المتاخرین کے مصنف نے یہ تماشے نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ "حقیر از کتابیکہ انتساخ نمودہ چنیں نوشتہ اند اگرچہ معقول نیست والعہدۃ علی الراوی۔" غالباً سید صاحب مرحوم کو اس بیجا تصرف پر اس بات نے آمادہ کیا ہوگا کہ بازیگروں کا ایسے تماشے دکھانا ان کی کرامات اور معجزات کے انکار کو ضعف پہنچاتا ہے کیونکہ تماشہ کا گواہ جہانگیر بادشاہ تھا جس کی عادت مبالغہ کرنے کی نہیں اور اس کی قوت مشاہدہ بھی مسلمہ تھی اور تماشہ کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا بتلاتا تھا۔

اب گویا ہمارے پاس مع ابن بطوطہ کے بیان کے تین بیان ایسے ہیں جس میں تین مختلف زمانوں میں تین مختلف اور ایسے معتبر اشخاص نے جنہوں نے ایک دوسرے کی تصنیف کو خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا ایک ہی قصہ کو بیان کیا ہے اور اس لیے "مقابلتاً" بھی کوئی وجہ نہیں کہ ان کے بیانات کو سچا کیوں نہ سمجھا جائے۔

(۲۱) بانس۔ چین میں بکثرت ہوتا ہے اور بہت جلدی بڑھتا ہے۔ ایک شاخ چند سال میں بڑھ کر ایک بڑا بانس کا جھنڈ ہو جاتا ہے اور صدہا برس تک رہ سکتا ہے۔ اگر پرانی چھتہ شاخوں کو کاٹتے جائیں اور ان میں پھول نہ آنے دیں اور بیج نہ پڑنے دیں کیونکہ پھول اور پھل لگنے کے بعد یہ درخت خودبخود سوکھ جاتا ہے بعض بانس ۱۲۰ فٹ تک اونچا ہو جاتا ہے اور نیچے کے حصے میں ایک فٹ قطر تک موٹا ہو جاتا ہے چین میں ساٹھ قسم کا بانس ہوتا ہے رنگ میں کوئی سبز کوئی زرد۔ کوئی سیاہ ہوتا ہے۔ پرانے بانسوں کے جوڑوں کے اندر سے تباشیر نکلتا ہے۔ اس دوا کو چین کے باشندے ہر ایک بیماری میں استعمال کرتے ہیں بانس کا استعمال چین کے باشندے اس قدر اشیائے ضروری و آسائش کے بنانے میں کرتے ہیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔

(۲۲) خان بالغ یعنی قاآن کا شہر مغلوں کے وقت میں پیکن کا نام تھا۔ جب مغلوں نے چین پر حملہ کیا تو یہ شہر خاندان کین کے بادشاہوں کا جو ختا پر حکومت کرتے تھے دار الخلافہ تھا اس وقت اس شہر کو ین کنگ کہتے تھے ۱۲۱۵ء میں چنگیز خاں نے اس شہر کو فتح کیا اور قوبلا خان نے ۱۲۶۴ء میں اس کو اپنا دار الخلافہ مقرر کیا اس نے شہر کے باہر ایک اور شہر بسایا اور اس کا نام تائی تو رکھا۔ مارکو پولو نے لکھا ہے کہ نئے شہر کا گھیرا ۲۴ میل کا ہے۔ دس قدم فصیل کی اونچائی اور دس قدم اس کی چوڑائی ہے بازار ایسے سیدھے ہیں کہ ایک دروازہ سے دوسرا دروازہ نظر آتا ہے۔ شہر کے وسط میں ایک گھنٹہ گھر ہے۔ اس میں پانی کا گھڑیال رہتا ہے جب گھنٹہ ہو چکتا ہے تو ایک شخص گھنٹہ بجا دیتا ہے اور ایک تختہ پر تعداد لکھ کر باہر لٹکا دیتا ہے۔ ایک فرانسیسی مصنف نے حال کی فصیل کی بلندی ساڑھے ۳۵ فٹ اور چوڑائی ساڑھے ۳۷ فٹ لکھی ہے ۱۳۶۸ء میں مغلوں کے نکالے جانے کے بعد چینی بادشاہ اپنا دار الخلافہ نانکن میں لے گئے تھے لیکن دوسرا بادشاہ پھر پیکن میں آگیا۔

زمانہ حال میں جو اس شہر کی شکل ہے وہ یہ ہے کہ بیچ میں شاہی محل ہے جس کا گھیرا سوا دو میل کا ہے اس کے چاروں طرف مستطیل شکل میں فصیل کے اندر چودہ میل کا گھیرا گھرا ہوا ہے۔ اس کی فصیل پچاس فٹ اونچی اور نیچے سے ساٹھ فٹ اور اوپر سے چالیس فٹ چوڑی ہے۔ اس میں نو دروازے ہیں یہ پرانا شہر قوبلا قاآن کے وقت کا ہے۔ ایسی فصیل دنیا میں شاید کسی اور شہر کی نہ ہوگی۔ اس شہر کے جنوب کی طرف ایک اور شہر مستطیل شکل کا ہے جس کا بڑا ضلع اندر کے شہر کے جنوبی چھوٹے ضلع کے متقابل ہے اس میں سات دروازے ہیں باہر کے شہر کی فصیل ۳۰ فٹ اونچی اور بنیاد کے قریب ۲۵ فٹ اور اوپر پندرہ فٹ چوڑی ہے۔ محل شاہی کے باہر جنوب غربی گوشہ پر مسجد جامع ہے اس کے قرب و جوار میں بڑے بڑے مسلمان رہتے ہیں ایک مندر میں بہت بڑا گھنٹہ لٹکا ہوا ہے یہ گھنٹہ ۱۴۰۶ء میں بنایا گیا تھا ۱۵ فٹ اونچا ہے ۹ انچ موٹا ہے اور ۳۴ فٹ اس کا محیط ہے اس کا وزن پندرہ سو من ہے۔ زمانہ حال میں اس کی آبادی کا اندازہ دس لاکھ سے پچیس لاکھ تک کیا جاتا ہے۔

ابن بطوطہ نے غلطی کی ہے کہ جیکن کا دوسرا نام خانفو لکھا ہے کیونکہ خانفو خنسا کا بندر تھا اب یہ شہر غیر آباد ہو گیا ہے کیونکہ اس کے بندرگاہ کو سمندر نے تباہ کر دیا ہے۔ اب بھی کانپور کے نام سے مشہور ہے۔ مارکو پولو نے اس کا ذکر کیا ہے اور ابوالفدا نے بھی خنسا کا دوسرا نام خانفو لکھا ہے۔ روضۃ الصفا میں یہ بھی درج ہے کہ خنسا اور خانفو ایک ہی شہر ہے۔ کتاب اخبار الہند و الصین ۲۶۴ھ میں ابو زید سیرافی لکھتا ہے کہ خانفو کو ایک دفعہ باغیوں نے لوٹ لیا اور ڈیڑھ لاکھ مسلمان اور پردیسی جن میں یہودی اور نصرانی شامل تھے قتل کیے گئے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی اور فرنگی ملکوں سے کس قدر تاجر چین میں جاتے تھے۔

(۴۳) قراقرم کے کھنڈرات اب بھی دریائے اورخن پر جو صحرائے گوبی کے شمال میں سے نکل کر جھیل بیکال واقع سائبیریا میں جا گرتا ہے پائے جاتے ہیں یہ مقام طغرل اونگ خان کا دارالخلافہ تھا جو پہلے چنگیز خان کا دوست تھا لیکن بابعد ان کے درمیان ناموافقت ہو گئی تھی اور طغرل اونگ خان کو چنگیز خان نے شکست دے کر بھگا دیا یہ شہر مغلوں کا دارالخلافہ رہا۔ اوکتائی قاآن ہمیشہ وہیں رہتا ہے اور پھر بعد میں ہر ایک قاآن کی تاج پوشی کی رسم وہیں ادا کی جاتی تھی۔

(۴۴) باش بالغ بھی تاتار میں ایک شہر تھا اب اس کو ارمسی کہتے ہیں۔

(۴۵) قاآن۔ قاآن اور خان حقیقت میں دونوں ایک ہی لفظ ہیں ترکی میں ابتداء میں خان بادشاہ کو کہتے تھے رفتہ رفتہ چھوٹے بادشاہوں اور سرداروں پر اس کا استعمال ہونے لگا تو چنگیز خان کے بیٹے اوکتائی قاآن نے قاآن کا خطاب اختیار کیا کیونکہ وہ زیادہ مستعمل نہیں تھا۔ اب سوا سلطنت عثمانیہ کے جہاں خان سوا سلطان کے اور کسی کے نام کے ساتھ نہیں لگایا جاتا اور باقی امیر اور شریف پاشا یا بیگ کہلاتے ہیں اور تمام ایشیائی ملکوں میں اس لفظ کا استعمال درجہ میں گھٹتے گھٹتے بطور صاحب کے کیا جاتا ہے اور اسی لیے اور معمولی خانوں سے تمیز کرنے کے لیے خان خانان کا لفظ بنانا پڑا تھا۔ خاقان کے لفظ میں خان اور قاآن دونوں صورتیں ملا دی گئی ہیں تاکہ اس سے لفظ میں نئی طاقت پیدا ہو جائے۔ یا شاید وہ بھی خان خاقان کی دوسری شکل ہو۔ ہمارے ملک میں یہ لفظ اس قدر مبتذل ہوا ہے کہ جولاہے بھی اپنے نام کے ساتھ خان کا لفظ لگاتا ہے اور پٹھان اور راجپوت تو اس کو اپنے گھر کا خطاب سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ لفظ اصل میں مغلوں کا ہے اور اس لیے سرکار کو اعزازی خطابات میں خان سے اوپر ایک درجہ خان صاحب اور اس سے اوپر ایک درجہ خان بہادر

مرتا چلا۔

(۴۶) مارکو پولو نے لکھا ہے کہ تمام قاآن خواہ سو منزل کے فاصلہ پر مریں لیکن ان سب کی نعش کوہ الطائی (خان اولا) میں لے جاتے ہیں اور وہاں ان کو دفن کرتے ہیں اور نعش کو لے جاتے ہوئے جو کوئی شخص سامنے آ جائے اس کو مار ڈالتے ہیں چنانچہ منگو قاآن کی لاش لے جاتے ہوئے تیس ہزار آدمی اس طرح قتل کیے گئے اور اس کی نعش کے ساتھ دفن کیے گئے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ سب لوگ اور گھوڑے جو اس کے ساتھ دفن کیے جاتے ہیں اس جہان میں اس کی خدمت کریں گے رشید الدین نے یہ بھی لکھا ہے کہ چنگیز خان کی نعش لے جاتے ہوئے جتنے آدمی رستہ میں ملے ان کو قتل کیا گیا اور ان کے علاوہ چالیس امیر اور خوبصورت لڑکیاں اور بہت عمدہ عمدہ گھوڑے اس کے ساتھ دفن کیے گئے تھے۔

(۴۷) جو کچھ ابن بطوطہ نے دیکھا یہ "رخ" نہ تھا وہ سراب عکس ہے جو پہاڑوں یا جزیروں کا سمندر میں نظر آ جاتا ہے اور فی الحقیقت کوئی چیز نہیں ہوتی لیکن رخ کا ذکر مارکو پولو نے بھی جزیرہ مڈغاسکر کے متعلق کیا ہے مگر اس نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں نے رخ کو دیکھا ہے۔ رخ کی تصویر ایک ایرانی کتاب سے لین صاحب نے اپنی الف لیلہ میں درج کی ہے اور اس کو ایک پرندہ خروس کی شکل کا بنایا ہے۔ جس کے پر بہت لمبے لمبے ہیں ایک پنجہ میں ہاتھی ہے اور دوسرے پنجہ میں ہاتھی ہے اور تیسرا ہاتھی اس کی چونچ میں ہے عنقا اور سیمرغ رخ اور گرڑ (سنسکرت میں) اور گریفن (یونانی میں) ایک ہی جانور کے نام ہیں جو "عنقا" فرضی ہے لیکن زمانہ حال میں نیوزیلینڈ میں ایک ایسے پرندہ کا پنجر متحجر شدہ دریافت ہوا ہے جس کے پاس ہوا کا پنجر پایا گیا قیاس کیا گیا ہے کہ وہ جانور ہوا کو شکار کرتا تھا ہوا شتر مرغ کی برابر ہوتا تھا دس فٹ اونچا ہوتا تھا اور ایسے جانور کے اٹھانے کے لیے کم سے کم رخ جتنا پرندہ ہونا چاہیے۔ لندن کے عجائب گھر میں ایک انڈہ ہے جو مڈغاسکر سے آیا تھا اس میں بارہ سیر پانی آ سکتا ہے ممکن ہے کہ جس جانور کا یہ انڈہ ہو وہ رخ سے کم نہ ہو گا۔ حیات الحیوان میں رخ کے متعلق ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ ایک مغربی تاجر کے پاس رخ کا ایک پر تھا اس کی جڑ میں ایک مشک پانی کی آتی تھی وہ کہتا تھا کہ ہم نے ایک روز ایک جزیرہ میں ایک گول اور چمکتی ہوئی گیند کی شکل کی چیز دیکھی۔ ہم اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ انڈا ہے۔ اس کو پتھر اور لکڑیاں مار کر توڑا تو اس میں سے ایک بچہ نکلا۔ اس کے ایک بازو میں رسا باندھ کر باہر کھینچا۔ یہ بازو کا پر اس بچہ کا ہے۔ اس کا گوشت دیگوں

میں پکایا۔ جس سفید ریش آدمی نے وہ گوشت کھایا اس کی ڈاڑھی اسی وقت سیاہ ہو گئی۔ جب آفتاب برآمد ہوا۔ تو رخ ہمارے جہاز کے اوپر آسمان میں بادل کی مانند نمودار ہوا اور اس کے پنجے میں پہاڑ کا بڑا پتھر تھا لیکن اس نے جب پتھر ہم پر گرایا تو جہاز آگے نکل گیا تھا اور پتھر پانی میں جا پڑا اور اس طرح سے خدا نے ہم کو بچا لیا اس تمام تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں ایسا عظیم الجثہ پرندہ جیسا کہ رخ بیان کیا جاتا ہے ضرور تھا اگرچہ اب اس کی نسل معدوم ہو گئی ہے۔

باب (۲۶)

عرب' ایران' شام

(۱) ظفار

اڑتالیس دن کے بعد ظفار کے ملک میں پہنچا۔ محرم ۷۴۸ھ ہجری کی دسویں تاریخ تھی۔ وہاں کے خطیب عیسیٰ طاطا کے گھر ٹھہرا۔ ان دنوں وہاں کا بادشاہ ملک ناصر تھا جو ملک مغیث کا بیٹا تھا' جب میں پہلی دفعہ یہاں آیا تھا تب وہ وہاں کا بادشاہ تھا۔ بادشاہ کا نائب سیف الدین عمر امیر جندر ترکی تھا۔ بادشاہ نے مجھے ٹھہرایا اور میری بہت خاطر تواضع کی۔ وہاں سے سمندر کے راستے سے مسقط گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے وہاں قلب الماس مچھلی بہت ہوتی ہے پھر ہم قریات گئے' وہاں سے شبہ' وہاں سے کلب' وہاں سے قلہات۔ یہ سب شہر ہرموز کی عملداری میں ہیں اور ہرموز عمان کے ملک میں محسوب ہوتا ہے۔ وہاں سے ہم ہرموز گئے اور وہاں تین دن ٹھہرے۔ پھر خشکی کے رستے کوزستان گیا' پھر لار' پھر خنج بال' ان سب شہروں کا حال میں پہلی جلد میں بیان کر آیا ہوں' پھر کاذری گئے اور وہاں تین دن ٹھہرے پھر چکان گئے اور وہاں سے میمن اور وہاں سے بسا ہوتے ہوئے شیراز پہنچے۔ اس وقت ابو اسحاق بادشاہ تھا لیکن شیراز میں نہ تھا۔ میں نے شیخ صالح ولی اللہ قاضی مجد الدین کی زیارت کی۔ اسی وقت آپ نابینا ہو گئے تھے۔ خدا ان کے وجود سے مسلمانوں کو نفع پہنچاتا رہے۔ وہاں سے میں ماین گیا وہاں سے

یزد خاص پھر کلیل پھر کوشک زار اور وہاں سے اصفہان اور اصفہان سے تستر پہنچا اور وہاں سے حویزا ہوتا ہوا بصرہ میں پہنچا۔ ان سب شہروں کا بھی ذکر میں پہلی جلد میں کر چکا ہوں۔ بصرہ میں میں نے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ اور دائی حلیمہ سعدیہ اور حضرت ابوبکرہ اور حضرت انس بن مالک اور حسن بصری اور ثابت بنانی اور محمد بن سیرین اور مالک بن دینار اور محمد بن واسع اور حبیب عجمی اور سہل بن عبداللہ تستری کی قبروں کی زیارت کی۔ خدا ان سب سے راضی تھا پھر ہم کوفہ گئے۔ اس کی مسجد کی زیارت کی۔ پھر حلہ کے شہر میں پہنچا یہاں امام مہدی کی قبر ہے۔ ان دنوں میں وہاں کے کسی حاکم نے اس شہر کے لوگوں کو منع کیا کہ امام مہدی صاحب الزماں کی قبر پر نہ جاؤ اور وہاں گھوڑا نہ لے جاؤ جیسا کہ ان دنوں یہ دستور تھا کہ امام مہدی کے خروج کی امید میں وہاں کے حاکم کا ایک گھوڑا ہر رات لے جاتے تھے۔ اتفاق سے وہ حاکم جلدی ہی مرگیا اور رافضیوں نے غل مچایا کہ یہ حاکم اسی سبب سے مرا ہے کہ اس نے گھوڑا لے جانے کی ممانعت کی تھی۔ پھر کسی نے منع نہیں کیا وہاں سے چل کر میں صرصر پہنچا وہاں سے بغداد شوال ۷۴۸ھ میں پہنچا۔ وہاں سے بعضے مغربیوں سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ اہل فرنگ نے خضراء پر قبضہ کر لیا ہے۔ خدا مسلمانوں کے اس نقصان کو رفع کرے۔ ان دنوں میں بغداد کا بادشاہ شیخ حسن سلطان ابو سعید کی پھوپھی کا بیٹا تھا جب سلطان ابو سعید مرگیا تو سلطان حسن نے عراق پر قبضہ کر لیا اور اس کی بیوہ دلشاد بیگم سے جو خواجہ دمشق بن امیر چوپان کی بیٹی تھی نکاح کر لیا جیسا کہ پہلے سلطان ابو سعید نے شیخ حسن کی عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ سلطان حسن ان دنوں بغداد میں نہ تھا سلطان اتابک افراسیاب بادشاہ لورستان کے مقابلہ کو گیا تھا۔ بغداد سے روانہ ہو کر میں انبار کے شہر میں پہنچا وہاں سے ہیت اور حدیثہ ہوتا ہوا عانہ پہنچا۔ یہ ملک نہایت سرسبز اور زرخیز تھا۔ عانہ سے لے کر انبار تک برابر آبادی اور زراعت اور گاؤں چلے جاتے ہیں گویا آدمی بازار میں چل رہا ہے۔ ذکر کر چکا ہوں کہ ملک چین جیسی آبادی میں نے اس علاقہ کے سوا اور کہیں نہیں دیکھی۔ وہاں سے میں رحبہ کے شہر میں پہنچا یہ شہر مالک بن طوق کی طرف منسوب ہے اور رحبہ کا شہر عراق کے بہت عمدہ شہروں میں سے ہے۔ یہ شام کا سب سے پہلا شہر ہے وہاں سے میں سخنہ پہنچا جو خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کے اکثر باشندے نصاریٰ ہیں۔ وہاں گرم پانی نکلتا ہے اس لیے اس شہر کا نام سخنہ پڑ گیا۔ عورتوں اور مردوں کے جدا جدا حمام غسل کے لیے بنے ہوئے ہیں۔ رات کو پانی کھینچ لیتے ہیں اور ٹھنڈا ہونے کے لیے چھتوں پر رکھ دیتے ہیں۔ وہاں سے ہم تدمر پہنچے۔ یہ شہر جنوں نے حضرت سلیمان کے لیے بنایا تھا جیسا کہ نابغہ شاعر کہتا ہے

بینون تدمر بالصفاح والعمد

(ترجمہ) بناتے ہیں تدمر کو سلوں اور ستونوں کے ساتھ۔

(۲) دمشق

وہاں سے چل کر ہم دمشق شام (۱) میں پہنچے بیس برس کے بعد وہاں واپس آیا۔ وہاں میں نے اپنی ایک عورت کو چھوڑا تھا اور اس وقت وہ حاملہ تھی اور جب میں ہندوستان میں تھا تو میں نے سنا تھا کہ میرے ایک بیٹا پیدا ہوا ہے میں نے اس کے نانا کے پاس ہندوستان سے چالیس دینار طلائی بھیجے تھے وہ شہر مکناسہ ملک مغرب کا رہنے تھا۔ جب میں دمشق میں پہنچا تو مجھے یہ فکر تھی کہ میں کسی سے اپنے بیٹے کا حال دریافت کروں۔ میں مسجد میں داخل ہوا اور شیخ نور الدین سخاوی امام مالکی سے ملنے اتفاق ہوا۔ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے مجھے نہ پہچانا۔ میں نے پتا بتلایا اور اپنے بیٹے کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا وہ لڑکا بارہ سال ہوئے مرگیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے شہر طنجہ کا ایک فقیہ مدرسہ ظاہریہ میں رہتا ہے۔ میں اس کے پاس گیا تاکہ اپنے والد اور خاندان کا حال دریافت کروں۔ میں اس کے پاس گیا تو وہ بہت بڈھا آدمی تھا میں نے اس کو سلام کیا اور اپنے خاندان کا پتہ بتلایا تو اس نے کہا کہ تیرا والد پندرہ سال ہوئے مرگیا اور تیری والدہ زندہ ہے۔ وہ برس میں نے دمشق میں پورا کیا۔ اس وقت وہاں قحط پڑا ہوا تھا اور سات اوقیہ روٹی کی قیمت ایک درہم تھی۔ وہاں کا ایک اوقیہ مغرب کے چار اوقیہ کی برابر ہوتا ہے۔ ان دنوں میں مالکیوں کا قاضی وہاں جمال الدین سلاقی تھا۔ یہ شیخ علاء الدین قونوی کے مریدوں میں سے تھے اور ان ہی کے ساتھ دمشق میں آئے تھے اور پھر وہیں مشہور ہو گئے اور وہیں قاضی ہو گئے۔ شافعیوں کے قاضی القضاۃ تقی الدین ابن السبکی تھے..... ان دنوں دمشق کا حاکم ارغون شاہ تھا۔ ان ہی دنوں میں دمشق کا ایک امیر مرگیا تھا۔ اس نے کچھ مال مساکین کے لیے چھوڑا تھا اور اس کا وصی حنفی روٹی خرید کر ہر ... عصر کے بعد تقسیم کیا کرتا تھا۔ ایک رات کو غریب لوگ جمع ہو کر ان روٹیوں کو جو تقسیم ہوتی تھیں، لے لئے اور روٹی والوں کی دکانوں پر بھی دست درازی شروع کی۔ یہ خبر ارغون شاہ کو بھی پہنچی اس نے اپنے سپاہی بھیجے۔ انہوں نے جہاں کہیں مسکین ملا اس کو کہا کہ تو روٹی تقسیم ہوتی ہے۔ جب وہ سب آگئے تو ان سب کو قید کر لیا اور دوسری صبح ان کو قلعہ کے نیچے لے گئے اور حکم دیا کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر بے گناہ بھی تھے۔ یہ سن کر بہت سے شورہ پشت لوگ دمشق سے نکل کر حما اور حلب اور حمص کو

چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ ارغون شاہ تھوڑے دنوں کے بعد مارا گیا۔

(۳) حلب

دمشق سے روانہ ہو کر میں حمص کی جانب گیا پھر حماۃ کی طرف گیا پھر معرہ کی طرف اور پھر سرمین کی طرف اور اس کے بعد حلب (۳) میں پہنچا۔ حلب کا حاکم ان دنوں میں حاجی رغلی تھا۔ ان دنوں میں ایک فقیر جس کو شیخ الشاعر کہتے تھے شہر عین تاب کے باہر ایک پہاڑ میں رہتا تھا لوگ اس کے پاس دور دور سے زیارت کو آتے تھے اور اس سے دعا چاہتے تھے اس کے پاس ایک شاگرد ہمیشہ رہتا تھا اور اس نے نکاح نہ کیا تھا۔ مجرد رہتا تھا ایک روز اثنا کلام میں اس کی زبان سے نکل گیا کہ پیغمبر بغیر عورت نہ رہ سکتے تھے لیکن میں رہ سکتا ہوں۔ لوگوں نے اس کے کلام پر گواہ کر لیے اور قاضی کے پاس ثابت کرا دیا۔ قاضی نے اس کا مقدمہ ملک الامرا کے پاس بھیج دیا۔ شیخ کو اور اس کے شاگرد کو جو اس کے کلام کی تائید کرتا تھا اس کے پاس لائے۔ اس نے چاروں قاضیوں سے فتویٰ مانگا۔ ان کے نام یہ تھے شہاب الدین مالکی' ناصر الدین ادیم حنفی' تقی الدین ابن الصائب شافعی اور عزالدین دمشقی حنبلی۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ دونوں قتل کیے گئے۔

(۴) وبائے طاعون

شروع ماہ ربیع الاول ۷۴۹ھ میں ہمیں حلب میں خبر پہنچی کہ غزہ میں وبائے طاعون شروع ہو گئی ہے اور ہر روز ایک ہزار سے زیادہ آدمی وہاں مرتے ہیں۔ میں حمص کو چلا گیا اور وہاں جا کر دیکھا تو وبا کا بہت زور تھا۔ جس روز میں وہاں پہنچا تین سو آدمی مرے تھے۔ وہاں سے میں دمشق کو چلا گیا اور جمعرات کے دن وہاں پہنچا وہاں کے باشندوں نے تین دن روزے رکھے تھے اور جمعہ کے دن مسجد الاقدام میں سب لوگ جمع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں وبا کو ہلکا کر دیا وہاں ایک ایک دن میں چوبیس سو آدمی مرنے لگ گئے تھے۔ پھر میں عجلون کی طرف گیا پھر بیت المقدس کو وہاں سے وبا رفع ہو گئی تھی۔ وہاں مجھے خطیب عزالدین بن جماعہ جو عزالدین قاضی القضاۃ مصر کا چچا زاد بھائی تھا ملا وہ بڑا فاضل اور سخی تھا اس کی تنخواہ ایک ہزار درہم ماہوار تھی۔ خطیب عزالدین نے ایک روز دعوت کی اور مجھے بھی بلایا۔ میں نے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس روز میں کسی مردہ کی نماز نہ پڑھوں گا' تو دعوت کروں گا۔ اس نے کہا کہ کل ایسا دن تھا کہ کوئی نہیں مرا اس لیے میں نے اپنی نذر پوری کی۔

یہاں آکر معلوم ہوا کہ جس قدر بزرگوں سے میں واقف تھا' وہ سب وبا میں مر گئے اور ان میں سے محدود اشخاص زندہ رہ گئے۔ ان ہی میں سے محدث امام صلاح الدین خلیل ابن کیکلدی علائی تھے اور شیخ شرف الدین خشی جو مسجد اقصیٰ کی خانقاہ کے شیخ تھے۔ شیخ سلمان شیرازی سے بھی میں ملا انہوں نے میری دعوت کی۔ سوا اس شیخ کے شام اور مصر میں مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملا جس نے حضرت آدم علیہ السلام کے قدم واقع سیلان کی زیارت کی ہو پھر میں قدس سے چل پڑا اور محدث شرف الدین سلیمان ملیانی اور مالکیوں کے شیخ صوفی طٰہٰ العبد الواوی میرے ساتھ چلے۔ خلیل کے شہر میں پہنچے۔ ہم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور دیگر پیغمبروں کی قبروں کی زیارت کی پھر ہم غزہ (۳) میں پہنچے۔ یہ شہر وبا کے سبب سے خالی ہو گیا تھا۔ وہاں کے قاضی نے مجھ سے کہا کہ اس شہر میں عادل گواہ اسی (۸۰) ہوتے تھے۔ ان میں سے دو تہائی مر گئے اور وہاں ایک ایک دن میں گیارہ گیارہ سو تک آدمی مر چکے تھے۔

(۵) دمیاط و اسکندریہ و قاہرہ

پھر میں خشکی کی راہ سے چلا اور دمیاط (۳) پہنچا۔ وہاں قطب الدین نقشوانی سے ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور میرے ساتھ فارس کور اور سمنود اور ابو صیر کی طرف گئے۔ وہاں ہم مصریوں کی خانقاہ میں ٹھہرے۔ جب ہم وہاں ٹھہرے ہوئے تھے تو ہمارے پاس ایک فقیر آیا اس نے سلام علیک کی۔ ہم نے کہا کہ کھانا تیار ہے اس نے کھانے سے انکار کیا اور کہا کہ میں تمہاری زیارت کے لیے آیا ہوں۔ تمام رات اسے سجدہ اور رکوع میں گزری۔ جب ہم نے صبح کی نماز پڑھی اور ذکر میں مشغول ہوئے' تو یہ فقیر خانقاہ کے ایک ستون سے تکیہ لگا کر لیٹ گیا۔ جب شیخ کھانا لایا اور اس کو کھانے پر بلایا تو اس نے کچھ جواب نہ دیا اور وہ مرا ہوا پایا گیا۔ ہم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس کو دفن کیا۔ خدا اس پر رحمت کرے پھر میں محلہ الکبیرہ میں گیا' وہاں سے نحراریہ' وہاں سے ابیار' وہاں سے دمنہور ہوتا ہوا اسکندریہ (۵) میں پہنچا۔ وہاں بھی وبا کم ہو گئی تھی اور موتوں کی تعداد ایک ہزار اسی تک پہنچ گئی تھی۔ پھر میں قاہرہ (۲) میں پہنچا۔ وہاں بھی وبا کے دنوں میں موتوں کی تعداد بیس ہزار اور یک یومیہ تک پہنچ گئی تھی اور جن جن بزرگوں سے میں واقف تھا' وہاں مر گئے تھے۔ مصر کے ملک میں ان دنوں ملک ناصر حسن بن ملک ناصر محمد بن ملک منصور قلاوون بادشاہ تھا' اس کے بعد اس کو معزول کر دیا گیا اور اس کا بھائی ملک صالح بادشاہ ہوا۔ جب میں قاہرہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ قاضی القضاۃ عزالدین بن بدر الدین بن جماعہ ایک بڑے گروہ کے ساتھ مکہ معظمہ کو تشریف

لے گئے تھے۔ اس قافلہ کا نام رجبی تھا کیونکہ وہ رجب کے مہینے میں چلے تھے۔ کہتے تھے کہ شہر ایلہ تک وہاں ان کے ساتھ گئی پھر جاتی رہی۔

(۶) حج

قاہرہ سے چل کر میں صعید کے شہروں میں ہوتا ہوا عیذاب میں پہنچا۔ وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر جدہ گیا اور وہاں سے مکہ شعبان ۷۲۶ھ میں پہنچا اور وہاں مالکیوں کے شیخ فاضل ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خلیل کے قریب جا کر ٹھہرا۔ ماہ رمضان کے روزے میں نے مکہ میں رکھے اور ہر روز شافعی مذہب کے مطابق عمرہ کیا کرتا تھا اور وہاں کے بزرگوں میں سے شیخ شہاب الدین حنفی اور شہاب الدین طبری اور ابو محمد یافعی (۷) اور نجم الدین اصفونی اور حرازی سے واقف تھا۔ ان سے ملا اس سال میں حج کر کے شامی قافلہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی اور مسجد نبوی میں نماز پڑھی اور بقیع میں اصحاب پیغمبر کی زیارت کی اور شیخ ابو محمد بن فرحون سے بھی ملا۔ وہاں سے ہم علا اور تبوک کو گئے وہاں سے بیت المقدس کو وہاں سے خلیل کو وہاں سے غزہ وہاں سے منازل الرمل کو۔ ان سب کا بیان میں پہلے کر چکا ہوں۔ وہاں سے قاہرہ آیا۔



حوالہ جات

(۱) دمشق ملک شام کا دارالخلافہ ہے۔ وہاں ایک پاشا بھی رہتا ہے۔ بیروت سے جو اس کا بندرگاہ ہے ۵۷ میل ہے۔ اب ریل بھی جاری ہو گئی ہے۔ بازار اکثر تنگ ہیں لیکن چوڑائی برابر یکساں چلی جاتی ہے۔ بیچ میں فرش ہے اور دونوں طرف آدمیوں کے چلنے کا راستہ ہے۔ اس شہر میں پانچ سو سے زیادہ ایسے بڑے بڑے محل ہیں جن میں نہر جاری ہے اور باغیچے بھی ہیں۔ خلیفہ ولید کی بنائی ہوئی مسجد ۴۵۰ فٹ لمبی اور ۱۵۰ فٹ چوڑی ہے مسجد کے ساتھ غریب لوگوں کے واسطے ایک ہسپتال بھی ہے پہلے زمانہ میں یہاں کی تلوار مشہور تھی جس کا لوہا اس قدر لچکیلا بنایا جاتا تھا کہ اس کو موڑ کر لپیٹ لیتے تھے۔ یہ شہر بہت پرانا ہے۔ حضرت ابراہیم کے وقت میں موجود تھا۔ ۶۳۴ء میں مسلمانوں نے اس کو فتح کیا ۱۵۱۶ء میں سلطنت عثمانیہ کے قبضہ میں آیا۔ دریائے فرات اور کوہ لبنان کا درمیانی ملک کل پاشائے دمشق کے ماتحت ہے۔ شہر کی آبادی قریب ڈیڑھ لاکھ کے ہے اب فرانسیسی قابض ہیں۔

(۲) حلب شام کے شمال میں ایک پاشا کے رہنے کی جگہ ہے اور بڑی تجارت گاہ ہے یہ شہر آٹھ پہاڑوں پر بستا ہے اور ایک دریا کویک نام اس کے درمیان سے گزرتا ہے۔ شہر کی فصیل سنگین اور بلند ہے اس کا دورہ ساڑھے تین میل سے زیادہ نہیں لیکن کل شہر مع مضافات آٹھ سات میل کے دورہ میں ہے خندق میں اب ترکاری کی زراعت ہوتی ہے۔ امیروں کے گھر سفید پتھر کے ہیں۔ بازار بھی چوڑے ہیں اور ان میں فرش لگا ہوا ہے۔ یہودی اور یورپ کے باشندے علیحدہ محلوں میں رہتے ہیں۔ مسجدیں بکثرت ہیں لیکن کسی کا مینار ایک سے زیادہ نہیں۔ ریشم اور روئی اور زری کے تار کی خرید و فروخت بکثرت ہوتی ہے ۱۸۲۲ء کے زلزلہ سے پہلے اس شہر کی آبادی دو ڈھائی لاکھ کے قریب تھی لیکن اس زلزلہ میں شہر تباہ ہو گیا اب بھی ایک لاکھ سے زیادہ آدمی بستے ہیں اور یہ شہر بھی فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہے۔

(۳) غزہ فلسطین میں ایک شہر ہے یروشلم یعنی قدس سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مصر اور شام کے درمیان تجارتی قافلے یہاں ہو کر جاتے ہیں اس لیے یہ شہر ہمیشہ بارونق رہا ہے اس شہر کا ذکر عہد عتیق میں اکثر دفعہ آتا ہے۔ موجودہ آبادی میں پچیس ہزار کے قریب ہے۔

(۴) دمیاط۔ یہ شہر نیل کی شرقی شاخ پر اس کے سمندر میں شامل ہونے کی جگہ سے

آٹھ میل اوپر واقع ہے بندر اچھا نہیں ہے اس لیے اس شہر نے تجارت بحری میں بہت کچھ ترقی نہیں کی۔ اس شہر کے ایک طرف منزلہ کی جھیل ہے اور دوسری طرف سے دریا ہلال کی شکل میں بہتا ہے۔ سفید گھر نہایت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ دمیاط کے قرب و جوار کا ملک ایسا زرخیز ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی اور جگہ اس کا مقابلہ کر سکتی ہو یہ شہر صلیبی لڑائیوں میں کئی دفعہ فرانسیسیوں کے قبضہ میں آگیا لیکن صلاح الدین اور چراکسی مملوکوں نے آخر کار اس کو چھڑا لیا۔ موجودہ آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے۔

(۵) اسکندریہ۔ قاہرہ سے ۱۲۸ میل شمال مغرب میں بحیرہ روم کے کنارہ پر یہ شہر واقع ہے۔ اسکندر بن فیلقوس نے اس شہر کو آباد کیا اور مصر کا دارالخلافہ مقرر کیا۔ خاندان بطالسہ کے عہد میں جس کے بادشاہ علم کی قدردانی کے لیے مشہور تھے اس شہر نے بہت رونق حاصل کی۔ فاروس کے جزیرہ پر ایک بطلیموس نے ایک مینار بنایا جو دنیا کے ہفت عجائبات میں سے شمار ہوتا تھا اور اسکندر کی طرف منسوب ہے جس کو فارسی کتابوں میں آئینہ سکندر کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں یورپ اور مشرق کی تجارت اس شہر کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ بطلیموس سوطر نے ایک بڑا کتب خانہ اس شہر میں جمع کیا تھا جس میں ۷ لاکھ کتابیں تھیں ۵ لاکھ کتابیں تو اس وقت جب جولیس قیصر کا اس شہر میں محاصرہ کیا گیا تھا جل گئیں اور باقی اور مختلف وقتوں میں کچھ تھوڑی سی جو باقی رہ گئیں تھیں وہ اس وقت جب عربوں نے اس شہر کو لیا جل گئیں۔ عربوں کے وقت میں مصر کا دارالخلافہ اول فسطاط مقرر ہوا اور پھر قاہرہ بنایا گیا اس لیے یہ شہر رونق میں گھٹتا گیا آخر کار پندرھویں صدی کے اخیر میں کیپ کا رستہ دریافت ہونے کے بعد اس کی تجارت کو بڑا سخت صدمہ پہنچا نہر سویس کے کھلنے پر اس شہر کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا اور تجارت کی خوبی اور خوبصورتی میں یہ شہر مصر کا پیرس سمجھا جاتا ہے۔ ۱۸۸۲ء میں مسٹر گلیڈ سٹون کی وزارت میں اعرابی پاشا کی بغاوت کے وقت انگلستان کے جہازوں کے توپوں نے اس شہر کو تقریباً برباد کر دیا تھا حالانکہ ایسا کرنا پولیٹکل معاملات کے سلجھانے کے لیے اس وقت کچھ ضرور نہ تھا لیکن اب پھر اس شہر نے امید کے خلاف ترقی کی ہے اور اس کی موجودہ آبادی پونے چار لاکھ کے قریب ہے۔

(۶) قاہرہ۔ دریائے نیل کے مشرقی کنارہ پر بستا ہے۔ یہ شہر اول ہی اول صدی کے سپہ سالار جوہر نے آباد کیا تھا۔ قدیم شہر دو میل کے فاصلہ پر جنوب میں واقع ہے۔ اس شہر سے چار میل کے فاصلہ پر نیل کی کئی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ خدیو اسماعیل پاشا نے اس شہر کے آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ موجودہ آبادی پانچ لاکھ کے قریب ہے بازار سڑکیں اور تماشا گاہ اور محل سب پیرس کے نمونہ پر بنائے گئے ہیں۔ شہر کی پرانی حالت میں مسجدیں اور مملوک بحری کے مقبرے اور اہرام مصر اور میقاس النیل اور چاہ یوسف اور حضرت یوسف کے بنائے ہوئے غلہ کے کوٹھے اور صلاح الدین یوسف کا بنایا ہوا قلعہ بہت مشہور ہیں۔ چاہ یوسف بھی صلاح الدین یوسف کا بنایا ہوا ہے۔ پہاڑ میں کھود کر بنایا گیا ہے ۲۷۰ فٹ نیچا ہے اور پانی تک سیڑھیاں ہیں۔

(۷) یافعی۔ ابو محمد یافعی ان کا نام عفیف الدین عبداللہ بن اسعد یمنی ہے۔ مکہ معظمہ میں رہتے تھے علوم ظاہری اور باطنی سے آپ نے پورا حصہ لیا تھا۔ کتاب مراۃ الجنان و عبرۃ الیقظان فی حوادث الزمان علم تاریخ میں ایک کتاب ہے جس میں ۷۵۰ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ آپ کی دوسری مشہور کتاب روض الریاحین فی حکایات الصالحین ہے جس میں اہل اللہ کے حالات ایک بہت متین اور مزہ دار عربی زبان میں درج ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے (نفحات الانس) ابن بطوطہ کے حج جانے کے وقت آپ مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے۔

باب (۱۷)

وطن کو واپسی

(۱) تونس

قاہرہ میں آکر میں نے مولانا امیر المومنین ابو عنان کے علم و فضل و انصاف کا شہرہ سنا اور مجھے اس کی درگاہ کی قدم بوسی کا شوق ہوا اور وطن کی یاد نے بھی دل میں چٹکی لی۔

بلاد بها نيطت على تمائمي
واول ارض مس جلدي ترابها

(ترجمہ) وہ ملک جس میں اول میرے گلے میں تعویذ ڈالے گئے
سب سے اول زمین جس کی مٹی میرے بدن پر لگی

میں ایک تونسی کی قرقورہ (چھوٹی کشتی) میں سوار ہوا۔ صفر کا مہینہ تھا اور ۷۵۰ھ تھا۔ میں اس کشتی سے جربہ میں اتر گیا اور وہ کشتی تونس کو چلی گئی دشمن نے اس کو پکڑ لیا۔ وہاں سے میں ایک چھوٹی سی کشتی میں قابس پہنچا اور وہاں ابی مروان اور ابو عباس کا مہمان رہا۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ ایک جربہ کا اور دوسرا قابس کا حاکم تھا۔ ان کے پاس میں محفل میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور ایک جہاز میں بیٹھ کر سفاقس میں پہنچا اور پھر دریا کے رستہ بلیانہ میں گیا اور وہاں سے خشکی کے رستہ عربوں کے قافلہ کے ساتھ بہت سی تکالیف برداشت کر کے تونس میں پہنچا۔ اس وقت اس شہر کا محاصرہ عربوں نے کیا ہوا تھا۔ تونس کا والی ان دنوں میں امیر المسلمین ابو الحسن بن مولانا ابو یوسف بن عبد الحق تھا۔ جب میں تونس میں پہنچا تو حاجی ابو الحسن نامسی کی زیارت کو گیا۔ ان کے ساتھ میری قرابت اور ہم وطنی کا رشتہ بھی تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے مکان پر مہمان رکھا۔ وہ مجھے محل شاہی میں لے گئے۔ میں نے مولانا ابو الحسن والی تونس کی دست بوسی کا فخر حاصل کیا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کی اجازت دی۔ میں بیٹھ گیا اور مجھ سے سلطان مصر اور حجاز کے حالات دریافت کیے۔ میں نے کل حال بتلا دیا پھر مجھ سے ابن تیفرا جین کا حال دریافت کیا۔ میں نے بادشاہ کو تمام وہ حال کہہ سنایا کہ اس کے ساتھ مغربیوں نے ایسا سلوک کیا تھا اور اسکندریہ میں اس کو قتل کرنا چاہتا تھا اور چونکہ وہ مولانا ابو الحسن کے حامی تھے، اس لیے ان کو تکلیف دیتا تھا۔ اس کی محفل میں فقیہوں میں سے امام ابو عبداللہ سطی اور امام ابو عبداللہ محمد بن صباغ اور اہل تونس میں سے وہاں کا قاضی ابو علی عمر بن عبد الرفیع اور ابو عبداللہ بن ہارون موجود تھے۔ میں واپس چلا آیا۔ عصر کے بعد مجھے مولانا نے پھر بلایا۔ وہ ایک برج میں بیٹھے ہوئے تھے جس سے لڑائی کی جگہ نظر آتی تھی۔ شیخ ابو محمد عثمان بن عبد الواحد تانلفتی اور ابو حسون زیان بن امریون علوی اور ابو زکریا یحییٰ بن سلیمان عسکری اور حاجی ابو الحسن نامسی بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھ سے ہندوستان کا حال پوچھا اور میں نے اس کو کل حال، جو وہ پوچھتا گیا، بتایا۔ میں تونس میں چھتیس دن پھرا۔ برابر مولانا ابو الحسن کی خدمت میں جاتا رہا۔ تونس میں، میں نے قاضی القضاۃ ابو عبداللہ ایلی سے ملاقات کی۔ وہ بیمار تھے لیکن مجھ سے میرے سفر کا حال پوچھتے رہے۔

(۲) سارڈانیہ و تلمسان

مغاربہ کے لوگوں کے ساتھ میں جہاز میں سارڈانیہ (۱) کے جزیرہ میں گیا، جو بحیرۂ روم میں ایک جزیرہ ہے اور اس کا بندرگاہ بہت بڑا ہے۔ بڑے لکڑ اس کے گرد جمع کیے ہوئے ہیں اور فقط ایک دروازہ آنے جانے کے لیے رکھا ہوا ہے اور اندر قلعے بنے ہوئے ہیں۔ ایک میں، میں بھی گیا۔ بازار عمدہ ہیں۔ میں نے نذر مانی کہ اگر یہاں سے خلاصی ہو گئی تو میں دو مہینے برابر روزہ رکھوں گا کیونکہ ہمیں معلوم ہوا کہ وہاں کے باشندوں کا ارادہ ہے کہ جب ہم ان کے بندرگاہ سے چل پڑیں تو ہمیں قید کر لیں۔ ہم وہاں سے چلے اور دس دن کے بعد شہر تنس میں پہنچے۔ وہاں سے مازونہ گئے وہاں سے مستغانم وہاں سے تلمسان میں عابدوں کی زیارت کو گیا اور شیخ ابو مدین (۲) رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور اس سے نفع حاصل کیا پھر ندرومہ کے رستہ

پہنچے تو پچاس پیادے اور دو سواروں نے ہم پر حملہ کیا۔ میرے ساتھ حاجی ابن قریعات بھی اور اس کا بھائی محمد بھی تھے۔ یہ محمد اس کے بعد سمندر کی لڑائی میں شہید ہو گیا۔ ہم نے لڑنے کا ارادہ کیا اور علم بلند کیا لیکن صلح ہو گئی۔ خدا کا شکر ہے پھر میں شہر تازی میں گیا اور وہاں خبر سنی کہ میری والدہ وبا سے مر گئی اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔

(۳) فاس کا شہر اور سلطان ابو عنان

پھر تازی سے چل کر میں جمعہ کے دن شعبان ۷۵۰ھ کے اخیر میں دارالخلافہ فاس (۳) میں پہنچا اور مولانا اعظم امیر المومنین ابو عنان کی دست بوسی کا فخر حاصل کیا۔ خدا کی عنایت ہے اس بادشاہ میں تمام اوصاف مجتمع ہیں۔ سلطان عراق سے زیادہ اس میں ہیبت' بادشاہ ہند سے زیادہ اس میں حسن اور بادشاہ چین سے زیادہ اس میں خوش خلقی اور بادشاہ ترک سے زیادہ اس میں بہادری اور شاہ روم سے زیادہ اس میں حلم اور بادشاہ ترکستان سے زیادہ اس میں دینداری اور بادشاہ جاوا سے زیادہ اس میں علم ہے۔ اس کا وزیر عالم فاضل ابو زیان بن وودرار تھا۔ اس نے مجھ سے مصر کا حال پوچھا۔ وہ مصر میں رہ آیا تھا اس نے مجھے امیر المومنین کے احسانوں کے بوجھ میں دبا دیا۔ میں نے امیر المومنین کے ملک میں رہنا اختیار کیا۔ چونکہ میں نے انصافاً" معلوم کر لیا کہ اس ملک سے عمدہ اور کوئی ملک دنیا کے پردہ پر نہیں ہے۔ میوہ جات اس ملک میں بکثرت ہیں اور کھانے پینے کی چیزیں میسر آتی ہیں۔ کسی ملک میں یہ کل اوصاف نہیں پائے جاتے۔ کسی نے خوب ہی کہا ہے

الغرب حسن ارض
مغرب سب سے اچھا ہے
ولی دلیل علیہ
اس دعویٰ پر میرے پاس دلیل ہے
البدر یبدو قبضہ
چاند وہاں سے نکلتا ہے
والشمس تسعی الیہ
اور سورج وہاں دوڑتا ہوا جاتا ہے

مغرب کے درہم چھوٹے ہوتے ہیں اگر مغرب کے نرخ کا مقابلہ شام اور مصر کے نرخ کے ساتھ کیا جائے تو یقین ہو گا کہ مغرب کا ملک افضل ہے چنانچہ بکری کا گوشت مصر میں ایک درہم نقرہ کا اٹھارہ اوقیہ آتا ہے اور درہم نقرہ ملک مغرب کے سات درہم کے برابر ہوتا ہے اور مغرب میں جب نرخ گراں ہو تو اٹھارہ اوقیہ گوشت دو درہم میں آتا ہے گھی مصر میں اکثر اوقات ملتا ہی نہیں اور جو چیزیں بطور سالن کے مصر کے لوگ استعمال کرتے ہیں جیسے کہ مسٹری اور چنے مغرب میں کوئی ان کو پوچھتا بھی نہیں۔ مصر میں مصری اور چنوں کی دال بڑی بڑی دیگوں میں پکاتے ہیں اور اس میں لہسن ملاتے ہیں سبزہ کو پکاتے ہیں اور اس میں روغن زیت ڈالتے ہیں۔ جلجلہ (کدو) کو پکاتے ہیں اور اس میں دودھ ملاتے ہیں۔ لوبیا کا ساگ پکاتے ہیں۔ بادام کی شاخوں کی کونپلیں پکاتے ہیں اور اس میں دودھ ملاتے ہیں۔ اروی (قلقاس) بھی پکاتے ہیں یہ سب چیزیں مغرب میں بھی ہوتی ہیں لیکن وہاں گوشت اور گھی اور مکھن اور شہد بہت کثرت سے ہوتا ہے۔ سبز ترکاریاں مصر میں بہت کم ہوتی ہیں اور میوہ جات اکثر شام سے آتے ہیں۔ انگور جب بہت ارزاں ہو تو ایک درہم نقرہ کا تین رطل آتا ہے اور مصر کا رطل بارہ اوقیہ کا ہوتا ہے۔ شام میں بھی اگرچہ میوہ جات بہت ارزاں ہوتے ہیں لیکن مغرب کے برابر نہیں ہوتے کیونکہ انگور مغرب میں ایک درہم نقرہ کا رطل بھر آتا ہے۔ شام کے رطل کے حساب سے اور شام کا رطل مغرب کے تین رطل کے برابر ہوتا ہے۔ سستا ہو تو ایک درہم نقرہ کا دو رطل شامی آتا ہے اور خوبانی ایک درہم نقرہ کی دس اوقیہ آتی ہے اور انار اور بہی ایک دانہ آٹھ فلوس کا آتا ہے جو مغرب کے درہم کے برابر ہوتے ہیں۔ سبز ترکاری شام میں ایک درہم نقرہ کے عوض اس سے کم آتی ہے جو مغرب میں مغرب کے درہم کے عوض آتی ہے شام میں گوشت ڈھائی درہم نقرہ کے عوض ایک رطل شامی آتا ہے۔ اس مقابلہ سے معلوم ہوا کہ مغرب میں ارزانی سب سے زیادہ ہوتی ہے وہاں خیرات بھی بہت ہوتی ہے اور زرخیزی اور فوائد میں بھی اور ملکوں سے بڑھ کر ہے۔ سب سے زیادہ سبقت مغرب کو مشرق پر اس لیے ہے کہ وہاں مولانا ابو العنان (۴) کے انصاف سے ہر سمت میں امن ہے اور انصاف کے چشمے جاری ہیں اور مفسدوں کا نام اس ملک میں باقی نہیں رہا۔ جو کچھ میں نے امیر المومنین کے انصاف اور علم و شجاعت کے متعلق دیکھا ہے یا سنا ہے' میں بیان کرتا ہوں۔ امیر المومنین مظلوموں کی شکایات سننے کے لیے خود اجلاس کرتے ہیں اور جمعہ کا دن اس کے لیے مخصوص ہے اس دن اول تو عورتوں کی شکایات سنی جاتی ہیں کیونکہ وہ زیادہ کمزور ہوتی ہیں اور ان کے بعد مردوں کی نماز جمعہ کے بعد اول عورتوں کی عرضیاں پڑھی جاتی ہیں اور نوبت نوبت ان کو آواز دی جاتی ہے۔ ہر عورت امیر المومنین کے سامنے کھڑے ہو کر خود اپنا قصہ بیان کرتی

ہے۔ اگر ظلم رسیدہ ہوتی ہے تو اس کا انصاف فوراً کیا جاتا ہے اگر اس کو کچھ حاجت ہوتی ہے تو وہ پوری کی جاتی ہے۔ عصر کی نماز کے بعد مردوں کی عرضیاں پیش ہوتی ہیں اور اسی طرح ان کے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ قاضی اور فقیہ موجود ہوتے ہیں اگر کچھ شرعی مسئلہ دریافت کرنا پڑتا ہے تو فوراً ان سے پوچھ لیا جاتا ہے۔ اس قسم کی کارروائی میں نے کسی ملک میں نہیں دیکھی۔ ہندوستان میں بادشاہ نے عرضیاں لینے کے واسطے امیر مقرر کیے ہیں۔ وہ اس کا خلاصہ کر کے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیتے ہیں اور سائل بادشاہ کے روبرو نہیں بلائے جاتے۔ امیر المومنین کا حلم بھی عجیب ہے اس نے بہت سے ایسے اشخاص کو معافی دے دی جنہوں نے اس کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا یا اس کی مخالفت کی۔ بڑے بڑے مجرموں کو معاف نہیں کیا جاتا لیکن جس نے توبہ کر لی اور امیر المومنین کو یقین ہو گیا کہ وہ عافین عن الناس کے خطا کو بخوبی سمجھتا ہے تو اس کو معاف کر دیتا ہے (ابن جزی اس سفرنامہ کا ترتیب دینے والا کہتا ہے کہ مجھے امیر المومنین کی خدمت میں آئے ہوئے چار سال ہوئے یعنی ۷۵۳ھ سے ۷۵۷ھ تک میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ سوا قصاص یا حد شرعی کے قتل کیا گیا ہو۔ اور یہ بات اس قدر وسیع سلطنت میں جس میں مختلف گروہ رہتے ہیں نہایت عجیب ہے اور میں نے یہ بات کسی زمانہ میں یا کسی ملک میں نہ سنی اور نہ دیکھی) امیر المومنین کی شجاعت کا یہ حال ہے کہ اکثر نازک موقعوں پر اس نے ثابت قدمی اور جرات ظاہر کی ہے۔ چنانچہ بنی عبدالوادی کی لڑائی کے دن کا موقع لوگوں میں مشہور ہے۔ اس لڑائی کا حال میں نے سوڈان میں سنا اور وہاں کے بادشاہ کے روبرو بھی اس کا ذکر کیا۔ اس نے سن کر کہا کہ بے شک ایسا ہی ہوگا (ابن جزی اس سفرنامہ کا ترتیب دینے والا کہتا ہے کہ اگلے زمانہ کے بادشاہ شیروں کے مارنے پر بہت فخر کیا کرتے تھے لیکن امیر المومنین کے نزدیک شیروں کا مارنا اس سے زیادہ آسان ہے کہ شیر کے لیے بکری کا مارنا۔ جب وادی النجارین میں فوج میں ایک شیر آ گیا اور بڑے بڑے بہادر چھپنے لگے اور سوار اس کے سامنے سے بھاگ گئے تو امیر المومنین تنہا بلا خوف اس کے مقابلہ کو گئے اور اس کی پیشانی پر نیزہ مارا' جس کے لگتے ہی شیر فوراً منہ کے بل گر پڑا۔ دشمن کی لڑائی میں اکثر بادشاہوں نے اپنی فوج میں کھڑا رہنے اور لشکر کو دشمن کے مقابلہ کی ترغیب دینے میں ثابت قدمی ظاہر کی ہے لیکن امیر المومنین کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا کہ جب اس نے دیکھا کہ کل لشکر بھاگ گیا اور دشمن کے مقابلہ میں کوئی بھی نہ رہا' تو وہ اکیلا بہ نفس نفیس دشمن پر جا پڑا۔ جس سے دشمن پر اس قدر رعب چھا گیا کہ دشمن کا کل لشکر بھاگ گیا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک لشکر کو اکیلے آدمی نے بھگا دیا۔ یہ خدا کی مہربانی تھی وہ جس پر چاہتا ہے مہربانی

کرتا ہے اور یہ سب خدا پر متوکل رہنے کا نتیجہ ہے۔ علم کا شوق امیر المومنین کو اس قدر ہے کہ ہر روز صبح کی نماز کے بعد محل کی مسجد میں ایک مجلس علمی منعقد ہوتی ہے اور بڑے بڑے فقیہ اور طالب علم اس میں شامل ہوتے ہیں۔ تفسیر اور حدیث اور فقہ مالکی اور علم تصوف پر بحث ہوتی ہے۔ ہر ایک علم میں امیر المومنین کو اس قدر استعداد ہے کہ وہ مشکل مشکل مقامات کو اپنے ذہن خداداد کی تیزی سے حل کر دیتا ہے اور عجیب عجیب نکتے اپنے حافظہ کی مدد سے بتلا دیتا ہے۔ اس قدر علم کا شوق امامان دین اور خلفائے راشدین کے سوا اور کسی کو نہیں ہوا۔ بادشاہ ہندوستان بھی علم دوست ہے لیکن اس کی مجلس میں جو صبح کے بعد ہوتی ہے فقط علم معقولات پر بحث ہوا کرتی ہے اور بادشاہ جاوا کی مجلس میں فقہ شافعی پر بحث ہوتی ہے۔ جب میں نے بادشاہ ترکستان کو مغرب و عشاء و صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے دیکھا تو مجھے تعجب ہوا تھا۔ لیکن امیر المومنین پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھتے ہیں اور رمضان کی تراویح بھی جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں (ابن جزی کہتا ہے کہ کوئی عالم بھی جس کو رات دن علم پڑھنے پڑھانے کا شغل ہو' امیر المومنین کے علم کو نہیں پہنچتا لیکن باوجودیکہ امیر المومنین کو ملک اور سیاست اور لڑائی وغیرہ کاموں سے بہت کم فرصت ملتی ہے لیکن اس کی مجلس میں کبھی کسی ایسے مسئلہ کا ذکر نہیں آتا کہ عالم لوگ اس کے سمجھنے سمجھانے سے عاجز ہو گئے ہوں لیکن امیر المومنین نے اس کو حل نہ کر دیا ہو۔ علم تصوف کی جانب امیر المومنین کو خاص توجہ ہے وہ اہل تصوف کے اشارات کو خوب سمجھتا ہے اور ان کے اخلاق پاک کی پیروی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی تواضع اور رعایا کی دلسوزی اس کی گواہ ہے۔ امیر المومنین نے ایک قاصد اور دو قصیدے روضہ منورہ میں بھیجے اور ان قصیدوں کو اپنے دست خاص سے لکھا جس کی خوش خطی کے سامنے پھول بھی شرمندہ ہوتے تھے اور یہ فخر کسی بادشاہ کو حاصل نہیں۔ بلاغت اور فصاحت کا یہ حال ہے کہ جو فرمان جاری ہوتے ہیں ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کو خدا نے قدرتی ملکہ بخشا ہے اور اس نے تعلیم سے بھی اس کو تکمیل کی حد تک پہنچایا ہے۔) خیرات کا یہ حال ہے کہ اپنے تمام ملک میں صدقے جاری کیے ہیں اور جگہ جگہ خانقاہیں تعمیر کی ہیں جن میں مسافروں کو کھانا ملتا ہے اور سوائے سلطان احمد اتابک کے کسی بادشاہ نے ایسا نہیں کیا لیکن امیر المومنین نے اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ مساکین کو ہر روز صدقہ بھی تقسیم کرتا ہے اور پردہ دار عورتوں کا روزینہ مقرر کیا ہے (ابن جزی کہتا ہے کہ صدقہ اور خیرات کے بارہ میں جو ایجاد امیر المومنین نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالے ہیں ان کی نظیر کسی بادشاہ کے وقت میں نہیں پائی جاتی چنانچہ ہر شہر میں صدقہ بارہ مہینے جاری رہتا ہے قیدیوں کو بھی

پکائی روٹی ملتی ہے۔ مساکین اور ضعیفوں اور بوڑھوں اور بوڑھیوں اور مسجد کے خادموں کو تمام ملک میں کپڑا ملتا ہے اور عید الاضحیٰ کے دن ان کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے اور رمضان شریف کی ۲۷ تاریخ کو کل آمدنی 'جو شہر کے دروازوں پر چنگی کی ہوتی ہے' وہ خیرات میں دی جاتی ہے اور مولود شریف کی رات کو تمام مساکین کو کل ملک میں کھانا کھلایا جاتا ہے اور مولود کی مجلس کی جاتی ہے۔ عاشورہ محرم کے دن یتیم لڑکوں کی ختنہ کرائی جاتی ہے اور ان کو کپڑے دیے جاتے ہیں' اپاہجوں اور ضعیفوں کو کشادہ روزی کے لیے نقل دیے جاتے ہیں جس سے وہ اپنی حالت کو درست کر لیتے ہیں) دار الخلافہ میں لوگوں کو نرم نرم بستر دیے جاتے ہیں جو وہ سونے کے وقت بچھا لیتے ہیں۔ ہر ایک شہر میں مارستان (ہسپتال) بنائے گئے ہیں۔ بیماروں کے علاج اور طبیبوں کی تنخواہ کے لیے وقف مقرر کیے گئے ہیں۔ لوگوں کو آرام اور ان سے ظلم دور کرنے کی تمثیل میں یہ کافی ہے کہ جو لوگوں سے رستوں اور سڑکوں پر محصول لیے جاتے تھے وہ بالکل موقوف کر دیے گئے ہیں۔ ایسے محصولوں کی آمدنی بہت بڑی تھی لیکن اس کا امیر المومنین نے ذرا بھی خیال نہ کیا۔ امیر المومنین اپنے اہل کاروں کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے ہیں کہ رعیت پر ظلم نہ ہونے پائے اور بہت تاکید کرتے ہیں۔ امیر المومنین کو اگر یہ خبر ہو جاتی ہے کہ کسی قاضی یا حاکم نے ظلم کیا ہے تو اس کو ایسی سزا دیتے ہیں جو اوروں کے لیے عبرت کا کام دیتی ہے۔ اہل اندلس کو جہاد کے کرنے اور اسلامی سرحد کی محافظت میں جو مدد مال اور ہتھیاروں اور غلہ اور لشکر سے دی ہے' وہ مشرق اور مغرب میں اظہر من الشمس ہے (ابن جزی کہتا ہے کہ اس بارہ میں جو فعل امیر المومنین نے شہر طرابلس کو فدیہ ادا کر کے کافروں کے ہاتھ سے خلاصی کرانے میں کیا ہے' اس کا ذکر کرنا کافی ہے۔ جب امیر المومنین نے دیکھا کہ اس قدر دور دراز لشکر بھیجنا مشکل ہے تو افریقہ میں جو ملازم تھے ان کو لکھا کہ مال ادا کر کے شہر کو خلاص کرا لو' چنانچہ کافروں نے چودہ ہزار دینار طلائی لے لیے تو وہ شہر چھوڑا۔ جب بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو خدا تعالیٰ کا شکر کیا اور اسی وقت حکم دیا کہ وہ رقم فوراً افریقہ میں بھیج دیں اور اس طرح سے وہ شہر امیر المومنین کی توجہ کے سبب سے پھر اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا) جہاد کے بارہ میں امیر المومنین کو یہاں تک توجہ ہے کہ صلح کے زمانہ میں یہ جہاز اور کشتیاں تمام سمندر کے کناروں پر تیار رہتی ہیں اور خود بہ نفس نفیس جبالہ کے پہاڑوں میں جا کر وہاں لکڑی کٹوائی اور جہاز بنوانے کے لیے بھجوائی۔ سب سے زیادہ ثواب کا کام جو امیر المومنین نے کیا ہے' وہ یہ ہے کہ دار الخلافہ فاس میں ایک مسجد جامع کی تعمیر کرائی ہے اور فاس کے قریب مصر میں ایک مدرسہ بنوایا ہے کہ عمارت کی خوبی و مضبوطی و وسعت و صنعت میں اس کی نظیر تمام عالم میں نہیں اور میں نے کوئی مدرسہ اس کی مانند شام و مصر و عراق و خراسان میں نہیں دیکھا۔ ایک بڑی خانقاہ بھی عمص تالاب پر شہر بیضا کے باہر بنوائی ہے۔ وہ بھی اپنی وضع اور صنعت میں بے نظیر ہے۔ سب سے زیادہ نادر خانقاہ جو میں نے دیکھی' وہ سریاقوس (مصر) میں ہے' جو ملک ناصر نے بنوائی ہے' لیکن یہ خانقاہ مضبوطی اور خوبصورتی میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو امیر المومنین کی نیک نیت اور فضیلت سے مستفید اور اس کے پرچم کو فتح مند رکھے۔

(۴) طنجہ اور سبتہ

جب میں امیر المومنین کی زیارت اور اس کے احسانات سے مستفیض ہو چکا تو میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں اپنے شہر طنجہ (۵) میں پہنچا اور اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کر کے شہر سبتہ (۶) میں گیا۔ وہاں کئی مہینے ٹھہرا اور تین مہینے تک بیمار رہا اور خدا تعالیٰ نے صحت دی تو میں نے ارادہ کیا کہ جہاد کا بھی ثواب حاصل کروں۔

(۵) اندلس و جبرالٹر

سبتہ سے جہاز میں سوار ہو کر اندلس میں پہنچا جہاں رہنے اور ٹھہرنے کا بھی ثواب ہے۔ جب میں گیا تو الفونس (۷) مر چکا تھا۔ اس نے جبل طارق (جبرالٹر) (۸) کا محاصرہ دس مہینے تک رکھا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں کو باقی اندلس سے بھی نکال دے لیکن خدا نے ناگہاں اس کے بد ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور وہ وبا کے مرض سے مر گیا۔ سب سے پہلا شہر اندلس کا جو میں نے دیکھا' وہ جبل الفتح (جبرالٹر) تھا۔ وہاں میں نے اس شہر کے خطیب ابو زکریا یحییٰ بن سراج راندی اور وہاں کے قاضی عیسیٰ بربری سے ملاقات کی۔ قاضی کے پاس میں ٹھہرا تھا۔ تمام پہاڑ کے گرد اس کے ساتھ پھرا۔ مولانا ابو الحسن نے جو جو عمارتیں اس میں بنائی تھیں' اور جو جو سامان اس میں جمع کیا تھا' اس کو دیکھ کر تعجب آیا اور جو کچھ اس میں امیر المومنین نے ایزاد کیا تھا' وہ بھی دیکھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس جگہ جہاد کے لیے ہمیشہ رہوں۔ ابن جزی کہتا ہے کہ جبل الطارق اسلام کی جائے پناہ ہے اور مشرکوں کے حلقوں میں روک ہے۔ مولانا ابو الحسن کی نیکی کا نمونہ ہے۔ وہاں جہاد کے لیے لشکر تیار رہتا ہے اور فوج کے شیر ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔ اس کے سبب اہل اندلس نے خوف کی تلخی کے بعد امن کی شیرینی کا لطف اٹھایا ہے۔ اسلامی فتح کا آغاز بھی یہیں سے ہوا تھا اور طارق بن زیاد' جو موسیٰ بن نصیر کا آزاد غلام

تھا۔ ترکستان میں عبور کرتے وقت یہیں آ کر ٹھہرا تھا' اسی لیے اس کے جبل طارق اور جبل الفتح دونوں نام ہیں۔ جو فصیل اس نے بنائی تھی' اس کا بقیہ اب تک موجود ہے اور عرب کی دیوار کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر پر بیس سال سے فرنگی قابض تھے۔ مولانا ابو الحسن نے اس کو چھ مہینے کے محاصرے کے بعد فتح کیا اور اس کے محاصرہ کے لیے اپنے بیٹے ابو مالک کو ایک جرار فوج اور بے شمار دولت دے کر بھیجا تھا۔ اس وقت اس کی شکل یہ نہ تھی۔ پہلے فقط ایک چھوٹا سا برج تھا' جو تحقیق کے مدرسہ سے گر جاتا تھا۔ مولانا ابو الحسن نے پہاڑ کی چوٹی پر ایک نہایت مضبوط قلعہ تیار کیا اور اس میں ایک دارالصناعہ یعنی ہتھیار بنانے کی جگہ بھی تیار کی۔ پہلے وہاں دارالصناعہ نہ تھا اور دارالصناعہ سے لے کر قرمو تک سرخ مٹی کی ایک فصیل چاروں طرف تیار کی۔ امیر المومنین نے اب اپنے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی اور جبل فتح کی طرف بھی ایک فصیل تیار کی اور یہ فصیل سب سے زیادہ مفید ہے اور قلعہ میں بہت سامان اور غلہ اور ہتھیار وغیرہ بھیجے۔ خدا تعالیٰ نے امیر المومنین کو اس کی نیک نیتی اور خلوص کا عوض دیا' چنانچہ ۵۵۷ھ میں جبل الفتح کے حاکم' عیسیٰ بن حسن بن ابو منذیل نے کافروں کے ساتھ سازش کر کے بغاوت کی اور خود سر ہو بیٹھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے ایک بہت بڑے لشکر اور مال کی ضرورت پڑے گی' لیکن امیر المومنین کے صدق یقین اور توکل علی اللہ نے سب کام منٹ میں بنا دیا۔ تھوڑے دن کے بعد جبل الفتح کے لوگوں کو دکھلائی دے گیا کہ اس بغاوت کا نتیجہ کیا ہوگا۔ انہوں نے عیسیٰ اور اس کے بیٹے کو پکڑ کر اور مشکیں باندھ کر امیر المومنین کے دربار میں حاضر کیا۔ امیر المومنین نے حکم دیا کہ ان کو قتل کیا جائے اور ان کے شر سے خلقت کو بچا لیا۔ اس فتنہ کے فرو ہو جانے کے بعد امیر المومنین نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ بڑے بڑے سلوک کیے' جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے اور جبل الطارق میں اپنے پیارے فرزند ابو بکر سعید کو حاکم مقرر کیا اور اس کے ساتھ تجربہ کار دلاور اور سردار روانہ کیے اور ان کے واسطے جاگیریں عطا کیں اور روزینے مقرر کیے اور کل محصول معاف کر دیے۔ جبل الطارق کی نسبت امیر المومنین کو یہاں تک خیال تھا کہ اس نے اپنے محل میں ایک چھوٹی شبیہ اس قلعہ کی تیار کرا کر رکھی ہوئی تھی' جس میں تمام فصیلیں اور دیواریں اور پہاڑیاں اور برج اور قلعے اور دارالصناعت اور دروازے اور مسجدیں اور اسلحہ خانے اور کھیت اور پہاڑ اور سرخ مٹی کی زمین' الغرض ذرا ذرا سی چیز دکھلائی گئی تھی اور کاریگروں نے اسے ایسی صنعت سے بنایا تھا کہ جس شخص نے جبل الطارق اور اس کی قلعہ بندی دیکھی ہوئی تھی۔ وہ نقل کو اصل کے ہو بہو مطابق دیکھ کر عش عش کرتا تھا۔ یہ شبیہ امیر

المومنین نے اس لیے تیار کرائی تھی کہ اس کو جبل الطارق کو زیادہ مضبوط بنانے کا شوق تھا اور اس کی بابت فکر کرتا رہتا کہ اس کے ذریعہ سے اندلس میں اسلام کی حمایت میں اور نصاریٰ کے ارادوں کو باطل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہے۔ اس موقع پر مجھے مشہور ادیب محمد بن غالب رصافی بلنسی کا قصیدہ' جو اس نے امیر المومنین عبد المومن بن علی کی تعریف میں لکھا تھا اور اس میں جبل الطارق کی تعریف میں بھی کچھ اشعار تھے' یاد آیا۔ قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔

لو جئت نار الهدى من جانب الطور
قبست ما شئت من علم و من نور

اگر تو طور کی جانب ہدایت کی آگ کے پاس جاتا تو جس قدر تجھ کو علم اور نور کی خواہش ہوتی حاصل کر لیتا۔

اس کے بعد جبل الطارق کی تعریف میں جہاز اور کشتیوں کی تعریف کے بعد یہ کہتا ہے۔

حتى رأت جبل الفتحين من جبل
معظم القدر في الاجبال مذكور

یہاں تک کہ جبل الفتحین کے پہاڑ پر چڑھ گئے جو بڑا قدر والا ہے اور پہاڑوں میں اس کا نام لیا جاتا ہے۔

من شامخ الانف في سحنائه طلس
له من الغيم جيب غير مزرور

نہایت بلند اس کے چہرہ پر (گہرے سبزے کی) سیاہ چادر ہے۔ ابر اس کا ایسا گریبان ہے جس میں بٹن نہیں ہیں۔

تمسي النجوم على تكليل مفرقه
في الجو حائمة مثل الدنانير

ستارے جو گویا سونے کے دینار ہیں' اس کے سر پر فضا میں آدھے آدھے پھرتے ہیں۔

فربما مسحته من ذوائبها
بكل فضل على فوديه مجرور

ان ستاروں کی شعاعیں اس پہاڑ کی دونوں زلفوں (پہلوؤں) کے بڑھے ہوئے اور کھنچے ہوئے حصوں کو چھوتی ہیں۔

وادر دمن ثناياه بما اخذت
منه معاجم اعوا د المعارير

وہ پہاڑ پولا ہے کیونکہ زمانہ کی گردشوں نے اس کے منہ میں سے دانت نکال لیے ہیں یعنی اس کی ٹیکریاں گھسا دی ہیں۔

معنک حلب الایام اشطرها
و سالها سوق حادی العیر للعیر

وہ پہاڑ ایک پرانا خرانٹ ہے جس نے زمانہ کا خوب دودھ دوہا ہے اور اس کو خوب ہانکا ہے۔

مقید الخطو جوال الخواطر فی
عجیب امریه من ماض و منتظور

قدم جمائے ہوئے کھڑا ہے اور اس کے دل میں ماضی اور مستقبل کے عجیب عجیب خیالات دوڑتے پھرتے ہیں۔

قد واصل الصمت والاطراق مفتکرا
بادی السکینة مغفر الاساریر

ہمیشہ چپ رہتا ہے اور سر جھکائے رہتا ہے گویا کسی فکر میں ہے۔ ظاہر الوقار ہے جس کی پیشانی کی شکنیں خاک آلود ہو گئی ہیں۔

کانه مکمد مما تعبله
خوف الوعیدین من دک و تسیر

گویا وہ کبیدہ دل ہے کیونکہ اس کو قیامت کے دن کے کوٹے جانے اور اڑائے جانے کے خوف نے ایسا بنا دیا ہے۔

اخلق به و جبال الارض را جفته
ان یطمئن عنا من کل محذور

یہ پہاڑ مستحق ہے کہ قیامت کے روز ہر ایک آفت سے مطمئن رہے حالانکہ اور سب پہاڑ تھرتھراتے ہوں گے۔

اس کے بعد شاعر علی بن عبدالمومن کی تعریف کرتا ہے۔

جبل الفتح کے بعد ہم شہر رندہ میں پہنچے۔ یہ بھی اہل اسلام کا ایک نہایت مضبوط اور خوبصورت قلعہ ہے۔ ان دنوں میں اس کا قائد یعنی قلعہ دار شیخ ابو الربیع سلیمان بن داؤد عسکری تھا اور محمد بن یحییٰ بن بطوطہ میرا چچازاد بھائی وہاں کا خطیب ابو اسحاق ابراہیم بھی جو شنہ سرخ کے نام سے زیادہ تر مشہور ہے' مجھ سے ملے۔ یہ خطیب صاحب تھوڑے عرصہ کے بعد مغرب کے شہر سلا میں وفات پا گئے۔ اس شہر میں پانچ دن تک ٹھہرا رہا اور وہاں کے بزرگوں

سے مثلاً عبداللہ صفار وغیرہ کی زیارت کی۔ وہاں سے میں شہر مربلہ (۹) میں پہنچا۔ راستہ بہت دشوار گزار تھا۔ مربلہ بہت اچھا سرسبز شہر ہے اور شاداب ہے۔ وہاں مجھے سواروں کی ایک جماعت' جو مالقہ کو جاتی تھی' ملی۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا' لیکن آگے چل کر میں ان سے پیچھے رہ گیا اور وہ سب گرفتار ہو گئے۔ میں بھی ان کے نشانوں پر چلا جا رہا تھا کہ مربلہ کی حد سے نکل کر سہیل کی حد میں پہنچا تو میں نے ایک جگہ ایک گھوڑا مرا ہوا دیکھا۔ آگے چل کر ایک مچھلی کی ٹوکری زمین پر پڑی ہوئی دیکھی۔ مجھے کچھ وہم ہوا۔ سامنے ایک برج تھا' میں نے خیال کیا کہ اگر کوئی دشمن اس جگہ تھا تو ممکن نہ تھا کہ اس برج کا پاسبان اس کو نہ دیکھتا۔ آگے چل کر ایک گھر کے پاس دوسرا گھوڑا مرا پڑا تھا۔ اتنے میں' میں نے اپنی پشت کی جانب سے شور سنا۔ میں اپنے ہمراہیوں سے آگے بڑھ آیا تھا۔ میں گھوڑا دوڑا کر پھر ان سے جا ملا تو دیکھا سہیل کا قلعہ دار ان کے پاس تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ دشمن کے چار جہاز اس کنارہ کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے سپاہی خشکی پر اتارے۔ برج کا پاسبان برج میں نہیں تھا۔ انھوں نے مربلہ سے کچھ سوار آتے ہوئے دیکھے۔ یہ تعداد میں بارہ تھے۔ ایک کو انھوں نے مار ڈالا اور ایک بھاگ گیا اور دس کو نصاریٰ نے قید کر لیا۔ ان کے ساتھ ایک ماہی گیر بھی تھا' جس کی ٹوکری وہاں زمین پر پڑی ہوئی ملی تھی۔ وہ بھی مارا گیا۔ قلعہ دار نے مجھے کہا کہ رات کو میرے پاس ٹھہرو' کل میں تم کو مالقہ تک پہنچوا دوں گا۔ رات کو میں اس کے پاس سہیل کے قلعہ میں ٹھہرا۔ وہاں ٹھہرے ہوئے دوسرے دن اس نے مجھے خود مالقہ تک پہنچا دیا۔ مالقہ (۱۰) اندلس کا ایک دار الخلافہ ہے' وہ نہایت مضبوط شہر ہے اور سمندر اور خشکی دونوں کے فوائد وہاں حاصل ہیں۔ پھل بہت پیدا ہوتے ہیں۔ انگور وہاں بازار میں ایک درہم کا آٹھ رطل آتا ہے اور وہاں کا انار' جس کو یاقوتی کہتے ہیں' تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور انجیر اور بادام وہاں سے مشرق کے تمام شہروں میں جاتے ہیں۔ خطیب عبدالوہاب بن علی ماحی نے اس لیے اس شہر کی تعریف میں یہ اشعار کہے ہیں۔

مالقه حییت یا تینها
فالفلک من اجلک یا تینها

مالقہ تیرے انجیروں پر بارش ہو
آسمان تیرے لیے بارش لاتا ہے

نهی طبیبی عنک فی علة
مالطبیبی عن حیاتی نها

میرے طبیب نے بیماری میں انجیر کھانے سے منع کیا
میرے طبیب کو کیا ہوا مجھے میری زندگی سے روکتا ہے
قاضی ابو عبداللہ بن عبدالملک نے بھی اسی وزن پر یہ شعر کہا ہے۔

وحمص لا تنس لها تينها
واذكر مع التين زياتينها

اور حمص اور اس کے انجیر کو نہ بھول
اور انجیر کے ساتھ اس کے زیتون کو بھی یاد کر

مالقہ کے شہر میں چینی کے برتن' جن پر طلائی کام ہوتا ہے' عجیب بنتے ہیں اور وہاں سے بہت سے ملکوں میں جاتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بڑی مسجد ہے' جس کا صحن اس قدر وسیع ہے کہ میں نے ایسا وسیع اور خوبصورت صحن کہیں نہیں دیکھا۔ اس میں نارنج کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ جس روز میں مالقہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کا قاضی ابو عبداللہ بن قاضی ابو جعفر طنجالی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا لوگوں سے قیدیوں کے چھڑانے کے لیے روپیہ جمع کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ خدا نے مجھے ان کے ساتھ گرفتار ہونے سے بچا لیا۔ میں نے تمام قصہ بیان کیا۔ قاضی نے نہایت تعجب کیا اور میری ضیافت کی۔ وہاں کے خطیب ابو عبداللہ ساحلی نے بھی میری ضیافت کی۔ وہاں سے میں بلش کے شہر میں گیا۔ مالقہ سے یہ شہر چوبیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس میں ایک نہایت عجیب مسجد ہے اور مالقہ کی مانند وہاں بھی انگور اور انجیر بکثرت ہوتے ہیں۔ وہاں سے ہم حمہ میں گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے' لیکن اس کی مسجد بہت نادر اور خوش بنی ہوئی ہے۔ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ندی کے کنارے ایک گرم چشمہ ہے' وہاں ایک حمام عورتوں کے لیے اور ایک مردوں کے واسطے بنا ہوا ہے۔ وہاں سے میں غرناطہ کو گیا۔ یہ شہر اندلس کا دارالخلافہ ہے اور تمام شہروں کی دلہن ہے۔ اس کا مضافات اور بیرون بلدہ تمام دنیا میں بے نظیر ہے' جو چالیس میل لمبا ہے' دریائے شنیل اس کے بیچ میں سے گزرتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نہریں ہیں۔ شہر کے چاروں طرف باغ اور محل اور انگور کے کھیت اس کثرت سے ہیں کہ دنیا میں' میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ (ابن جزی کہتا ہے کہ اگر میں طرفدار ہونے کا خیال کیے جانے کا گمان نہ کرتا تو میں اس شہر کی تعریف میں ایک طویل تحریر کرتا' لیکن چونکہ یہ شہر دنیا بھر میں مشہور ہے' اس لیے زیادہ کہنے کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ شیخ محمد بن محمد بن شیرین سبتی نے' جو غرناطہ میں وارد ہیں' کیا اچھا کہا ہے۔

رعى الله من غرناطة متبوءا
يسر حزينا او يجير طريدا

خدا غرناطہ کے گھر کی حفاظت کرے
جس سے غمگین خوش ہوتا ہے جو بھاگے ہوئے کو پناہ دیتا ہے

تبرم منها صاحبي عند مارأى
مسارحها بالثلج عاد جليدا

رنجیدہ ہوا اس سے میرا دوست جب اس نے دیکھا
• کہ اس کی چراگاہوں میں دائمی برف جما ہوا ہے

هي الثغر صان الله من اهلت به
وما خير ثغر لا يكون برودا

وہ سرحد ہے خدا اس کے باشندوں کو بچا دے
معشوق کا وہ دانت اچھا نہیں ہوتا جو ٹھنڈا نہ ہو

اس زمانہ میں غرناطہ کا بادشاہ سلطان ابو الحجاج یوسف بن سلطان اسمٰعیل بن فرج بن اسمٰعیل بن یوسف بن نصر تھا۔ وہ ان دنوں میں بیمار تھا' اس لیے میں اس سے نہ مل سکا۔ اس کی والدہ نے جو نہایت صالحہ اور فاضلہ ہے' میرے پاس کچھ طلائی دینار بھیجے۔ غرناطہ میں وہاں کے قاضی ابو القاسم محمد بن احمد حسینی سبتی اور خطیب محمد بن ابراہیم بیانی اور خطیب ابو سعید فرج المشہور بابن لب سے ملاقات ہوئی اور قاضی ابو البرکات محمد بلفیقی البلیسی ان دنوں میں وہاں مریہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان سے فقیر ابو قاسم محمد بن عبداللہ بن عاصم کے باغ میں ملاقات ہوئی۔ وہاں میں ان کے ساتھ دو دن اور ایک رات ٹھہرا (ابن جزی جس نے یہ سفرنامہ مرتب کیا ہے کہتا ہے کہ میری ملاقات بھی شیخ ابن بطوطہ سے اسی موقع پر ہوئی اور وہاں ان کی زبان سے ان کے سفر کے حالات سنے اور ان بزرگوں کے نام جن سے ایام سفر میں شیخ کی ملاقات ہوئی تھی ہم نے قلمبند کیے۔) اس وقت غرناطہ کے بہت سے بزرگ اور رئیس موجود تھے اور مشہور شاعر ابو جعفر احمد بن رضوان جذامی بھی ہمارے ساتھ اس مجلس میں تھا۔ اس شاعر کی عجیب کیفیت ہے وہ بالکل ناخواندہ تھا اور اس نے صحرا میں پرورش پائی تھی۔ لیکن ایسے عمدہ اور اچھے شعر کہتا تھا کہ بڑے بڑے بلیغوں اور عالموں سے بھی شاذ و نادر ویسے بن پڑتے تھے۔ چنانچہ یہ دو اشعار بھی اس نے کہے ہیں۔

یا من اختار فوادی منزلا

بابه العین التی ترمقه

اے وہ شخص جس نے میرے دل میں گھر بنا لیا
اس گھر کا دروازہ رونے والی آنکھ ہے

فتح الباب سهادی بعد کم
فابعثو اطیفکم یغلقه

تمہارے چلے جانے کے بعد بیداری نے دروازہ کھول رکھا
اپنے خیال کو بھیجو کہ اگر دروازہ بند کر جائے

غرناطہ (۸) میں میری ملاقات شیخ الشیوخ و الصوفیہ عمر بن شیخ الصالح ابو عبداللہ محمد بن محروق سے بھی ہوئی ان کی خانقاہ غرناطہ میں شہر سے باہر واقع ہے۔ میں وہاں کچھ دن تک ٹھہرا انہوں نے میری خاطر تواضع بدرجہ غایت کی ان کے ساتھ میں خانقاہ رابطہ العقاب کی زیارت کو گیا جو ایک نہایت متبرک جگہ سمجھی جاتی ہے عقاب غرناطہ کے باہر ایک پہاڑ ہے اور شہر سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اس کے قریب ایک بے چراغ شہر تیرہ کے کھنڈرات ہیں۔ اس کے بعد میں ان کے بھتیجے سے ملا۔ ان کا نام فقیہ ابو الحسن علی بن احمد بن محروق ہے وہ ایک خانقاہ میں رہتے ہیں جو ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے اور اس کا نام لجام ہے یہ شیخ فقراء متسببین (کسب کرنے والے) کے پیشوا ہیں غرناطہ میں عجم کے بہت سے فقیر رہتے ہیں چونکہ یہ ملک ان کے ملک کے مشابہ ہے اس لیے وہیں وطن اختیار کر لیا ہے۔ ان میں سے حاجی ابو عبداللہ سمرقندی اور حاجی احمد تبریزی اور حاجی ابراہیم قونوی اور حاجی حسین خراسانی اور حاجی علی ہندی اور حاجی رشید ہندی زیادہ تر مشہور ہیں۔ غرناطہ سے چل کر میں حمہ میں آیا وہاں سے بلش وہاں سے مالقہ وہاں سے حصن ذکوان پہنچا۔ یہ قلعہ بہت عمدہ ہے پانی کی نہریں بکثرت ہیں اور میوہ جات بھی بہت پیدا ہوتے ہیں وہاں سے چل کر میں رندہ کے شہر میں پہنچا۔ وہاں سے میں بنی رواح کے گاؤں میں آیا وہاں شیخ ابو الحسن علی سلیمان ریاحی کا مہمان ہوا یہ شیخ بہت سخی اور فاضل ہے مسافروں کو روٹی دیتے ہیں انہوں نے میری مہمانی بہت اچھی طرح سے کی۔ وہاں سے چل کر واپس جبل الفتح یعنی جبل الطارق میں پہنچا اور جس جہاز میں آیا تھا اسی میں بیٹھ کر سبتہ کے شہر میں پہنچا۔ یہ جہاز اصیلا کے باشندوں کا تھا وہاں کا قلعہ دار ان دنوں میں شیخ ابو مہدی عیسیٰ بن سلیمان بن منصور اور وہاں کا قاضی ابو محمد زجندری تھے وہاں سے چل کر میں اصیلا کے شہر میں پہنچا اور وہاں کئی مہینے ٹھہرا۔

(۶) مراکش

اصیلا سے سفر کر کے سلا کے شہر میں پہنچا اور سلا سے مراکش (۱۲) کے شہر میں پہنچا۔ یہ شہر بہت خوبصورت اور وسیع ہے وہاں خیرات بہت ہوتی ہے اور بڑی بڑی عالی شان مسجدیں ہیں۔ کتبیوں کی مسجد بہت بڑی ہے ایک مینار نہایت عجیب اور بلند ہے اس کی چوٹی سے تمام شہر نیچے نظر آتا ہے یہ شہر اب ویران ہوتا جاتا ہے بغداد سے زیادہ تر مشابہ ہے لیکن بغداد کے بازار یہاں کے بازاروں کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہیں مراکش کے شہر میں ایک عجیب مدرسہ ہے جو اپنی وضع اور صنعت میں نادر ہے اس مدرسہ کو امیر المومنین ابو الحسن نے تعمیر کرایا تھا۔ ابن جوزی کہتا ہے کہ مراکش کا قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبدالملک اسی شہر کی تعریف میں یہ اشعار کہتا ہے۔

لله مراکش الغراء من بلد
وحبذا اهلها السادات من سکن

خدا مراکش شہر کا بھلا کرے
اس کے باشندوں کو شاباش ہے

ان حلها نازح الاوطان مغترب
اسلوه بالا النوعن اهل و عن وطن

اگر کوئی پردیسی مسافر وہاں آتا ہے تو اس کی اس قدر دلجوئی کرتے ہیں کہ وہ وطن اور رشتہ داروں کو بھول جاتا ہے

*بن الحدیث بها او العیان لها
ینشا التحا سد بین العین والاذن

اس کی بابت بات کرنے کے وقت اور اس کو دیکھنے کے وقت آنکھ اور کان ایک دوسرے کا حسد کرنے لگتے ہیں

مراکش سے میں امیر المومنین کے ہمرکاب شہر سلا میں پہنچا وہاں سے مکناسہ یہ شہر نہایت شاداب ہے اس کے چاروں طرف باغات ہیں اور زیتون کے درختوں کا جنگل تمام علاقہ میں ہے پھر ہم دار الخلافہ فاس میں پہنچے۔ وہاں میں نے مولانا امیر المومنین سے رخصت حاصل کی اور سودان کے ملک کے سفر کا ارادہ کیا۔

حوالہ جات

(۱) سارڈینا۔ یہ جزیرہ اٹلی کے مغرب میں جزیرہ کورسیکا کے جنوب میں واقع ہے۔ اب سلطنت اٹلی میں شامل ہے۔ تیسری صدی میں یہ عربوں کے قبضہ میں تھا۔ (اس نام کا کوئی شہر جزیرہ میں اب موجود نہیں ہے) سب سے بڑا شہر اب جنوب میں کگلیاری ہے۔

(۲) ابومدین مغربی آپ کا نام شعیب بن حسن تھا۔ آپ شیخ محی الدین ابن عربی کے مرشد ہیں آپ کو شیخ المغرب اور شیخ عبدالقادر جیلی کو شیخ المشرق کہتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ دریا میں سفر کر رہے تھے۔ اہل فرنگ نے اہل کشتی کو اسیر کرلیا اور سب کو اپنے جہاز پر لے گئے۔ جب جہاز چلانے لگے تو وہ نہ چلا۔ حالانکہ ہوا بہت موافق تھی لیکن کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ انہوں نے شیخ کو فقیر صورت دیکھ کر سمجھا کہ یہ ان کے سبب سے ہے کہ کشتی نہیں چلتی۔ آپ کو چلے جانے کی اجازت دی آپ نے کہا کہ میں اپنے ہمراہیوں کے بغیر نہ جاؤں گا۔ آخر الامر جب سب کو رہا کردیا اس وقت اہل فرنگ کا جہاز چلا۔ آپ کی وفات ۵۹۰ھ میں واقع ہوئی۔

(۳) فاس۔ یہ شہر پہلے مراکو کا دارالخلافہ تھا۔ بحیرہ روم کے کنارہ سے ۸۵ میل اندر کی طرف واقع ہے۔ ۱۹۳ھ میں اس شہر کو امیر ادریس نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر اپنے باغات اور مدرسوں کے لیے مشہور ہے نئی آبادی ایک پہاڑی پر بستی ہے اس میں اکثر یہودی رہتے ہیں۔ اس شہر میں ایک مسجد ہے جس میں تین سو ستون ہیں اس مسجد کے ایک برج میں کرہ ارض اور دیگر آلات ہیئت جو قدیم زمانہ میں مستعمل تھے رکھے ہوئے ہیں۔ ہسپتال بھی اس شہر میں بے شمار ہیں۔ آبادی اسی ہزار کے قریب ہے۔

(۴) ابو عثمان بن ابوالحسن بنی مرین میں سے تھا۔ اس خاندان نے مغرب میں دو سو اٹھائیس برس تک حکومت کی ہے اس کا اول بادشاہ عبدالحق تھا۔ اس کا قبیلہ زناتہ اہل بربر میں سے تھا۔ یہ لوگ صحرا میں رہتے تھے خاندان موحدین کے سلاطین سے لڑتے رہے اور آخر میں ان کو مغلوب کرلیا۔ ابو عثمان ان کا بارہواں بادشاہ تھا۔ ۷۵۲ھ میں تخت نشین ہوا اور سات برس تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو سعید جو صغیر سن تھا اور جس کو اس نے جبل الفتح کا حاکم بنایا تھا بادشاہ ہوا لیکن صغیر سنی کے سبب سے اس کے چچا ابو سالم نے اس پر خروج کیا اور اس کو علیحدہ کر کے آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کی سلطنت میں اس خاندان میں اتھل پتھل مچ گئی اور ان کا آخر بادشاہ عبدالحق ۸۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔

(۵) طنجہ۔ یہ شہر آبنائے جبرالٹر پر واقع ہے اب اس کو ٹانجیر کہتے ہیں لیکن مور اس کو طنجہ ہی کہتے ہیں اب دس پندرہ ہزار کی آبادی ہے۔ جبرالٹر میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ترکاری اور غلہ اور گوشت سب اس شہر سے جاتا ہے۔ بندرگاہ جاڑے کے موسم میں بہ سبب ناموافق ہواؤں کے پرامن نہیں ہے یہ شہر بمبئی کے ساتھ چارلس بادشاہ انگلستان کو ملکہ کیتھرائن کے جہیز میں دیا گیا تھا۔

(۶) سبتہ۔ جبرالٹر کے مقابل واقع ہے۔ یہ شہر ۱۵۸۰ء سے سپین کے قبضہ میں ہے۔

(۷) الفونس۔ الفونسو یازدہم ۱۳۱۲ء میں قسطیلیہ کے تخت پر بیٹھا وہ صغیر سن تھا اس لیے اول ہی اول خانگی تنازعات میں مبتلا رہا لیکن بعدہ طریفہ اور الجزیرہ اس نے مسلمانوں سے لے لیے اور ۱۳۵۰ء میں جبرالٹر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ وبا سے مرگیا۔

(۸) جبرالٹر اور سبتہ۔ بحر اوقیانوس سے بحیرہ روم میں داخل ہونے کی جگہ ہسپانیہ کے جنوب میں ایک بندرگاہ اور قلعہ ہے۔ قلعہ ایک علیحدہ چٹان پر واقع ہے۔ یہ چٹان فقط مغرب کی طرف سے ایسی ہے کہ اس پر دشمن حملہ کرسکتا ہے ورنہ تین طرف سے تو اس پر پہنچنا بالکل ناممکن ہے۔ سمندر اس جگہ سے ۱۸ میل چوڑا ہے جبرالٹر گویا اس سمندر کی کنجی ہے اور اگر مقابل کا شہر سبتہ (سوٹا) جو مراکو کے کنارہ پر ہے اسی بادشاہ کے قبضہ میں ہو جس کے ہاتھ میں جبرالٹر تو گویا وہ جس وقت چاہے بحیرہ روم کا رستہ بند کرسکتا ہے جبرالٹر اور سبتہ دونوں ہرقل کے عمود کہلاتے ہیں۔ ۱۷۰۴ء میں انگریزوں نے جبرالٹر پر قبضہ کرلیا اور اس کے بعد اہل سپین اور فرانسیسیوں نے کئی دفعہ جبرالٹر کے فتح کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں ناکامیاب رہے۔

(۹) طریفہ۔ اب بھی بحیرہ روم کے کنارہ پر سپین میں ایک چھوٹا بندرگاہ ہے۔

(۱۰) مالقہ (مالاگا)۔ بحیرہ روم کے کنارہ پر اندلس میں جبرالٹر سے ۶۵ میل مشرق میں ایک بندرگاہ ہے۔ اس کا بندر بہت وسیع ہے۔ ساڑھے چار سو تجارتی جہاز اس میں ایک وقت میں ٹھہر سکتے ہیں موجودہ آبادی ستر ہزار کے قریب ہے میوہ جات اور شراب کے لیے یہ جگہ مشہور ہے اول ہی اول اس شہر کو فنیشیا کے باشندوں نے آباد کیا تھا۔ ۷۱۴ء میں اس کو عربوں نے فتح کرلیا اور ۱۴۸۷ء تک ان کے قبضہ میں رہا۔ ۱۸۱۰ء میں فرانسیسی اس پر قابض ہوگئے اور ۱۸۱۲ء تک قابض رہے۔ اس شہر میں کئی دفعہ وبائے طاعون ہوچکی ہے۔

(۱۱) غرناطہ (گرانادا)۔ یہ شہر سپین کے جنوب میں سیرادی نویدا پہاڑ کے پہلو میں دو پہاڑیوں پر واقع ہے ہلال کی شکل میں نیچے اور جیسے پہاڑ کے شہر ہوتے ہیں بنتا ہے سب

سے اوپر عربوں کا بنایا ہوا شاہی محل الحمرا ہے جو عمارت اور نقاشی کے لیے تمام یورپ میں ضرب المثل تھا اب مرمت طلب ہو گیا ہے۔ یہ شہر اخیر میں عربوں کا دارالخلافہ تھا۔ اگرچہ سپین کے باشندوں نے ان کے کل آثار مٹا دیئے لیکن اب بھی عربی تہذیب کے آثار اس شہر اور اس کے نواح میں نظر آتے ہیں جو موجودہ باشندوں اور حکام کے شرمانے کے لیے کافی ہیں۔ آبادی اسی ہزار کے قریب ہے۔

(۴) مراکش۔ یہ شہر اب سلطنت مورو کو کا دارالخلافہ ہے۔ کل سلطنت کا رقبہ تین لاکھ میل مربع کے قریب ہے اور آبادی ایک کروڑ۔ اکثر اہل اسلام ہیں لیکن کچھ یہودی بھی رہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ان یہودیوں کی اولاد ہے جن کو مسیحی تعصب نے سپین سے بے خانماں کر دیا تھا جیسے کہ آج کل زار روس نے اپنے ملک سے یہودیوں کے نکالے جانے کا حکم دیا ہوا تھا اور تین چار سال ہوئے اس کی تعمیل بڑی سختی کے ساتھ کی گئی تھی ان کے ساتھ ان عربوں کی اولاد کو بھی جو سپین میں کسی زمانہ میں حکمران رہے ہیں سپین کے عیسائیوں نے ملک سے باہر کر دیا تھا۔ ان کی تعداد دس بارہ لاکھ کے قریب تھی۔ یہ یہودی اور مسلمان اکثر اہل حرفہ اور اہل علم تھے اور اس ظالمانہ کارروائی کے بعد سپین میں سے سب سے عمدہ حصہ آبادی کا نکل گیا اور فقط گندہ حصہ رہ گیا جس نے اس ملک کو تہذیب میں کبھی پنپنے نہ دیا اور اس ملک میں جہالت روز بروز زور پکڑتی گئی اور عیسائی پادریوں کے زور نے اس ملک کو کبھی جانبر نہیں ہونے دیا۔ مراکو کا ملک نہایت زرخیز ہے۔ بادام وہاں کے مشہور ہیں اور چمڑہ بھی بہت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ ہر قسم کے میوہ جات اور غلے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اسی زرخیزی کے باعث تمام یورپ کی سلطنتوں کا اس ملک پر دانت ہے لیکن وہ اتفاق سے ایسی جگہ واقع ہوا ہے کہ ایک سلطنت کو ہرگز گوارا نہیں کہ دوسرا وہاں کچھ زیادہ زور پا سکے کیونکہ اس کا قبضہ بحیرہ روم کے رستے پر بہت کچھ موثر ہو سکتا ہے۔ مراکش کے شہر کی موجودہ آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے لیکن موجودہ فصیل سے اندازہ کیا جائے تو کبھی اس شہر میں تین لاکھ سے کم آدمی نہ بستے تھے۔ یہ شہر ۱۰۷۲ء میں بنایا گیا تھا۔ اب اس ملک کو سپین اور فرانس نے تقسیم کر لیا ہے۔ فقط طنجہ کا شہر تمام اقوام یورپ کے لیے محفوظ ہے۔

اندلس اور مغرب کی تاریخ۔ اس باب میں مغرب اور اندلس کے کئی بادشاہوں کا نام آیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں ملکوں کی اسلامی تاریخ جس سے ناظرین بہت کم واقف ہیں بطور خلاصہ کے درج کی جائے۔ اندلس ہسپانیہ کے جنوبی حصہ کو کہتے تھے چونکہ عرب اس ملک میں جنوب کی طرف سے داخل ہوئے تھے اس لیے وہ بجائے ہسپانیہ کے اس تمام ملک کو اندلس کہتے تھے۔ مغرب سے عربی تاریخوں میں تونس اور الجزائر (الجیریا) اور مراکو مراد ہیں جس کا دوسرا نام بربر بھی ہے اور بعض وقت اندلس بھی مغرب میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

اندلس۔ اندلس کو ۹۲ھ ہجری میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں عربوں نے فتح کیا۔ اس لشکر کا سردار طارق تھا جس کے نام سے اب تک جبل الطارق یعنی جبرالٹر مشہور ہے۔ جب سفاح عباسی نے ابو مسلم خراسانی کی مدد سے بنی امیہ کو مغلوب کیا اور جس جگہ ان میں سے کوئی پایا گیا قتل کیا گیا تو عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بھاگ نکلا اور جب اس کے پاؤں کہیں نہ جم سکے تو آخر کار اندلس میں پہنچا وہاں اس کے خاندان کے دوست امیروں اور بڑے آدمیوں میں موجود تھے انہوں نے وفاداری سے اس کا آنا غنیمت سمجھا اور اس کے ہاتھ پر تمام ملک نے بیعت کر لی آخر کار وہ ۱۳۸ھ میں جب وہ پچیس سال کی عمر کا تھا تمام اندلس کا بادشاہ ہو گیا۔ یہ شخص بنی امیہ میں بہت لائق تھا اور خلیفہ منصور اس سے ہمیشہ خوف کھاتا تھا اور اس کو صقر قریش یعنی قریش کا شہباز کہا کرتا تھا۔ اس شخص نے اور اس کے جانشینوں نے جو لیاقت اور شجاعت اور علم کی قدر دانی میں ایک سے بڑھ کر ایک تھا اندلس میں اس قدر زور پکڑ لیا کہ ان کو بنی عباس کی طرف سے کچھ کھٹکا نہ رہا اور وہ شان و شوکت میں خلفائے عباسیہ کے حریف اور مدمقابل سمجھے جاتے تھے لیکن انہوں نے ۳۰۰ ہجری تک فقط امیر کہلانے پر قناعت کی مگر جب اس زمانہ کے قریب خلفائے عباسیہ ضعیف ہو گئے اور خلیفہ مقتدر مارا گیا تو امیر عبدالرحمان اموی نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا ۴۲۲ھ تک سولہ شخصوں نے دو سو چوراسی سال تک حکومت کی۔ ان کے زمانہ میں اندلس نے علم اور تہذیب میں جو ترقی کی تھی وہ اب تک تمام فرنگستان میں ضرب المثل ہے۔ امیر المومنین عبدالرحمان کے زمانہ میں جس نے پچاس سال تک حکومت کی ہے بنی امیہ ستارہ اوج پر تھا۔

جب بنی امیہ کے آخر وقت میں سلطنت میں ضعف آ گیا اور تین خلیفہ پے در پے مارے گئے اور ہر ایک شہر میں علیحدہ علیحدہ حاکم خود سر ہو بیٹھے تو ان میں سے ایک شخص علی بن حمود نے جو امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھا زور پکڑا۔ اس کے داداؤں میں سے ایک شخص ادریس عباسیوں سے شکست کھا کر مغرب کی طرف ۱۵۶ ہجری میں بھاگ آیا تھا اس کی اولاد نے مراکو کی سلطنت حاصل کی تھی اور یہ علی بن حمود بھی ان ہی

میں سے تھا۔ علی اور اس کی اولاد نے ۴۰۸ سے لے کر ۴۴۹ ہجری تک حکومت کی لیکن وہ کل اندلس پر قابض نہ ہو سکے اور اندلس میں ملوک طوائف کی حالت ہو گئی۔ ہسپانیہ کا بہت سا حصہ عیسائیوں نے جو شمال کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے رفتہ رفتہ لے لیا اور جو کچھ باقی رہا اس میں بارہ امیر المومنین بن بیٹھے ان کے دار الخلافہ یہ تھے۔ اسبیلہ (سویل) بطلیوس' طلیطلہ (ٹولیڈو)' سرقسطہ' طرطوشہ۔ بلنسیہ (والینشا) سلہ۔ دانیہ۔ مریہ مرشیا۔ مریہ مالقہ (ملاگا) غرناطہ (گرانڈا)۔ آخر کار جب عیسائیوں نے شمال کی طرف سے زیادہ زور ڈالا تو یوسف بن تاشفین نے جو مراکو کا بادشاہ تھا اندلس میں آ کر اول تو عیسائیوں کو شکست دے کر پیچھے ہٹایا اور بعدہ ملوک طوائف کی خبر لی۔ یوسف بن تاشفین نے ۵۰۰ھ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا اور پوتا مراکو اور اندلس دونوں میں حکومت کرتے رہے اس خاندان کو ملثمین (ڈھاٹا) کہتے تھے کیونکہ وہ اپنے منہ کا اکثر حصہ ڈھکا رکھتے تھے۔ اسحاق جو ملثمین میں سے سب سے پچھلا بادشاہ تھا ۵۴۲ھ میں عبدالمومن کی لڑائی میں مارا گیا۔ یہ عبدالمومن محمد بن تومرت کا خلیفہ تھا۔ محمد بن تومرت اپنے تئیں سید بتاتا تھا اور مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ عبدالمومن کا باپ علی مغرب میں چینی کے ظروف بنایا کرتا تھا۔ عبدالمومن اور مہدی کا حال میں حاشیہ باب ۷ میں بیان کر آیا ہوں عبدالمومن نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور ۵۲۴ھ سے لے کر ۵۵۸ھ تک سلطنت کی عبدالمومن نے اپنی وفات تک کل مغرب کا ملک مع اندلس کے فتح کر لیا تھا۔ یہ شخص خلفائے راشدین کی پیروی کرتا تھا اور نہایت نیک بخت تھا علم کا بھی قدر دان تھا کہتے ہیں کہ ایک شاعر اس کے پاس قصیدہ بنا کر لایا اور ابھی مطلع کا شعر

ماہز عطفیہ بین البیض والاسل
مثل الخلیفہ عبدالمومن بن علی

کسی خلیفہ کے مونڈھے تلوار اور نیزہ کے درمیان میں ایسے نہیں ہے جیسے کہ خلیفہ عبدالمومن بن علی کے۔

پڑھا تھا سن کر کہا کہ بس آگے پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں اور حکم دیا کہ اس شاعر کو دس ہزار دینار انعام دیں اس کے بیٹے یوسف اور پوتے یعقوب نے اندلس کے عیسائیوں کو کئی دفعہ سخت شکست دی اور ایک مدت کے لیے ان کا زور توڑ دیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ یعقوب کے ساتھ جو ایک لڑائی ہوئی تو اس میں ایک لاکھ چھیالیس ہزار انصاری مارے گئے اور تیس ہزار پکڑے گئے۔ ۶۳۰ھ میں ادریس نے جو یحییٰ کا چچا تھا اور اس کی طرف سے

اندلس کا حاکم تھا اپنے بھتیجے سے بغاوت کی اور اندلس میں خود سر ہو بیٹھا لیکن وہاں سے اس کو محمد بن ہود جذامی نے نکال دیا اور اندلس عبدالمومن کی اولاد کے قبضہ سے نکل گیا اور عیسائیوں نے پھر زور پکڑا آخر کار ایک شخص محمد بن یوسف بن نصر جو سعد بن عبادہ انصاری کی اولاد سے تھا اور شرقی اندلس میں رہتا تھا غرناطہ اور اسبیلیہ اور مریہ کا حاکم ہو بیٹھا۔ اس کی اولاد نے جن کو بنو احمر کہتے ہیں ۶۲۹ھ سے لے کر ۸۹۸ھ ۲۶۸ سال تک غرناطہ میں حکومت کی۔ یہ لوگ ہمیشہ عیسائیوں سے لڑتے رہے۔ جب تک مراکو میں بنی مرین کا زور رہا جن میں سے سلطان ابو عثمان تھا وہ ہمیشہ عیسائیوں کے برخلاف ان کو مدد دیتے رہے چنانچہ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کے وقت میں سلطان ابو عثمان ابو الحجاج یوسف کو جو ۷۳۳ھ سے لے کر ۷۵۵ھ تک غرناطہ کا بادشاہ رہا ہمیشہ اس کے عیسائی مخالفوں کے مقابلہ میں مدد کرتا رہا لیکن جب بنی مرین بھی ضعیف ہو گئے اور ان کو جنوب سے کچھ مدد نہ مل سکی اور ہسپانیہ کو امریکہ کے دریافت ہونے اور وہاں کی سلطنتوں کو فتح کرنے سے طاقت حاصل ہوئی تو اندلس کے مسلمان اس کا مقابلہ کب کر سکتے تھے آخر کار ۸۹۸ھ میں محمد ابو عبداللہ کے عہد حکومت میں فرڈی نانڈ کے زمانہ میں بنی احمر کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۰۰۱ ہجری میں وہاں سے کل مسلمان جو بطور رعیت کے رہتے تھے یا تو زبردستی عیسائی کر لیے گئے اور یا ملک سے باہر نکال دیئے گئے یہ مسلمان جنہوں نے عیسائی ہونا منظور نہ کیا دس بارہ لاکھ سے زیادہ تھے۔ تمام دنیا کی تاریخ میں ایسے ظلم کی مثال جس کی بنیاد تعصب پر مبنی ہو سوا اس عیسائی سلطنت کے اور کہیں تلاش سے بھی نہیں ملے گی۔ ایک اور سلطنت نے جو عیسائی ہے زمانہ حال میں اس کی مثال قائم کی ہے جس کی رو سے کئی لاکھ یہودی روس سے بے خانمان کر دیئے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ عیسائی نہیں بتا سکتے کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ اور کسی ملک میں ان کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو۔

مغرب۔ بنی امیہ کے زوال کے بعد یہ ملک بنی عباس کے قبضہ میں آ گیا۔ ہارون رشید نے ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن الاغلب تمیمی کو والی بنا کر بھیجا اس کی اولاد ۲۹۶ھ تک مغرب میں استقلال کے ساتھ حکومت کرتی رہی۔ اس خاندان کے اکثر بادشاہ نہایت لائق اور ذی علم تھے۔ سسلی اور سارڈ ینیہ' مالٹا اور اٹلی کا کچھ حصہ بھی انہوں نے فتح کر لیا تھا۔ یہ لوگ برائے نام خلفائے عباسیہ کے ماتحت تھے اخیر بادشاہ زیادۃ اللہ ابو نصر کے زمانہ میں جو ۲۹۰ ہجری میں تخت پر بیٹھا ابو عبید اللہ شیعی فاطمی نے جو مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا خروج کیا اور زیادۃ اللہ کے لشکر کو شکست دی اور ابو عبید اللہ شیعی کے بیٹے مہدی نے اس کے بعد

مصر کو فتح کر کے خلفائے فاطمی کے خاندان کی بنیاد ڈالی کچھ دنوں مغرب کا کل ملک خلفائے فاطمی کے ماتحت رہا۔ خلیفہ معز فاطمی جب مصر کو چلا گیا تو اس نے مغرب میں اپنی طرف سے ایک شخص یوسف بلکین کو جو قوم کا بربر اور صنہاجہ کے قبیلہ سے تھا اپنی طرف سے نائب چھوڑا۔ اس کی اولاد مغرب پر ۳۶۱ھ سے لے کر ۵۴۳ھ تک حکومت کرتی رہی ان میں سے معز نے جس نے ۴۰۶ھ سے لے کر ۴۵۳ھ تک یعنی ۴۷ برس حکومت کی ہے امام مالک کے مذہب کو مغرب میں رواج دیا ورنہ اس سے پہلے اس ملک میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب رائج تھا۔ اسی بادشاہ نے خلفائے فاطمی کا نام اپنے خطبہ میں سے نکال دیا اور خلفائے عباسی کا نام پھر داخل کر دیا۔ اخیر بادشاہ حسن کے زمانہ میں جو ۵۱۵ھ میں تخت پر بیٹھا سلطنت نہایت ضعیف ہوگئی تھی اور یورپ کے عیسائیوں نے ان کے ملک کا اکثر حصہ فتح کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ ۵۴۳ھ میں مہدیہ بھی جو ان کا دارالخلافہ تھا عیسائیوں نے چھین لیا تھا اور باقی مغرب کا تمام ملک یوسف بن تاشفین دبا بیٹھا تھا۔ یوسف بن تاشفین بھی ایک بربری قبیلہ سے تھا کہتے ہیں کہ یہ شخص اس قبیلہ کا ۴۳۸ھ میں حج کر کے گیا تھا وہاں سے واپس آتا ہوا قیروان سے جو تونس میں ایک قدیم علم کی جگہ تھی ایک عالم کو ساتھ لے گیا اور اپنی تمام قوم کو اسلام کے مسائل کی تعلیم کرائی۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں کی طاقت بڑھتی گئی ۴۶۷ھ میں انہوں نے یوسف بن تاشفین کو اپنا امیر مقرر کیا اس نے اپنا خطاب امیر المسلمین رکھا اور تمام مغرب کو فتح کرلیا یہ شخص علم کا نہایت قدر دان اور دیندار اور مصلحت ملکی سے بہت واقف تھا۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی نے بھی اس کی دینداری اور علم کا قصہ سن کر اس کے دربار میں آنے کا ارادہ کیا تھا اور چل بھی پڑے تھے لیکن وہ ابھی اسکندریہ میں تھے کہ ان کو یوسف کے مرنے کی خبر پہنچی اس لیے واپس چلے گئے یوسف نے مراکش کے شہر کو بسایا تھا اور اس کو دارالملک مقرر کیا۔ اندلس کے مسلمانوں کو عیسائیوں کے خلاف مدد دیتا رہا اور جب دیکھا کہ بادشاہ گردی کے سبب سے اسلام ضعیف ہوتا جاتا ہے تمام طوائف الملوک کو علیحدہ کر کے خود تمام ملک پر قبضہ کرلیا اس نے ۵۰۰ھ میں وفات پائی۔ اس کے بیٹے علی کے زمانہ میں محمد بن تومرت مہدی کا زور شور ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا خلیفہ عبدالمومن جس کا حال ہم بیان کر آئے ہیں ۵۴۳ھ میں تمام مغرب اور اندلس کا بادشاہ بن بیٹھا اور امیر المومنین کا خطاب اختیار کیا اس کی اولاد نے جن کو موحدین کہتے ہیں ۶۶۸ھ تک حکومت کی ۶۵۰ھ کے قریب جب موحدین مراکش میں حکومت کرتے تھے اس میں ایک اور خاندان نے زور پکڑا جن کو بنی مرین کہتے ہیں ان کے خاندان کا بانی عبدالحق بن محیو بن ابوبکر تھا۔ یہ لوگ قوم بربر کے قبیلہ زناتہ سے تھے اور صحرا میں رہتے تھے۔ عبدالحق کی اولاد موحدین سے ترقی کرتی رہی اور ۶۶۸ھ میں امیر المسلمین سلطان یعقوب نے موحدین کو علیحدہ کیا اور کل مغرب کا بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ بادشاہ ۶۵۶ھ سے ۶۸۵ھ تک جب تک تخت پر رہا اندلس کے مسلمان بادشاہوں کو برابر مدد دیتا رہا۔ اس وقت اندلس میں تین مسلمان بادشاہ تھے اور وہاں کے عیسائی ان تینوں سے باری باری لڑتے تھے سلطان یعقوب جس بادشاہ کے ساتھ عیسائی لڑتے تھے اس کو کافی مدد دیتا تھا اس کا بیٹا یوسف بھی اسی طرح مدد دیتا رہا۔ ابن بطوطہ کے وقت میں ابو عنان بن ابو الحسن بن عثمان بن یعقوب بادشاہ تھا۔ اس نے سات برس سلطنت کی اس خاندان کے اخیر بادشاہ کا نام بھی عبدالحق تھا وہ ۸۶۹ھ میں قتل کیا گیا بنی مرین کے بعد تمام مغرب کے ملک میں فتنہ و فساد پھیل گیا اور پرتگیزوں نے اہل اسلام کو سمندر کے ساحل پر تکلیف دینی شروع کی۔ آخر ۹۱۵ھ میں خدا تعالیٰ نے ابو محمد قائم بامر اللہ کو کھڑا کیا اس نے سوس کے بندرگاہوں سے پرتگیزوں کو نکال دیا اور رفتہ رفتہ تمام مغرب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ شخص صحیح النسب سید تھا۔ اور امام حسن کی اولاد میں سے تھا۔ ۶۶۴ھ میں ایک شخص حسن اول ہی اول ینبوع سے مغرب میں آیا تھا۔ ینبوع مدینہ شریف کا بندر ہے۔ ان میں سے محمد مہدی تیسرا بادشاہ تھا وہ حافظ قرآن تھا اور صحیح بخاری بھی اس کو کل ازبر یاد تھی اس نے سلطان سلیمان خاں سلطان قسطنطنیہ کی شان میں کچھ توہین کے کلمات زبان سے نکالے تھے اور اس لیے کسی ترک نے اس کی ملازمت اختیار کی اور موقع پاکر مار ڈالا۔ اس خاندان کو سعدی کہتے تھے ان کی سلطنت ۱۰۶۹ھ تک رہی۔ ۱۰۵۰ھ اسی حسن کی اولاد میں سے ایک اور شخص محمد بن شریف فاس میں ظاہر ہوا۔ اس کے پوتے اسماعیل نے جس نے ۵۵ سال تک حکومت کی اس خاندان کی بنیاد مستحکم طور سے قائم کردی اب سترہواں بادشاہ مولا حسن کے انتقال کے بعد تخت پر بیٹھا ہے جو صغیر سن ہے اور عبدالعزیز اس کا نام ہے۔

مغرب کے ذکر میں ایک اور بات بیان کرنے کے قابل ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے تونس کا بادشاہ ۷۲۵ھ میں جب وہ وہاں پہنچا ابو الحسن بن ابو سعید بن ابو یوسف عبدالحق تھا۔ یہ شخص سلطان ابو عنان کا باپ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلطان ابو الحسن وہاں تونس میں موجود تھا حقیقت میں تونس کے بادشاہ ابو حفص عمر ہنتاتی کی اولاد سے تھے جو پہلے امیر المومنین بن عبدالمومن حقیقت میں تونس کے بادشاہ ابو حفص عمر ہنتاتی کی اولاد سے تھے جو

پہلے امیر المومنین بن عبدالمومن کے پوتے کی طرف سے تونس کا حاکم تھا اور ۶۰۳ھ میں خودسر ہو بیٹھا تھا۔ ۷۴۸ھ میں ابن بطوطہ کے واپس وطن پہنچنے سے دو برس پہلے ابو حفص عمر کے وقت میں سلطان ابو الحسن مرینی سلطان مراکو و فاس اس ملک پر قابض ہو گیا تھا مگر اڑھائی سال کے بعد ابو العباس فضل حفصی نے اس کو پھر نکال دیا۔ یہ لوگ اپنے تئیں فاروقی بتلاتے تھے اور سالم بن عبداللہ بن عمر میں اپنا نسب ملاتے تھے اور چونکہ بربر کے ایک قبیلہ ہشانہ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے ان کا بڑا ابو حفص عمر ہنتاتی کہلاتا تھا یہ خاندان تونس میں ۹۸۲ھ تک بالاستقلال حکومت کرتا رہا۔ آخرکار سلطان سلیم بن سلطان سلیمان خان نے سنان پاشا کو ۹۸۱ ہجری میں ایک جرار لشکر دے کر بھیجا اور اس نے تونس کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں داخل کر لیا۔ اس خاندان نے تین سو اناسی سال حکومت کی۔ اب ۱۸۸۲ء سے فرانس نے تونس پر قبضہ کر لیا ہے اور مراکو کے بادشاہ کو اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔

باب (۱۸)

سوڈان

(۱) بجلماسہ و تغازی

فاس سے بجلماسہ کے شہر میں پہنچا۔ یہ شہر بہت اچھا ہے۔ کھجور اس میں بہت پیدا ہوتی ہے اور کھجور کی کثرت کے سبب سے بصرہ سے مشابہ ہے لیکن بجلماسہ کی کھجور بصرہ کی کھجور سے کہیں اچھی ہوتی ہے اور ایک قسم کی کھجور جس کو ایرار کہتے ہیں دنیا بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس شہر میں فقیہ ابو محمد بشری کے پاس ٹھہرا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا بھائی مجھے چین میں شہر قن جن فور میں ملا تھا ان کی دوری پر تعجب آتا ہے۔ ابو محمد بشری نے میری خاطر و تواضع بدرجہ غایت کی۔ اس شہر میں' میں نے اونٹ خریدے اور ان پر چار مہینے کا زادراہ لیا اور ۷۵۳ھ ہجری کے محرم کی پہلی تاریخ کو ایک قافلہ کے ساتھ' جس کا سردار ابو محمد ید کان مسوفی تھا' چلا۔ ہمارے ساتھ بجلماسہ کے بہت سے سوداگر بھی۔ پچیس (۲۵) دن کے بعد ہم تغازی میں پہنچے یہ گاؤں بالکل بے برکت ہے۔ اس کے گھروں اور مسجدوں کی دیواریں نمک کے پتھروں کی ہیں اور چھت اونٹوں کی کھال کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس ملک میں سوائے ریل کے بوٹے کے اور کوئی درخت نہیں تھا۔ اس شہر میں نمک کی کان ہے۔ زمین کھودنے پر نمک کی سلیں اوپر نیچے رکھی ہوئی پائی جاتی ہیں' جیسے کسی نے تراش کر رکھ چھوڑی ہوں۔ ایک اونٹ پر

دو کمیں لادتے ہیں اور سوا مسوفا کے غلاموں کے جو نمک کھودنے کا کام کرتے ہیں اور کوئی شخص وہاں نہیں رہتا ان کی غذا کھجور ہے جو درعہ اور سجلماسہ سے آتی ہے اور اونٹ کا گوشت اور سودان کا چینہ ہے۔ وہاں حبشی آتے ہیں اور نمک لے جاتے ہیں۔ ایولاتن میں ایک اونٹ کا بوجھ دس مثقال (۱) سے آٹھ مثقال تک ملتا ہے اور مالی کے شہر میں بیس مثقال سے تیس مثقال تک اور بعض وقت چالیس مثقال بھی نرخ ہو جاتا ہے۔ سودان میں نمک بطور روپیہ کے چلتا ہے اور سونے چاندی کا کام دیتا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے خرید فروخت ہوتی۔ تغازی کا گاؤں اگرچہ بہت حقیر ہے لیکن وہاں سونے کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ ہم نے وہاں مشکل سے دس دن کاٹے کیونکہ وہاں کا پانی نہایت تلخ ہے اور مکھیاں بہت کثرت سے ہیں صحرا میں داخل ہونے سے پہلے یہاں سے پانی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کیونکہ آگے دس دن تک پانی شاذ و نادر مل سکتا ہے لیکن ہمیں تو بارش ہونے کے سبب سے کئی جگہ پانی نالابوں میں جمع ہوا ملا اور بعض جگہ پتھر کے دو ٹیلوں کے درمیان تالاب میں پانی دستیاب ہوا تو ہم نے خوب پیٹ بھر کر پیا اور کپڑے بھی دھوئے اور بھر بھی لیا۔ اس صحرا میں کھیسیاں بکثرت ہوتی ہیں اور جوئیں بھی بہت پڑ جاتی ہیں چنانچہ اکثر لوگ اپنے گلوں میں تھیلیاں جن میں پارہ بھرا ہوتا ہے باندھ لیتے ہیں۔ ہم ان دنوں میں قافلہ کے آگے آگے جایا کرتے تھے جہاں کہیں چراگاہ پاتے تھے تو وہاں اپنے اونٹ چرانے شروع کر دیتے تھے لیکن جب ایک شخص ابن زیری نامی صحرا میں ضائع ہو گیا تو ہم نے آگے جانا اور پیچھے رہنا ترک کر دیا ابن زیری اور اس کے ماموں زاد بھائی ابن عدی کے درمیان کچھ تکرار ہو گئی۔ ابن زیری قافلہ سے پیچھے رہ گیا اور رستہ بھول گیا جب منزل پر پہنچے تو اس کا پتہ نہ لگا میں نے اس کے ماموں زاد بھائی کو کہا کہ کوئی غلام اجرت پر اس کا پتہ لگانے کے لیے بھیجے اس نے انکار کیا لیکن دوسرے دن ایک غلام بلا اجرت چلا گیا تھا اس کو اس کا سراغ مل گیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کبھی تو وہ رستوں پر چل لیتا تھا اور کبھی ادھر ادھر ہو جاتا تھا لیکن اس کو کچھ پتہ نہ لگا۔ ہمیں رستے میں ایک قافلہ ملا تو انہوں نے کہا کہ کئی آدمی تم میں سے بچھڑ گئے ہیں ان میں سے ایک آدمی ہمیں ایک رمل کے بوٹے کے نیچے مرا ہوا ملا۔ اس کے کپڑے بدن پر تھے اور ہاتھ میں چابک تھا اور پانی اس سے ایک میل کے فاصلے پر تھا پھر ہم تاسہلا پہنچے۔ یہاں کچھ پانی جمع ہے جس پر قافلے آکر ٹھہرتے ہیں اور تین روز ٹھہرا کرتے ہیں۔ وہاں آرام کرتے ہیں اور وہاں اپنی مشکوں کی مرمت کرتے ہیں اور پانی بھر لیتے ہیں اور ان پر ہوا کے خوف سے کمل سی لیتے ہیں۔

صحرا (۲)

اس جگہ سے تکشیف بھیجے جاتے ہیں۔ تکشیف اس شخص کو کہتے ہیں جس کو اہل قافلہ اجرت پر اپنے سے آگے ایولاتن کو بھیجتے ہیں۔ اس کے ہاتھ اہل قافلہ اپنے دوستوں کو خط بھیجتے ہیں کہ وہ ان کے واسطے مکان کا انتظام کر رکھیں اور چار منزل آگے پانی بھیج دیں جس کا دوست وہاں نہیں ہوتا تو وہ کسی مشہور تاجر سوداگر کو لکھ بھیج دیتا ہے تو وہ انتظام کرتا ہے جب کبھی تکشیف رستہ میں مرجاتا ہے اور منزل مقصود تک نہیں پہنچتا تو اہل قافلہ یا ان میں سے اکثر مرجاتے ہیں۔ اس صحرا میں بہت سے شیاطین ہیں جو تکشیف کو دکھ دے کر اس کو رستہ سے گمراہ کر دیتے ہیں کیونکہ اس صحرا میں سوائے ریت کے تودوں کے اور کچھ نہیں اور ریت کے تودوں کو بھی ہوائیں اور آندھیاں ایک جگہ نہیں رہنے دیتی ہیں۔ ایک دن تو ایک جگہ ریت کے پہاڑ دکھلائی دیتے ہیں اور دوسرے دن کچھ بھی نہیں۔ جو لوگ آتے جاتے ہیں اور بڑے ہوشیار اور عقلمند ہوتے ہیں وہی رستہ کو گم نہیں کرتے۔ تعجب کی بات ہے کہ ہمارا تکشیف ایک آنکھ سے کانا تھا اور دوسری آنکھ بھی تندرست نہ تھی۔ کہتے تھے کہ اس سے بہتر رستے کا جاننے والا کوئی بھی نہیں۔ ہم نے تکشیف کو سو مثقال سونا اجرت دی تھی۔ وہ بھی قوم کا مسوفہ تھا۔ ساتویں دن ہمیں آگ نظر آئی۔ یہ لوگ ایولاتن سے ہمارے استقبال کو آئے تھے۔ ہم نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ یہ صحرا روشن اور صاف ہے دل بشاش رہتا ہے اور چوروں کا نام و نشان نہیں۔ جنگلی گائے بکثرت ہوتی ہے اس کے ریوڑ کے ریوڑ چرتے ہیں اور لوگوں کے قریب آ جاتے ہیں۔ کتوں سے ان کا شکار کر لیتے ہیں اور تیروں سے بھی مار لیتے ہیں لیکن اس کے گوشت کے کھانے سے پیاس بڑھتی ہے اور اسی لیے اکثر آدمیوں کو اتار ہو جاتا ہے یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ جب اس گائے کو مارتے ہیں تو اس کے معدہ میں سے پانی نکلتا ہے اس کو لوگ پیتے ہیں اس صحرا میں سانپ بھی بکثرت ہیں ہمارے قافلہ میں عثمان کا سوداگر تھا جس کو حاجی زیان کہتے تھے۔ اس کی عادت تھی کہ وہ سانپوں کو پکڑ لیتا تھا اور ان سے کھیلا کرتا تھا میں ان کو منع کیا کرتا تھا لیکن وہ مانتا نہ تھا ایک روز اس نے ایک سوسمار پکڑنے کے لیے اس کے سوراخ میں ہاتھ ڈالا اندر سانپ تھا اس کو پکڑ لیا اور ہاتھ میں پکڑ کر سوار ہونے لگا تو سانپ نے اس کے داہنے ہاتھ کی سبابہ انگلی میں کاٹ لیا اس کی انگلی نہایت سخت درد کرتی تھی اس کو داغ دیا لیکن اس کا درد زیادہ ہو گیا۔ اس نے ایک اونٹ کو ذبح کیا اور اس کے معدہ میں ہاتھ دے دیا پھر اپنی انگلیوں کا گوشت چھلوا دیا اور پھر ہاتھ کٹوا دیا۔ اہل

بوئے جاتے ہیں۔ پانی تالاب کا ہے۔ بکری کا گوشت بکثرت ہوتا ہے یہاں کے باشندے مصری حسان کپڑا استعمال کرتے ہیں اور اکثر باشندے مسوفہ ہیں۔ ان کی عورتیں نہایت حسین ہوتی ہیں اور ڈیل ڈول میں بھی مردوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کے رواج عجیب عجیب ہیں۔ مردوں میں غیرت کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ ہر ایک شخص اپنے باپ کا بیٹا نہیں کہلاتا بلکہ اپنے ماموں کا بھانجا کہلاتا ہے اور ہر ایک شخص کے وارث اس کے بیٹے نہیں ہوتے بلکہ بھانجے ہوتے ہیں۔ یہ رواج میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھا مگر اس قوم میں اور ملیبار کے ہندوؤں میں لیکن تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان اور نماز کے پابند' قرآن کے حافظ اور بڑے بڑے فقہ داں ہوتے ہیں ان کی عورتیں باوجود پابند نماز ہونے کے مردوں سے پردہ نہیں کرتیں اگر کوئی شخص ان سے شادی کرنا چاہے تو کر لیتی ہیں لیکن اپنے خاوند کے ساتھ باہر نہیں جاتیں اور اگر کوئی جانا بھی چاہے تو اس کے خاندان کے بزرگ نہیں جانے دیتے۔ یہاں کی عورتیں اجنبی مردوں کو دوست بنا لیتی ہیں اور اسی طرح سے مردوں کی دوست اجنبی عورتیں ہوتی ہیں اگر کوئی مرد اپنے گھر جاتا ہے اور اپنی عورت کے پاس اس کے دوست کو دیکھتا ہے تو برا نہیں مانتا۔ میں ایک روز وہاں قاضی کے گھر میں اجازت لے کر داخل ہوا اس کے پاس ایک نوجوان حسین عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کو دیکھ کر واپس جانے لگا تو یہ عورت ہنس پڑی اور بالکل شرمندہ نہ ہوئی اور قاضی نے کہا آپ واپس نہ جائیں یہ عورت میری دوست ہے مجھے زیادہ تعجب اس لیے ہوا کہ یہ قاضی صاحب فقیہ اور حاجی بھی ہیں۔ مجھ سے کسی نے یہ بھی کہا کہ ان قاضی صاحب نے بادشاہ سے حج پر جانے اور اسی اپنی دوست کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تھی' بادشاہ نے اجازت نہ دی۔ ایک روز میں ابو محمد یندکان کے پاس گیا۔ وہ اپنے گھر میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے گھر کے وسط میں ایک تخت رکھا تھا جس پر سایہ ہو رہا تھا اس پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی اور ایک مرد کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی میں نے دریافت کیا کہ یہ عورت کون ہے اس نے کہا کہ میری بیوی ہے میں نے پوچھا کہ یہ مرد کون ہے اس نے کہا کہ اس کا دوست ہے میں نے کہا کہ تو تو ہمارے ملکوں میں رہ آیا ہے اور شرع سے واقف ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں عورت اور مرد کی دوستی پاک ہوتی ہے' تہمت کی گنجائش کوئی نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا کہ ہماری عورتیں تمہاری عورتوں کی مانند نہیں ہوتیں۔ مجھے اس کے غرور پر تعجب آیا اور میں چلا آیا اور اس کے پاس پھر نہیں گیا۔ اس نے مجھے کئی دفعہ بلایا مگر میں نہ گیا۔ جب میں نے مالی طرف سفر کیا تو میں نے مسوفہ قوم کا ایک رہبر اپنے ساتھ لیا۔ مالی ایولاتن سے چوبیس منزل ہے۔ یہ رستہ بالکل ہی پرامن ہے۔ قافلہ کے ساتھ

مسوفہ کہتے تھے کہ اس نے سانپ کے کاٹنے سے پہلے پانی پی لیا تھا ورنہ یہ شخص ہرگز نہ بچتا۔ جب ہم ان لوگوں سے ملے جو ہمارے استقبال کو آئے تھے وہ اپنے ساتھ پانی لائے تھے۔ ہم نے اپنے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ اس کے بعد ہم ایک ایسے صحرا میں داخل ہوئے کہ وہ نہایت سخت گرم تھا۔ عصر کے بعد کوچ کرتے تھے اور رات کو بھی چلتے تھے اور صبح کے وقت پہنچ کر قیام کرتے تھے۔ مسوفہ اور بردامہ کے لوگ پانی فروخت کرنے کے لیے لاتے تھے۔

(۳) ایولاتن

اس کے بعد ہم شہر ایولاتن (۲) میں ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو پہنچے۔ سجلماسہ سے چل کر یہاں تک دو ماہ کامل سفر میں رہے۔ یہ شہر سودان کا پہلا شہر ہے۔ بادشاہ کی طرف سے وہاں کا حاکم فربا حسین ہے۔ فربا سودان کی لغت میں نائب کو کہتے ہیں جب ہم وہاں پہنچے تو سوداگروں نے اپنا مال ایک احاطہ میں سودانیوں کے سپرد کر دیا اور خود سب مل کر نائب کے پاس گئے وہ ایک دالان میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا اس کے سپاہی اس کے روبرو نیزے اور کمانیں ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کے پیچھے سوداگر اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور وہ ان سے باوجود ایسے قرب کے ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو کر رہا تھا اور یہ اس سبب سے تھا کہ وہ ان کو اپنی برابر نہیں سمجھتا تھا۔ اس وقت مجھے افسوس ہے کہ میں ان لوگوں کے ملک میں کیوں آیا کیونکہ وہ گورے آدمیوں کا ادب نہیں کرتے میں ابن بدا کے گھر میں گیا وہ شہر سلا کے رہنے والے ایک فاضل شخص تھے میں نے ان کو لکھا تھا کہ میرے واسطے ایک مکان کرایہ لے لو۔ اور انھوں نے بندوبست کیا ہوا تھا پھر ایولاتن کے مشرف نے جس کو وہاں منشا جو کہتے ہیں۔ کل اہل قافلہ کی دعوت کی میں نے ارادہ کیا کہ میں نہ جاؤں۔ اہل قافلہ نے مجھے مجبور کیا میں بھی گیا پسنہ کا دلیہ جس میں شہد اور دودھ ملا ہوا تھا ایک کدو کے چھلکے کے نصف میں لائے اور سب نے وہی پی لیا اور وہاں سے چلے آئے۔ میں نے کہا کہ اس کالے نے ہمیں اسی ضیافت کے لیے بلایا تھا۔ اس نے کہا یہ تو بڑی ضیافت گنی جاتی ہے۔ میں اسی وقت سمجھ گیا کہ اس ملک میں کچھ امید نہیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ ایولاتن سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ ہی واپس چلا جاؤں لیکن پھر خیال آیا کہ ان کے ملک کا دارالخلافہ بھی دیکھنا چاہیے۔ میں ایولاتن میں پچاس دن ٹھہرا وہاں کے باشندوں نے میری تعظیم اور تکریم کی اور اکثر بزرگوں نے جن میں سے وہاں کا قاضی محمد بن عبداللہ بن ینومر اور اس کا بھائی فقیہ یحییٰ مدرس ہے ہماری ضیافت کی۔ اس شہر میں گرمی سخت ہوتی ہے کچھ کھجور کے درخت بھی ہیں ان کے سایہ میں تربوز بھی

جانے کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ تین اور دوست تھے رستہ میں درخت بہت ہیں' درخت بھی بڑے بڑے سایہ دار ہیں اور اس قدر بڑے بڑے درخت ہیں کہ ایک ایک درخت کے نیچے قافلہ کا قافلہ ٹھہر سکتا ہے۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ نہ ان کی شاخیں اور نہ پتے لیکن فقط درخت کے تنے کا سایہ اتنا ہوتا ہے کہ آدمی سایہ میں اچھی طرح بیٹھ سکتا ہے۔ بعض درخت پرانے ہو کر کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور ان میں بارش کا پانی جمع ہو کر کنواں سا بن جاتا ہے۔ اس سے نکال نکال کر لوگ پانی پیتے ہیں۔ بعضوں میں شہد کے چھتے لگے ہوئے ہیں۔ لوگ مکھیوں کو بھگا کر شہد لے جاتے ہیں۔ ایک درخت میں نے دیکھا اس کے اندر ایک جولاہہ بیٹھا ہوا کپڑا بن رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا (ابن جزی اس سفرنامہ کا مؤلف کہتا ہے کہ میں نے اندلس کے ملک میں قسطل یعنی بلوط کے دو درخت دیکھے کہ ان کے تنے کے خلا میں ایک ایک جولاہا بیٹھ کر کام کرتا ہے۔ ان میں سے ایک درخت تو وادی آش میں ہے اور دوسرا غرناطہ کے بشارہ میں) ایولاتن اور مالی کے درمیان جو جنگل ہے اس میں ایسے درخت ہیں کہ جن کے پھل آلو بخارا اور سیب اور آڑو اور خوبانی کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن دراصل وہ کوئی اور پھل ہوتے ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ ان میں خربوزہ کی مانند پھل لگتا ہے جب وہ پک جاتا ہے تو پھٹ کر اس میں سے آٹے کی مانند کوئی چیز نکلتی ہے' اس کو پکا کر کھاتے ہیں اور بازاروں میں بیچتے ہیں۔ اس زمین میں سے باقلہ جیسے دانے نکلتے ہیں' اس کو بھون کر کھاتے ہیں اس کا مزہ بھنے ہوئے چنے کے مشابہ ہوتا ہے اور اکثر اس کو پیس کر اسفنج کی مانند روٹی بنا لیتے ہیں اور غرتی کے ساتھ اس کو بھونتے ہیں اور غرتی خوبانی کی مانند ایک میوہ ہوتا ہے لیکن شیریں بدرجہ غایت ہوتا ہے۔ اس کا کھانا گورے آدمیوں کے لیے مضر ہے اس کی گٹھلیوں کو کوٹ لیتے ہیں اور اس میں سے تیل نکالتے ہیں جو روغن زیتون کے مشابہ ہوتا ہے اور وہ بہت کام آتا ہے۔ کھانوں میں ڈالتے ہیں اور چراغ میں بھی وہی جلاتے ہیں اور اسفنج بھی اسی میں بھونتے ہیں اور بدن پر بھی ملتے ہیں اور ایک قسم کی مٹی میں ملا کر اس سے مکانوں کو لیپتے ہیں جیسے کہ گیرو سے لیپتے ہیں اور قیر بھی ان کے ملک میں بہت ہوتا ہے۔ اس کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں کدو کے چھلکوں میں بھر کر لے جاتے ہیں اور کدو اس شہر میں ایک بڑے خم کی برابر ہوتا ہے کدو سوڈان کے ملک میں بہت بڑے ہوتے ہیں۔ کدو کے چھلکوں کے بڑے بڑے پیالے بھی بنا لیتے ہیں۔ ایک کدو کے دو پیالے بنتے ہیں' پھر ان پر خوبصورت نقش کر لیتے ہیں جب کوئی سوڈانی سفر کو جاتا ہے تو اس کے غلام اور لونڈیاں پیچھے پیچھے اس کا بستر اور کھانے پینے کے برتن اٹھائے ہوئے چلتے ہیں اور یہ سب برتن کدو کے چھلکوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

کوئی مسافر اس ملک میں اپنے ساتھ زاد راہ یا سالن یا دینار یا درہم نہیں لے جاتا لیکن نمک کے ڈلے اور کانچ کے زیورات لے جاتا ہے ان کو وہاں نظم کہتے ہیں اور خوشبو کی چیزیں بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ جیسے کہ لونگ اور مصطگی اور تامر غنت۔ تامر غنت کو وہ لوگ مکانوں میں خوشبو پیدا کرنے کے لیے جلاتے ہیں جب مسافر کسی گاؤں میں پہنچتا ہے تو سوڈان کی عورتیں غلہ اور دودھ اور مرغیاں اور بیروں کا آٹا اور چاول اور فونی (جو خردل کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کا کس کس کو اور حلیم بناتے ہیں) اور لوبیہ کا آٹا لاتے ہیں اور ان کے عوض یہ چیزیں خریدتے ہیں۔ چاول کا کھانا گورے آدمیوں کو تکلیف دیتا ہے لیکن فونی اس سے بہتر ہے۔ ایولاتن سے دس دن چل کر ہم زاغری کے گاؤں میں پہنچے۔ یہ ایک بڑا گاؤں ہے۔ اس میں سوڈانی سوداگر رہتے ہیں' ان کو ونجراتہ کہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی ایک گوری قوم رہتی ہے جو اباضیہ (۳) خارجیوں کے مذہب پر ہیں ان کو اصغنو کہتے ہیں اور اہل سنت مالکی مذہب کے بھی گورے آدمی وہاں رہتے ہیں ان کو توری کہتے ہیں۔ اس گاؤں میں سے جینہ غلہ ایولاتن کو لے جاتے ہیں۔

(۴) دریائے نائیجر

زاغری سے چل کر ہم ایک بڑے دریا (۴) پر پہنچے جس کو نیل کہتے ہیں۔ اس دریا پر کارسو کا شہر ہے وہاں سے یہ دریا کابرہ کی طرف جاتا ہے پھر زاغہ کی طرف اور کابرہ اور زاغہ کے بادشاہ مالی کے سلطان کے تابع ہیں۔ زاغہ کے باشندے زمانہ قدیم سے مسلمان ہیں بڑے دیندار اور علم کے شائق ہیں یہ دریا زاغہ سے تمبکتو کی طرف جاتا ہے اور وہاں سے کوکو کی جانب۔ ان دونوں شہروں کا عنقریب ذکر کریں گے۔ پھر یہ دریا مولی کی طرف جاتا ہے یہ شہر لیمیوں کا اور مالی کی سلطنت کا آخر شہر ہے۔ پھر یوفی کی جانب جاتا ہے۔ یہ شہر سوڈان کے شہروں میں سب سے بڑا ہے اور وہاں کا بادشاہ بھی سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ کوئی گورا آدمی وہاں نہیں جاتا کیونکہ وہاں کے لوگ اس کو شہر تک پہنچنے سے پہلے ہی مار ڈالتے ہیں پھر یہ دریا نوبہ کی طرف جاتا ہے نوبہ کے باشندے نصرانی ہیں پھر دنقلہ کی طرف بہتا ہے۔ یہ شہر نوبہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ وہاں کے بادشاہ کا نام ابن کنز الدین ہے۔ اس نے ملک ناصر کے وقت میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے بعد یہ دریا جنادل کی طرف جاتا ہے۔ یہ شہر سوڈان کے علاقہ کا آخر ہے اور صعید مصر کا شروع ہے۔ یہاں میں نے مگرمچھ دریا کے کنارے پر اتنے اتنے بڑے دیکھے کہ جیسے چھوٹی کشتی ہوتی ہے ایک دن میں دریائے نیل کے کنارے قضائے حاجت کے لیے گیا ایک

سوالی آکر میرے اور دریا کے کنارے کے درمیان کھڑا ہو گیا میں اس کی بے حیائی اور بے ادبی سے متعجب ہوا اور میں نے لوگوں سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تجھے مگرمچھ کے حملہ سے بچانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

(۵) مالی

کارسنو سے ہم دریائے صنو کی طرف گئے۔ یہ دریا شہر مالی (۵) سے دس میل دور ہے۔ مالی میں کسی کو بغیر اجازت جانے کا حکم نہیں۔ میں نے پہنچنے سے پہلے گورے آدمیوں میں سے بعض کی طرف جس میں سب سے بڑے آدمی محمد بن فقیہ جزولی اور شمس الدین بن نقویش مصری تھے لکھ بھیجا تھا میرے لیے ایک مکان کرایہ پر لے رکھیں۔ جب میں بھی دریائے صنو پر پہنچا تو میں نے کشتی میں بیٹھ کر دریا کو عبور کیا اور مجھے کسی نے منع نہ کیا۔ اس کے بعد میں شہر مالی میں پہنچا جو شاہ سوڈان کا پایہ تخت ہے۔ میں جا کر قبرستان کے پاس ٹھہرا اور بعد ازاں گورے لوگوں کے محلہ میں گیا۔ وہاں محمد ابن فقیہ سے ملا اس نے میرے واسطے ایک مکان اپنے مکان کے مقابل کرایہ لے رکھا تھا میں اس مکان میں جا رہا اس کا داماد فقیہ قاری عبدالواحد میرے واسطے ایک چراغدان اور کھانا لایا۔ دوسرے دن ابن فقیہ اور شمس الدین اور علی مراکشی میرے ملنے کے لیے آئے علی مراکشی ایک طالب علم تھا مالی کا قاضی عبدالرحیم بھی آیا۔ وہ حبشی تھا اور حج کر آیا تھا۔ عالم فاضل اور اچھے خصائل کا آدمی تھا۔ اس نے میری ضیافت میں ایک گائے بھیجی ترجمان دو غاتام سے بھی میری ملاقات ہوئی وہ بھی حبشیوں میں ایک بڑا فاضل آدمی ہے اس نے میرے پاس ایک بیل بھیجا اور فقیہ عبدالواحد نے فونی کی دو بوریاں اور غرق کا بھرا ایک تونبہ بھیجا اور ابن الفقیہ نے چاول اور فونی بھیجی اور شمس الدین نے بھی کھانا بھیجا۔ ان سب نے میری مدارات کما حقہ کی ابن فقیہ کا نکاح بادشاہ کے چچا کی لڑکی سے ہوا تھا وہ بھی میرے پاس کھانا بھیجا کرتی تھی اور دیگر ضروریات بھی بھیجا کرتی تھی اور دیگر ضروریات بھی بھیجتی رہتی تھی پہنچنے کے دس دن بعد ہم نے قاضی کا عصیدہ کھایا اور یہ کھانا اس ملک میں بہت کھانوں سے افضل سمجھا جاتا ہے وہ کھا کر دوسرے دن ہم سب بیمار ہو گئے۔ ہم چھ آدمی تھے ایک مر گیا اور میں صبح کی نماز پڑھنے گیا تھا وہیں میں بے ہوش ہو گیا۔ میں نے ایک مصری سے کہا مجھے کوئی دوا دو۔ وہ ایک دوا جس کو بیدر کہتے ہیں لایا۔ وہ کسی بوٹی کی جڑ تھی اور اس میں انیسون اور شکر تری ملائی اور پانی میں گوندھ کر مجھے دی۔ میں نے دوا کھائی تو جو کچھ میں نے کھایا تھا وہ صفرا کو ساتھ لے کر قے کے رستے سب نکل گیا اور میں بچ گیا لیکن دو مہینے بیمار رہا۔

(۶) مالی کا بادشاہ

مالی کے بادشاہ کا نام منسا سلیمان ہے۔ منسا بادشاہ کو کہتے ہیں اور سلیمان اس کا نام تھا یہ بادشاہ نہایت بخیل ہے اور کسی بڑے عطیہ کی امید اس سے رکھنی لاحاصل ہے۔ اتفاق سے اس تمام عرصہ تک بیماری کے سبب سے میں بادشاہ سے ملاقات نہیں کر سکا۔ اس نے مولانا ابو الحسن کی تعزیت کی تقریب میں ایک بڑی دعوت کی اور امیروں اور فقیہوں اور قاضی اور خطیب کو بلایا۔ میں بھی گیا ہر ایک شخص کو ایک ایک ربع قرآن شریف کا دے دیا جب ختم ہو چکا تو مولانا ابو الحسن کی روح کے لیے دعا مانگی گئی اور پھر منسا سلیمان کے حق میں سب نے دعا کی جب یہ ہو چکا تو میں نے آگے بڑھ کر بادشاہ کو سلام کیا اور قاضی اور خطیب اور ابن فقیہ نے میرا حال اس کو سنایا اس نے ان کی زبان میں جواب دیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر کرو۔ میں نے **الحمد للہ علی کل حال** کہا۔ جب میں اپنے گھر آیا تو میرے واسطے بادشاہ نے کھانا بھیجا۔ پہلے وہ قاضی کے گھر لے گئے۔ اس نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ ابن فقیہ کے گھر بھیج دیا۔ وہ ابن کر پیدل دوڑتا ہوا میرے پاس آیا کہ اٹھو بادشاہ نے تمہارے لیے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں سمجھا کہ خلعت اور کچھ نقدی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ تین روٹیاں اور تھوڑا سا گائے کا گوشت تھا اور کدو کے چھلکے میں چھاچھ تھی۔ میں دیکھ کر خوب ہنسا اور ان لوگوں کی کم عقلی اور تھوڑی سی چیز پر اس قدر خوش ہونے پر مجھے بہت تعجب ہوا اس کے بعد میں دو مہینے تک ٹھہرا رہا۔ بادشاہ نے مجھے کچھ نہ بھیجا رمضان کا مہینا آ گیا۔ اس عرصہ میں میں بادشاہی محل میں آیا جایا کرتا تھا اور بادشاہ کو سلام کیا کرتا تھا اور قاضی اور خطیب کے ساتھ جا بیٹھتا تھا۔ میں نے دوغا ترجمان سے کہا اس نے کہا بادشاہ سے عرض کرنا میں ترجمہ کر کے بادشاہ کو سنا دوں گا۔ شروع رمضان میں بادشاہ بیٹھا ہوا تھا میں نے روبرو کھڑے ہو کر عرض کی کہ میں نے تمام دنیا کے ملکوں کا سفر کیا ہے اور وہاں کے بادشاہوں سے ملاقات کی۔ تمہارے شہر میں آئے مجھے چار مہینے ہوئے ہیں تم نے مجھے کچھ دیا نہ ضیافت کی میں تمہارا حال جا کر کیا بیان کروں گا۔ بادشاہ نے کہا میں نے تم کو نہیں دیکھا اور نہ مجھے تمہارے آنے کا علم ہے۔ قاضی اور ابن فقیہ نے کھڑے ہو کر بتایا کہ اس نے حضور کو سلام بھی کیا تھا اور حضور نے اس کے لیے کھانا بھی بھجوایا تھا۔ اس بادشاہ نے میرے لیے ایک گھر تجویز کیا اور روزینہ مقرر کیا اور ستائیسویں شب کو قاضی اور خطیب اور فقیہوں کو روپیہ تقسیم کیے تو مجھے بھی تینتیس (۳۳)

مثقال سونا بھیجا اور جب میں رخصت ہوا تو مثقال سونا اس وقت دیا یہ بادشاہ ایک بلند برج میں جس کا در گھر کے اندر ہے اکثر بیٹھا رہتا ہے۔ چوک کی جانب اس برج میں دروازے ہیں۔ ان کے کواڑ لکڑی کے ہیں لیکن چاندی کا خول ان پر چڑھا ہوا ہے اور ان کے پیچھے تین کھڑکیاں ہیں۔ ان کے کواڑ سونے کے ہیں یا چاندی پر سونے کا ملمع کیا ہوا ہے۔ ان دروازوں پر ریشم کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جب بادشاہ برج میں آ کر بیٹھتا ہے تو پردے اٹھا دیے جاتے ہیں۔ جب پردے اٹھائے جاتے ہیں تو یہ علامت ہے کہ بادشاہ برج میں بیٹھا ہوا ہے۔ جب بادشاہ آ بیٹھتا ہے تو ایک کواڑ کی جالی میں سے ایک ریشمی جھنڈا لٹکا دیا جاتا ہے اس میں ایک مصری منقش رومال بندھا ہوا ہوتا ہے جب لوگ رومال کو دیکھتے ہیں تو نوبت نقارے بجنے شروع ہوتے ہیں۔ اس وقت محل میں سے تین سو غلام نکلتے ہیں ان میں سے کسی کے ہاتھ میں کمان اور کسی کے ہاتھ میں نیزہ ہوتا ہے اور کسی کے ہاتھ میں ڈھال ہوتی ہے۔ نیزہ بردار دائیں اور بائیں ہاتھ پر کھڑے ہوتے جاتے اور کمانوں والے دونوں طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد دو گھوڑے جن پر زین اور لگام کسا ہوا ہوتا ہے لاتے ہیں اور ان کے ساتھ دو مینڈھے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ان کے سبب سے گھوڑوں کو نظر نہیں لگتی۔ جب بادشاہ بیٹھ جاتا ہے تو تین غلام باہر آتے ہیں اور دوڑ کر بادشاہ کے نائب قنجا موسیٰ کو بلاتے ہیں۔ اس کے بعد فراری آتے ہیں۔ فراری امیروں کو کہتے ہیں ان کے بعد قاضی اور خطیب آتے ہیں یہ سب سلحداروں کے آگے دائیں اور بائیں بیٹھ جاتے ہیں اور دوغا ترجمان چوک کے دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ زرد خانہ دار کپڑے کی عمدہ پوشاک پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کے سر پہ عمامہ ہوتا ہے جس کے حاشیوں پر طرح طرح کا کام ہوتا ہے۔ ایک تلوار جس کی میان سونے کی ہوتی ہے۔ اس کی کمر میں بندھی ہوئی ہوتی ہے اور پاؤں میں موزے ہوتے ہیں اور مہمیز لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس روز سوا ترجمان کے اور کسی کو موزے پہننے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس کے ہاتھوں میں دو نیزے ہوتے ہیں، ایک چاندی کا اور دوسرا سونے کا۔ ان کی انی لوہے کی ہوتی ہے۔ چوک کے دروازہ کے باہر ایک وسیع رستہ میں، جس میں درخت لگے ہوئے ہیں، لشکری اور والی اور غلام اور مسوفہ بیٹھے رہتے ہیں۔ ہر ایک امیر کے سامنے اس کے ہمراہی ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں نیزے اور کمانیں ہوتی ہیں اور نقارے اور نفیری ہوتے ہیں۔ ان کے نقارے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعضوں کے ہاتھ میں بانس اور لوہے کے بنے ہوئے گانے بجانے کے ساز ہوتے ہیں۔ ان سازوں کو ہتھیلی کے ساتھ بجاتے ہیں اور ان میں سے ایک عجیب آواز نکلتی ہے۔ ہر ایک امیر کے مونڈھوں کے درمیان ایک ترکش لٹکا ہوا ہوتا ہے اور ان کے ہاتھ میں کمان ہوتی ہے اور وہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ اس کے ہمراہی بعض پیدل اور بعض سوار ہوتے ہیں۔ چوک کے اندر برج کے کواڑوں کے پاس ایک آدمی کھڑا ہو جاتا ہے اگر باہر سے کوئی شخص بادشاہ کو عرض کرنا چاہتا ہے تو وہ ترجمان دوغا سے کہتا ہے اور ترجمان دوغا اس شخص سے کہتا ہے اور وہ بادشاہ سے عرض کرتا ہے بادشاہ بعض وقت محل کے چوک میں بھی جلوس کرتا ہے چوک میں ایک درخت کے نیچے ایک چبوترہ ہے جس کے تین درجے ہیں ان کو پنچی کہتے ہیں اس پر ریشم کا فرش بچھاتے ہیں اور تکیے رکھے جاتے ہیں اور ایک ریشمی چیز جس کی شکل گنبد کی ہوتی ہے کھول دیتے ہیں۔ چھتر پر ایک جانور باز کی برابر سونے کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ بادشاہ ایک دروازے جو محل کا ایک کونہ ہوتا ہے نکلتا ہے اس کے ہاتھ میں کمان ہوتی ہے اور دونوں مونڈھوں کے درمیان ترکش ہوتا ہے اور سر پر طلائی شاش ہوتی ہے جو ایک طلائی تسمہ کے ذریعہ سے گلے کے نیچے بندھی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے گوشے تیز چھری کی طرح باریک ہوتے ہیں جس کی درازی ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے۔

اس کے بدن پر ایک سرخ روئیں دار رومی کپڑے کا جبہ ہوتا ہے جس کو مطنفس کہتے ہیں۔ بادشاہ کے آگے آگے گانے بجانے والے ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کی قنبیاں ہوتی ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے تین سو غلام ہتھیار بند ہوتے ہیں۔ بادشاہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہے اور ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کی طرف دیکھتا جاتا ہے اور پھر نہایت آہستگی سے چبوترہ پر چڑھتا ہے جیسے کہ خطیب منبر پر چڑھا کرتا ہے جب وہ بیٹھتا ہے تو نوبت نقارہ بجنے شروع ہو جاتے ہیں پھر تین غلام جلدی جلدی باہر آتے ہیں اور نائب کو اور باقی امیروں کو پکارتے ہیں وہ سب آتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں پھر دو گھوڑے جن کے ساتھ دو مینڈھے ہوتے ہیں لاتے ہیں دوغا دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور باقی سب آدمی درختوں کے نیچے باہر شارع عام میں بیٹھ جاتے ہیں۔ حبشیوں سے زیادہ کوئی قوم اپنے بادشاہ کا ادب نہیں کرتی وہ بادشاہ کی قسم کھاتے ہیں،

جب بادشاہ برج میں بیٹھ کر اجلاس کرتا ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور کسی شخص کو بلاتا ہے تو وہ شخص اپنے کپڑے اتار دیتا ہے اور پرانے کپڑے پہن لیتا ہے۔ سر سے عمامہ بھی اتار دیتا ہے اور ایک میلی کلاہ سر پر رکھ لیتا ہے اور اپنے پائنچے آدھی پنڈلی تک چڑھا لیتا ہے اور نہایت ذلت اور غربت کی شکل بنا کر زمین پر کہنیاں ٹیکتا ہوا جاتا ہے یا رکوع میں کھڑا ہو کر بادشاہ کا کلام سنتا ہے۔ جب ان میں سے کوئی بادشاہ سے کچھ بات کرتا ہے اور بادشاہ اس کا جواب دیتا ہے تو وہ شخص اپنی کمر سے کپڑے علیحدہ کر دیتا ہے اور خاک اپنی سر اور کمر پر ڈالتا ہے جیسے کہ غسل کرنے والا پانی ڈالتا ہے۔ مجھے تعجب یہ ہوتا تھا کہ وہ خاک ان کی آنکھوں میں

نہیں پڑتی تھی۔ جب بادشاہ مجلس میں کوئی بات کہتا ہے تو کل حاضرین اپنے سروں سے عمامہ اتار دیتے ہیں اور خاموش ہو کر سنتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حاضرین میں سے کوئی شخص بادشاہ کے روبرو کھڑا ہوتا ہے اور اپنی خدمتوں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں روز یہ کام کیا اور فلاں روز فلاں لڑائی کی تو جو شخص اس کام سے واقف ہوتا ہے اس کی تصدیق کرتا ہے اور تصدیق کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی کمان کو خوب کھینچ کر دفعتاً" چھوڑ دیتا ہے اور اس میں سے آواز نکلتی ہے۔ جیسے کہ تیر کے پھینکنے کے وقت نکلا کرتی ہے جب بادشاہ کہتا ہے کہ تو نے سچ کہا یا اس کا شکریہ ادا کرتا ہے تو وہ کپڑے اتار کر اپنے بدن پر خاک ڈالتا ہے اور یہ ان کے رواج کے مطابق ادب کی علامت ہے (ابن جزی اس سفرنامہ کا مولف کہتا ہے کہ فقیہ ابو القاسم بن رضوان نے مجھ سے یہ روایت بیان کی تھی کہ جب منسا سلیمان کی جانب سے حاجی موسیٰ ونجراتی مولانا ابو الحسن کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے ہمراہی ایک برتن میں خاک لیے ہوئے تھے تو وہ جب کبھی سلطان ابو الحسن اس کے ساتھ کوئی اچھی بات کرتے تھے تو خاک اپنے بدن پر ڈالتا جاتا تھا جیسا کہ ان کے ملک میں رواج ہے)۔ شہر مالی میں مجھے دو عیدیں ہو گئیں تمام لوگ عید گاہ میں گئے وہ بادشاہ کے محل کے قریب ہے اور سب لوگوں نے سفید اور نفیس پوشاکیں پہنی ہوئی تھیں۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے بدن پر چادر پڑی ہوئی تھی حبشی لوگ طیلساں یعنی چادر کو سوا عید کے اور کسی روز نہیں پہنتے لیکن قاضی اور خطیب اور فقیہ اور دنوں میں بھی پہنتے ہیں۔ قاضی اور خطیب اور فقیہ بادشاہ کے آگے آگے چلتے ہیں اور تکبیر کہتے جاتے ہیں اور کلمہ پڑھتے جاتے ہیں۔ بادشاہ اس میں جا کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر کچھ دم لے کر عید گاہ میں آتا ہے۔ نماز اور خطبہ کے بعد خطیب منبر سے نیچے اتر آتا ہے اور بادشاہ کے روبرو بیٹھ جاتا ہے اور وعظ کرتا ہے اس کے آگے ایک شخص نیزہ بردار کھڑا رہتا ہے۔ وہ خطیب کے کلام کا ترجمہ لوگوں کو سناتا جاتا ہے اسی وعظ میں بادشاہ کی تعریف بھی کی جاتی ہے اور لوگوں کو اس کی اطاعت کرنے اور اس کے حقوق بجا لانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ عید کے دن بادشاہ عصر کے بعد بنفشی پر آ کر جلوس کرتا ہے اور سلحدار یعنی سپاہی سونے اور چاندی کے ترکش اور سونے کی ملمع کی ہوئی تلواریں جن کے نیام بھی سونے کے ہوتے ہیں اور سونے اور چاندی کے نیزے اور بلور کے گرز ہاتھوں میں لیے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور چار امیر اس کے سر پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مکھیاں ہلاتے ہیں اور انکے ہاتھوں میں سونے کا ایک زیور ہوتا ہے جو رکاب کے مشابہ ہوتا ہو اور حسب دستور قاضی اور خطیب اور امیر آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور دوغا ترجمان اپنی چاروں بیویوں اور کنیزوں کو لے کر آتا ہے۔ اس کے پاس

سو کے قریب کنیزیں ہیں وہ بہت نفیس پوشاک پہنے ہوئے ہوتی ہیں اور ان کے سروں پر سونے اور چاندی کی پٹیاں بندھی ہوتی ہیں اور ان میں سونے اور چاندی کے سیب لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوغا کے واسطے ایک کرسی بچھائی جاتی ہے۔ وہ اس پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور ایک ساز جو بانس کا بنا ہوا ہوتا ہے اور اس کے نیچے چھوٹے چھوٹے کدو لگے ہوئے ہوتے ہیں' بجانا شروع کرتا ہے اور بادشاہ کی تعریف میں اشعار گاتا ہے اور اس کے افعال کا اور لڑائیوں کا ذکر کرتا ہے اس کی بیویاں اور کنیزیں اس کے ساتھ گاتی ہیں اور کمانوں کے ساتھ کرتب دکھلاتی ہیں اور اس کے ساتھ تیس غلام بھی ہوتے ہیں۔ وہ سرخ ریشم کے جبے پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے سروں پر سفید رنگ کی شاشی کلاہیں ہوتی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک طبلہ ہوتا ہے جس کو وہ بجاتا رہتا ہے ان کے بعد چھوٹے چھوٹے لڑکے آتے ہیں وہ سندیوں کی طرح قلا کرتے ہیں۔ عجیب پھرتی اور سبکی دکھلاتے ہیں اور تلواروں کے کرتب بھی دکھلاتے ہیں اور دوغا بھی تلوار کے ساتھ عجیب عجیب کرتب کرتا ہے اس وقت بادشاہ اس کو انعام دیتا ہے۔ ایک تھیلی جس میں دو سو مثقال سونا ہوتا ہے' مجلس میں پیش کی جاتی ہیں اور سب کے سامنے بیان کیا جاتا ہے کہ دوغا کو اس قدر انعام دیا جاتا ہے پھر سب امیر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بطور شکریہ کے وہ سب اپنی کمانوں کو کھینچ کر آواز نکالتے ہیں اور دوسرے دن ہر امیر دوغا کو اپنی وسعت کے مطابق انعام دیتا ہے ہر جمعہ کے روز نماز کے بعد دوغا یہی تماشا دکھلاتا ہے جب دوغا اپنا تماشہ ختم کر چکتا ہے تو شاعر آتے ہیں شاعروں کو اس ملک میں جالا کہتے ہیں ایک شاعر کو جالی کہتے ہیں ہر شاعر ایک مصنوعی شقشاق (۲) کی شکل میں جو پروں کی بنائی ہوئی ہوتی ہے داخل ہو جاتا ہے اس کا سر لکڑی کا ہوتا ہے اور اس میں سرخ چونچ لگی ہوئی ہوتی ہے اور یہ مسخرہ پن کی شکل بنا کر بادشاہ کے سامنے آتے ہیں اور اپنے اشعار پڑھتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ اس بنفشی پر فلاں فلاں بادشاہ بیٹھ چکے ہیں جن کے ایسے ایسے افعال اور اوصاف تھے تو بھی ایسے ہی افعال کرے گا تو تجھ کو بھی خلقت مرنے کے بعد اسی طرح یاد کرے گی اس کے بعد سب سے بڑا شاعر بنفشی کی سیڑھی پر کھڑا ہوتا ہے اور اپنا سر بادشاہ کی گود میں رکھ دیتا ہے۔ اس کے بعد دوسری سیڑھی پر چڑھتا ہے اور اپنا سر بادشاہ کے مونڈھوں پر رکھتا ہے۔ پہلے داہنے مونڈھے پر پھر بائیں مونڈھے پر اور اپنی زبان میں کچھ کہتا جاتا ہے اور اس کے بعد نیچے اتر آتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یہ رسم اس ملک میں بہت قدیم ہے۔ اسلام سے پہلے بھی یہی رسم تھی اور وہی اب تک جاری ہے ایک دن میں بادشاہ کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا ایک حبشی فقیہ آیا وہ ایک دور دراز ملک سے آیا تھا۔ اس نے

بادشاہ کے روبرو کھڑے ہو کر ایک طویل تقریر کی۔ قاضی نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی بادشاہ نے بھی تصدیق کی پھر ہر ایک نے اپنے اپنے سر سے عمامہ اتار کر اپنے سر خاک ڈالی۔ میرے پاس ایک گورا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ تم کچھ سمجھے کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ اس فقیہ نے یہ کہا ہے کہ اس کے ملک میں ٹڈی کا دل بادل آگیا تھا۔ اس ملک کا ایک نیک مرد گیا اور ٹڈیوں کا دل بادل دیکھ کر ڈر گیا۔ اس نے ایک ٹڈی کو اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا کہ تم کیوں آئی ہو تو اس نے کہا کہ جس ملک میں ظلم بہت ہوتا ہے وہاں کی زراعت خراب کرنے کے واسطے ہمیں خدا تعالیٰ متعین کرتا ہے۔ بادشاہ اور قاضی نے سن کر اس کی تصدیق کی اور بادشاہ نے اپنے امیروں کو کہا کہ میں ظلم سے بیزار ہوں اور بے ذمہ ہوں تم میں سے جو ظلم کرے گا میں اس کو سزا دوں گا اور جس شخص کو کسی ظالم کے ظلم کا علم ہوگا اور وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ تو اس کا عذاب اس کے ذمہ ہے اور خدا اس سے سمجھ لے گا جب بادشاہ نے یہ کہا تو سب امیروں نے اپنے اپنے عمامے سر سے اتارے اور ظلم سے بیزاری ظاہر کی۔ ایک دن میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے گیا۔ ایک مسوفہ کا طالب علم جو سوداگر بھی تھا کھڑا ہوا اور کہا کہ اے اہل مسجد بادشاہ پر میں رسول اللہ کی دہائی دیتا ہوں یہ سن کر بادشاہ کے مقصورہ میں سے لوگ نکلے اور اس سے پوچھا کہ تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے اس نے کہا کہ ایولاتن کے حاکم نے مجھ سے چھ سو مثقال کی قیمت کا مال لے لیا اور سو مثقال مجھ کو دیا تھا۔ بادشاہ نے اس کو فوراً بلا بھیجا۔ وہ چند روز کے بعد حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے وہ مقدمہ قاضی کے سپرد کر دیا۔ قاضی نے سوداگر کے دعوے کی ڈگری دی اور حاکم سے اس کا حق دلایا۔ وہ حاکم اسی روز معزول کر دیا گیا۔

(۷) مالی کی ملکہ

جب میں مالی میں مقیم تھا تو بادشاہ اپنی بڑی بیوی پر، جو اس کی چچا زاد بہن بھی تھی اور قاسا یعنی ملکہ کہلاتی تھی، ناراض ہو گیا۔ بڑی بیوی جس کا خطاب قاسا ہوتا ہے، بادشاہ کے ساتھ حکمرانی میں شریک سمجھی جاتی ہے اور منبر پر خطبہ میں بادشاہ کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی لیا جاتا ہے یہ رواج سوڈان کے کل ملکوں میں رائج ہے۔ بادشاہ نے اس ملکہ کو کسی امیر کے پاس قید کر دیا اور اس کی جگہ ایک دوسری عورت کو جس کا نام بنجو تھا ملکہ بنا لیا۔ یہ عورت شہزادی نہ تھی اس لیے لوگوں میں اس کا چرچا ہوا اور ناراضی پہلی بادشاہ کی چچا زاد بہنیں بنجو کے پاس مبارکباد کہنے گئیں۔ انہوں نے اپنی انگلیوں پر راکھ ڈال لی۔ لیکن سر پر خاک نہیں ڈالی جب بادشاہ نے قاسا یعنی پہلی ملکہ کو قید سے چھوڑ دیا تو وہی شہزادیاں اس کو مبارکباد کہنے گئیں اور حسب دستور انہوں نے اپنے سروں پر خاک ڈالی۔ بنجو نے بادشاہ سے شکایت کی بادشاہ ان سے ناراض ہو گیا۔ انہوں نے جامع مسجد میں پناہ لی تو بادشاہ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو اپنے گھر بلا لیا۔ ان کا رواج ہے کہ جب بادشاہ کے روبرو جاتی ہیں تو کپڑے اتار کر ننگے بدن جاتی ہیں۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ بادشاہ ان سے خوش ہو گیا۔ وہ اس ملک کے دستور کے مطابق سات دن تک برابر صبح اور شام اسی طرح بادشاہ کے روبرو جاتی تھیں اور قاسا بھی اپنے غلام اور کنیزوں کو ساتھ لے کر ہر روز گھوڑے پر سوار ہوتی تھی۔ ان سب کے سروں پر خاک ہوتی تھی اور نقاب ڈالے ہوئے شاہی محل کے چوک کے دروازے پر کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس کا چرچا بھی لوگوں میں بہت زیادہ ہوا تو بادشاہ نے سب لوگوں کو چوک میں جمع کیا اور بادشاہ کی طرف سے دوغا نے کہا کہ تم لوگوں میں قاسا کا بہت چرچا ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے ایک بڑا جرم کیا ہے اس کے بعد قاسا کی ایک کنیز کو لائے جس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور اس سے کہا کہ تو خود بیان کر اس نے بیان کیا کہ مجھے قاسا نے جاطل کے پاس جو بادشاہ کا چچا زاد بھائی ہے اور جو فرار ہو کر کنبلی کے ملک کو چلا گیا ہے بھیجا تھا اور اس کو یہ پیغام دیا تھا کہ تو واپس آجا میں اور تمام لشکر تیری مدد کریں گے تو بادشاہ کو تخت سے اتار دے جب امیروں نے یہ قصہ سنا تو کہا کہ بیشک یہ بہت بڑا جرم ہے اور قاسا مستحق قتل کے ہے۔ قاسا کو خوف ہوا اور وہ خطیب کے گھر میں پناہ گزیں ہو گئی اور اس ملک کا دستور ہے کہ اگر مسجد میں جانا ممکن نہ ہو تو خطیب کے گھر کوئی مجرم گھس جائے تو وہ بھی معاف کیا جاتا ہے۔ حبشی منسا سلیمان سے بہت خوش نہ تھے کیونکہ وہ بخیل تھا۔ اس سے پہلے منسا مغا اور منسا مغا سے پہلے منسا موسیٰ بادشاہ تھا۔

(۸) سلطان موسیٰ بادشاہ کا دادا

منسا موسیٰ نہایت سخی تھا۔ گورے لوگوں کے ساتھ الفت رکھتا تھا اور ان کے ساتھ بہت احسان کرتا تھا۔ ایک ثقہ راوی نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس نے ابو اسحاق ساحلی کو ایک دن چار ہزار مثقال سونا بخشا تھا اور مدرک بن فقوص کو تین ہزار مثقال۔ اس کا دادا سارق جاطہ تھا اور وہ اسی مدرک کے دادا کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ مدرک نے مجھ سے بیان کیا کہ تلمسان کے ایک باشندہ نے جس کا نام شیخ الملین تھا سلطان منسا موسیٰ کے ساتھ اس کے بچپن کے زمانہ میں سلوک کیا تھا یعنی اس کو ۷½ مثقال سونا دیا تھا حالانکہ ان دنوں میں اس کی

کوئی مستحق نہ تھی پھر اتفاق ہوا جب منسا موسیٰ بادشاہ ہو گیا تو یہی شخص ایک دفعہ کسی مقدمہ میں بادشاہ کے سامنے پیش ہوا بادشاہ نے اس کو پہچان لیا اور اپنے برابر مسند پر بٹھا لیا اور پھر اس کو یاد دلایا کہ تو نے میرے ساتھ فلاں وقت پر سلوک کیا تھا اور اپنے امیروں سے کہا کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ وہ دو دینا کا مسئلہ مشہور ہے اس کو ستر مثقال سونا دے دیجئے۔ بادشاہ نے اس کو سات سو مثقال سونا دیا اور ایک خلعت اور غلام اور خادم اس کے علاوہ دیے اور حکم دیا کہ ہمیشہ اس کے پاس آتا رہے۔ یہ حکایت مجھ سے شیخ البن کے بیٹے نے بھی' جو مالی میں طالب علمی کرتا تھا اور قرآن پڑھاتا تھا' بیان کی تھی۔

(۶) حبشیوں کی اچھی اور بری رسمیں

سوڈانی یعنی حبشیوں کے جو افعال مجھے پسند آئے وہ یہ ہیں کہ وہ ظلم بالکل روا نہیں رکھتے اور ان کا بادشاہ انصاف میں کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ ان کے ملک میں امن بھی بدرجہ غایت ہے اور نہ مسافر کو اور نہ مقیم کو چور ڈاکو سے بالکل اندیشہ نہیں۔ اگر کوئی گورا آدمی ان کے ملک میں مر جاتا ہے تو اس کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ خواہ کسی قدر کثیر مال ہو اور جب تک اس کا وارث نہ آئے' اس مال کو کسی معتبر گورے آدمی کے پاس رکھوا دیتے ہیں۔ نماز کے بھی یہ لوگ سخت پابند ہیں اور نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی نماز نہیں پڑھتی' تو اس کو مارتے ہیں۔ جمعہ کے روز اس قدر اژدحام ہوتا ہے کہ اگر صبح سے پہلے جا کر جگہ نہ روکی جائے' تو نماز کے وقت جگہ نہیں ملتی۔ وہاں کے آدمی اپنے غلاموں کے ہاتھ اپنے اپنے مصلے بھیج دیتے ہیں اور وہ مسجد میں بچھا دیتے ہیں۔ ان کے مصلے ایک درخت کے پتوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں جو کھجور کے مشابہ ہوتا ہے لیکن پھل نہیں دیتا۔ یہ لوگ جمعہ کے دن پاک صاف اور سفید اور نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور اگر کسی کے پاس پرانا کرتا بھی ہو گا تو بھی اس کو جمعہ کے دن پاک صاف اور سفید کر کے پہنے گا۔ یہ لوگ قرآن مجید کے حفظ کرنے میں نہایت محنت کرتے ہیں اور اگر کوئی بچہ قرآن حفظ کرنے میں کوتاہی کرتا ہے' تو اس کے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے ہیں اور جب تک وہ حفظ نہیں کر چکتا اس کو نہیں چھوڑتے ہیں۔ عید کے دن قاضی سے ملنے گیا تو دیکھا کہ اس کے بیٹوں کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا کہ تم ان کو چھوڑتے کیوں نہیں۔ اس نے کہا کہ جب تک قرآن حفظ نہیں کر لیں گے' ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت جوان لڑکا دیکھا وہ بہت عمدہ فاخرہ لباس پہنے ہوئے تھا لیکن پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا کہ اس لڑکے نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ وہ ہنس کر بہت ہنسا اور کہا قرآن حفظ نہ کرنے کے باعث اس کے بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کے افعال جو مجھے ناپسند آئے ہیں' وہ یہ ہیں کہ لونڈیاں اور نوکر عورتیں اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ننگی مادر زاد پھرتی ہیں۔ رمضان کے مہینے میں اکثر ایسی عورتیں دیکھنے میں آتی ہیں کیونکہ وہاں دستور ہے کہ ہر ایک امیر بادشاہ کے محل میں روزہ کھولتا ہے اور ہر ایک امیر کا کھانا بیس سے زیادہ لونڈیاں لاتی ہیں اور سب کی سب ننگی ہوتی ہیں اور جب کوئی عورت بادشاہ کے سامنے آتی ہے' تو ننگی آتی ہے اور بادشاہ کی بیٹیاں بھی ننگی ہوتی ہیں۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے محل سے سو کے قریب عورتیں کھانا لے کر نکلیں اور ان کے ساتھ دو بادشاہ کی بیٹیاں بھی تھیں جو جوان تھیں اور ان کے سینے ابھرے ہوئے تھے بالکل ننگی تھیں اور یہ بھی ان میں ایک عیب ہے کہ ادب کے لئے سروں پر خاک ڈالتے ہیں اور شاعر شعر پڑھنے کے وقت اپنی شکل مسخروں جیسی بناتے ہیں اور اکثر حبشی مردار کتے اور گدھے کھا جاتے ہیں۔

(۷) دریائی گھوڑے

مالی کے شہر میں ماہ جمادی الاول ۷۵۳ ہجری کی چودھویں تاریخ کو داخل ہوا اور ۲۲ محرم ۷۵۴ھ کو وہاں سے چلا اور ایک سوداگر' جس کا نام ابو بکر بن یعقوب تھا' میرے ساتھ ہوا۔ میں میمہ کے رستے واپس ہوا۔ گھوڑے اس ملک میں بہت گراں ہوتے ہیں ایک گھوڑے کی قیمت سو مثقال ہے اس لئے میں نے سواری کے لئے ایک اونٹ لے لیا۔ ہم مالی سے چل کر دریائے نیل کی ایک شاخ پر پہنچے جس سے بغیر کشتی کے عبور نہیں ہو سکتے۔ یہاں مچھر بکثرت ہوتے ہیں اور اس لئے وہاں سے رات کو عبور کرتے ہیں اور ہم بھی جب پہنچے تو ایک ثلث رات گزری تھی اور چاندنی رات تھی جب ہم اس ندی پر پہنچے تو اس کے کناروں پر سولہ بڑے بڑے جانور چرتے ہوئے دیکھے۔ میں سمجھا کہ یہ ہاتھی ہوں گے کیونکہ ہاتھی بھی اس ملک میں بکثرت ہیں لیکن میں نے دیکھا کہ وہ سب ندی میں داخل ہو گئے ہیں میں نے ابو بکر بن یعقوب سے دریافت کیا کہ یہ جانور کیا ہیں اس نے کہا کہ دریائی گھوڑے (۷) ہیں چرنے کے لئے دریا سے نکل کر خشکی پر آتے ہیں۔

یہ جانور گھوڑے کی بہ نسبت بہت جسیم ہوتا ہے اور اس کے ایال اور دم بھی ہوتی ہے سر تو ان کے گھوڑوں جیسے ہوتے ہیں لیکن پاؤں ہاتھیوں کی مانند ہیں میں نے پھر یہ جانور ایک دفعہ اور دیکھے جب میں دریائے نیل میں تمبکتو سے کوکو تک گیا تھا۔ یہ جانور دریا میں تیرتے ہیں

اور خوف سے کہ وہ کشتی کو ڈبو نہ دیں، کنارہ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ ان کا شکار اس طرح کرتے ہیں کہ نیچوں میں سوراخ کر لیتے ہیں اور سوراخ میں مضبوط رسی باندھ دیتے ہیں۔ دور سے گھوڑوں پر نیزہ مارتے ہیں اگر اس کی گردن یا ٹانگ میں نیزہ لگ جاتا ہے اور اندر گھس جاتا ہے تو رسی کے ذریعہ سے اس کو کنارے کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ وہاں اس کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔

(۱۱) آدم خور حبشی

اس ندی کے پاس ہم ایک بڑے گاؤں میں ٹھہرے جس کا حاکم ایک حبشی ہے جو بڑا فاضل ہے اور اس کا نام فرباصغا ہے اور وہ سلطان موسیٰ کے ساتھ حج بھی کر گیا تھا۔ حاجی فرباصغا نے مجھ سے بیان کیا کہ جب منسا موسیٰ اس ندی کے کنارے پہنچا تو اس کے ساتھ ایک گورا قاضی ابو العباس دکالی نام تھا۔ بادشاہ نے اس کو چار ہزار مثقال سونا عطا کیا۔ جب میمہ میں پہنچے تو اس نے بادشاہ سے شکایت کی کہ چار ہزار مثقال سونا اس کے گھر سے چوری ہو گیا۔ بادشاہ نے میمہ کے حاکم کو بلوایا اور کہا کہ اگر چور پیدا نہیں کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ اس حاکم نے بہت تلاش کی کچھ پتہ نہ ملا اور نہ اس ملک میں کوئی چور ہوتا ہے۔ وہ قاضی کے مکان پر گیا اور اس کے نوکروں اور غلاموں پر تحقیق کی ایک لونڈی نے کہہ دیا کہ قاضی کی چوری نہیں ہوئی اس نے اپنے ہاتھ سے کل سونا فلانی جگہ زمین میں دفن کیا ہے۔ امیر سونے کو نکال کر بادشاہ کے پاس لے آیا بادشاہ قاضی پر بہت ناراض ہوا اور اس کو حبشیوں (۸) کے ملک میں جو آدمیوں کو کھا جاتے ہیں جلاوطن کر دیا وہ ان کے ملک میں چار سال رہا لیکن انہوں نے اس کو نہیں کھایا اور اس کو واپس بلا لیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ گورے آدمی کا کھانا نقصان کرتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ گورا آدمی کچا ہوتا ہے ابھی پختہ نہیں ہوا اور کالا آدمی پختہ ہو جاتا ہے۔ منسا سلیمان کے پاس آدمیوں کی ایک جماعت آئی جو آدمی کو کھاتے ہیں ان کے ساتھ ان کا امیر بھی تھا۔ ان کے کانوں میں بڑی بڑی مرکیاں پڑی ہوئی ہوتی ہیں اور ہر ایک مرکی کا طول آدھے بالشت سے کم نہیں ہوتا وہ ریشم کے لحاف اوڑھے رہتے ہیں۔ ان کے ملک میں سونے کی کان ہے۔ بادشاہ نے ان کی خاطر تواضع خوب کی اور ضیافت میں ان کو ایک آدمی بھی دیا۔ وہ اس کو ذبح کر کے کھا گئے اور ان کا خون اپنے چہروں اور ہاتھوں میں لتھیڑ لیا اور بادشاہ کے پاس شکریہ ظاہر کرنے آئے۔ جب وہ آتے ہیں تو بادشاہ ان کو ایک آدمی ضیافت میں دیتا ہے۔ مجھ سے کسی نے بیان کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کے دست اور سینے کا گوشت … عمدہ

ہوتا ہے۔

(۱۲) قری منسا کا شہر

اس گاؤں سے چل کر ہم قری منسا میں پہنچے۔ میرا اونٹ یہاں پہنچ کر مر گیا۔ جب چرواہے نے مجھے اطلاع دی تو میں دیکھنے گیا معلوم ہوا کہ اس کو حبشی کھا گئے۔ میں نے دو غلام زاد قری کے شہر میں بھیجے۔ وہ وہاں سے دو دن کے رستہ پر تھا ابو بکر بن یعقوب آگے چلا گیا اور مجھ سے کہا کہ میں میمہ میں انتظار کروں گا اور اپنے ہمراہی چھوڑ گیا۔ میرے غلام چھ دن میں اونٹ خرید کر لائے اور میں اس عرصہ تک اسی شہر میں ٹھہرا رہا۔ بعض حاجیوں نے اس شہر میں میری ضیافت کی۔ جب میں اس شہر میں ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ اے محمد بن بطوطہ تو سورہ یٰسین کیوں نہیں پڑھا کرتا۔ اس دن سے میں نے سفر میں اور حضر میں بھی سورہ یٰسین کا پڑھنا ناغہ نہیں کیا۔ ہم میمہ میں پہنچے شہر سے باہر کنوئیں ہیں وہاں ہم ٹھہر گئے۔

(۱۳) تمبکتو

وہاں سے تمبکتو (۹) پہنچے نہر دریائے نیل سے چار میل کے فاصلہ پر ہے وہاں کے اکثر باشندے مسوفہ (۱۰) میں جو نیچے سے منہ تک چہرے کو کپڑے سے ڈھکا رکھتے ہیں وہاں کا حاکم فربا موسیٰ ہے۔ میں ایک روز اس کے پاس گیا تو اس وقت ایک مسوفہ جو اپنی قوم کا امیر تھا مع قوم کے آیا۔ فربا موسیٰ نے اس کو خلعت میں ایک چادر اور ایک پیجامہ اور ایک عمامہ دیا۔ یہ سب کپڑے رنگین تھے اور ڈھال پر بٹھایا اس کی قوم نے اس کو اپنے سروں پر اٹھا لیا۔ اس شہر میں ابو اسحاق ساحلی غرناطی شاعر کی قبر ہے وہ اپنے شہر میں طویجن کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور وہاں سراج الدین بن کویک کی بھی قبر ہے۔ یہ شخص سکندریہ کا ایک بڑا تاجر تھا جب منسا موسیٰ حج کے لئے گیا تھا تو مصر کے باہر حبش کے تالاب پر سراج الدین کے ایک باغ میں ٹھہرا تھا۔ اس وقت بادشاہ کو خرچ کی کچھ ضرورت ہوئی۔ اس نے اور اس کے امیروں نے سراج الدین سے قرض لیا تھا۔ سراج الدین نے ان کے ساتھ اپنا وکیل بھیجا۔ وہ مالی میں ٹھہرا رہا اس کے بعد سراج الدین بھی اپنے بیٹے کو ہمراہ لے کر تقاضے کے لئے آیا۔ جب تمبکتو میں پہنچا تو ابو اسحاق ساحلی نے اس کی دعوت کی وہ اتفاق سے اس رات کو مر گیا لوگوں نے چرچا کیا اور ابو

اسحاق پر تہمت لگائی کہ اس نے سراج الدین کو زہر دے دیا لیکن اس کے بیٹے نے کہا' میں نے بھی تو وہی کھانا اپنے باپ کے ساتھ کھایا تھا اگر اس میں زہر ہوتا تو میں بھی مر جاتا۔ اصل میں سراج الدین کی اجل آ چکی تھی۔ اس کا بیٹا مالی میں پہنچا اور اپنے مال کا تقاضا کیا اور واپس مصر کو چلا گیا۔ تنبکتو سے میں ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر جو فقط ایک لکڑی کھود کر بنائی ہوئی تھی دریائے نیل کے رستے چلا اور رات کے وقت کسی گاؤں میں ٹھہر جاتے تھے اور وہاں سے کھانے پینے کی اشیا' نمک اور کانچ کے زیورات اور خوشبوؤں کے عوض خرید لیتے تھے۔ وہاں سے میں ایک شہر میں پہنچا جس کا نام میں بھول گیا۔ اس شہر کا حاکم فربا سلیمان تھا۔ یہ شخص بڑا فاضل تھا اور حاتی بھی تھا شجاعت اور سیاست میں مشہور تھا کوئی شخص اس کی کمان کو نہ چلا سکتا تھا۔ میں نے کوئی حبشی اس سے زیادہ لمبا اور موٹا تازہ نہیں دیکھا۔ اس شہر میں مجھے کچھ جوار کی ضرورت ہوئی۔ میں امیر کے پاس گیا اس روز مولد نبوی کا دن تھا۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ اس کے پاس ایک فقیہ بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے اس کی تختی لے کر اس میں لکھ دیا کہ اے فقیہ اپنے امیر سے کہو کہ مجھے زادراہ کے لیے کچھ جوار کی ضرورت ہے اور سلام۔ یہ تختی میں نے فقیہ کو دے دی۔ وہ چپکا چپکا پڑھ رہا تھا اور اپنی زبان میں امیر سے باتیں کرتا تھا۔ اس کے بعد اس نے پکار کر پڑھا امیر سمجھ گیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے محل میں لے گیا اس کے پاس ڈھال اور کمان اور نیزے وغیرہ ہتھیار بکثرت تھے اور ابن جوزی (۸) کی کتاب مدھش بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں اس کو پڑھنے لگ گیا اس کے بعد پینے کے واسطے ایک چیز لائے جس کو وہاں دقنو کہتے ہیں۔ وہ جوار کا دلیا ہوتا ہے جس کو پانی میں ملا کر تھوڑا سا شہد یا دودھ ڈالتے ہیں اور پانی کے عوض اس کو پیتے ہیں کیونکہ خالص پانی وہاں نقصان کرتا ہے اگر جوار میسر نہیں ہو سکتی تو پانی میں شہد اور دودھ ملا لیتے ہیں۔ اس کے بعد ایک تربوز لائے اس میں سے میں نے کچھ کھایا۔ اتنے میں ایک کم عمر غلام آیا وہ امیر نے مجھے دے دیا اور کہا اس پر قبضہ کر لو اور اس کی حفاظت رکھو' کہیں بھاگ نہ جائے میں اس کو لے کر چل پڑا۔ امیر نے کہا ٹھہر جا تیرے لئے کھانا آتا ہے۔ اتنے میں ایک دمشقی کنیز آئی اس نے مجھ سے عربی میں گفتگو کی۔ ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ گھر کے اندر سے رونے کی آواز اٹھی۔ لونڈی پوچھنے گئی کہ کیا ہوا اس نے واپس آ کر امیر سے کہا کہ تیری بیٹی مر گئی۔ امیر نے کہا کہ مجھے رونے کی آواز سے نفرت ہے۔ آؤ دریا کے کنارے چلیں وہاں دریا کے کنارے پر امیر کے مکانات تھے۔ میرے واسطے امیر نے گھوڑا منگوایا اور مجھ سے کہا کہ سوار ہو۔ میں نے کہا کہ تم پیدل جاتے ہو' میں سوار نہیں ہوتا۔ ہم سب پیدل چلے اور دریا کے کنارے امیر کے محل میں پہنچے۔ وہاں کھانا آیا اور میں کھانا کھا کر امیر سے رخصت ہوا اور چل دیا۔ میں نے سودان میں اس امیر سے زیادہ کوئی بامروت نہیں دیکھا۔ جو غلام اس نے مجھے دیا تھا وہ اب تک میرے پاس ہے۔

(۱۴) کوکو

وہاں سے ہم کوکو کے شہر میں پہنچے یہ شہر دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے۔ بہت بڑا شہر ہے اور سودان میں کوئی اور شہر اس قدر بڑا اور خوبصورت نہیں ہے' نہ کہیں وہاں سے زیادہ ارزانی۔ چاول بکثرت پیدا ہوتا ہے اور دودھ اور مرغیاں اور مچھلی بکثرت ملتی ہے اور کچرو بھی وہاں ایسا ہوتا ہے جس کی نظیر اور کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ وہاں کے لوگ خرید و فروخت کوڑیوں کے ساتھ کرتے ہیں اور شہر مالی میں بھی کوڑیوں کا رواج ہے۔ میں وہاں ایک مہینے ٹھہرا وہاں محمد بن عمر نے جو مکناسہ کا رہنے والا تھا' میری ضیافت کی۔ یہ شخص بڑا فاضل تھا اور اس کے مزاج میں تمسخر بہت زیادہ تھا۔ میرے چلے آنے کے بعد ہی فوت ہو گیا حاجی محمد وجدی تازی نے جو یمن ہو آیا تھا اور فقیہ محمد فیلالی نے جو گورے لوگوں کی مسجد کا امام تھا میری ضیافت کی۔ وہاں سے میں تکدا کے رستہ دشت میں چلا۔ ایک بڑا قافلہ غدامس کے لوگوں کا جن کا سردار حاجی وجین تھا اسی روز روانہ ہوا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ وجین حبشیوں کی زبان میں بھیڑیے کو کہتے ہیں۔ میرے پاس سواری میں اونٹ تھا اور زادراہ لے جانے کے لئے ایک اونٹنی تھی۔ یہ اونٹنی اول ہی منزل میں تھک گئی۔ حاجی وجین نے اس کا بوجھ اپنے ساتھیوں کی اونٹنیوں میں تقسیم کر دیا اور سب نے اپنے حصے کا بوجھ لے لیا ان میں ایک مغربی تھا جو تازی کا باشندہ تھا۔ اس نے انکار کیا ایک روز میرے غلام کو پیاس لگی میں نے اس سے پانی مانگا تو بھی اس نے نہ دیا۔

(۱۵) قوم بربر

ہم بودامہ کے ملک میں پہنچے یہ ایک بربر کی قوم ہے کل قافلے ان کی حفاظت میں جاتے ہیں۔ اس بات میں وہ عورت کا خیال مردوں کی بہ نسبت زیادہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں کہیں ایک جگہ قیام نہیں کرتے۔ ان کے خیمے عجیب شکل کے ہیں لکڑیاں کھڑی کر کے ان پر بوریے بچھاتے ہیں اور پھر ان پر عرض طول میں لکڑیاں رکھ کر اس پر یا تو کھال یا روئی کا کپڑا

منہ ڈھانپتے ہیں۔ ان کی عورتیں نہایت خوبصورت ہوتی ہیں۔ بدن میں فربہ اور رنگ میں نہایت سفید ہوتی ہیں۔ میں نے اس قوم کی عورتوں سے زیادہ کہیں موٹی عورت نہیں دیکھی۔ ان کی خوراک گائے کا دودھ ہے صبح اور شام جوار کا دلیا پانی میں گھول کر کچا پی جاتی ہیں اور اگر کوئی ان سے نکاح کرنا چاہے' تو کر لیتی ہیں لیکن اس شرط پر کہ وہ ان کے علاقہ کے آس پاس کے شہروں میں سکونت رکھے۔ ادھر کوکو سے آگے اور ادھر ایولاتن سے پرے نہیں جاتی ہیں۔ اس ملک میں گرمی کی شدت اور صفرا کی کثرت کے سبب سے بیمار ہو گیا۔ ہم جلدی جلدی سفر کر کے تکدا میں پہنچے اور وہاں میں مغربیوں کے شیخ سعید بن علی جزولی کے گھر کے پاس ٹھہرا وہاں کے قاضی ابو ابراہیم جاناتی نے میری ضیافت کی اور جعفر بن محمد مسوفی نے بھی میری مہمانی کی۔ تکدا کے گھر سرخ پتھر کے بنے ہوئے ہیں وہاں کا پانی تانبے کی کان میں سے ہو کر آتا ہے اس لیے اس کا مزا اور رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ وہاں زراعت بہت کم ہوتی ہے کچھ گیہوں ہوتے ہیں۔ وہ سوداگر اور پردیسی کھا جاتے ہیں اور ایک مثقال سونے کے عوض بیس مد آتے ہیں وہاں کا مد (۳) ہمارے مد سے ایک ثلث کی برابر ہوتا ہے۔ جوار کا بھاؤ وہاں ایک مثقال سونے کے عوض نوے مد ہیں۔ بچھو بہت ہوتے ہیں۔ وہاں کا بچھو بچے کو مار ڈالتا ہے لیکن بڑے آدمی شاذ و نادر بچھو کے کاٹنے سے مرتے ہیں۔ میرے ہوتے ایک روز بچھو نے شیخ سعید بن علی کے بیٹے کو کاٹا۔ وہ صبح کے وقت مر گیا۔ میں بھی اس کے جنازے پر گیا۔ اس شہر کے باشندے سوا تجارت کے اور کچھ کام نہیں کرتے۔ ہر سال مصر جاتے ہیں اور وہاں سے کپڑے اور دیگر اشیا لاتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے مرفہ الحال اور آسودہ ہیں۔ لونڈی غلام بھی ان کے پاس بکثرت ہیں۔ یہی حال ایولاتن اور مالی کے باشندوں کا ہے۔ تعلیم یافتہ لونڈیاں بہت کم فروخت ہوتی ہیں اور بڑی قیمت پاتی ہیں جب میں تکدا میں پہنچا تو میں نے ایک تعلیم یافتہ لونڈی خریدنی چاہی' مجھے دستیاب نہ ہوئی۔ قاضی ابو ابراہیم نے اپنے ایک دوست کی لونڈی میرے پاس بھیجی اور میں نے پچیس مثقال میں خریدی لیکن پھر اس کا مشتری نادم ہوا اور واپسی کی درخواست کی۔ میں نے کہا میں اس شرط پر واپس کروں گا کہ مجھے کوئی اور بکتی ہوئی لونڈی بتلا دے۔ اس نے کہا کہ علی اغیول کے پاس ایک لونڈی بکاؤ ہے۔ یہ شخص وہی مغربی ہے جس نے میرے بوجھ کے اٹھانے سے انکار کیا تھا اور میرے پیاسے غلام کو پانی نہ دیا تھا۔ میں نے اس کی لونڈی خرید لی۔ وہ پہلی کنیز سے اچھی تھی جو میں نے واپس کر دی تھی۔ یہ مغربی بھی بیچنے کے بعد افسوس کرنے لگا اور واپسی کے لئے میری خوشامد کرنے لگا۔ میں اس سے اس کی پہلی باتوں پر ناراض تھا اس لئے انتقام لینے کی نظر سے میں نے انکار کر دیا کہ میں واپس نہیں کرتا' لیکن جب وہ

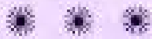
مجنون ہونے لگا اور مرنے کے قریب ہو گیا' تو میں نے وہ لونڈی اس کو واپس کر دی۔ تکدا کے شہر کے باہر تانبے کی کان ہے زمین میں سے تانبا کھود کر شہر میں لاتے ہیں اور گھروں میں لا کر اس کو پگھلاتے ہیں۔ ان کے غلام اور لونڈیاں بھی یہی کام کرتی ہیں جب تانبا پگھل کر سرخ ہو جاتا ہے تو ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کی سلاخیں بنا لیتے ہیں۔ بعض موٹی اور بعض پتلی۔ ایک مثقال سونے کی عوض چار سو موٹی سلاخیں آتی ہیں اور پتلی سلاخیں چھ سو یا سات سو۔ یہ سلاخیں روپے پیسے کی جگہ چلتی ہیں۔ پتلی سلاخوں کے عوض گوشت اور لکڑی خریدتے ہیں اور موٹی سلاخوں کے بدلے غلام اور لونڈیاں اور جوار اور گھی اور گیہوں وغیرہ۔ تانبا وہاں سے کوبر کے ملک میں لے جاتے ہیں' جو کافر حبشیوں کا ملک ہے اور زغائی اور برنو میں بھی لے جاتے ہیں جو تکدا سے چالیس منزل فاصلہ پر ہے۔ برنو کے باشندے مسلمان ہیں۔ ان کے بادشاہ کا نام ادریس ہے۔ وہ کسی کے سامنے نہیں آتا ہے۔ پردہ کے پیچھے سے گفتگو کرتا ہے۔ وہاں سے خوبصورت لونڈیاں اور غلام اور سرخ رنگ کے کپڑے لاتے ہیں اور تانبا جوجو اور مورتین وغیرہ کے ملک میں لے جاتے ہیں۔ جبکہ میں تکدا میں مقیم تھا تو ابو ابراہیم قاضی اور محمد خطیب اور ابو حفص مدرس اور شیخ سعید بن علی تکدا کے بادشاہ کے پاس جانے لگے۔ یہ شخص بربری ہے اس کا نام ازار ہے۔ وہ تکدا سے ایک دن کے رستہ پر تھا اور ایک اور بربری بادشاہ کے ساتھ جس کا نام تکرکری تھا' اس کا تنازعہ تھا۔ یہ لوگ ان کی صلح کرانے جاتے تھے۔ میں بھی ایک بدرقہ لے کر وہاں گیا۔ یہ لوگ جو پہلے گئے تھے انہوں نے بادشاہ کو میرے آنے کی خبر دی۔ وہ میری ملاقات کو بے زین کے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ یہ لوگ گھوڑے پر زین نہیں رکھتے فقط ایک بستر سرخ رنگ کا نہایت خوبصورت گھوڑے کی پیٹھ پر بجائے زین کے ڈال لیتے ہیں اور بادشاہ ایک چادر اور پاجامہ اور عمامہ جو نیلے رنگ کے تھے پہنے ہوئے تھا اور اس کے ساتھ اس کے بھانجے تھے۔ اس قوم میں بھانجا وارث ہوتا ہے' جب وہ آیا تو ہم تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور بادشاہ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ بادشاہ نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے کل حال سنایا۔ بادشاہ نے مجھے اپنے متعلقین میں سے ایک کے مکان میں ٹھہرا دیا اور گوسفند کی بھنی سری سیخ پر چڑھی ہوئی میرے لیے بھیجی اور گائے کے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ ہمارے مکان کے متصل ہی اس کی ماں اور بہن کا گھر تھا۔ وہ دونوں ہمارے پاس آئیں اور ہمیں سلام کیا۔ اس کی ماں میرے لیے رات کو دودھ بھیجا کرتی تھی۔ وہ رات کو دودھ دوہتے ہیں اور اس وقت اور دوسرے دن صبح کو دودھ پیا کرتے ہیں۔ اناج بالکل نہیں کھاتے اور نہ اناج کو جانتے ہیں۔ میں ان کے پاس چھ دن ٹھہرا۔ وہ بادشاہ میرے لیے ہر روز دو مینڈھے بھنے ہوئے' ایک

صبح کو اور ایک شام کو بھیجا کرتا تھا اور ایک اونٹنی اور دس مثقال سونا مجھے رخصت کے وقت دیا۔ وہاں سے رخصت ہو کر میں واپس تکدا کے شہر میں آیا۔

(۴) وطن کی طرف واپسی

جب میں تکدا میں واپس گیا تو محمد بن سعید جلاسی کا ایک غلام آیا اور امیر المومنین کا خط لایا جس میں مجھے حکم تھا کہ میں دار الخلافہ میں حاضر ہو جاؤں۔ میں نے فرمان کو بوسہ دیا اور فوراً حکم کی تعمیل شروع کی۔ ایک ثلث اور سینتیس (۳۷) مثقال سونے میں میں نے دو اونٹ اپنی سواری کے لیے خریدے اور تواتت (۳۰) کی جانب چل پڑا۔ ستر دن کا زاد راہ اپنے ساتھ لیا کیونکہ تکدا اور تواتت کے درمیان کچھ اناج نہیں ملتا ہے۔ فقط گوشت اور دودھ اور گھی کپڑوں کے عوض میسر آسکتا ہے۔ میں تکدا سے جمعرات کے دن شعبان کی گیارھویں کو ایک بڑے قافلہ کے ساتھ چلا۔ اس قافلہ میں جعفر تواتی بھی تھا۔ یہ شخص بڑا فاضل عالم ہے اور ہمارے ساتھ فقیہ محمد بن عبداللہ تکدا کا قاضی بھی تھا۔ اس قافلہ میں چھ سو کے قریب لونڈیاں تھیں۔ وہاں سے ہم کاہر کے شہر میں پہنچے جو کرکری کے سلطان کا علاقہ ہے۔ اس ملک میں جڑی بوٹی بہت ہوتی ہے۔ یہاں لوگ بربروں سے بکریاں خریدتے ہیں اور ان کا گوشت سکھا کر تواتت لے جاتے ہیں۔ وہاں سے چل کر ہم صحرا (۳۰) میں داخل ہوئے۔ تین روز تک کوئی آبادی نہیں تھی اور نہ پانی مل سکتا ہے۔ اس کے بعد پندرہ دن اور صحرا میں چلے۔ وہاں پانی مل سکتا ہے لیکن آبادی نہیں۔ پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو رستے ہو جاتے ہیں۔ ایک رستہ تواتت کو جاتا ہے اور دوسرا غاٹ ہو کر مصر کو۔ یہاں پانی کے تالاب ہیں۔ یہ پانی لوہے کی کان میں سے گزر کر آتا ہے۔ اگر سفید کپڑا اس میں دھویا جاوے تو سیاہ ہو جاتا ہے۔ وہاں سے دس دن سفر کر کے ہکار میں پہنچے۔ یہاں کے باشندے بھی بربر ہیں اور منہ ڈھکا ہوا رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اچھے نہیں ان کا ایک سردار ہمیں ملا اس نے قافلہ کو روک لیا اور جب تک کپڑے اور مال نہ لے لیا آگے نہ جانے دیا۔ ہم ان کے ملک میں رمضان کے مہینے میں پہنچے۔ یہ لوگ رمضان کے مہینے میں رستہ نہیں لوٹتے اور قافلوں کو کچھ نہیں کہتے اور اگر کوئی چور بھی رستے میں مال پڑا ہوا پاتا ہے تو اس کو نہیں اٹھاتا۔ یہی حال کل بربر لوگوں کا ہے جو اس رستے پر رہتے ہیں۔ ہکار کے ملک میں ہم برابر ایک مہینے تک سفر کرتے رہے۔ اس میں جڑی بہت کم ہے اور پتھر بہت زیادہ ہیں۔ رستہ بڑا کٹھن ہے۔ عید کے دن ہم بربروں کے ملک میں پہنچے یہ بھی منہ ڈھکا رکھتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ہمارے ملک کا حال سنایا اور بتلایا کہ بنی خراج اور بنی جمہور باغی ہو گئے ہیں اور تواتت کے علاقہ میں تسابیت میں مقیم ہیں۔ قافلہ والوں کو یہ خبر سن کر اندیشہ ہوا۔ پھر ہم بودا میں پہنچے یہ تواتت کے ملک کا ایک بڑا گاؤں ہے۔ وہاں کی زمین ریگستان اور شور ہے اور کھجور بہ کثرت ہوتی ہے مگر اچھی نہیں ہوتی۔ لیکن وہاں کے لوگ اس کو سجلماسہ کی کھجور سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ نہ وہاں غلہ ہوتا ہے نہ وہاں گھی ہوتا ہے نہ تیل۔ یہ چیزیں وہ مغرب کے ملک سے لاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے کھجور اور ٹڈی پر گزارہ کرتے ہیں۔ ٹڈی بکثرت ہوتی ہے۔ اس کے کوٹھے بھر لیتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں۔ صبح سے پہلے اس کو پکڑتے ہیں کیونکہ وہ رات کے وقت سردی کے سبب سے اڑ نہیں سکتی۔ بودا میں ہم نے کئی دن تک قیام کیا۔ وہاں سے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا اور ذی قعدہ کے وسط میں سجلماسہ کے شہر میں پہنچ گیا اور وہاں سے ذی الحج کی دوسری تاریخ کو چلا۔ یہ سخت جاڑے کا موسم تھا۔ رستے میں برف نہایت کثرت سے پڑی۔ برف کی کثرت اور سخت رستے میں نے سمرقند اور بخارا اور خراسان اور ترکستان میں دیکھے تھے لیکن ام جنیبہ کا رستہ وہاں سے زیادہ دشوار گزار پایا۔ عید الاضحیٰ کی رات ہم دار الطمع میں پہنچے۔ عید کے دن میں وہاں ٹھہرا۔ وہاں سے چل کر پھر دار الخلافہ فاس میں پہنچا اور امیر المومنین کی دست بوسی اور زیارت کا فخر حاصل کیا اور یہ دور دراز سفر کر کے اس کے سایہ عاطفت میں قیام کیا۔ خدا تعالیٰ اس کا سایہ ہم لوگوں پر تا دیر سلامت رکھے۔

تمت بالخیر



یہ سفرنامہ یہاں ختم ہوا اور اس کی تحریر سے آج ۳ر ذی الحجہ ۷۵۶ ہجری میں فراغت حاصل ہوئی۔ (ابن بطوطہ)

ابن بطوطہ کی کتاب سے یہ سفرنامہ خلاصہ کیا گیا اور ۷۵۷ ہجری میں ختم ہوا۔ (ابن جزی)

العبد المذنب محمد حسین بن مولوی سیف الرحمٰن بن مولوی محمد اسمٰعیل صدیقی نے ۶ر رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو جلد دوم کا ترجمہ ختم کیا۔ "جلد دوم از عجائب الاسفار ختم شد" اس کے ختم ہونے کی تاریخ ہے۔

حوالہ جات

(۱) مثقال۔ ۴ ماشہ کا ہوتا ہے اور دینار بھی تقریباً اسی قدر سونا ہوتا ہے۔

(۲) ابولاتن۔ زمانہ حال کے نقشوں میں یہ جگہ صحرا میں واقع ہے اور اس کا نام ولاتہ لکھا ہے۔

(۳) اباضیہ۔ اباضیہ خارجیوں کا ایک فرقہ ہے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خارجی کے لفظ پر بحث کی جائے اور خوارج کے تاریخی حالات اور عقاید سے آگاہ کیا جائے۔

خارجی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو اس امام برحق کی بیعت سے جس پر جماعت نے اتفاق کرلیا ہو نکل جائے خواہ اس نے اصحابیوں کے وقت میں خلفائے راشدین میں سے کسی پر خروج کیا ہو یا تابعین کے وقت میں امام متفق علیہ کے خلاف یا کسی اور وقت میں امام وقت کے خلاف جب جنگ صفین کے وقت امیر معاویہ کے طرفدار شکست کھا کر بے دل ہوگئے تھے اور انہوں نے پیغام دیا تھا کہ جو کچھ مسلمان کتاب اللہ کے مطابق علی اور معاویہ میں فیصلہ کر دیں گے ہمیں منظور ہوگا اور امیر معاویہ نے یہ تجویز منظور کرلی تھی لیکن حضرت علی یہ سمجھتے تھے کہ یہ حیلہ ہے اور معاویہ کی غرض فقط فرصت حاصل کرنا ہے کہ اپنی قوت کو ازسرنو تازہ کرے اس تجویز کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس وقت حضرت علی کے شیعوں میں سے تین سردار اشعث بن قیس تمیمی اور مسعود بن فدکی اور حصین بن طائی علیحدہ ہوگئے اور حضرت علی پر اعتراض کرنا شروع کیا کہ جب مخالفین اپنا فیصلہ کتاب اللہ پر چھوڑتے ہیں تو اس سے بہتر کون سی بات ہے۔ حضرت علی نے بہت کچھ سمجھایا کہ جو کچھ کتاب اللہ کا حکم ہے میں تمہاری بہ نسبت اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور دھمکانے لگے کہ اگر تم تحکیم یعنی اس ثالثی پر راضی ہوگئے اور مالک بن اشتر نخعی کو لڑائی سے واپس نہ بلاؤ گے تو ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو ہم نے عثمان کے ساتھ کیا تھا۔ آخر حضرت علی مجبور ہو کر تحکیم پر راضی ہوگئے اور مالک بن اشتر کو واپس بلا لیا اور ارادہ کیا کہ اپنی طرف سے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس کو ثالث بنا کر بھیجیں لیکن پھر ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ عبداللہ بن عباس تو تمہارا اپنا ہے کسی غیر شخص کو بھیجو اور ابو موسیٰ اشعری کو بھجوایا۔ یہ لوگ سب سے اول خارجی کہلائے۔ یہ صحابی سیدھے سادھے مومن تھے دوسری طرف سے عمرو بن العاص جو نہایت چالاک تھے

آئے اور ابو موسیٰ کو دھوکہ دیکر یہ کہلوایا کہ اس نے حضرت علی کو امامت سے معزول کیا اور جس وقت اپنی باری یہ کہنے کی آئی کہ میں نے معاویہ کو معزول کیا تو بجائے معزول کرنے کے یہ کہہ دیا کہ میں نے اس کو مسلمانوں کا امام منظور کیا۔ یہ پنچایت اصل میں پنچایت نہ تھی فقط رولا تھا لیکن دونوں لشکر لڑتے لڑتے عاجز ہوگئے تھے اور مسلمانوں کی خونریزی پر ان کو افسوس آتا تھا اس لیے دونوں بہانہ ڈھونڈتے تھے کہ کسی طرح یہ خونریزی ختم ہو جائے جب حضرت علی نے یہ فیصلہ منظور نہ کیا اور ایسا کرنے میں حق ان کی جانب بھی تھا ان کے شیعوں میں سے بارہ ہزار آدمی لشکر سے علیحدہ ہوگئے اور یہ کہہ کر اگر تم امامت کو اپنا حق منجانب اللہ سمجھتے تھے تو پنچایت پر کیوں فیصلہ ڈالا تھا حضرت علی سے پھر بیٹھے۔ گویا دوسرے خارجی تھے ان کو خوارج محکمہ کہتے ہیں یعنی جو تحکیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے سردار عبداللہ بن کوہ اور عتاب بن اعور اور عبداللہ بن وہب راسبی تھے۔

ان لوگوں کے بڑے بڑے عقاید حسب ذیل تھے۔ ۱۔ حضرت علی کو برا کہتے تھے، ان کے قاتل ابن ملجم کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کا ارادہ مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کا تھا۔ ۲۔ حضرت عثمان کو برا کہتے تھے اس بناء پر کہ اس تمام خونریزی کی بنیاد ان کی بدعات تھیں جس میں انہوں نے شیخین کے خلاف عمل کیا۔ ۳۔ طلحہ و زبیر و عائشہ و عبداللہ بن عباس اور ہر ایک ایسے صحابی کو جنہوں نے ان لڑائیوں میں حصہ لیا تھا برا کہتے تھے۔ ۴۔ کہتے تھے کہ یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کا امام قریش ہی ہو یا آزاد ہو۔ ۵۔ کبیرہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں جلتا رہے گا ۶۔ زانی کو سنگسار نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ یہ حکم قرآن میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ۷۔ تقیہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور اسی لیے ان کی تعداد کم ہوتی گئی۔ ۸۔ کہتے تھے کہ مشرکوں کے بچے بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ ۹۔ اگر کوئی امام خلاف سنت کوئی کام کرے تو بغاوت کرنا فرض ہے۔ ۱۰۔ جہاد اور قتال بصورت امکان کے فرض ہے۔ پہلے پانچ اعتقاد میں تو تمام فرقے متفق ہیں اور پچھلے پانچ میں اختلاف ہے۔ ان میں سے چھ فرقے تو بڑے ہیں اور باقی شاخیں بے شمار ہیں جن کے عقاید میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ ۱۔ ازارقہ، یہ فرقہ ابو راشد نافع بن ازرق کے پیرو ہیں۔ عبداللہ بن زبیر کے وقت میں اس نے بصرہ سے خروج کیا۔ ۲۔ نجدات حازریہ نجدہ بن عامر کے پیرو ہیں۔ یمامہ کے ملک سے ازارقہ کے ساتھ خروج کیا۔ ۳۔ ثعالبہ، یہ فرقہ ثعلبہ بن عامر کے پیرو ہیں۔ ۴۔ صفریہ، زیاد بن اصفر کے پیرو ہیں۔ ۵۔ عجاردہ عبدالکریم بن عجرد کے پیرو تھے۔ ۶۔ اباضیہ، یہ فرقہ عقاید میں اوروں کی

یہ نسبت ذرا نرم تھا اس کا بانی عبداللہ بن اباض مروان بن محمد آخری خلفائے بنی امیہ کے وقت میں ظاہر ہوا تھا۔

زمانہ حال میں خارجی زیادہ تر عمان یعنی عرب کے جنوبی اور مشرقی ساحل پر اور زنگبار میں پائے جاتے ہیں۔ مسقط ان کا دارالخلافہ ہے۔

(۴) یہ بات کہ صحرائے افریقہ سے پرے جنوب میں ایک بڑا دریا ہے جو حبشیوں کے ملک میں بہتا ہے بطلیموس صاحب مجسطی سے پہلے بھی معلوم تھی یہ بھی ان کو معلوم تھا کہ وہ مغرب سے مشرق کی جانب بہتا ہے بطلیموس کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دریا افریقہ کے مغرب سے نکل کر مشرق کی جانب بہتا ہے لیکن اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ سمندر میں کس جگہ جا کر گرتا ہے اور اس لیے اس نے اس دریا کو سوڈان کے وسط میں ختم کر دیا۔ مصر کے نیل کی بابت اس کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جبل قمر میں سے خط استوا کے قریب نکلا ہے اور اس لیے بطلیموس تک یہ علم درست تھا کہ سوڈان کا نیل یعنی نائیجر (وہ نیل کا ہم معنی ہے) اور مصر کے نیل علیحدہ علیحدہ دریا ہیں۔ لیکن اس کے بعد ادریسی اور اہل اطالیہ کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ سوڈان کا نیل یعنی نائیجر اور مصر کا نیل ایک ہی دریا ہے۔ یہی غلط خیال ابن بطوطہ کے دل میں تھا اگرچہ وہ نائیجر تک پہنچ گیا تھا لیکن چونکہ وہ مالی کی سلطنت دیکھ کر گوگو سے آگے نہ گیا اس لیے معلوم نہ کر سکا کہ یہ دریا کہاں جا کر گرتا ہے اس نے اس وقت کے عام خیال کے مطابق نائیجر اور نیل کو ایک ہی دریا قرار دیا ہے اور لیکی کے نقشہ سے جو ۱۸۵۳ء کا بنا ہوا ہے اس خیال کی تائید ہوئی۔ ادریسی نے اس نیل کو دونوں طرف سمندر سے ملا دیا ہے اور اس طرح سے تین دریاؤں کو یعنی نائیجر اور نیل اور سنی گال کو ایک بنا دیا ہے اس غلطی کو منگو پارک نے جو ایک سکاٹ لینڈ کا رہنے والا سیاح تھا اور ۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۵ء تک اس نے تین دفعہ سوڈان میں سفر کیا اول ہی اول رفع کیا اور ثابت کر دیا کہ نائیجر مغرب سے مشرق کی طرف بہہ کر اور ایک خم بنا کر جنوب کے رخ ہو لیتا ہے اور وہ اخیر سفر میں بوسا میں مارا گیا لیکن اس وقت تک یہ خیال رہا کہ نائیجر اور کانگو ایک ہی دریا ہے لیکن ۱۸۰۸ء میں ایک جرمنی کے باشندہ ریچارڈ نے یہ قیاس کیا کہ نائیجر ساحل گنی میں سمندر میں شامل ہوتا ہے۔ ۱۸۱۶ء میں انگلستان کی طرف سے دو سیاح گورنمنٹ کے خرچ سے بھیجے گئے۔ ٹوکے تو دریائے کانگو کی طرف اور میجر پیڈی نے نائیجر کی جانب یہ دونوں ناکامیاب رہے۔ ۱۸۲۱ء میں کلے پرٹن نے تمام عربی مورخوں اور سیاحوں اور تاجروں کی کتابوں کا دل لگا کر مطالعہ کیا اور ایک کتاب لکھی جس میں ثابت کیا کہ نہ تو مصر کا نیل اور سوڈان کا نیل یعنی نائیجر ایک دریا ہیں۔ وہ اور کانگو علیحدہ علیحدہ دریا ہیں اور نائیجر صحرا میں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ جنوب کی طرف جا کر سمندر میں داخل ہوتا ہے۔ اس نے اپنے گھر بیٹھ کر اصل حقیقت کو معلوم کر لیا۔ لیکن فقط قیاس سے کام چلنا مشکل تھا۔ کپتان کلے پرٹن نے طرابلس کی طرف سے صحرا کے عبور کرنے کا ارادہ کیا اور اکتوبر ۱۸۲۲ء میں وہ مرزک میں پہنچا۔ ۱۸۲۳ء میں وہ جھیل چاڈ پر جا پہنچا اور وہاں سے بورنو پہنچا اور وہاں سے سکوٹو لیکن یہاں سے تین سال کے سفر کے بعد وہ طرابلس کو واپس ہو گیا اور ۱۸۲۵ء میں گورنمنٹ نے پھر کلے پرٹن کو بھیجا۔ اس دفعہ کلے پرٹن نے سمندر کے ساحل پر لاگوس سے ... کی طرف سفر شروع کیا اور وہ بوسا میں پہنچ کر اور نائیجر سے پار ہو کر سوکوٹو میں پہنچا اور ۱۸۲۷ء میں وہاں مر گیا اس کے ساتھ لانڈر ایک شخص تھا وہ واپس انگلستان کو چلا آیا۔ اب تک یہ پتہ نہ لگا کہ نائیجر کہاں ختم ہوتا ہے گورنمنٹ نے کوشش چھوڑ دی۔ ۱۸۳۰ء میں لانڈر نے اپنے آقا کے کام کو پورا کرنے کا ارادہ کیا اور لاگوس سے چل کر پھر بوسا میں پہنچا وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر دریا کے رستے ہو لیا۔ اور آخر کار ۱۸۳۰ء میں وہ سمندر میں جا پہنچا اور نائیجر کا معما حل ہو گیا۔

(۵) مالی۔ ادریسی اور اس کے بعد کے تمام نقشوں میں مالی کا نشان نائیجر کے جنوب میں ٹمبکٹو کے جنوب میں دیا گیا ہے لیکن حال کے نقشوں میں اس نام کا کوئی ملک نہیں۔ اگرچہ بورنو اور سونگھے میں اسلام ۱۰۰۰ء کے قریب داخل ہو گیا تھا لیکن مالی تک وہ تیرھویں صدی کے اخیر میں پہنچا ہے۔ سونگھے کی سلطنت نے سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں بڑا عروج حاصل کیا اور جھیل چاڈ سے لے کر بحر اوقیانوس تک جو چودہ سو میل کا فاصلہ ہے اور موسیٰ قوات تک جو ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے ایک سلطنت قائم ہو گئی۔ اس وقت سونگھے کا بادشاہ حاجی محمد اسکیا تھا۔ اس کا دارالخلافہ گوگو تھا اس نے مسجدیں اور مدرسے جا بجا قائم کیے لیکن یہ سلطنت ۱۵۹۱ء میں مراکو کے سلطان مولانا حامد کے حملہ سے تباہ ہو گئی مشرق کی طرف بورنو کی سلطنت میں گیارھویں صدی کے اخیر میں ونامہ بن ہوی نے اسلام اختیار کیا۔ ونامہ سلماں کے وقت تیرھویں صدی کے وسط میں اس سلطنت نے بڑا عروج حاصل کیا بورنو کے بادشاہ بھی تہذیب اور توحید کے پھیلانے میں بہت ساعی رہے۔ ۱۴۷۲ء میں علی بادشاہ ہوا اور ادریس علامہ کے وقت میں ۱۵۷۱ء سے ۱۶۰۳ء تک یہ سلطنت بہت وسیع ہو گئی اور اسلام کی اشاعت خوب ہوئی۔ لیکن مالی کی سلطنت ان دونوں سلطنتوں سے

زیادہ قدیم تھی۔

(۶) شقراق - عربی زبان میں کوئی لغت نہیں۔ شقراق بے شک ایک پرندہ ہوتا ہے جس کا ذکر قزوینی اور دمیری مصنف حیات الحیوان دونوں نے کیا ہے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ اس کو فارسی میں کاسکینہ کہتے ہیں اس کا رنگ سبز یا زرد اور چونچ سرخ ہوتی ہے وہ محال کی مکھی کو اور اس کے شہد کو کھا جاتا ہے۔ حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ وہ کبوتری کے برابر ہوتا ہے اس پر سبز اور سرخ اور سیاہ نقش ہوتے ہیں جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ کوے کی ایک قسم ہے۔ بڑا حریص ہوتا ہے اور پرندوں کے بچے نکال کر لے جاتا ہے صاحب مخزن نے لکھا ہے اس کو ہندی میں لٹورا اور اہل اصفہان اس کو سبز قبا کہتے ہیں۔

(۷) دریائی گھوڑا (خیل البحر) - یہ ایک چرندہ ہوتا ہے۔ سور سے زیادہ تر مشابہ ہوتا ہے۔ پاؤں چھوٹے اور موٹے۔ دم چھوٹی اور سر بڑا اور مربع اور کان چھوٹے ہوتے ہیں۔ طول میں سترہ فٹ لمبا ہوتا ہے۔ بال نہیں ہوتے لیکن دم کے اخیر میں کچھ بال ہوتے ہیں۔ یہ جانور افریقہ کا باشندہ ہوتا ہے پانی میں بہت خوش رہتا ہے لیکن باہر زمین پر چرتا ہے۔

(۸) آدم خور حبشی جو کچھ ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے اس کے مطابق یہ لوگ کوئی کافروں کی قوم ہے جیسے زولو وغیرہ۔

(۹) ٹمبکٹو - گیارہویں صدی عیسوی کے اخیر میں صحرا کے باشندوں نے اس شہر کو بطور تجارت گاہ کے آباد کیا اس کے دو سو برس بعد وہ مالی کے سلطان کے قبضہ میں آگیا اور اس کی حمایت میں طرابلس مصر۔ مراکو اور سوڈان کی تجارت کا مرکز بن گیا۔ یہ شہر کبھی کسی سلطنت کا دارالخلافہ نہیں رہا لیکن تجارت کی منڈی کے لحاظ سے ہمیشہ مشہور رہا ہے جب سونگھے کی سلطنت کو عروج ہوا یہ شہر اس سلطنت میں داخل ہوا۔ اس سلطنت کے تنزل کے بعد وہاں اہل مراکو کی ایک سلطنت قائم ہوگئی جو تھوڑے سے دن رہی۔ اب بیس پچیس ہزار کے قریب آبادی ہے اور فرانسیسیوں نے اپنا کچھ اثر وہاں تک جا ڈالا ہے۔

(۱۰) مسوفہ - یہ عرب کی بھی قدیم رسم تھی کہ کپڑے سے چہرے کو منہ تک ڈھکا رکھتے تھے اور فقط ناک اور آنکھیں کھلی رہتی تھیں بعض ناک کو بھی ڈھک لیتے تھے فقط آنکھیں کھلی رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ رسم صحرا کے سموم کی حرارت سے بچنے کے لیے اختیار کی گئی ہوگی۔ یہ لوگ ملثمین کہلاتے ہیں منگو پارک نے ایک قوم فولا کا حال لکھا ہے جو تمام سوڈان میں پھیلی ہوئی ہے وہ کسی غیر ملک سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے خدوخال حبشیوں سے نہیں ملتے اور خوبصورت ہوتے ہیں چنانچہ ابن بطوطہ نے بھی لکھا ہے کہ مسوفہ کی عورتیں نہایت خوبصورت ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کا معمولی پیشہ اونٹ اور بکری چرانے کا تھا اور وہ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں جب اسلام صحرا سے عبور کر گیا اور سوڈان میں داخل ہوا تو مسلمان ہوگئے تھے۔ انہوں نے پچھلی صدی میں تعلیم اور اسلام اور تہذیب کے پھیلانے میں نہایت کوشش کی ہے اور یہ ان ہی کی بااحسن کوشش کا نتیجہ ہے کہ تقریباً کل سوڈان کے حبشی مہذب اور مسلمان ہوتے جاتے ہیں اور اس کے برخلاف مغربی ساحل کے لوگ جن پر اہل یورپ کا اثر ہوا ہے وہ شراب پی پی کر نیست ہوتے جاتے ہیں۔ عثمان نے جو پہلے ایک معلم تھا اور جس کا انتقال ۱۸۱۷ء میں ہوا ہے ایک عظیم الشان سلطنت جو جھیل چاڈ سے بحر اوقیانوس کے کنارہ تک تھی پیدا کی تھی اور اس نے اہل سوڈان میں توحید اور تہذیب پھیلانے میں دنیا کی شائستگی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اب اس کی اولاد سوکوٹو وغیرہ تین چار سلطنتوں میں حکومت کرتی ہے۔

(۱۱) ابن جوزی۔ آپ کا نام شمس الدین عبدالرحمان بن حسن جوزی ہے۔ آپ کی تصنیفات بے شمار ہیں کہتے ہیں کہ اگر ان کی کل تصنیفات کو ان کی تمام عمر پر تقسیم کیا جائے تو روزانہ نو جزو ہوتے ہیں یہ کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے جس زمانہ میں حدیثیں لکھی تھیں اور لکھنے کے لیے قلم بناتے تھے اس کے تراشہ جمع کرتے جاتے تھے اور مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے غسل کے لیے پانی ان سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ جب پانی گرم کیا گیا تو کچھ تراشے باقی رہ گئے تھے۔ آپ شیخ سعدی شیرازی کے استاد تھے۔ آپ کی ولادت ۵۱۰ھ اور وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔ آپ نسب میں صدیقی تھے۔ آپ کی تصنیفات میں سے منتظم تاریخ میں حبر تفسیر میں۔ موضوعات حدیث میں لقط المنافع طب میں۔ بغداد میں باب حرب کے باہر آپ کی قبر ہے۔

(۱۲) مد - حجاز میں ڈیڑھ رطل کا ہوتا ہے اور عراق میں پورے ایک سیر پختہ کا ہوتا ہے صاع کا چوتھا حصہ ہے۔

(۱۳) توات اور صحرا - یہ صحرا دریائے نیل سے شروع ہوتا ہے اور بحر اوقیانوس کے کنارے تک چلا گیا ہے۔ اس کا طول تین ہزار میل ہے۔ شمال میں بربر اور جنوب میں سوڈان کے علاقے ہیں۔ عرض ایک ہزار میل سے زیادہ نہیں۔ دنیا بھر میں اس سے بڑا کوئی صحرا نہیں۔ اس کے کناروں پر کھجور کے درخت ہیں اور صحرا میں سوا کسی کسی مقام کے جن کو واہ کہتے ہیں پانی اور سبزی کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ توات اور غدامس کے واہ بہت مشہور ہیں۔ اونٹ اور ہرن اور شتر مرغ کے سوا اور کوئی جانور صحرا میں نہیں ہوتا۔ گوند اور کھجور واہوں میں اور نمک صحرا میں پیدا ہوتا ہے۔

(ختم شد)

لکھا ہے کہ صوفہ کی عورتیں نہایت خوبصورت ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کا مشغلہ پیشہ اونٹ اور بکری چرانے کا تھا اور وہ دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں جب اسلام صحرا سے عبور کر آیا اور سوڈان میں داخل ہوا تو مسلمان ہوگئے تھے۔ انہوں نے پچھلی صدی میں تعلیم اور اسلام اور تہذیب کے پھیلانے میں نہایت کوشش کی ہے اور یہ ان ہی کی باحسن کوشش کا نتیجہ ہے کہ تقریباً کل سوڈان کے حبشی مہذب اور مسلمان ہوتے جاتے ہیں اور اس کے برخلاف مغربی ساحل کے لوگ جن پر اہل یورپ کا اثر ہوا ہے وہ شراب پی پی کر نیست ہوتے جاتے ہیں۔ عثمان نے جو پہلے ایک معلم تھا اور جس کا انتقال ۱۸۱۷ء میں ہوا ہے ایک عظیم الشان سلطنت جو جھیل چاڈ سے بحراوقیانوس کے کنارہ تک تھی پیدا کی تھی اور اس نے اہل سوڈان میں توحید اور تہذیب پھیلانے میں دنیا کی شائستگی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اب اس کی اولاد سوکوٹو وغیرہ تین چار سلطنتوں میں حکومت کرتی ہے۔

(۲) ابن جوزی۔ آپ کا نام شمس الدین عبدالرحمان بن حسن جوزی ہے۔ آپ کی تصنیفات بے شمار ہیں کہتے ہیں کہ اگر ان کی کل تصنیفات کو ان کی تمام عمر پر تقسیم کیا جائے تو روزانہ نو جزو ہوتے ہیں یہ کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے جس زمانہ میں حدیثیں لکھی تھیں اور لکھنے کے لیے قلم بناتے تھے اس کے تراشے جمع کرتے جاتے تھے اور مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے غسل کے لیے پانی ان سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ جب پانی گرم کیا گیا تو کچھ تراشے باقی رہ گئے تھے۔ آپ شیخ سعدی شیرازی کے استاد تھے۔ آپ کی ولادت ۵۱۰ھ اور وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔ آپ نسب میں صدیقی تھے۔ آپ کی تصنیفات میں سے منتظم تاریخ میں حیز تفسیر میں۔ موضوعات حدیث میں لقط المنافع طب میں۔ بغداد میں باب حرب کے باہر آپ کی قبر ہے۔

(۳) مد۔ حجاز میں آدھا رطل کا ہوتا ہے اور عراق میں پورے ایک سیر پختہ کا ہوتا ہے صاع کا چوتھا حصہ ہے۔

(۴) ودان اور صحرا۔ یہ صحرا دریائے نیل سے شروع ہوتا ہے اور بحراوقیانوس کے کنارے تک چلا گیا ہے۔ اس کا طول تین ہزار میل ہے۔ شمال میں بربر اور جنوب میں سوڈان کے علاقے ہیں۔ عرض ایک ہزار میل سے زیادہ نہیں۔ دنیا بھر میں اس سے بڑا کوئی صحرا نہیں۔ اس کے کناروں پر کھجور کے درخت ہیں اور صحرا میں سوا کسی کسی مقام کے جن کو واہ کہتے ہیں پانی اور سبزی کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ ودان اور غدامس کے واہ بہت مشہور ہیں۔ اونٹ اور ہرن اور شتر مرغ کے سوا اور کوئی جانور صحرا میں نہیں ہوتا۔ گوند اور کھجور واہوں میں اور نمک صحرا میں پیدا ہوتا ہے۔

(ختم شد)